

عام فہم اردو تفسیر

آوار الہیات

فی کشف اسرار القرآن

سُلیس اور عام فہم زبان میں اردو کی سب سے پہلی مفصل اور جامع تفسیر، تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، دلنشین انداز میں احکام و مسائل اور مواعظ و نصائح کی تشریح، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر وحدیث اور کتب فقہ کے حوالوں کیساتھ

مدظلہ العالی
محقق العصر محمد عاشق الہی مہاجر مدنی
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی مہاجر مدنی

ادارۃ تالیفات اشرفیہ

بیرون پوهنگیٹ فلانات شہر 540513

جدید کمپیوٹر ایڈیشن

عام فہم اُردو تفسیر

الانوار الہی

فی کشف أسرار القرآن
جلد اول

سلیس اور عام فہم زبان میں اُردو کی سب سے پہلی مفصل اور جامع تفسیر
تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحديث کا خصوصی اہتمام
دانشین انداز میں احکام و مسائل اور مواظظ و نصائح کی تشریح
اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر وحدیث اور کتب فقہ کے حوالوں کیساتھ

محقق العصر
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی مہاجر مدنی

ادارۃ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملت ان پکستان فون: 4540513-4519240



نام کتاب انوار البیان

تاریخ اشاعت..... شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
ناشر..... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت..... سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں
کسی بھی طریقہ سے اس کی اشاعت غیر قانونی ہے

قانونی مشیر

محمد اکبر ساجد

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گزارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزا اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ..... چوک نوارہ..... ملتان

مکتبہ سید احمد شہید..... اردو بازار..... لاہور
مکتبہ علمیہ..... اکوڑہ خٹک..... پشاور
اسلامی کتاب گھر..... خیابان سرسید..... راولپنڈی
دارالاشاعت..... اردو بازار..... کراچی
مکتبہ رشیدیہ..... سرکی روڈ..... کوئٹہ
مکتبہ دارالاعلام..... قصہ خوانی بازار..... پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTER) BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

مکتبہ
علمیہ



عرض نامشر

الحمد للہ ”انوار البیان“ کی پہلی جلد جدید طباعت کے بعد یہ آپ کے سامنے ہے۔
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی صاحب رحمہ اللہ کی مدینہ منورہ میں لکھی گئی وہ مقبول
عام تفسیر ہے جس کی اوّل مکمل اشاعت کی توفیق سے اللہ پاک نے ادارہ تالیفات
اشرفیہ کو نوازا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

اس کے گذشتہ ایڈیشن میں عربی عبارات کا ترجمہ کیا گیا تھا۔ جس کے بارہ میں علماء کرام کی
مشاورت سے یہ طے پایا کہ ان عربی عبارات کے تراجم کو حذف کر دیا جائے جس کی پہلی وجہ یہ کہ یہ
عبارات محض حوالہ جات کے طور پر لکھی گئی ہیں جن کا ما حاصل خود تفسیر میں آچکا ہے اور دوسری وجہ کہ
جب خود حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان کا ترجمہ نہیں کیا تو بہتر یہی ہے کہ ان تراجم کو حذف ہی
کر دیا جائے۔ ان وجوہات کی بنا پر اس جدید ایڈیشن میں ایسے تراجم حذف کر دیئے گئے ہیں۔

اللہ پاک ادارہ کی اس سعی کو شرف قبولیت سے نوازیں اور ہم سب کو قرآن
وحدیث کی خدمت اور اس پر عمل کی توفیق سے نوازیں۔ (آمین)

واللہ

مُحَمَّدُ اسْحَاقُ عَفِیْ عَنْہُ

(شوال المکرم ۱۴۳۳ھ اگست ۲۰۱۳ء)

مختصر حالات

حضرت مولانا مفتی عاشق الہی بلند شہری ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ ان علماء ربانین میں سے تھے جن سے دین کی صحیح رہنمائی ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود آپ میں تعلیٰ تو کیا خود نمائی کا شائبہ تک بھی نہ تھا۔ اور اسی کی برکت ہے کہ آپ کی تصانیف مقبول عام ہیں۔

زندگی کے آخری دور کی تصنیف تفسیر انوار البیان (نوجلد) جو آپ کی زندگی ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے چھپ کر مقبول عام ہو چکی ہے جس کو آپ نے مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں رہ کر لکھا۔ آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالرحمن کوثر بتلاتے ہیں کہ جب تفسیر کا کام ہو رہا تھا تو میں نے خواب میں اس طرح دیکھا کہ جیسے جیسے تفسیر کا کام مکمل ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو رہی ہے۔

آپ کی عربی، اردو تصانیف کی تعداد تقریباً سو ہے۔ ایک پرانے بزرگ سے سنا ہے کہ مولانا کا جن دنوں دہلی میں قیام تھا تو مولانا کی بے سروسامانی کا یہ حال تھا کہ ائمہ مساجد (احباب) کے پاس تشریف لے جاتے تو خاموشی سے خشک روٹیوں کے ٹکڑے اکٹھے کر لاتے اور پھر ان کو بھگو کر انہیں پر گزارہ کرتے۔ ان حالات میں بھی استغناء برقرار رکھا اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلا یا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الفقیر فخری کا نمونہ تھے۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری چھبیس برس مدینہ منورہ میں گزارے آپ کو جنت البقیع میں دفن ہونے کا بہت ہی شوق تھا اسی لئے آپ حجاز سے باہر نہیں جاتے تھے اور اپنی علالت کے بعد تو وہ اس میں بہت ہی احتیاط فرماتے تھے۔

آپ کا انتقال پر ۱۳ مال ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ کو ہوا روزہ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے مسنون طریقہ پر سوئے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالم راحت و امن میں چلے گئے۔ نماز تراویح کے بعد مسجد نبوی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور آپ کی خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی کہ آپ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مدفن ملا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ۔

یا اللہ! ہم سب کو بھی ایمان کے ساتھ جنت البقیع کا مدفن نصیب فرما۔ آمین

میرے چھوٹے بھائی عزیز القدر حافظ محمد عثمان سلمہ کو آپ کی نماز جنازہ میں شرکت نصیب ہوئی۔ دوسرے روز اس کو خواب میں حضرت مولانا کی زیارت ہوئی تو عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو گئے؟ آپ نے سر ہلا کر جواب دیا کہ ہاں راضی ہو گئے ہیں اور مجھے آرام کرنے کا حکم ہوا ہے علماء نے اس کی تعبیر یہ بتلائی کہ یہ راحت سے کنایہ ہے۔ اللہ پاک حضرت مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے، اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

احقر محمد اسحاق عفی عنہ

اظہار تشکر

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ

مبسملاً و محمداً و مصلیاً و مسلماً

تفسیر انوار البیان جب احقر نے لکھنی شروع کی تھی بظاہر کوئی انتظام اس کے شائع ہونے کا نہ تھا۔ بعض ناشرین سے اس کی اشاعت کے لئے درخواست کی تو عذر پیش کر دیا۔ احقر کی کوشش جاری رہی حتیٰ کہ حافظ محمد اسحاق صاحب دام مجدہم مالک ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کی خدمت میں معروض پیش کی تو وہ بشاشت قلب کے ساتھ پوری طرح اس کی اشاعت کے لئے راضی ہو گئے احقر نے مسودہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جس کی انہوں نے کتابت شروع کرادی اور کتابت، تصحیح اور طباعت کے مراحل سے گزر کر جلد دوم جلد ہی شائع ہو گئی جو ناظرین کے سامنے ہے، یہ حافظ صاحب موصوف کی مسلسل محنت اور جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور انہیں دنیا اور آخرت کی خیر نصیب فرمائے اور ان کے ادارہ کو بھی بھرپور ترقی عطا فرمائے۔

افریقہ کے بعض احباب نے تفسیر کی کتابت کے لئے بھرپور رقم عطا فرمائی (جو اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے) اللہ جل شانہ ان سے راضی ہو جائے اور ان کے اموال میں برکت عطا فرمائے۔ اور انہیں اور ان کی اولاد کو اعمال صالحہ کی توفیق دے اور رزق حلال وسیع نصیب فرمائے۔ ان کے علاوہ اور جس کسی نے بھی اس تفسیر کی اشاعت میں دامے درمے قدمے کسی قسم کی شرکت فرمائی خصوصاً وہ احباب جنہوں نے اس تالیف میں میری مدد کی اور تسوید و تمییز کے مراحل سے گزارنے میں میرے معاون بنے اور مراجعت کتب میں میرا ساتھ دیا۔ میں سب کا شکر گزار ہوں اور سب کے لئے دعا گو ہوں۔ اللہ جل شانہ ان سب کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے۔ و ما ذلک علی اللہ بھریز۔

محتاج رحمت لامتناہی

محمد عاشق الہی بلند شہری

عفا اللہ عنہ و عافاہ وجعل آخرتہ خیرا من اولاہ

تکمیل تفسیر پر حضرت مؤلف رحمہ اللہ کا مکتوب گرامی

محترمی جناب حافظ محمد اسحاق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بالعافیۃ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

انوار البیان کی آخری جلد پہنچی جو آپ نے بڑی ہمت اور محنت سے اس کی
طباعت اور اشاعت پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام تک پہنچائی۔ حسن خط، حسن
طباعت، حسن تجلید سب دیکھ کر بہت زیادہ دل خوش ہوتا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ
اشاعتیں اور زیادہ حسن و جمال کا پیکر ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ شانہ آپ کی محنت کو قبول فرمائے اور انوار البیان کو امت مسلمہ میں
قبولیت عامہ نصیب فرمائے۔ بعد کی اشاعتوں میں تصحیح کا اور زیادہ خصوصی اہتمام
فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں خیر سے نوازے اور علوم نافعہ و اعمال صالحہ
کی توفیق عطا فرمائے۔ آئندہ ہمیشہ انوار البیان کو شائع فرماتے رہیں اور امت مسلمہ
تک پہنچاتے رہیں۔ آمین! (والسلام)

محمد عاشق الہی عفا اللہ عنہ
المدینۃ المنورہ (یکم محرم الحرام ۱۴۲۱ھ)

فہرست مضامین

(سورة الفاتحة و سورة البقرة)

۳۵	قرآن مجید لاریب اللہ کی کتاب ہے	۲۱	سورة الفاتحة
۳۵	قرآن مجید متقیوں کے لئے ہدایت ہے	۲۱	متن سورة الفاتحة مع ترجمہ
۳۵	متقین کی صفات	۲۲	سورة الفاتحة کے اسماء اور فضائل
۳۶	کافروں کی گمراہی اور آخرت میں بد حالی	۲۴	تعوذ اور تسمیہ کا بیان
۳۷	منافقین کی تاریخ اور نفاق کے اسباب	۲۴	ہر سورة کے شروع میں بسم اللہ پڑھی جائے
۴۰	منافقوں کے دعوے اور ان کا طریق کار	۲۵	سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں
۴۱	منافقین نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی	۲۵	رب العلمین کا معنی اور مطلب
۴۲	منافقوں کے بارے میں دو مثالیں	۲۶	الرحمن الرحیم کا معنی
۴۳	پہلی مثال مکمل الذی استوقد ناراً	۲۷	ملک یوم الدین کی تشریح
۴۳	دوسری مثال اوکصب من السماء	۲۷	معبود اور مستعان صرف اللہ کی ذات ہے
۴۴	دعوت توحید اور دلالت توحید	۲۸	صراط مستقیم کی دعا
۴۵	رسالہ محمدیہ کی دلیل اور قرآن پاک کا اعجاز	۲۹	صراط مستقیم والے کون حضرات ہیں
۴۷	قرآن کے مقابلہ میں ہمیشہ عاجز رہیں گے	۲۹	مغضوب علیہم اور ضالین کے راستے سے بچنے کی دعا
۴۸	اہل ایمان کو جنت کی بشارت	۲۹	مغضوب علیہم اور ضالین کون ہیں
۴۹	جنت کی نعمتیں	۲۹	مسلمان غور کریں
۵۰	قرآنی مثالوں سے مؤمنین کا ایمان پختہ ہونا اور	۳۱	آمین کا معنی اور اس کی فضیلت
۵۰	منکرین کا بے جا اعتراض کرنا	۳۱	غیر مسلموں کے اس اعتراض کا جواب کہ اللہ تعالیٰ
۵۱	قرآنی مثالیں فاسقوں کے لئے گمراہی کا سبب ہیں	۳۱	نے خود اپنی تعریف کیوں کی؟
۵۱	فاسقوں کے اوصاف	۳۲	سورة فاتحہ شفا ہے
۵۳	مکرر توحید کی دعوت	۳۲	رات کو حفاظت کے لئے سورة فاتحہ پڑھنا
۵۳	ارض و سماء کی تخلیق کا بیان	۳۳	سورة البقرة
۵۵	حضرت آدم کی خلافت کا اعلان اور فرشتوں کی معروض	۳۴	فضائل سورة بقرہ حروف مقطعات کی بحث

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۷۱	بنی اسرائیل مصر میں	۵۶	حضرت آدم کو اشیاء کے نام بتا کر فرشتوں سے سوال فرمانا
۷۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور دعوت	۵۷	فرشتوں کا عجز اور اقرار
۷۲	بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا	۵۷	حضرت آدم کا علم و فضل ظاہر ہونا
۷۲	مصر سے نکل کر چالیس سال میں وطن پہنچے	۵۸	فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکاری ہونا
۷۳	یہودی مدینہ میں کب آئے	۵۸	سجدہ تعظیمی کی بحث اور اس کا حکم
۷۳	اوس اور خزرج کا مدینہ میں آ کر آباد ہونا	۵۹	ابلیس کی بدتمیزی اور بدبختی
۷۳	یہود کے قبیلوں اور اوس و خزرج میں لڑائیاں	۶۰	ابلیس کی بنی آدم سے دشمنی
۷۳	اوس اور خزرج کا اسلام قبول کرنا	۶۱	حضرت آدم اور حوا کو جنت میں رہنے کا حکم اور
۷۳	ہجرت مدینہ	//	ایک خاص درخت سے نہچنے کی ہدایت
۷۴	یہود کا عناد اور قبول حق سے انحراف	۶۲	حضرت آدم اور حواء کو شیطان کا بہکانا اور جنت
۷۴	بنی اسرائیل کو انعامات کی یاد دہانی	۶۲	سے نکالا جانا
۷۵	بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے کی دعوت	۶۳	حضرت آدم کا توبہ کرنا اور توبہ قبول ہونا
۷۵	ولا تکونوا اول کافر یہ کی تفسیر	۶۴	ہدایت قبول کرنے والوں کے لئے انعام اور
۷۶	حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور حق کو نہ چھپاؤ	//	کافروں کے لئے دوزخ کا داخلہ
۷۷	نماز اور زکوٰۃ کا حکم	۶۴	فوائد ضروریہ متعلقہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام
۷۷	نماز باجماعت کی اہمیت	//	انسان کو خلافت ارضی کے لئے پیدا فرمایا
۷۸	مبلغ اور داعی اپنے نفس کو نہ بھولے	۶۶	علم بہت بڑی دولت ہے
۷۹	بے عمل واعظوں کی سزا	۶۶	جو علم میں بڑھ کر ہو اس کی برتری تسلیم کرنی چاہیے
۸۰	صبر و صلوٰۃ کے ذریعے مدد حاصل کرو	//	توبہ کی اہمیت اور ضرورت
۸۰	نماز کی اہمیت	//	تکبر برمی بلا ہے
۸۱	خشوع کی ضرورت	۶۸	گناہوں کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں
۸۱	خشوع والے کون ہیں	۶۹	شرم و حیا انسان کا فطری وصف ہے
۸۲	قیامت کے دن نفسا نفسی	۶۹	ہدایت قبول کرنے پر انعام
۸۲	جن کو شفاعت کی اجازت ہوگی وہی سفارش کر سکیں گے	۷۱	بنی اسرائیل کا تعارف
//	قیامت کے دن کوئی فدیہ قبول نہ ہوگا	۷۱	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن اور اولاد

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۹۵	صرف ایمان اور عمل صالح ہی مدار نجات ہیں	۸۳	مصر میں بنی اسرائیل کی مظلومیت
۹۵	خاتم النبیین ﷺ کی بعثت عامہ	۸۴	بنی اسرائیل کا سمندر پار کر کے نجات پانا اور آل فرعون کا غرق ہونا
۹۶	وحدت ادیان کا فتنہ اور اس کی تردید	//	
۹۶	یہود کی وجہ تسمیہ	۸۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا اور بنی اسرائیل کا پھڑے کی عبادت کرنا
۹۶	نصاریٰ سے کون لوگ مراد ہیں	//	
۹۷	الصائبین	۸۵	سامری سنار کا زیورات سے بچھڑا ہونا اور بنی اسرائیل کا اس کو معبود بنا لینا
۹۸	بنی اسرائیل سے پختہ عہد لینا پھر ان کا منحرف ہو جانا	//	
۹۹	یہودیوں کا سپھر کے دن میں زیادتی کرنا اور بندر بنادیا جانا	۸۶	سامری کو بددعا اور پھڑے کا انجام
//	کسی مسخ شدہ قوم کی نسل باقی نہیں رہی	۸۶	توریت ہر تریف عطا فرمانے کا انعام
//	قیامت کے قریب مسخ ہونا	//	گو سالہ پرستی کرنے والوں کی توبہ اور اس بارے میں جانوں کا قتل کرنا
//	مابین بدیہا و ما خلفھا کی تفسیر	۸۷	بنی اسرائیل کی بے جا جسارت اور دنیا میں اللہ کو دیکھنے کا سوال
۱۰۱	ذبح بقرہ کا قصہ اور یہود کی کج بخشی	//	
۱۰۴	مردہ کا زندہ ہونا ایک واقعہ اور قصہ سابقہ کا مکملہ	۸۸	میدان تیرہ میں بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کرنا اور من و سلویٰ نازل ہونا۔
۱۰۵	یہودیوں کی قلبی قساوت کا تذکرہ	//	
۱۰۵	امت محمدیہ کو حکم کہ قاسی القلب نہ بنیں	۸۹	ایک بستی میں خشوع کے ساتھ داخل ہونے کا حکم
۱۰۶	غیر ذی روح میں حیات	//	اور بنی اسرائیل کی شرارت اور اس پر عذاب آنا
۱۰۸	یہودیوں میں عناد ہے ان سے ایمان قبول کرنے کی امید نہ رکھی جائے۔	//	میدان تیرہ میں بنی اسرائیل کے لئے پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹنا
۱۰۹	یہودیوں کی منافقت	۹۱	بنی اسرائیل کا کہنا کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے ہمیں پیاز لہسن چاہئے
۱۱۰	یہودیوں کی جھوٹی آرزوئیں	//	
۱۱۰	علماء یہود کا غلط مسائل بتانا اور رشوت لینا	۹۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی
۱۱۱	یہود کی جھوٹی خوش گمانی کہ دوزخ میں صرف چند دن کے لئے جائیں گے	۹۳	یہودیوں پر زلت اور مسکنت ماردی گئی
۱۱۱	دور حاضر کے کافروں کی خوش گمانی	۹۴	یہود انبیاء کرام کو قتل کر کے عذاب الہی کے مستحق ہو گئے
۱۱۲	اصحاب الجہنہ اور اصحاب النار کون ہیں	۹۴	یہودیوں کی حکومت کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب
۱۱۳			

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۳۱	کرامت اور سحر میں فرق	۱۱۳	بنی اسرائیل سے عہد پیمان اور ان کا انحراف
۱۳۲	سحر شق بھی ہے اور کفر بھی	۱۱۵	یہودیوں کی ایک خاص خلاف ورزی کا تذکرہ
	حضرت جنید صاحبیؒ کا واقعہ	۱۱۶	مسلمانوں کو تنبیہ جو پورے دین پر عمل کر نیکو تیار نہیں
	عملیات اور تعویذ گنڈوں کا حکم	۱۱۷	یہودی بعض نبیوں کی صرف تکذیب کرتے تھے اور بعض کو قتل کرتے تھے۔
	ہاروت و ماروت اور زہرہ سیارہ کے بارے میں	۱۱۸	یہودیوں کا کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے اور اس کی تردید
۱۳۵	جو مشہور واقعہ ہے اس کی تردید	۱۱۹	یہودیوں نے عناد اور ضد کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا
	راعنا کہنے کی ممانعت اور یہودی شرارت	۱۲۱	یہودیوں کا کہنا کہ ہم توریت کے علاوہ کسی کتاب کو نہیں مانتے اور اس پر ان سے سوال
۱۳۶	لا تقولوا راعنا سے استنباط احکام	۱۲۱	یہودیوں سے عہد و پیمان اور ان کے دلوں میں
۱۳۷	یہودیوں اور مشرکوں کو یہ گوارا نہیں کہ مسلمانوں پر کوئی خیر نازل ہو	۱۲۲	چمچڑے کی محبت
۱۳۷	فسخ آیات کی حکمت	۱۲۳	یہودیوں کو دعوت مباہلہ کہ موت کی تمنا کریں
۱۳۹	بے جا سوالات کی ممانعت	۱۲۴	یہودیوں کا کفریہ قول کہ جبریل ہمارا دشمن ہے
۱۴۰	کفار چاہتے ہیں کہ تمہیں کافر بنالیں	۱۲۵	یہودیوں کی ایک جماعت ہر عہد کی خلاف ورزی کرتی رہی
۱۴۱	یہود و نصاریٰ کا قول کہ جنت میں ہم ہی جائیں گے اور اُس کی تردید	۱۲۵	آیات بینات کا انکار فاسقوں ہی کا کام ہے
۱۴۳	عند اللہ جنتی کون ہے؟	۱۲۶	اہل کتاب نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا
۱۴۴	یہود و نصاریٰ کا آپس میں نزاع اور ان کی باتوں کی تردید	۱۲۷	بابل میں جادو گروں کا زور اور یہود کا جادو کے پیچھے لگنا
۱۴۵	اللہ کی مسجدوں میں ذکر سے روکنا بہت بڑا ظلم ہے	۱۲۷	ہاروت و ماروت کے ذریعہ امتحان
۱۴۹	قبلہ کے مسائل	۱۲۹	جادو کے بعض اثرات
۱۴۹	حکمت تعیین قبلہ	۱۲۹	جادو کا اثر باذن اللہ ہوتا ہے
۱۵۰	اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد تجویز کرنے والوں کی گمراہی	۱۳۰	جادو کے اسباب خفیہ
۱۵۱	اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حلیم نہیں	۱۳۰	سحر و فرعون کا عمل
۱۵۳	جاہلوں کی باتیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا	۱۳۰	معجزہ اور سحر میں فرق
۱۵۴	حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے		
۱۵۵	یہود و نصاریٰ راضی نہیں ہو سکتے جب تک اُن		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	حفظ کی مخالفت کرنے والوں کی جہالت		کے دین کا اتباع نہ کیا جائے
۱۷۲	کتاب اور حکمت کی تعلیم	۱۵۶	مسلمانوں کو تنبیہ
۱۷۳	تزکیہ نفوس	۱۵۷	جن کو کتاب ملی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں
۱۷۴	ملت ابراہیمی سے وہی اعراض کرے گا جو احمق ہو	۱۵۸	جیسا تلاوت کا حق ہے
۱۷۵	اسلام کا معنی اور مفہوم	۱۵۸	بنی اسرائیل کو نعمتوں کی مکرر یاد دہانی
۱۷۷	دین اسلام کے علاوہ ہر دین مردود ہے	۱۵۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آزمائشوں میں پورا
۱۷۸	ملت ابراہیمی کی وصیت	۱۵۸	اُترنا اور اُن کی امامت کا اعلان
۱۷۹	یہودیوں کے اس غرور کا جواب کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں	۱۵۸	بِکَلِمَاتٍ کی تشریح اور توضیح
۱۸۰	اللہ کے تمام نبیوں پر اور تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم	۱۶۱	حضرت ابراہیم کی امامت
۱۸۲	اگر دشمنان دین اسلام نہ لائیں تو وہ مخالفت پر ہی	۱۶۲	کعبہ شریف کو مرجع اور جائے امن بنایا
۱۸۲	تلے ہوئے ہیں		مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانے کا حکم
۱۸۲	ہم کو اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے	۱۶۳	بیت اللہ کو پاک کرنے کا حکم
۱۸۳	اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے تمہارا بھی رب ہے	۱۶۳	مسجد حرام میں نماز کا ثواب
۱۸۳	یہود و نصاریٰ کے اس قول کی تردید کہ ابراہیم اور	۱۶۵	اہل مکہ کے لئے ابراہیم کی دعاء
۱۸۳	اسلعل اور اسلحق اور یعقوب یہودی یا نصرانی تھے	۱۶۶	مکہ معظمہ میں دنیا بھر کے پھل
۱۸۵	نسب پر غرور کرنے والوں کو تنبیہ	۱۶۶	مدینہ منورہ کے لئے سید المرسلین ﷺ کی دعا
۱۸۶	تحویل قبلہ پر یہود و نصاریٰ کا اعتراض اور ان کا جواب	۱۶۷	حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کا کعبہ
۱۸۷	امت محمدیہ ساری امتوں سے افضل ہے		شریف کو تعمیر کرنا
۱۸۷	دوسری امتوں کے مقابلہ میں اس امت کی گواہی پر فیصلے	۱۶۸	امت مسلمہ کے لئے دُعا اور اس کی قبولیت
۱۸۸	امت محمدیہ کی آپس کی گواہی پر بخشش کے فیصلے	۱۶۸	مناسک حج جاننے کے لئے دُعا
۱۸۹	امت محمدیہ کا اعتدال اور لفظ وسطا کی تشریح		اہل مکہ میں سے ایک رسول بھیجنے کی درخواست اور
۱۹۰	تحویل قبلہ امتحان کے لئے	۱۶۹	اُس کی قبولیت
۱۹۱	قبلہ اولیٰ کی طرف جو نمازیں پڑھی گئیں ان کا	۱۷۰	جس رسول کے آنے کی دُعا کی اُس کی صفات
۱۹۱	ثواب ضائع نہیں	۱۷۱	تلاوت کتاب
۱۹۱	کعبہ شریف کی طرف رخ کرنا حکم اور حضرت ﷺ	۱۷۱	تلاوت قرآن کے فضائل

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۰۹	صبر سے متعلق چند فوائد	۱۹۱	کوشدت سے اس کا انتظار
۲۱۲	حج و عمرہ میں صفامروہ کی سعی کی مشروعیت اور اس کی ابتداء	۱۹۲	جہت قبلہ سے تھوڑا سا انحراف مفید صلوٰۃ نہیں
۲۱۳	زمانہ جاہلیت میں صفامروہ کی سعی	۱۹۳	کعبہ شریف کو قبلہ بنانے میں حکمت
۲۱۴	حضرت عائشہ کا علمی جواب	۱۹۴	یہود و نصاریٰ کی ضد و عناد کا مزید تذکرہ
۲۱۵	سعی کے مسائل	۱۹۵	اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے
۲۱۶	حق چھپانے والوں کی سزا	۱۹۵	ہیں اور حق چھپاتے ہیں
۲۱۶	حق چھپانے اور گمراہ کرنے والوں کی توبہ کر نیکی شرائط	۱۹۵	ہر ملت کا قبلہ الگ الگ ہے
۲۱۹	کفر پر مرنے والوں پر لعنت اور عذاب	۱۹۷	دنیا میں جہاں بھی ہوں مسجد حرام کی طرف رخ کر
۲۲۰	لعنت کرنے سے متعلق مسائل	۱۹۷	کے نماز پڑھیں
۲۲۱	معبود حقیقی ایک ہی ہے	۱۹۷	قبلہ بدلنے سے یہودیوں کی حجت ختم ہو گئی
۲۲۱	توحید کے دلائل کا بیان	۱۹۸	اہل ایمان کے لئے تکمیل نعمت
۲۲۲	آسمان و زمین کی تخلیق	۱۹۸	فاذ کبروی اذ کر کم کی تفسیر
۲۲۲	رات دن کا آنا جان	۱۹۹	ذکر اللہ کے فضائل
۲۲۳	سمندروں میں جہازوں کا چلنا	۱۹۹	شکر کی فضیلت اور اہمیت
۲۲۴	بارش کا نازل فرمانا	۲۰۰	صبر و صلوٰۃ کے ذریعہ مدد مانگنے کا حکم
۲۲۴	جانوروں کو پیدا فرمانا اور زمین میں پھیلانا	۲۰۱	صبر کی فضیلت اور اہمیت
۲۲۵	ہواؤں کو مختلف رخوں پر چلانا	۲۰۱	دفع مصائب کے لئے نماز
۲۲۶	بادلوں کی تسخیر	۲۰۲	شہداء کے فضائل
۲۲۷	مشرکین کی باطل معبودوں سے محبت اور اس پر سخت عذاب	۲۰۴	حقوق العباد کے علاوہ شہید کا سب کچھ معاف ہے
۲۲۷	اہل ایمان کو اللہ سے سب سے زیادہ محبت ہے	۲۰۴	جہاد میں اخلاص کی ضرورت
۲۲۷	قیامت کے دن متبوعین کا اپنے ماننے والوں سے	۲۰۴	وطنی قومی جنگ میں قتل ہونے والے شہید نہیں ہیں
۲۲۸	بیزاری ظاہر کرنا اور اس وقت ان کا پشیمان ہونا	۲۰۵	مختلف طریقوں سے آزمائش ہوگی
۲۲۹	حلال کھانے اور شیطان کے اتباع سے پرہیز کرنے کا حکم	۲۰۶	مؤمن بندوں کو مصائب کا فائدہ
۲۳۰	تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ ہی کو ہے	۲۰۷	صابرین کی صفت
۲۳۱	باپ دادے ہدایت پر نہ ہوں تو ان کا اتباع باعث ہلاکت ہے	۲۰۸	صلوات من ربکم و رحمۃ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۳۵	قانون قصاص میں بڑی زندگی ہے	۲۳۲	کافروں کی ایک مثال
۲۳۵	قصاص عین عدل ہے اس کو ظلم کہنا ظلم ہے	۲۳۲	کافر بہرے گو نگے اندھے ہیں
۲۳۵	قصاص بابت معاف کرنا سربراہ مملکت کے اختیار میں نہیں	۲۳۲	حلال کھانے اور شکر ادا کرنے کا حکم
۲۳۶	وصیت کے احکام	۲۳۲	حرام کھانے کا وبال
۲۳۷	وصیت نافذ کرنے سے پہلے فرض ادا کئے جائیں	۲۳۳	حرام کمائی کی چند صورتیں
۲۳۷	حج بدل کی وصیت	۲۳۳	حرام مال کا وبال
۲۳۷	گناہ کی وصیت کرنا گناہ ہے	۲۳۵	محرمات کا اجمالی بیان اور اضطراب کا حکم
۲۳۷	وارثوں کے لئے مال چھوڑنا بھی ثواب ہے	۲۳۶	کتاب اللہ کی تحریف کر نیوالوں کا انجام
۲۳۸	وصیت میں دیر نہ کی جائے	۲۳۷	اعمال حسنہ و اخلاق عالیہ کا بیان
۲۳۸	وصیت کو بدلنے کا گناہ	۲۳۸	اللہ کے رضا کے لئے مال خرچ کرنا
۲۵۰	رمضان کے روزوں کی فرضیت اور ان کے ضروری احکام	۲۳۸	افضل الصدقہ
۲۵۰	روزے سے صفت تقویٰ پیدا ہوتی ہے	۲۳۸	رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت
۲۵۲	وعلی الذی یطیقون فدیہ طعام مسکین منسوخ ہے	۲۳۹	یتیموں پر مال خرچ کرنے کی فضیلت
۲۵۲	روزوں کے احکام میں تین انقلاب	۲۳۹	مساکین پر مال خرچ کرنا
۲۵۲	قرآن مجید رمضان المبارک میں نازل کیا گیا	۲۴۰	مسافر پر مال خرچ کرنا
۲۵۵	مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت اور	۲۴۰	سوال کرنے والوں کو دینے کا حکم
۲۵۵	بعد میں قضا رکھنے کا حکم	۲۴۰	بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کرنے کی ممانعت
۲۵۷	حاملہ مرضیہ کے لئے رخصت	۲۴۱	غلاموں کی آزادی میں مال خرچ کرنا
۲۵۷	حیض و نفاس والی عورت کا حکم	۲۴۱	نماز قائم کرنا زکوٰۃ ادا کرنا
۲۵۷	اللہ نے دین میں آسانی رکھی ہے	۲۴۱	عہد پورا کرنا
۲۵۸	دعاء کی فضیلت اور آداب	۲۴۲	صابرین کی فضیلت
۲۶۱	تکملہ احکام صیام	۲۴۳	قصاص اور دیت کے بعض احکام
۲۶۲	زن و شوہر کے تعلقات کا لطیف انداز میں بیان	۲۴۴	قصاص وارثوں کا حق ہے
۲۶۲	صحیح صادق تک کھانے پینے کی اجازت	۲۴۴	قصاص کے عوض مال لینے کی مشروعیت امت محمدیہ
۲۶۳	اعتکاف کے فضائل اور مسائل	۲۴۴	کے لئے تخفیف اور رحمت ہے

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۷۴	قتال کب تک ہونا چاہئے	۲۶۴	شب قدر کی فضیلت
۲۷۵	قتال کرنے میں کیا نیت ہو	۲۶۴	نفل روزوں کا بیان
۲۷۵	قتلوں کو دبانے کے لئے جنگ کرنا	۲۶۵	شش عید کے روزے
۲۷۶	جو مشرک اسلام قبول کر لیں انکو قتل کرنا جائز نہیں	۲۶۵	پیرو جمعرات کا روزہ
۲۷۶	مشرکین کی زیادتی کا جواب	۲۶۵	ایام بیض کے روزے
۲۷۷	اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے	۲۶۶	عاشوراء کا روزہ
۲۷۷	اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت	۲۶۶	عشرہ ذوالحجہ کے روزے
۲۷۸	جہاد کی اہمیت و ضرورت	۲۶۶	عرفات میں حجاج کو روزے رکھنے کا حکم
۲۷۹	صفت احسان اختیار کرنے کا حکم	۲۶۷	سال بھر میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزے
۲۷۹	حج و عمرہ کے احکام	۲۶۷	رکھنا حرام ہے
۲۸۰	حج نہ کرنے پر وعید	۲۶۷	روزانہ نفلی روزہ رکھنا محمود نہیں
۲۸۰	احرام کے ممنوعات	۲۶۷	افضل الصیام
۲۸۱	احصار کے احکام	۲۶۷	حدود اللہ سے آگے بڑھنے کی ممانعت
۲۸۱	حج و عمرہ کے احرام باندھنے کے بعد پورا کرنا واجب ہے	۲۶۸	باطل طریقوں سے مال کھانے کی ممانعت
۲۸۲	احصار زائل ہو جانے کے بعد	۲۶۸	حاکم کے فیصلہ کر دینے سے کسی کا مال حلال نہیں ہوتا
۲۸۲	فائت الحج کا حکم	۲۷۰	چاندوں پر بیشی کمی کیوں ہوتی ہے
۲۸۳	عذر کی وجہ سے ارتکاب جنایت کا حکم	۲۷۰	شریعت اسلامیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار
۲۸۴	تمتع اور قرآن کا بیان	۲۷۰	دینی امور کو قمری مہینوں سے متعلق کرنے میں آسانی ہے
۲۸۴	تمتع اور قارن پر قربانی واجب ہے	۲۷۱	گھروں میں دروازوں سے آنے کا حکم
۲۸۴	تمتع اور قرآن کی قربانی کا بدل	۲۷۲	اپنی طرف سے کسی کام میں ثواب یا گناہ سمجھ لینا بدعت ہے
۲۸۶	حج کے مہینوں کا تذکرہ اور حج کے بعض احکام	۲۷۲	علامہ حصص کا ایک استنطاق
۲۸۶	حج میں گناہ سے بچنے کی تاکید	۲۷۳	اللہ کی راہ میں قتال کرنے کا حکم اور علم و زیادتی سے
۲۸۶	لڑائی جھگڑے سے بچنے کا حکم	۲۷۳	پرہیز کرنے کی تاکید
۲۸۷	جو بھی خیر کا کام کرے اللہ کو معلوم ہے	۲۷۴	فتنہ گری قتل سے زیادہ سخت ہے
۲۸۷	مخلوق سے سوال کرنے کی ممانعت	۲۷۴	دفاع کے لئے قتال کرنا

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۰۶	کن مواقع میں مال خرچ کیا جائے	۲۸۸	حج میں خرید و فروخت کی اجازت اور اللہ تعالیٰ کا
۳۰۷	جہاد کی فریضیت اور ترغیب	۲۸۸	ذکر کرنے کا حکم
۳۰۸	جہاد فرض عین اور فرض کفایہ کے موافق	۲۹۰	حج میں مزدلفہ کا قوف اور اللہ کا ذکر
۳۰۹	مجاہدین کے فضائل	۲۹۱	ایام منی میں ذکر اللہ میں مشغول ہونے کا حکم
۳۱۰	جہاد میں مال خرچ کرنے کا ثواب	۲۹۲	ایام تشریق میں ذکر اللہ اور رمی جمار کی مشغولیت
۳۱۰	جہاد پر دشمنان اسلام کا اعتراض اور اس کا جواب	۲۹۳	رمی جمار کے بعض مسائل
۳۱۲	ممکن ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہ	۲۹۴	تیرہ ذی الحجہ کی رمی چھوڑ دینا جائز ہے
۳۱۲	تمہارے لئے بہتر ہو	۲۹۴	فلا اثم علیہ کی تشریح
۳۱۳	اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکنا اور فتنہ	۲۹۵	میٹھی باتیں کر نیوالے منافقوں مفسدوں کا تذکرہ
۳۱۴	پردازی کرنا جرم کے اعتبار سے قتل سے بڑھ کر ہے	۲۹۵	انص بن شریق کی حرکت
۳۱۴	مرتد کے احکام	۲۹۶	جھگڑا اور چرب زبان کی مذمت
۳۱۵	لا اکراہ فی الدین کے عموم میں مرتد شامل نہیں	۲۹۷	تکبر کی مذمت
۳۱۶	اشہر حرم میں قتال کرنے کا حکم	۲۹۷	تکبر کیا ہے
۳۱۷	شراب اور جوئے کی حرمت	۲۹۷	اللہ کے رضا کیلئے جان و مال خرچ کر نیوالوں کی فضیلت
۳۱۷	فی سبیل اللہ کیا خرچ کریں	۲۹۷	حضرت صہیب رومی کی ہجرت کا واقعہ
۳۱۸	تیہوں کا مال اپنے مال میں ملا کر کھانے پکانے کی اجازت	۲۹۸	اسلام میں پورے طور پر داخل ہونے کا حکم
۳۱۹	مشرک مردوں اور عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت	۲۹۸	زندگی کے تمام شعبوں میں ہر شخص اسلام کے احکام کا پابند ہے
۳۲۱	حیض والی عورت سے متعلقہ احکام	۳۰۰	اصحاب حکومت کی بے راہی
۳۲۲	وطی فی الدبر کی حرمت اور یہودیوں کی ایک بات کی تردید	۳۰۱	حق قبول نہ کرنے پر وعید
۳۲۳	وطی فی الدبر پر وعیدیں	۳۰۱	بنی اسرائیل کی ناشکری اور اس پر عذاب
۳۲۴	اپنی قسموں کو نیکی اور تقویٰ سے بچنے کا ذریعہ نہ بننا	۳۰۲	کافروں کیلئے دنیا کا مزین ہونا اور ان کا ایمان والوں پر ہنسنا
۳۲۵	قسموں کی قسموں کا بیان اور ان کے احکام	۳۰۳	سارے انسان امت واحدہ تھے حق واضح ہونے
۳۲۶	بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کا بیان	۳۰۳	کے بعد مختلف فرقے ہوئے
۳۲۶	مذکورہ بالا قسم (ایلاء) سے متعلقہ مسائل	۳۰۴	مصائب میں صبر کی تلقین اور اہم سابقہ سے عبرت
۳۲۷	مطلقہ عورت کی عدت کا بیان	۳۰۴	حاصل کرنے کی تعلیم

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۵۰	طاغوت میں مرنے والا شہید ہے	۳۲۹	ان اراد و اصلاحا کی تشریح
۳۵۰	جہاں طاغوت ہو وہاں سے بھاگ جائیگی ممانعت	۳۳۰	اسلام میں عورت کی حیثیت
۳۵۱	اللہ کی رضا کے لئے صدقہ خیرات کرنی کی فضیلت	۳۳۰	یورپین اقوام میں عورت کی بے آبروئی
۳۵۲	بنی اسرائیل کا ایک اور واقعہ طاغوت کی بادشاہت کا ذکر	۳۳۱	مردوں کی عورتوں پر نفیقت
۳۵۵	طاغوت کے لشکر کا عمالقہ پر غالب ہونا اور جالوت	۳۳۳	طلاق اور خلع کے چند احکام
۳۵۵	کا مقتول ہونا	۳۳۵	مطلقہ عورتوں کو ضرر پہنچانے کی ممانعت
۳۵۷	حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فرق مراتب	۳۳۶	اللہ کی آیات کا مذاق بنانے کی ممانعت
۳۵۸	روز قیامت آنے سے پہلے اللہ کے لئے خرچ کر لو	۳۳۶	اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو
۳۵۹	آیہ الکرسی کا ترجمہ تفسیر	۳۳۷	اعمال حج کو فائدہ اور طواف وغیرہ کی حالتوں کی تصویریں لینا
۳۵۹	اللہ جل شانہ کی صفات جلیلہ کا بیان	۳۳۸	مطلقہ عورتیں سابقہ شوہروں سے نکاح کرنا چاہیں تو
۳۶۰	لا تاخذہ سنۃ ولا نوم	۳۳۸	اس میں رکاوٹ نہ ڈالیں
۳۶۰	من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه	۳۴۰	بچوں کو دودھ پلانے کے احکام
۳۶۱	وسع کرسیہ السموات والارض	۳۴۰	ماں یا باپ کو اولاد کی وجہ سے ضرر نہ دیا جائے
۳۶۱	ولا یؤدہ حفظہما	۳۴۱	باپ نہ ہو تو وارث ذمہ دار ہے
۳۶۱	وهو العلی العظیم	۳۴۱	دو سال سے پہلے بھی باہمی مشورے سے دودھ
۳۶۲	رات اور صبح وشام آیہ الکرسی پڑھنے کی فضیلت	۳۴۱	چھڑا سکتے ہیں
۳۶۲	دین میں زبردستی نہیں ہے	۳۴۱	مسائل متعلقہ رضاعت
۳۶۳	جہاد اور قتال لا اکراہ فی الدین معارض نہیں	۳۴۲	شوہر کی موت پر عدت گزارنے کے احکام
۳۶۴	طاغوت کی لفظی اور معنوی تحقیق	۳۴۳	بیوہ عورتوں کو صریح پیغام نکاح دینے کی ممانعت
۳۶۴	فقد استمسک بالعروة الوثقی	۳۴۳	مہر و متعہ کے احکام
۳۶۴	اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے اور کافروں کے	۳۴۵	تمام نمازوں اور خاص کر صلوة وسطیٰ کی محافظت کا حکم
۳۶۴	اولیاء شیطین ہیں	۳۴۶	دشمنوں کا ہجوم ہو تو نماز کیسے پڑھی جائے
۳۶۵	ایک کافر بادشاہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مباحثہ	۳۴۷	بیویوں کے لئے وصیت کرنا
۳۶۷	مردہ کو زندہ فرمانے کا واقعہ	۳۴۸	مطلقہ عورتوں کو متعہ دینے کی تاکید
۳۶۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال پر پرندوں کا زندہ فرمانا	۳۴۹	بنی اسرائیل کا ایک واقعہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۸۵	سود اور بیع میں فرق	۳۷۰	فی سبیل اللہ خرچ کرنے والوں کا اجر و ثواب
۳۸۶	سود لینے پر وعیدیں	۳۷۱	فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے آداب اور ریاء کاروں
۳۸۶	سود خورد خوں کی نہر میں	۳۷۱	کے صدقات کی مثال
۳۸۶	سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اسکی لکھائی	۳۷۲	ریاء کاری پر وعیدیں
۳۸۷	پڑھائی کرنے والے پر لعنت	۳۷۳	اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر نیوالوں کی مثال
۳۸۷	سود لینا اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے	۳۷۴	عبادات اور طاعات کو باطل کر نیوالوں کی مثال
۳۸۷	صدقات کی برکات اور سود کی بربادی	۳۷۵	اللہ کی رضا کے لئے عمدہ مال خرچ کر نیکا حکم
۳۸۷	صالح مؤمنوں نمازیوں اور زکوٰۃ دینے والوں کا اجر و	۳۷۶	زمین کی پیداوار کا عشر
۳۸۸	ثواب	۳۷۶	شیطان تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ مغفرت
۳۸۹	سود خوروں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ	۳۷۶	اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے
۳۸۹	بینکوں کا سود	۳۷۷	فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی فضیلت
۳۹۰	تنگ دست قرضدار کو مہلت دینا	۳۷۷	یٰ قی الحکمۃ من یشاء کی تفصیل
۳۹۱	اوصہا کا معاملہ اور کتابت اور شہادت کے ضروری مسائل	۳۷۸	جو کچھ خرچ کرو گے یا نذر مانو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے
۳۹۲	مدایت اور کتابت اور شہادت کے ضروری مسائل	۳۷۹	نذر کے بعض مسائل
۳۹۵	رہن کا حکم اور گواہی چھپانے کی مذمت	۳۷۹	صدقات کو ظاہر کر کے یا پوشیدہ طریقہ پر دینا
۳۹۶	خطا اور نسیان کی معافی اور چند دعاؤں کی تلقین	۳۸۰	ظاہر کر کے صدقہ دینے کی تفصیل
۳۹۸	امم سابقہ کے لئے سخت احکام کا تذکرہ	۳۸۱	جو کچھ بھی اچھا مال خرچ کرو گے اس کا بدلہ مل جائے گا
۳۹۹	مذکورہ دعاؤں کی مقبولیت کا وعدہ	۳۸۲	فی سبیل اللہ کام کرنے والوں پر خرچ کر نیکا حکم
۴۰۰	سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت	۳۸۴	رات دن مال خرچ کر نیوالوں کی فضیلت و منقبت
	اختتام تفسیر سورۃ البقرہ	۳۸۴	سود خوروں کی مذمت
		۳۸۴	سود لینے کا وبال

تمت فہرست المجلد الاول
لتفسیر انوار البیان واللہ الموفق وهو المستعان

سورة
الفاتحة
و

سورة
البقرة

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ بِكَرَامَةِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ

سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا جو سب سے بڑا مہربان بہت

الرَّحِيمِ ۝ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ

زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ مالک ہے روزِ جزا کا، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں

وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ

اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں چلا ہم کو سیدھے راستہ پر

الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ

جو اُن لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے انعام فرمایا

الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

جن پر غصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں

سورۃ فاتحہ کے اسماء اور فضائل

سورۃ فاتحہ کی ہے بعض علماء نے اسے مدنی بھی کہا ہے اور بعض علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ سورت دو بار نازل ہوئی ہے ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں اس سورت کے بہت سے نام ہیں سب سے زیادہ مشہور نام الفاتحہ ہے۔
تفسیر ائقان میں پچیس نام ذکر کئے ہیں جن میں سے چند نام یہ ہیں۔

(۱) فاتحۃ الکتاب (۲) فاتحۃ القرآن (۳) ام الکتاب (۴) ام القرآن (۵) السبع الثانی (۶) سورۃ المناجاة

(۷) سورۃ السوال (۸) سورۃ الحمد (۹) سورۃ الشکر

سورۃ حجر میں فرمایا ہے: وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ

(اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں۔ جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا)

السبع (سات) اس لئے فرمایا کہ اس میں سات آیات ہیں اور مثنیٰ اس لئے فرمایا کہ یہ سورت بار بار پڑھی جاتی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ص ۶۴۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا نام ام الکتاب اس لئے رکھا گیا کہ یہ مصاحف میں بالکل شروع میں لکھی جاتی ہے اور نماز میں بھی اس سے قراءت شروع کی جاتی ہے اور سورۃ فاتحہ کی یہ بھی بہت بڑی فضیلت ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

احادیث شریفہ میں سورۃ فاتحہ کی بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں صحیح بخاری ص ۶۴۲ ج ۲ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ فاتحہ کو اعظم سورۃ فی القرآن (یعنی قرآن کی عظیم ترین سورت) فرمایا سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ فاتحہ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کی قسم اس جیسی سورت نہ تو ریت میں اُتاری گئی نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ قرآن میں (باب ماجاء فی فضل فاتحۃ الكتاب) حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ فاتحہ کو افضل القرآن بتایا۔ (درمنثور) بعض احادیث میں سورۃ فاتحہ کو دو تہائی قرآن کے برابر فرمایا ہے۔ (درمنثور ص ۱۵۷)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں اُس خزانہ سے اُتاری گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے ان چار کے علاوہ اس میں سے کوئی چیز نہیں اُتاری گئی (۱) اُم الکتاب (۲) آیۃ الکرسی (۳) سورۃ بقرہ کی آخری آیات (۴) سورۃ کوثر (درمنثور ص ۵۷) عن الطبرانی والفضاء المقدسی فی المختارۃ

حضرت مجاہد تابعیؒ نے فرمایا کہ ابلیس ملعون چار مرتبہ رویا ایک تو اس وقت رویا جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی دوسرے اُس وقت جب وہ ملعون قرار دیا گیا تیسرے جب زمین پر اُتارا گیا چوتھے جب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ (درمنثور) صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام فخر عالم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا تھا ایک فرشتہ نازل ہوا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو آج

سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اُترا۔ اس فرشتہ نے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ خوش خبری سن لیجئے، دو نور آپ کو ایسے ملے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے (۱) فاتحہ الکتاب (۲) سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں (ان میں دعاء ہے اور چونکہ یہ دعاء اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہے اس لئے مقبول ہے) ان دونوں میں سے جو کچھ بھی آپ تلاوت کریں گے اللہ تعالیٰ ضرور آپ کا سوال پورا فرمائیں گے تفسیر انقان میں ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ میں (ایہی طور پر) قرآن شریف کے تمام مقاصد اور مضامین جمع کر دیئے ہیں یہ سورت مطلع القرآن ہے اور یہ کہنا بالکل بجائے کہ یہ سورت پورے قرآن شریف کیلئے براءت استہلال کا حکم رکھتی ہے۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ قرآن شریف اور تمام آسمانی ادیان چار علوم پر مشتمل ہیں اول علم الاصول جس میں تین چیزیں ہیں (۱) اللہ پاک کی ذات و صفات کو جاننا، اسکی طرف سورۃ فاتحہ میں شروع کی دو آیتوں میں اشارہ ہے۔ (۲) نبوت و رسالت اس کی طرف اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ میں اشارہ ہے (۳) قیامت اس کی طرف مَلِیْکَ یَوْمَ الدِّیْنِ میں اشارہ ہے۔ دوم علم العبادات اس کی طرف اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں اشارہ ہے۔ سوم علم السلوک یعنی نفس کو آداب شرع کا پابند بنانا اور احکام خداوندی کی فرماں برداری پر آمادہ کرنا اس کی طرف وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں اشارہ ہے۔ چہارم علم القصاص یعنی گزشتہ امتوں کے واقعات ان واقعات سے یہ غرض ہے کہ فرماں برداروں کی سعادت و کامیابی اور نافرمانوں کی بدبختی و بربادی معلوم کر کے عبرت حاصل کی جائے اس مقصد کی طرف صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ میں ارشاد ہے۔

مسلم شریف ص ۷۰ ج ۱ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے نماز کو (یعنی نماز کے اہم ترین حصہ کو) اپنے اور بندہ کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے اور بندہ جو سوال کرے اس کے لئے وہی ہے (اس کے بعد اس تقسیم کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ) جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حَمْدُنِیْ عَبْدِیْ (یعنی میرے بندہ نے میری تعریف کی) پھر جب وہ کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَثْنٰی عَلٰی عَبْدِیْ (یعنی میرے بندہ نے میری بڑائی بیان کی) پھر جب وہ کہتا ہے مَلِیْکَ یَوْمَ الدِّیْنِ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مَعْجَدِنِیْ عَبْدِیْ (یعنی بندہ نے میری بزرگی بیان کی) پھر جب وہ کہتا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرا بندہ جو سوال کرے اس کے لئے وہی ہے (یہ آیت اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جہاں بندہ نے اپنی بندگی کا اعلان اور اقرار کیا اور مدد مانگنے کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو خاص کر لیا اور مان لیا اور اس طرح خود کو رحمت و نعمت کی نوازش کے قابل بنا لیا وہاں اس نے بلا شرکت غیر کے اللہ پاک کی عبودیت کا بھی اعلان کیا اور یہ بھی مانا اور جانا اور دوسروں کو بتایا کہ جس سے مدد مانگی جائے وہ صرف اللہ پاک رؤف و رحیم احد و صمد ہے جو سب کچھ دے سکتا ہے اور جس کے سبب محتاج ہیں اور جس کے قبضہ میں ہر چیز ہے اور جس کسی کے پاس قلیل و کثیر جو کچھ بھی ہے سب اسی کا دیا ہوا ہے) پھر جب بندہ کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ تو اللہ

تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے بندہ کے لئے ہے اور میرا بندہ جو سوال کرے اس کے لئے وہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تعوذ اور تسمیہ کا بیان:

جب قرآن مجید کی تلاوت شروع کی جائے تو اوّل اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھا جائے سورہ نحل میں ارشاد ہے فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ (سو جب تو قرآن پڑھنا شروع کرے تو اللہ کی پناہ مانگ شیطان مردود سے) اور اس کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھا جائے۔

جب کسی مکان میں رہنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس کو تکلیف دینے والی چیزوں سے صاف ستھرا کرتے ہیں پھر اس کو زینت دیتے ہیں یعنی رنگ و روغن کرتے ہیں۔ اسی طرح سے جب تلاوت شروع کریں تو پہلے اپنے دل کو شیطان مردود کے دوسوں سے پاک کریں۔ اس کے لئے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ (آخر تک) پڑھی جائے پھر اللہ کا نام لے کر دل کو مزین کریں۔ نماز میں سب سے پہلے سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اس کو شروع کرنے سے پہلے دل کو شیطانی دوسوں سے صاف کیا جاتا ہے اور اللہ کے نام سے دل کو مزین کیا جاتا ہے۔ جب آدمی نماز شروع کرے تو اُن چیزوں سے ذہن فارغ کر لے جن میں شیطان لگائے رہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل بنانے والی ہیں۔

سورہ فاتحہ کے علاوہ بھی جب بھی کوئی سورت شروع کرے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے البتہ سورہ انفال ختم کر کے سورہ براءت شروع کرے تو بسم اللہ نہ پڑھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآن شریف کی ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے۔ لیکن سورہ فاتحہ یا اس کے علاوہ کسی دوسری سورت کا جزو نہیں ہے البتہ سورہ نمل کے دوسرے رکوع میں جو ایک جگہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے وہ سورہ نمل کا جزو ہے۔ ساری اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیات ہیں جو حضرات بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو سورہ فاتحہ کا جزو مانتے ہیں وہ اس کو ایک آیت شمار کرتے ہیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے لے کر ختم سورت تک چھ آیات شمار کرتے ہیں (حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے) اور جن ائمہ اور قراء کے نزدیک بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سورہ فاتحہ کا جزو نہیں ہے ان کے نزدیک غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ ساتویں آیت ہے۔ (معاذ التزیل)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو سورت ختم ہونے کا علم نہ ہوتا تھا جب تک بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نازل نہ ہو جاتی تھی جب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا نزول ہوتا تو آپ سمجھ لیتے تھے کہ

سورت ختم ہوگئی اور اب نئی سورت شروع ہو رہی ہے۔ (درمنثور)

تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہر سورت کے شروع میں ہونا اللہ پاک کی طرف سے بندوں کو تعلیم ہے کہ قرأت سے پہلے اس کو پڑھیں اور قرأت شروع کرنے کا ادب جان لیں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ①

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے خاص ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں:

اول کی تین آیات میں اللہ پاک کی تعریف اور اسم ذات اور اللہ پاک کی بڑی بڑی صفات ذکر کی گئی ہیں جو دیگر صفات کمالیہ کو بھی شامل ہیں۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ اس دعویٰ کو واضح اور ثابت کرنے میں مذکورہ صفات کو بڑا دخل ہے یعنی جو ذات پاک ایسی ایسی صفات سے مصطف ہے ظاہر ہے کہ ہر تعریف کی مستحق ہے۔ جتنی تعریفیں آج تک ہوئی ہیں یا آئندہ دنیا و آخرت میں ہوں گی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کسی نے کی ہے یا آئندہ کوئی کرے گا اس کا اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہونا تو ظاہر ہے اور جو تعریفیں اسکی مخلوق کی کی جاتی ہیں یا آئندہ کی جائیں گی یا گزشتہ تمام زمانوں میں ہو چکی ہیں وہ بھی درحقیقت اللہ پاک کی ہی تعریفیں ہیں کیونکہ ہر صاحب کمال کو اُس نے وجود بخشا ہے اور کمال سے نوازا ہے اور کمال اور صاحب کمال کی پرورش فرمائی ہے اور اپنی رحمت سے ان کمالات کو باقی رکھا ہے۔ لہٰذا میں لام اختصاص اور اشتقاق کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ محمود حقیقی اور مستحق حمد اللہ تعالیٰ ہی ہے اگر کوئی اللہ کی حمد نہ کرے تو اس کی محمودیت حقیقیہ میں ذرا فرق نہیں آتا۔

رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کا معنی اور مطلب:

رَب عربی زبان میں بمعنی مالک بھی آتا ہے اور بمعنی پروردگار (پالنے والا) بھی آتا ہے (معالم التنزیل) یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ اللہ پاک تمام جہانوں کے مالک ہیں اور پالنے والے بھی۔ الْعَالَمِیْنَ عالم کی جمع ہے۔ عالم (بروزن فاعل یفتح العین) علم سے لیا گیا ہے۔ عربی قاعدہ کی رو سے فاعل کا وزن مادۃ اشتقاق کے آلہ کے لئے آتا ہے عالم کا مادۃ اشتقاق علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق عالم ہے اس لئے کہ اپنے خالق (پیدا کرنے والے) کے معلوم ہونے کا ذریعہ ہے یوں تو ساری مخلوق بہ حیثیت مخلوق کے ایک عالم ہے لیکن مخلوق کی بے شمار قسمیں ہیں۔ ہر قسم کو علیحدہ علیحدہ عالم قرار دیکر جمع (عالمین) لائی گئی تو گویا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خدائے پاک کے جاننے اور پہچاننے کے لئے ایک عالم (بلکہ اس کا ایک ذرہ بھی) کافی ہے لیکن عالم اتنے زیادہ اور بیشار ہیں کہ ان کو دیکھ کر اگر کوئی کوڑھ

مغزبد باطن خدائے پاک کو نہ پہچانے تو اس کی محرومی بد نصیبی، جہالت اور حماقت کے سوا اور کیا ہے۔ ہر جنس کو ایک عالم بتا کر اللہ پاک کو سب عالموں کا رب بتانے میں ان مشرکوں اور جاہلوں کی بھی تردید ہے جو بعض مخلوقات کو معبود مانتے ہیں اور خالق کو چھوڑ کر مخلوق و مملوک کے سامنے جبین نیاز رکھتے ہیں۔ مقاتل بن حبان نے فرمایا کہ عالم اسی ہزار ہیں چالیس ہزار خشکی میں اور چالیس ہزار سمندر میں۔

حضرت وہب بن معبہ نے فرمایا کہ عالموں کی تعداد اٹھارہ ہزار ہے لیکن صحیح بات وہ ہے جو جناب کعب الاحبار نے فرمائی کہ عالموں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا انہوں نے اپنے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (عالم التزویل)

اللہ جل شانہ سارے جہانوں کا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ اور پرورش کرنے والا بھی اس نے صرف وجود ہی نہیں دیا بلکہ مخلوق کو زندہ رکھنے کے اسباب بھی پیدا فرمائے۔ وہ رزق بھی دیتا ہے کھلاتا پلاتا بھی ہے ہر فرد تک رزق پہنچاتا ہے۔ جب کھانے والا رزق کھا لیتا ہے تو وہ اس رزق کو پہنچاتا ہے جس سے جسم بڑھتا ہے خون پیدا ہوتا ہے رگوں میں دوڑتا ہے اور یہ سب بقائے حیات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جتنے بھی اسباب معاش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائے ہیں ان سب سے شان ربوبیت اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔ نئی نئی تحقیقات سے اجسام کے پلنے بڑھنے کے جوارز منکشف ہوئے ہیں انسانی عقل و شعور کے لئے بہت حیرت ناک ہیں۔ زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کو دیکھا جائے۔ طرح طرح کے غلے پھل اور میوے مختلف سبزیاں ترکاریاں وجود میں آ رہی ہیں انسان اور جانور ان کو کھاتے ہیں اور پرورش پاتے ہیں۔ جس کا جو رزق مقرر ہے وہ اس کو ضرور پہنچ کر رہتا ہے ایک برا عظم کی پیدا شدہ چیزیں دوسرے برا عظم کے لوگ کھا کر اور استعمال کر کے جی رہے ہیں۔ پالنے کے مفہوم میں صرف جسمانی غذائیں ہی نہیں آتیں بلکہ ہر وہ چیز آ جاتی ہے جو زندگی اور بقا کا ذریعہ ہو۔ اجسام کی پرورش کے ساتھ روح کی پرورش بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو زندگی کے لئے اصل چیز ہے اور جو معیشت کے آلات اور اسباب ہیں اور جو جسم کے اعضاء اور جوارح ہیں یہ سب پرورش کا ذریعہ ہیں۔

الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝۱۰ مَلِكُ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۱۱

بہت بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ روز جزا کا مالک ہے

الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ:

یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں رحم سے مشتق ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ دونوں کا ایک معنی ہے اور اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ رحمن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے چونکہ دونوں ہی مبالغہ کے صیغے ہیں اس لئے ہر ایک کے ترجمہ میں معنی مبالغہ کا خیال رکھا جاتا ہے۔ رحمن اللہ پاک کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے رحیم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اسکی مخلوق کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ کما قال تبارک وتعالیٰ فی شان نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بِالْمُؤْمِنِیْنَ رءُوفٌ رَّحِیْمٌ۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ کا برابر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے وہ ساری مخلوق پر رحم فرماتا ہے سب کا وجود اور بقا آرام و سکون سب اسی کی رحمت سے ہے۔

مَلِکِ یَوْمِ الدِّینِ

دین جزا اور بدلہ کو کہتے ہیں یَوْمِ الدِّینِ بدلہ کا دن۔ اس سے قیامت کا روز مراد ہے۔ اس روز خیر و شر کے بدلوں کا فیصلہ ہوگا۔ ہر شخص اپنے اپنے عمل کا نتیجہ پائے گا۔ اللہ پاک کے رحم و کرم کے سوا کوئی راستہ جان چھوٹنے کا نہ ہوگا اگر کوئی سفارش کرنا چاہے گا تو بغیر اجازت مالکِ یوم الدین جل مجدہ سفارش نہیں کر سکے گا، اس روز کسی کی مجازی حکومت و حاکمیت بھی نہ ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ شَانَهُ الْمَلِکُ یَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ وَقَالَ جَلَّ جَلَّاهُ لِمَنِ الْمَلِکُ الْیَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ وَقَالَ عِزَّاسْمِ یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَالْأَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ شانہ صرف قاضی یوم الدین ہی نہیں بلکہ مالکِ یوم الدین بھی ہے بعض مرتبہ دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ قاضی (بج) فیصلہ تو کرتا ہے مگر ملک اور قانون کا مالک نہیں ہوتا۔ بادشاہ ملک یا مجلس قانون ساز کے مرتب کردہ دستور کا پابند ہوتا ہے اور اسی کے دائرہ قانون میں فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ جل شانہ مالکِ الملک ہے قاضی روز جزا ہے اور مالکِ روز جزا بھی۔ اس پر کسی کا کوئی قانون اور کوئی حکم لاگو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ رد نہیں ہو سکتا۔ اس کے خلاف اپیل نہیں ہو سکتی۔ وہاں دنیا کے حاکموں اور فیصلے کرنے والوں کے فیصلے بھی ہوں گے اور جانوروں تک نے جو ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کی ہوگی اس کا بھی فیصلہ ہوگا۔ دنیا کے بادشاہ اور بڑے بڑے تسلط اور بدبدہ والے مجرموں کی صف میں کھڑے ہوں گے اور اپنے اپنے عمل اور کردار کا فیصلہ سنیں گے اور اس فیصلے کے مطابق عمل ہوگا۔ لا معقب لحکمہ وهو سریع الحساب۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں

معبود اور مستعان صرف اللہ کی ذات ہے:

شروع سورت سے مَلِکِ یَوْمِ الدِّینِ تک اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کا بیان تھا۔ اس بیان میں اگرچہ غیب کا عنوان تھا لیکن جب بندہ نے مستحقِ حمد کی حمد بیان کرنے میں صفاتِ کمال اور مظاہرِ جلال و جمال کا یقینی طور پر تصور کر لیا تو اس مستحقِ حمد سے خطاب کرنے اور مُراد مانگنے کے لئے جذبہ میں آ کر خطاب کرنے لگا، اوّل مخاطب ہو کر یہ اعلان کیا کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور پھر اپنی سب سے بڑی ضرورت کا سوال کیا کہ ہم کو صراطِ مستقیم دکھا دے اور بتا دے، کافِ ضمیر خطاب نَعْبُدُ اور نَسْتَعِينُ کا مفعول ہے اس کو ضمیر منفصل بنا کر فعل سے مقدم لانے سے معنی میں حصر پیدا ہو گیا۔ اہل بلاغت نے بتایا ہے کہ تقدیم ماحقہ التاخیر مفید حصر ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ترجمہ یہ ہو گیا کہ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ سورۃ فاتحہ پڑھنے والا گوواحد شخص ہوتا ہے۔ لیکن صیغہ جمع متکلم لا کر دوسروں کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے۔ اور اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ ساری مخلوق کا تو ہی معبود

ہے اور ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ جو لوگ مشرک ہیں وہ گمراہ ہیں اور غلطی پر ہیں اُنکا معبود حقیقی بھی تو ہے ہم ساری بنی نوع انسان کی طرف سے اور سارے جنات اور فرشتوں کی طرف سے بلکہ ساری مخلوق کی طرف سے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ صرف تو ہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے بعد یوں عرض کیا کہ ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ جب خداوند قدوس جل مجدہ ہر چیز کا خالق بھی ہے مالک بھی ہے معبود حقیقی بھی ہے قادرِ مطلق بھی ہے تو اس کے سوا کوئی نہیں جس سے مدد مانگی جائے۔ عبادت بھی صرف اُسی کی کرتے ہیں اور مدد بھی صرف اسی سے لیتے ہیں اس میں بھی صیغہ خطاب کا استعمال کیا اور یہ اعلان کیا کہ اے اللہ ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو ہی مدد کرنے والا ہے تیرے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معبود اور مددگار ماننے کے بعد کسی دوسرے کو عبادت اور استعانت (مدد مانگنے) کے لئے پکارنا اعلان اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اس آیت میں شرک فی العبادۃ اور شرک فی الاستعانت دونوں کی نفی علی وجہ الکمال کر دی گئی ہے۔ دیوی دیوتا مزار قبر والی پیر تعزیہ یا اور کسی چیز کو حاجت روا مشکل کشا سمجھنا اور اسکے سامنے سجدہ کرنا شرک ہے۔

اٰهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

ہم کو سیدھا راستہ دکھا

صراطِ مستقیم کی دعا:

راہِ حق کا دکھانا اور مطلوب حق تک پہنچانا یہ سب کچھ ہدایت کے مفہوم میں داخل ہے۔ مدد مانگنے کے ذیل میں جہاں اور باتیں ہیں وہاں ہدایت کی طلب بھی ہے اور درحقیقت ہدایت ہی مخلوق کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے اگر سب کچھ موجود ہو اور بندہ ہدایت پر نہ ہو عقیدہ اور عمل سے گمراہ ہو تو دنیاوی چیزوں سے تھوڑا بہت فائدہ اٹھا کر عذابِ دوزخ میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اس اعتبار سے حقیقی نعمت ہدایت ہی ہوئی۔ لہذا یہ کہہ کر کہ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں فوراً ہدایت کا سوال کر لیا گیا۔ یعنی صحیح راستہ پر چلانے کی دعا کر لی گئی۔ صحیح راستہ کون سا ہے اسکی تعیین کے لئے صِرَاطُ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ لایا گیا جس کی تفسیر ابھی آتی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ جو لوگ مؤمن ہیں قرآن کو مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں وہ تو ہدایت پر ہیں ہی ان لوگوں سے بار بار ہدایت کا سوال کیوں کرایا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت یافتہ ہوتے ہوئے ہدایت کی دعا کرنا موت تک ہدایت پر چمے رہنے اور ثابت قدم رہنے کا سوال ہے جیسا کہ دوسری آیت میں اہل ایمان کی دعا کا اس طرح تذکرہ فرمایا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو حق سے نہ ہٹا دیجئے بعد اس کے کہ آپ نے ہمیں ہدایت دی اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما دیجئے) بے شک آپ بہت زیادہ دینے والے ہیں) قال النسفی ای ثبتنا علی المنہاج الواضح کقولک للقائم قم حتی اعود الیک ای اثبت علی ما انت علیہ أو اھدنا فی الاستقبال کما ھدیتنا فی الحال (مدارک التنزیل)

صِرَاطُ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

راستہ ان حضرات کا جن پر آپ نے انعام فرمایا

صراطِ مستقیم والے کون حضرات ہیں:

صِرَاطُ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ ان الفاظ میں صراطِ مستقیم کی تعین کر دی گئی۔ صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) کیا ہے جتنی جماعتیں اور قومیں دنیا میں بسی ہیں وہ اپنے آپ کو ہدایت پر ہی سمجھتی ہیں۔ لیکن وہ کون سا راستہ ہے جسے سیدھا راستہ مانا جائے اور جس پر چلنے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور آخرت میں نجات ہوگی۔ اس کے بتانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا راستہ صراطِ مستقیم ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ یہ حضرات کون ہیں ان کا ذکر سورۃ نساء کی اس آیت میں ہے۔ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے یہ اشخاص اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں) اس سے واضح ہو گیا کہ ان حضرات پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں ان ہی حضرات کے راستہ کو صراطِ مستقیم یعنی صحیح اور سیدھا راستہ بتایا ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ

جن پر غصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں

مغضوب علیہم اور ضالین کے راستہ سے بچنے کی دعاء:

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ہ (جن پر غصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں) یہ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی صفت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جن حضرات پر آپ نے انعام فرمایا ہے یہ وہ حضرات ہیں جن پر آپ کا غصہ نہیں اور جو گمراہ نہیں ہیں۔ مفسر ابن کثیر نے بعض روایات ایسی نقل کی ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ سے یہود اور الضَّالِّينَ سے نصاریٰ مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ یہودیوں کے بارے میں سورۃ بقرہ میں فرمایا قَبَّأُوا بِغَضَبِ عَلِيِّ غَضَبٍ کہ وہ غصہ پر غصہ کے مستحق ہوئے اور نصاریٰ کے بارے میں سورۃ مائدہ میں فرمایا۔

وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ (ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے) یہودیوں نے علم ہوتے ہوئے عمل کو کھودیا اور حق کو ٹھکرا دیا نصاریٰ علم کے مدعی نہ تھے اور علم سے خالی بھی تھے لیکن اپنے

آپ کو عبادت گزار سمجھتے تھے۔ اُن کے راہب پہاڑوں میں رہتے تھے اور عبادت میں طرح طرح کی مشقتیں جھیلتے تھے اور عبادت کے طریقے انہوں نے خود نکالے تھے۔ یہ لوگ راہِ حق سے ہٹے اور گمراہ ہوئے، جو شخص علم ہوتے ہوئے عمل چھوڑ دے وہ زیادہ مستحقِ غضب ہوتا ہے اس لئے صفتِ مغضوبیت یہودیوں کے لئے خاص طور سے ذکر کی گئی اور نصاریٰ نے عمل کا ارادہ تو کیا لیکن بے علمی کی وجہ سے طریقہ غلط اختیار کر گئے اور اجتماعِ حق کو چھوڑ کر بے راہ ہو گئے۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اہل ایمان کا طریقہ یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور اس پر عمل بھی ہو، پھر لکھتے ہیں۔ وکل من اليهود و النصارى ضال مغضوب علیہ لکن اخص اوصاف اليهود الغضب و اخص اوصاف النصارى الضلال (ج ۱ ص ۲۹) یعنی ہیں تو دونوں ہی فریق (یہود و نصاریٰ) گمراہ اور مغضوب علیہ، لیکن مغضوبیت کی شان یہودیوں میں زیادہ ہے (اس لئے خصوصیت کے ساتھ اُن کی طرف مغضوبیت کی نسبت کی گئی) اور نصاریٰ کے اوصاف میں خاص طور پر ضلال زیادہ واضح ہے (اس لئے ان کو ضالین فرمایا)

یہودیوں کی شرارت، عناد اور مکاریاں اور دیسہ کاریاں جو سورۃ بقرہ میں اور دوسری سورتوں میں بیان کی گئی ہیں اُن کے جاننے کے بعد ہر صاحبِ عقل یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ لوگ قصدِ اُوارادۃ ایسی حرکتیں کرتے تھے جن سے اللہ تعالیٰ کے غصہ کے زیادہ سے زیادہ مستحق ہوتے چلے گئے۔

سورۃ فاتحہ کے ختم پر اہل ایمان سے یہ دُعا کرائی گئی ہے کہ یہودیوں اور نصرائیوں دونوں جماعتوں کے طریقوں سے علیحدہ اور بیزار رہیں۔ نماز میں بار بار سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کے طریقوں سے بچنے کی دعا مانگتے ہیں۔ اب مسلمان غور کر لیں کہ وہ ان دونوں جماعتوں کے طور طریق سے کس قدر دور ہیں اور جن حضرات پر انعام ہوا یعنی حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین اور صالحین ان کے طریقوں سے کتنے قریب ہیں۔ حکومت، سیاست، معاشرت، شکل و صورت، لباس، کسپ، مال، تجارت، معیشت و معاشرت غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں غور کر لیں۔ اُمتِ محمدیہ میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت اور ان کا اجتماع پایا جاتا ہے عوام میں بھی اور خواص میں بھی جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور نماز میں دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں مغضوب علیہم اور ضالین کے راستہ سے بچاؤ لوگ بھی ان کے اجتماع سے پرہیز نہیں کرتے۔ بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ اس اُمت میں سے جو عالم بگڑے گا اس کے اندر یہود کی صفات سے مشابہت ہوگی اور جو عابد بگڑے گا اس کے اندر نصاریٰ کی مشابہت ہوگی درحقیقت صحیح فرمایا اُمت کا حال نظروں کے سامنے ہے جو مغضوب ہیں اور ضالین ہیں عام لوگوں کو انہیں کے طریقے محبوب ہیں (اعاذنا اللہ من ذلک)

جن حضرات پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان کے راستہ کے علاوہ جتنے بھی دین، مذہب، فرقے، جماعتیں، پارٹیاں، قوانین ہیں سب ہی صراطِ مستقیم سے خارج ہیں اور مومن مؤحد کے لئے ان سب سے بچنا فرض و واجب ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ یہود و نصاریٰ کے راستہ سے بچنے کی دعا مانگنے کی اس لئے تلقین کی گئی کہ ایک مسلمان بُت پرست دہری منکرِ خدا ہونا گوارا نہیں کر سکتا اور اہل کتاب کے راستوں کو اختیار کر سکتا ہے اہل کتاب کے دونوں فرقوں کا نام نہیں لیا گیا بلکہ ان کے انجام کار ہی کو ان کا لقب بنا کر ذکر فرمادیا، جس میں دوا امر کی طرف اشارہ ہے اُول یہ کہ انبیاء صلحاء صدیقین

وشہداء کے راستہ سے ہٹنے کا انجام راہ سے بھٹک جانا اور خدائے پاک کے غصہ میں آ جانا ہے۔ دوسرے یہ کہ صراطِ مستقیم کے خلاف صرف یہود و نصاریٰ ہی کا راستہ نہیں ہے بلکہ جو بھی یہود و نصاریٰ کے عقائد و کردار اوصاف و اخلاق اختیار کرے گا اس کے نتیجہ میں مغضوب علیہ اور ضال ہوگا (خواہ فرد ہو خواہ جماعت) لہذا اسکے راستہ سے بچنا بھی فرض ہوگا۔

آمین: سورۃ فاتحہ کے ختم پر نماز میں اور خارج نماز آمین کہنا مسنون ہے اور اس کے علاوہ بھی جو دعاء کی جائے اس کے آخر میں آمین کہا جائے۔ احادیث شریفہ میں اس کی فضیلت اور ترغیب وارد ہوئی ہے۔ آمین کا معنی ہے کہ اے اللہ قبول فرما۔ ایک مرتبہ دعا کی پھر دعا کی قبولیت کی دعا کی یہ مل کر گویا دو مرتبہ دعا ہو جاتی ہے۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ وَلَا الضَّالِّینَ کے بعد ذرا ٹھہر کر آمین کہے (تا کہ سورۃ فاتحہ کا بخود ہونے کا ایہام نہ ہو) چونکہ آمین قرآن مجید کا جزو نہیں ہے اس لئے قرآن مجید میں لکھا نہیں جاتا لیکن پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے تمہاری کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کیا جتنا آمین کہنے پر حسد کیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے تم سے تین چیزوں پر حسد کیا ہے۔ ۱۔ سلام کو پھیلانا ۲۔ نماز میں صفیں قائم کرنا ۳۔ آمین کہنا۔ (یہ روایات درمنثور سے نقل کی گئی ہیں)

فائدہ: بعض غیر مسلموں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اپنی تعریف خود کرنا ٹھیک نہیں ہے پھر خدائے تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کیوں کی؟ اس کا یہ جواب مفسرین کے اس قول سے نکل سکتا ہے کہ یہ مضمون بندوں کی زبانی ادا کرایا گیا ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ سے پہلے قُولُوا (صیغہ امر) مقدر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کو حکم فرمایا ہے کہ یوں کہو اور چونکہ بندہ کی زبانی اول کی تین آیات ادا کرائی گئی ہیں اس لئے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بھی اول کی تین آیات کے ساتھ اس صورت میں مضمون واحد ہو کر مسلسل ہو جائے گا۔ لیکن یہ جواب جزوی طور پر سورۃ فاتحہ کے بارے میں ہو سکتا ہے قرآن شریف میں جگہ جگہ اللہ پاک کی حمد بیان کی گئی ہے اور حدیث شریف میں صاف اس طرح آیا ہے کہ لَا اَحْصِيْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَنْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ (اے اللہ میں ایسی تعریف تیری بیان نہیں کر سکتا ہوں جیسی تو نے اپنی تعریف بیان کی ہے) اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی تعریف بیان کرتے ہیں پس غیر مسلموں کے سوال مذکور کا ایسا ٹھیک کئی جواب جو ہر موقع پر جواب بن سکے یہ ہے کہ خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ بلاشبہ مخلوق کے لئے خود ستائی بُری بات ہے لیکن خالق اگر اپنی تعریف کرے تو یہ کوئی بے جا نہیں ہے بلکہ صحیح اور درست ہے۔ اول اس پر غور کرنا چاہئے کہ خود ستائی بُری چیز کیوں ہے؟ اسکی وجہ غور کرنے اور اہل عقل و دانش کے بتانے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ خود ستائی سے عُجْب (خود پسندی) اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور خالق کمالات رب العالمین جل مجدہ سے غفلت ہو جاتی ہے اور انسان کا ذہن خالق کی حمد اور خالق کے کمالات سے ہٹ کر خود اپنی ذات میں اُلجھ جاتا ہے اور رب العالمین خالق کل شئی اپنی خود تعریف کرے تو یہ کسی خرابی کا باعث نہیں ہے اللہ پاک سے اوپر کوئی نہیں ہے اور وہ ایسا بڑا ہے کہ سب کی بڑائیاں اس کے سامنے بیچ ہیں اور ہر بڑے کو اس نے بڑائی دی ہے۔ لفظ تکبر میں تکلف کے معنی پوشیدہ ہیں یعنی جو بڑا نہیں وہ بڑا بنے اس

کو تکبر کہتے ہیں۔ اللہ پاک کی بڑائی کامل ہے تکلف سے نہیں ہے وہ سب کا خالق ہے اس کا کوئی خالق نہیں ہے لہذا اس کو اپنی تعریف کا پورا پورا حق ہے۔ اگر وہ اپنی تعریف کرے تو یہ لازم نہیں آتا کہ جو بڑا نہیں اس نے بڑائی کا دعویٰ کیا اور یہ بھی لازم نہیں آتا کہ اپنے خالق کو چھوڑ کر اپنی تعریف میں مشغول ہوا۔ **اللہ الحمد اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً اللہم لک الحمد لا احصی ثناء علیک انت کما اثبت علی نفسک۔**

سورۃ فاتحہ شفا ہے:

سورۃ فاتحہ کا ایک نام شافیہ (یعنی شفا دینے والی ہے) بھی ہے اس کے مضامین جس طرح مومن موحّد کے لئے باطنی اور روحانی شفاء کا باعث ہیں اسی طرح اس کے الفاظ جسمانی امراض و تکالیف اور دکھ درد کے لئے شفا بن جاتے ہیں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے مرض سے نجات دلانے کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھ کر مجھ پر دم کرتے ہوئے تھکا دیا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فاتحہ الکتاب زہر کے لئے شفا ہے حضرت عبدالملک بن عمیر نے (مرسل) روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاتحہ الکتاب ہر مرض کے لئے شفاء ہے (یہ سب روایات درمنثور میں ہیں)

حصن حصین میں (ابوداؤد اور نسائی سے نقل کیا) ہے کہ جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو تین روز صبح شام سورۃ فاتحہ کے ذریعہ جھاڑا جاوے (جھاڑنے والا) سورۃ فاتحہ کو پوری پڑھ کر اپنا تھوک (منہ) میں جمع کرے تھکا ر دے اور ترمذی شریف سے نقل کیا ہے کہ جس کو سانپ، بچھوؤں لیوے سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر جھاڑا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہ (سفر میں) ایک تالاب پر گزرے وہاں ایک آدمی کو بچھونے ڈس لیا تھا۔ وہاں جو قبیلہ مقیم تھا اُن میں سے ایک آدمی ان حضرات کے پاس آیا اور اُس نے کہا کیا تم میں کوئی شخص جھاڑ پھونک کرنے والا ہے۔ یہ سن کر اُن حضرات میں سے ایک صاحب چلے گئے اور انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا اور کچھ بکریاں لینے کی شرط لگالی۔ وہ شخص اچھا ہو گیا اور یہ بکریاں لے کر اپنے رفقاء کے پاس آ گئے۔ انہوں نے ان بکریوں کا لینا اچھا نہ جانا اور کہنے لگے کہ تم نے اللہ کی کتاب پر اُجرت لے لی۔ جب کہ مدینہ منورہ میں واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ انہوں نے کتاب اللہ پر اُجرت لی ہے آپ نے فرمایا بلا شبہ کتاب اللہ ان سب چیزوں میں اُجرت لینے کے لئے زیادہ اہق ہے۔ جن پر تم اُجرت لیتے ہو۔ (صحیح بخاری)۔

اس حدیث کی وجہ سے جھاڑ پھونک کی اُجرت لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ کلام صحیح ہو شرکیہ کلام نہ ہو۔

رات کو حفاظت کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو نے بستر پر اپنا پہلو رکھا اور فاتحہ الکتاب اور **قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ** (ختم سورت تک) پڑھ لی تو موت کے سوا ہر چیز سے تجھے امان مل گئی۔ (درمنثور) ولقد تم تفسیر فاتحۃ الکتاب بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ فلہ الحمد حمد اکثیر اطیباً مبارکاً فیہ



سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَكِّيَّةٌ ﴿۲﴾



سورۃ البقرہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی دوسو چھیالیس آیات اور چالیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الَمْ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ

القرہ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس میں ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔ جو ایمان لاتے ہیں

وِیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ

غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں

وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وِبِالْآخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّن رَّبِّهِمْ ۝

اُس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

بڑی ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں

سورة البقرہ

مصحف عثمانی کی ترتیب کے لحاظ سے یہ دوسری سورت ہے۔ اس سورت میں بقرہ کا تذکرہ ہے اس لئے سورۃ البقرہ کے نام سے موسوم ہوئی روایت حدیث میں اس کا یہ نام آیا ہے۔

فضائل سورہ بقرہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (یعنی ذکر و تلاوت سے گھروں کو خالی نہ رکھو جیسا کہ قبریں خالی ہوتی ہیں) بے شک شیطان اُس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے (سنن ترمذی)

اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن پڑھو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے لوگوں کے لئے سفارش کرنیوالا بن کر آئے گا۔ دوروش چیزوں کو پڑھو (یعنی) سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کو کیونکہ وہ دونوں قیامت کے دن اسی طرح آئیں گی جیسے بادل ہوں یا جیسے پرندوں کی دو جماعتیں صف بنائے ہوئے ہوں۔ اپنے لوگوں کے لئے خوب زوردار سفارش کریں گی۔ سورہ بقرہ کو پڑھو کیونکہ اس کا حاصل کر لینا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا حسرت ہے اور وہ اہل باطل کے بس کی نہیں۔ (صحیح مسلم)

اہل باطل کے بس کی نہیں۔ یعنی وہ اسے حفظ نہیں کر سکتے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اہل باطل سے جادوگر مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ سورہ بقرہ کے پڑھنے والے پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا۔ (ابن کثیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا ایک بلند حصہ ہوتا ہے اور قرآن کا بلند حصہ سورہ بقرہ ہے اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی سب آیتوں کی سردار ہے۔ وہ آیت الکرسی ہے جس گھر میں پڑھی جائے گی اس میں سے شیطان ضرور بھاگ جائے گا۔ (الترمذی فی السنن والحاکم وصحیح کما فی الدر المنثور) سورہ بقرہ کو سب سے بڑی سورت ہونے کے اعتبار سے قرآن کا بلند حصہ فرمایا نیز اس اعتبار سے بھی کہ اسمیں احکام کثیر تعداد میں مذکورہ ہیں۔ اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس میں جہاد کا حکم ہے جس سے رفعت اور بلندی حاصل ہوتی ہے۔ واللہ اعلم (مرقات شرح مشکوٰۃ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سورہ بقرہ اور سورہ نساء سورہ حج سورہ نور کو دیکھو کیونکہ ان میں فرائض ہیں۔ (درمنثور)

حروف مقطعات کی بحث

تفسیر: اَلَمْ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور حروف مقطعات اَتیس سورتوں کے شروع میں آئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ اَلَمْ۔ اَلرَّ۔ اَلْمَص۔ اَلْمَر۔ حَم۔ حَمَقَسَق۔ کَہَلِیْقَص۔ طَس۔ طَسَم۔ طَہ۔ یَس۔ ص۔ ق۔ ن۔ ان میں اَلَمْ چھ جگہ ہے۔ اور اَلْمَر پانچ جگہ ہے اور حَم چھ جگہ ہے اور طَسَم دو جگہ ہے۔ اور ان کے علاوہ باقی سب ایک ایک جگہ ہیں۔ کیونکہ یہ مشابہات میں سے ہیں اس لئے مفسرین ان کے سامنے یوں لکھ دیتے ہیں اللہ اعلم بمرادہ بذلک۔ (اللہ کو اس کا معنی معلوم ہے)۔

بہت سے اکابر جن میں خلفاء اربعہ اور ابن مسعودؓ بھی ہیں ان کا موقف یہی ہے جیسا کہ ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔ بعض حضرات نے ان کے کچھ معانی بھی بتائے ہیں کسی نے کہا ہے کہ یہ ان سورتوں کے نام ہیں جن کے شروع میں آئے ہیں۔ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ اَلَمْ قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت شعبی نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اَلَمْ لفظ اللہ کا پہلا حرف ہے اور لام اللہ کے نام لطیف کا پہلا حرف ہے اور میم مجید کا پہلا حرف ہے اور ایک قول یہ ہے الف سے الآء اللہ یعنی اللہ کی نعمتیں اور لام سے لطف اللہ یعنی اللہ کی مہربانی اور میم سے مجد اللہ یعنی اللہ کی بزرگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن اس میں سے کوئی بات رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے۔ مفسرین نے حروف مقطعات کے ذریعہ سورتیں شروع کرنے کی یہ حکمت بھی لکھی ہے کہ اہل عرب کو بتانا تھا کہ یہ کتاب جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے اس کے کلمات انہیں حروف سے مرکب ہیں جو تمہاری گفتگو اور محاورات میں استعمال ہوتے ہیں۔ تم فصیح بلیغ ہو اس جیسی کتاب بنا کر لاؤ۔ جب ماہرین اس جیسی کتاب بنا کر نہیں لاسکتے تو ایک امی جس نے کسی سے کچھ نہیں پڑھا اس کے بارے میں کیسے کہتے ہو کہ اس نے اپنے پاس سے بنالیا۔ اگر یہ کلام کسی غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم لوگ اس جیسا کلام بنانے سے کیوں عاجز رہ جاتے۔ اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں بیان کی ہیں جو مفسر بیضاوی نے لکھی ہیں۔ ان حروف کو اسی طرح الگ الگ اُتانا ہے ان میں تجوید کے قواعد کے مطابق مد بھی ہیں جو مد حرفی مشغل اور مد حرفی مخفف کے نام سے کتب تجوید میں

تیاں مکے گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا تو اسکی وجہ سے اُسے ایک نیکی ملے گی اور وہ ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اَلَمْ ایک حرف ہے (بلکہ) الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

قرآن مجید بلا ریب اللہ کی کتاب ہے

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں) مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی۔ اس کا وحی الہی ہونا اور خداوند قدوس کی طرف سے نازل ہونا یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں نظر صحیح کی جائے تو کسی عاقل کے لئے کسی طرح کے کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں اگر کسی کو کوئی شک ہے تو اس کی کج فہمی کی وجہ سے ہے اس کے شک کا اعتبار نہیں۔ اور جو شخص فکر صحیح کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے لیکن پھر بھی منکر ہے۔ اور کہتا ہے کہ مجھے شک ہے تو اسے حقیقت میں شک نہیں ہے۔ ضد اور عناد نے اُسے اس پر آمادہ کیا ہے کہ حق اور حقیقت کا انکار کرے۔

قرآن مجید متقیوں کے لئے ہدایت ہے

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (یہ کتاب ہدایت ہے متقیوں کیلئے) سورہ بقرہ میں دوسری جگہ (رکوع ۲۳) میں قرآن مجید کو ہُدًى لِّلْمُتَّقِينَ فرمایا اور یہاں هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ فرمایا ہے۔ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ قرآن کی دعوت عام ہے ہر انسان کو قرآن نے حق کی دعوت دی ہے اور بار بار سمجھایا ہے اور دلائل پیش کئے ہیں جن کو سامنے رکھ کر تھوڑی سی سمجھ رکھنے والا بھی ہدایت پر آ سکتا ہے لیکن چونکہ اس سے وہی لوگ نفع حاصل کرتے ہیں جو اپنی عقل و فکر کو استعمال کر کے حق قبول کرتے ہیں اور یہ طے کر چکے ہیں کہ ہمیں گمراہی میں نہیں رہنا اور شرک و کفر سے بچنا ہے اس لئے یہاں هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ فرمایا، لفظ اتقاء (جس سے متقی کا لفظ ماخوذ ہے اور اسکی جمع متقیین ہے) اس کا معنی بچنے کا ہے اور ڈرنے کے معنی میں بھی لیا جاتا ہے۔ لفظ تقویٰ اور اتقاء دونوں کا مادہ ایک ہی ہے شرک اور کفر سے بچنا اور ایمان قبول کر کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنا اور مزید ترقی کر کے مشتبہات سے بچنا اور اپنے باطن کو صرف ذات حق تعالیٰ شانہ ہی میں مشغول رکھنا اور اُسی کی طرف متوجہ رہنا یہ سب تقویٰ میں آتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں جو یہ بات بتائی گئی تھی کہ اس میں ہدایت پر ثابت رہنے کی دُعا ہے یہاں بھی وہ بات کہی جاسکتی ہے۔ جو لوگ متقی ہیں۔ قرآن مجید پڑھ کر اور سن کر ان کی صفت تقویٰ میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور ایمان بڑھ جاتا ہے۔ (فَرَّادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ)

متقیین کی صفات: اس کے بعد متقیین کی صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جن باتوں کی خبر دی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جو باتیں بتائی ہیں ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے اُن سب کو مانتے ہیں اور اُن پر ایمان لاتے ہیں بغیر دیکھے صرف خبر پر ایمان لے آنا یہ ایمان بالغیب ہے اور ایمان بالغیب ہی معتبر ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو وہاں کے حالات سب ہی دیکھ لیں گے اور مان لیں گے لیکن دیکھنے کے بعد مان لینا اور ایمان لانا معتبر نہیں۔

متقیوں کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی وَ يَقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ یعنی وہ نماز قائم کرتے ہیں يُصَلُّوْنَ نہیں فرمایا بلکہ

يَقِمْوْنَ الصَّلٰوةَ فرمایا۔ نماز قائم کرنا یہ ہے کہ نماز کے فرائض و واجبات و سنن و مستحبات سب کو خوب دھیان اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد نقل کیا ہے۔ اقامة الصلوة اتمام الركوع والسجود والتلاوة والخشوع والاقبال علیہا فیہا۔ یعنی نماز کا قائم کرنا یہ ہے کہ رکوع سجدہ پورا پورا ادا کیا جائے اور تلاوت بھی صحیح ہو اور نماز میں خشوع بھی ہو اور نماز پڑھتے وقت نماز کا دھیان بھی ہو۔

پھر فرمایا: وَمِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُوْنَ (اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں) متقیوں کی صفت اقامت الصلوة بیان کرنے کے بعد (جو عبادت بدنہ میں سے سب سے اہم اور سب سے بڑی عبادت ہے) مالی عبادت کا ذکر فرمایا۔ یعنی متقیوں کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔ اُس میں سے اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اس میں مالی فرائض (زکوٰۃ اور عشر) اور واجبات (صدقہ فطر وغیرہ) نفلی صدقات سب داخل ہیں۔ پھر فرمایا: وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (جو لوگ متقی ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا) ایمان وہ معتبر ہے جس میں اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے تمام رسولوں پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان ہو۔ اللہ کے کسی ایک نبی یا اس کی کسی ایک کتاب کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ لَا تَفَرِّقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ میں اسی بات کا اعلان کیا گیا ہے وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ کے عموم میں قرآن کریم سے پہلی تمام کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانا شامل ہے۔ بعض صحیفوں کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے (صحف ابراہیم و موسیٰ) اللہ کی جن کتابوں اور صحیفوں کا علم ہے اور جن کا علم نہیں ان سب پر ایمان لانا اور اللہ کی کتاب ماننا فرض ہے۔

پھر فرمایا: وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں) ایمان کے تین اہم جزو ہیں۔ توحید رسالت اور موت کے بعد زندہ ہونے پر ایمان لانا، یہاں ان تینوں چیزوں کو بتا دیا ہے۔ اور ساتھ ہی نماز اور زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمادیا۔ کیونکہ ایمان قلبی کے بعد دوسرا درجہ نماز کا ہے اور اس کے بعد زکوٰۃ ہے۔ ایک فریضہ بدنہ اور دوسرا فریضہ مالیہ بیان فرمادیا۔ اُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ (آخر تک) اس آیت میں ان لوگوں کے لئے ہدایت پر ہونے اور کامیاب ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ جن کی صفات پہلے بیان ہوئیں۔ ان کو اس بات کی سند دی گئی کہ یہ ہدایت پر ہیں اور حقیقی اور واقعی کامیابی انہیں کو حاصل ہونے والی ہے جو آخرت میں اللہ کی رضا اور دخول جنت کی صورت میں حاصل ہوگی۔ اللہ کی رضا سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَسَاءَ عَلَيْهِمْ أَنْذَرْتَهُمْ أَنْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ان کے دلوں پر

وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

اور ان کے سننے کی قوت پر اور ان کی آنکھوں پر بڑا پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے

کافروں کی گمراہی اور آخرت میں بد حالی

تفسیر: اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمانے کے بعد ان آیات میں ان کافروں کا ذکر فرمایا ہے جن کا اللہ کے علم

میں خاتمہ کفر پر ہونا ہے اور جو لوگ حق واضح ہوتے ہوئے اور حق و باطل کو سمجھتے ہوئے کفر پر جے ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے طے کر رکھا ہے کہ ہمیں ہرگز کسی حالت میں اسلام قبول نہیں کرنا اللہ جل شانہ نے ہر شخص کو فطرت ایمانیہ پر پیدا فرمایا پھر اس کے ماں باپ اسکو کفر پر ڈال دیتے ہیں اور وہ اپنے ماحول اور معاشرہ کی وجہ سے ایمانی استعداد کو کھو بیٹھتا ہے اور اپنے کو اس درجہ میں پہنچا دیتا ہے کہ کسی قیمت پر اسلام قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جب انہوں نے اپنی شرارت اور عناد کی وجہ سے اپنی استعداد خود برباد کر دی تو اپنی جہاں کا سبب وہ خود ہی بن گئے لیکن چونکہ اللہ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے اس لئے اس خلق افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی جسے مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا۔ یہ مسئلہ قدرے باریک ہے اسی لئے اسی اجمال پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ جو لوگ کافر ہیں خواہ یہود و نصاریٰ ہوں خواہ ہندو مشرک ہوں خواہ دوسری کسی قوم کے افراد ہوں اہل اسلام اُن سے ملتے رہتے ہیں۔ اور دلیل سے اُن کو عاجز اور خاموش کر دیتے ہیں اور اُن میں لاکھوں افراد ایسے ہیں جو قرآن اور اسلام کو حق جانتے ہیں پھر بھی نہ صرف یہ کہ خود اسلام قبول نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی اسلام قبول کرنے سے روکتے ہیں اور جو کوئی اسلام قبول کر لیتا ہے اُس کو کفر میں واپس لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اسلام کو حق جانتے ہوئے قومی یا مذہبی عصبیت کے باعث اسلام کی خلاف کتابیں لکھتے ہیں ان کے احوال اور اقوال پر نظر کرو تو اُن کا عناد اور ان کا حال معلوم کرنے کے بعد آیۃ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ کا مطلب بالکل واضح طور پر سمجھ میں آ جاتا ہے۔

وَمِنَ الثَّالِثِ مَنْ يَقُولُ امْكُتَابِ اللَّهِ وَيَأْتِيهِمُ الْآخِرُ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝ يُخَذُّ عُنَ اللَّهِ

اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يُخَذُّ عُنَ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ ۖ فَزَادَهُمُ

اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو۔ اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں بڑا روگ ہے سو اللہ نے اُن

اللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ

کا روگ بڑھا دیا اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے

منافقین کی تاریخ اور نفاق کے اسباب

تفسیر: جب سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور دین اسلام خوب پھیلنے لگا تو یہود یوں اور خالص کران کے علماء اور احبار کو یہ بات زیادہ کھلی اور یہ لوگ دشمنی پر اتر آئے کچھ لوگ اوس اور خزرج میں سے بھی اسلام کے مخالف ہو گئے۔ اسلام کی اشاعت عام ہو جانے کے بعد کھل کر یہ لوگ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور دشمنی کے اظہار سے بھی عاجز تھے اس لئے انہوں نے یہ چال چلی کہ ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا اندر سے کافر تھے اور ظاہر میں مسلمان تھے۔

ان کا سردار عبداللہ بن ابی تھا حضور اقدس ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے اوس اور خزرج نے عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے اور اُس کو تاج پہنانے کا مشورہ کیا تھا سید العالمین ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی کی سرداری نہیں چل سکتی تھی اُس نے اور اس کے ساتھیوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر کے اپنے کو مسلمانوں میں شمار کر دیا اور اندر سے اسلام کی

کاٹ میں لگے رہے۔ ان کے اس طریقہ کار میں یہ راز پوشیدہ تھا کہ اسلام قبول کرنے پر جو منافع ہیں وہ بھی ملتے رہیں اور کنبے اور قبیلے سے باہر بھی نہ ہوں اور اہل کفر سے بھی گٹھ جوڑ رہے۔ اور اُن سے بھی فائدہ ملتا رہے۔

اور یہ بھی پیش نظر تھا کہ اگر العیاذ باللہ اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اور بقا زیادہ دیر تک نہ رہے تو حسب سابق پھر سرداری مل جائے گی لہذا یہ اُوپر سے مسلمان اور اندر سے کافر رہے اور اسلام اور داعی اسلام کی ناکامی کے انتظار میں رہنے لگے مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم مومن ہیں اور اس طرح سے اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے تھے۔ اور خالص کافروں سے تنہائیوں میں ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے نمازیں بھی پڑھتے تھے لیکن چونکہ دل میں نمازی نہ تھے اس لئے جماعتوں کو حاضری میں سستی کرتے تھے۔ اور اکساتے ہوئے اُوپر کے دل سے نماز پڑھتے تھے جہادوں میں بھی شریک ہونے کے لئے ساتھ لگ جاتے تھے لیکن کبھی تو درمیان سے واپس آ گئے اور کبھی ساتھ رہتے ہوئے ہی مکرو فریب کو کام میں لاتے رہے۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تکلیفیں پہنچانے اور دل دکھانے کی تدبیریں کرتے رہتے تھے جھوٹی قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور اسلام کے خلاف منصوبے بنا کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے والی باتیں کر کے صاف انکار کر جاتے تھے۔

اور قسم کھا جاتے تھے کہ ہم نے تو نہیں کہا۔ ان لوگوں کے حالات سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع میں اور سورۃ نساء کے رکوع ۲۱ میں اور سورۃ منافقون میں اور سورۃ حشر میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور سورۃ برأت میں خوب زیادہ انکی قلعی کھولی گئی ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں کہ یہ کون کون تھے اور کس قبیلہ سے تھے۔ البدایہ والنہایہ اوائل کتاب المغازی میں یہودی علماء اور احبار جنہوں نے اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی کھل کر مخالفت اختیار کی اور خوب زیادہ دشمنی میں لگ گئے اُن کے نام اور اُن لوگوں کے نام جو یہودیوں اور اوس و خزرج میں سے منافق بنے ہوئے تھے واضح طور پر ذکر کئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مروت کا برتاؤ فرماتے رہے اور انکی ایذاؤں کو سہتے رہے۔ آپ احسن اسلوب سے اپنی دعوت کو لے کر آگے بڑھتے رہے اور دین اسلام کو برابر ترقی ہوتی رہی۔ اس میں جہاں یہ حکمت تھی کہ شاید یہ لوگ مخلص مسلمان ہو جائیں وہاں یہ مصلحت بھی تھی کہ اگر ان کے ساتھ سختی کریں گے تو عرب کے دوسرے قبائل جو مسلمان نہیں ہوئے ہیں اور صحیح صورت حال انہیں معلوم نہیں وہ اسلام کے قریب آنے کے بجائے اور دور ہو جائیں گے۔ اور شیطان ان کو یہ سمجھائے گا کہ دیکھو محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنے ماننے والوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہے۔ بالآخر ایک دن وہ آیا کہ یہ لوگ سختی اور ذلت کے ساتھ مسجد نبوی سے نکال دیئے گئے جس کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام (جلد ثانی کے اوائل) میں مذکور ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں اور ان کے بعد والی چند آیتوں میں منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اوّل تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر بھی ایمان لائے۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ ہے۔ یہ اہل ایمان نہیں ہیں۔ ایمان فعل قلب ہے صرف زبانی دعویٰ سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوگا۔ جب تک دل سے اُن چیزوں کی تصدیق نہ کرے جو اللہ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بتائی ہیں اور جن پر ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ منافقین کے اسی دو غلے پن کو کہہ رہے ہیں کہ ہم مومن ہیں۔ حالانکہ مومن نہیں۔ سورۃ مائدہ میں اس طرح بیان فرمایا۔ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا اٰمَنَّا بِالَّذِي هُمْ وَاَنْتُمْ تُوْثِقُوْنَ لَهُمْ۔ (یعنی اُن لوگوں میں سے ہیں جنہوں

نے اپنے منہوں سے کہا کہ ہم ایمان لائے اور حال یہ کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے (اس دورگی اور دو غلے پن کو قرآن وحدیث میں نفاق اور منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں۔ ان کو منافق فرمایا گیا ہے۔

یہ کلمہ لفظ ”نَفَقَ“ سے ماخوذ ہے۔ نَفَقَ اُس سُرنگ کو کہتے ہیں۔ جس میں دونوں طرف سے راستہ ہو چونکہ منافقین اسلام میں ایک دروازہ سے داخل ہوتے ہیں اور دوسرے دروازے سے نکل جاتے ہیں اس لئے ان کے اس عمل کا نام نفاق رکھا گیا۔ مفردات امام راغب میں ہے ومنه النفاق وهو الدخول في الشرع من باب والخروج عنه من باب وعلى ذلك نيه تعالى بقوله ان المنافقين هم الفاسقون اى الخارجون من الشرع منافقت كفر کی بدترین اور خبیث ترین قسم ہے۔ اس میں کفر بھی ہے جھوٹ بھی ہے۔ دھوکہ دہی بھی ہے ایسے لوگ صرف بندوں ہی کو دھوکہ نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اور ایمان اور اہل ایمان کا مذاق بناتے ہیں اور جو کھلے کافر ہیں اُن کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اُن سے کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ وہ کسی میں سے نہیں جس کو سورۃ نساء میں یوں

بیان فرمایا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَا اِلٰى هٰؤُلَاءِ وَلَا اِلٰى هٰؤُلَاءِ (یعنی وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بس ذرا بہت یاد کرتے ہیں ایمان اور کفر کے درمیان مذذب ہیں نہ ان کی طرف ہیں اور نہ اُنکی طرف) وجہ اسکی یہ ہے کہ منافق کسی کا نہیں ہوتا وہ صرف اپنا ہوتا ہے۔ جہاں دنیا اور دُنیاوی منافع دیکھتا ہے موقعہ دیکھ کر اُسی طرف ہو جاتا ہے۔ اور اتنے ہی وقت کے لئے ہوتا ہے جتنے وقت تک ضرورت محسوس کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسے بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان ایک بکری ہے وہ گا بھن ہونے کے لئے کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے کبھی اُس ریوڑ کی طرف جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۷)

منافقین اپنے اس عمل کو چال بازی اور ہوشیاری سمجھتے ہیں کہ ہم نے خوب اللہ تعالیٰ اور مومنین کو دھوکہ دیا اور اپنا کام نکالا۔ حالانکہ اس دھوکہ دہی اور چال بازی کا اجر انجام خود انہی کے سامنے آئے گا۔ اور یہ چال بازی انہیں کے لئے وبال جان بنے گی وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خوب سمجھتے ہیں حالانکہ اپنے اصل نفع اور نقصان تک کو نہیں سمجھتے۔

نفاق کا مرض بہت پرانا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ زمانہ نبوت کے منافقین اس مرض میں مُتَحَمِل تھے۔ جیسے جیسے اسلام آگے بڑھتا گیا منافقوں کا نفاق بھی بڑھتا رہا۔ مرض نفاق حسد اور حُب دنیا کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ دنیا میں ایسا شخص ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں منافق کے لئے سخت سزا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نفاق رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھا۔ آج تو یا اسلام ہے یا کفر ہے۔ اُن کا یہ ارشاد امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ شرح حدیث نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ ہم دلوں کا حال نہیں جانتے اس لئے ہم کسی مدعی اسلام کو یوں نہیں کہیں گے کہ یہ منافق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ پاک کی طرف سے اس زمانہ کے منافقوں کے نفاق کا علم تھا اس لئے متعین طریقہ پر اُن کو منافق قرار دیا گیا ہم ظاہر کے مکلف ہیں جو شخص کہے گا میں مسلمان ہوں اس کو مسلمان سمجھیں گے۔ جب تک کہ اس سے کفر کا کوئی کلمہ یا کفر کا کوئی کام صادر نہ ہو اگر کسی کے بارے میں اندازہ ہو کہ یہ ظاہر میں مسلمان بنتا ہے۔ اندر سے مسلمان نہیں ہے اُسے منافق کہے بغیر اپنی حفاظت کریں گے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح ہی کر رہے ہیں۔ خبردار بلاشبہ یہی لوگ مُفسد ہیں۔

وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۖ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا امْنَوُا كَمَا امْنَوُا قَالُوا أَنْتُمْ مِمَّنْ كَذَبُوا ۖ

لیکن نہیں سمجھتے ہیں۔ اور جب کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ اور لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسے یہ بیوقوف ایمان لے آئے۔

السُّفَهَاءُ الْآثِمُ ۚ هُمْ الشُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۖ وَإِذَا قَالُوا الدِّينَ امْنُوا قَالُوا امْنُوا ۖ وَإِذَا خَلَوْا

خبردار بلاشبہ یہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔ اور جب یہ لوگ اُن سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اور جب تنہا ہوں میں

إِلَى شَيْطَانِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ۚ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي

اپنے شیطانوں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف مذاق بنانے والے ہیں۔ اللہ اُن کا مذاق بناتا ہے اور اُن کو ذلیل دے رہا ہے وہ اپنی

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۙ

سرکشی میں اندھے ہو کر بھٹک رہے ہیں۔

منافقوں کے دعوے اور اُن کا طریق کار

تفسیر: ان آیات میں منافقین کے بعض دعوے نقل فرمائے ہیں۔ اور اُن کا طریقہ کار ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ جب اُن سے کہا جاتا تھا کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے تھے کہ اہی ہم کہاں فساد کہاں؟ ہمارا کام تو اصلاح کرنا ہی ہے۔ اُن کی تردید میں فرمایا کہ خبردار بلاشبہ یہ لوگ فساد ہی ہیں لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے، جس فساد میں یہ لوگ مہجلا تھے اُس میں کئی طرح سے حصہ لیتے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فتنے کھڑے کرتے تھے۔ اور دشمنان اسلام کو لڑائیوں پر آمادہ کرتے تھے اور مسلمانوں کے بھید دشمنوں تک پہنچاتے تھے۔ اور جو لوگ مسلمان ہونے کا ارادہ کرتے اُن کو اسلام سے روکنے کا سبب بنتے تھے۔ اور مسلمانوں کا مذاق بناتے تھے فساد کے کاموں میں مبتلا ہوتے ہوئے اُن کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم تو اصلاح ہی کر رہے ہیں مفسر ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم دونوں فریق یعنی مسلمین اور کافرین کی مدارات کرتے ہیں۔ دونوں میں جوڑ لگانے اور دونوں کے تعلقات استوار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ (و کذا نقلہ السیوطی عن ابن عباس فی الدرر) انہوں نے اپنے نفاق کو اصلاح سے تعبیر کیا، اُن کا دعویٰ جھوٹ تھا دونوں فریق میں سے ہر فریق اُن کو اپنی جماعت سے علیحدہ سمجھتا تھا (لا اِلٰی ہٰؤلَاءِ وَلَا اِلٰی ہٰؤلَاءِ) جس شخص سے دونوں جانب میں سے کوئی بھی مطمئن نہ ہو وہ کیا جوڑ بٹھا سکتا ہے۔ پھر ایمان اور کفر میں جوڑ بٹھانے کا ارادہ کرنا بھی مزید کفر ہے۔ ایمان اور کفر کا جوڑ بیٹھ ہی نہیں سکتا۔ لہذا اُن کا دعویٰ اصلاح صرف دھوکہ ہے اور وہ اس کے نتیجے سے ناواقف ہیں۔ اُن کے عمل سے جو فساد پھیلتا ہے اس کو نہیں سمجھتے اور آخرت میں جو اس کا وبال ان پر پڑے گا اس کو نہیں جانتے۔ اور جب اُن سے کہا جاتا تھا کہ ایمان لے آؤ یعنی دین اسلام کو سچے دل سے قبول کرو تو وہ کہتے تھے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو بے وقوف ہیں ہم بیوقوفی کا کام کیوں کریں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور خاص کر انصار کے دونوں قبیلے اُس اور خرزرج جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کو انہوں نے بیوقوف بنایا۔ اور گویا اپنے سمجھدار اور ہوشیار ہونے کا دعویٰ کیا۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ خود بیوقوف ہیں۔ لیکن جانتے نہیں ہیں۔ جس نے ایمان کھویا کفر اختیار کیا اسلام کو نقصان پہنچایا اپنی

آخرت بربادی اور دُنیا میں مومنین اور کافرین دونوں کے نزدیک مطعون اور قابل ملامت ہوا اسکی بیوقوفی میں کیا شک ہے؟ منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ مومنین سے کہتے تھے کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں اور جب تنہائیوں میں اپنے شیطانوں یعنی کفر کے سرغٹوں کے پاس جاتے تھے جو کھلے کافر تھے تو اُن سے کہتے تھے کہ بلاشبہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ جو ہم مسلمانوں سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں یہ تو ہمارا مذاق ہے۔ اُن کا مذاق بنانے کے لئے بطور دل لگی ہم اُن کے سامنے اُن کی جماعت میں ہونے کا اقرار کر لیتے ہیں لیکن اندر سے اور دل سے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ (قال ابن عباسؓ کان رجال من اليهود اذا لقوا اصحاب النبی ﷺ او بعضهم قالوا انا علی دینکم واذاخلوا الی شیاطینہم وهم اخوانہم قالوا انا معکم ای علی مثل ما انعم علیہ انما نحن مُسْتَهْزِءٌ وَنُ سَاخِرُونَ۔ (درمنثور)

انہوں نے یہ جو کہا کہ ہم مسلمانوں کا مذاق بناتے ہیں اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کا مذاق بناتا ہے یعنی وہ ان کے اس استہزاء اور مذاق بنانے کا بدلہ دے گا انہوں نے استہزاء کر کے مسلمانوں کے ساتھ جو حقارت کا معاملہ کیا اسکی پاداش میں آخرت میں ذلیل اور رسوا ہوں گے۔ اور ان کے استہزاء کا وبال انہیں پر پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ اُن کو ذلیل دے رہا ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم بہت فائدہ میں ہیں حالانکہ وہ دوزخ کی طرف جا رہے ہیں یہاں دُنیا میں مسلمانوں کی طرف اشارے کرتے ہیں زبانوں سے نککھیوں سے اُن کا مذاق بناتے ہیں۔ آخرت میں مومنین ان پر نہیں گے۔ (قَالِیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا مِنَ الْکُفَّارِ یَضْحَکُوْنَ) سورہ حدید کے دوسرے رکوع میں منافقین کے پیش آئیہ لے ایک استہزاء کا ذکر ہے۔ (فَضْرِبْ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّہٗ بَابٌ بَاطِنٌ فِیْہِ الرَّحْمَۃُ وَظَآہِرُہٗ مِنْ قَبْلِ الْعَذَابِ) جس کی تفسیر ان شاء اللہ اپنی جگہ پر بیان ہوگی۔

دنیا میں منافقین اپنے مال اور جائیداد وغیرہ میں مشغول ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں ان کا سمجھنا غلط ہے ان کا مال اور جائیداد اُن کو گمراہی اور سرکشی میں لگائے ہوئے ہیں اور وہ اسی گمراہی میں حیران اور سرگرداں ہو کر بھٹک رہے ہیں۔ دُنیاوی مال اور جائیداد سے دھوکا کھانا اور یہ سمجھنا کہ کفر کے ہوتے ہوئے یہ ہمارے لئے مفید اور نافع ہے بہت بڑا دھوکہ ہے سورہ مومنوں میں فرمایا۔ اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِیْدُہُمْ بِہٖ مِنْ مَّالٍ وَبَیْنِیْنَ نَسَارِعُ لَہُمْ فِی الْخَیْرٰتِ بَلْ لَا یَشْعُرُوْنَ (کیا یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال اور بیٹے دیئے چلے جاتے ہیں (اس طرح) ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں (بات یوں نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں)

اُولَئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوْا الضَّلٰلَۃَ بِالْہُدٰی فَبَا رِحْمٰتِ تِجَارَتِہُمْ وَمَا کَانُوْا مُہْتَدِیْنَ ﴿۴۱﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی۔ سو اُن کی تجارت نفع مند نہ ہوئی۔ اور نہ وہ ہدایت پر چلنے والے بنے

منافقین نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی

تفسیر: اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہر شخص کو فطرت ایمان پر پیدا فرمایا پھر عقل اور ہوش بھی دیا۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ کتابیں نازل فرمائیں اس سب کے باوجود اگر کوئی شخص ہدایت کو اختیار نہ کرے اور گمراہی کو اختیار کرے تو

یہ ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے والا بن گیا اس نے اپنی عقل و بصیرت کی پونجی کو جس کے ذریعہ ہدایت پر چل سکتا تھا ضائع کر دیا اور گمراہی اختیار کر لی۔ یعنی اپنی پونجی گمراہی حاصل کرنے میں لگا دی ایسے لوگوں کی یہ تجارت نفع مند نہیں بلکہ سراسر نقصان اور خسران کا باعث ہے۔ حقیر دنیا کے لئے گمراہی لی ہدایت سے منہ موڑا آخرت کی بربادی کو خرید افطرت سلیمہ جو ان کی پونجی تھی اس کو برباد کیا ایسی تجارت میں نفع کہاں؟ نقصان کو نفع سمجھنا بہت بڑی حماقت اور خود فریبی ہے۔ اہل ایمان کو دھوکہ دیا اُن کو بیوقوف بتایا اور خود ہی دھوکہ میں پڑے اور برباد ہوئے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ

ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی پھر جب اس آگ نے اس شخص کے اس پاس کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی روشنی کو ختم کر دیا اور ان گماندہیروں میں چھوڑ دیا

فِي ظُلُمٍ اَلَا يَبْصُرُونَ ۝ صُمُّ بَكْمٌ عُصِي فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝

کہ وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔ یہ لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں اندھے ہیں پس یہ لوگ رجوع نہ ہوں گے

منافقوں کے بارے میں دواہم مثالیں

تفسیر: منافقوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا اور دل میں اُن کے ایمان نہ تھا ظاہری ایمان قبول کرنے سے جو کچھ انہیں دنیاوی فائدہ پہنچ گیا مثلاً جان و مال محفوظ کر لیا کہ مسلمان ان سے تعرض نہ کریں اس کو اولاً ایسے شخص سے تشبیہ دی جو اندھیری رات میں آگ جلائے اور اُس روشنی سے راستہ دیکھنے کا فائدہ حاصل کرنا چاہے۔ اور اُن لوگوں کا جو انجام ہونے والا ہے کہ مرتے ہی سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اس کو اس آگ کے بجھانے سے تشبیہ دی جس کو انہوں نے روشنی کے لئے جلا یا تھا۔ دنیا میں جھوٹے منہ سے ایمان ظاہر کر کے ذرا سا فائدہ اٹھالیا اور ہمیشہ کے لئے عذاب الیم میں گرفتار ہوئے جیسے کوئی شخص اندھیری رات میں آگ جلائے اور روشنی ہو جائے تو وہ روشنی اللہ تعالیٰ شانہ ختم فرما دے اور یہ آگ جلانے والا اندھیروں میں حیران کھڑا رہ جائے نہ کچھ دیکھ سکے نہ بوجھ سکے منافقوں نے اپنے طور پر بڑی ہوشیاری کی کہ ایمان ظاہر کر کے دنیا کا کچھ فائدہ اٹھالیا لیکن دل میں جو گھر گھسا ہوا ہے اسکی وجہ سے موت کے بعد جن مصیبتوں میں گرفتار ہوں گے اس کو نہ سوچا اور کفر میں بڑھتے بڑھتے اس درجے پر پہنچ گئے۔ کہ بہرے بھی ہیں حق سننے کے قابل نہ رہے اور گونگے بھی ہیں جن کے منہ سے کلمہ حق ادا نہیں ہو سکتا اور اندھے بھی ہیں جو راہ حق نہیں دیکھ سکتے۔ اپنا نفع نقصان جاننے اور سمجھنے سے غافل ہیں۔ اُن کے بارے میں اب نہ سوچا جائے کہ وہ حق کی طرف رجوع کریں گے اور دل سے مسلمان ہوں گے۔ ذکر ابن کثیر فی شرح المثل عدة اقوال وقد اخترنا ما نقله عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال هذا مثل ضربه الله للمنافقين انهم كانوا يعتزون بالاسلام فيناكحهم المسلمون ويوارثونهم ويقاسمونهم الفی فلما ماتوا سلبهم الله ذلك العز كما سلب صاحب النار ضوءه۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمٌ وَّرَعْدٌ وَّ يَجْعَلُونَ اَصَابِعَهُمْ فِيْ اُذَانِهِمْ مِّنْ

یا ان کی ایسی مثال ہے جیسے آسمان سے تیز بارش ہو رہی ہو اُس میں اندھیریاں ہوں اور گرج ہو اور بجلی ہو

الصَّوَاعِقُ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُخِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ

یہ لوگ موت کے اندیشے کے سبب اپنے کانوں میں انگلیاں دے رہے ہیں کڑک کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ احاطہ کئے ہوئے ہے کافروں کا قریب ہے کہ بجلی

کُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشْأَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ

ان کی بینائی کو اچک لے جب کبھی ان کے لئے روشنی ہوئی تو اس میں چلنا شروع کر دیا اور جب اندھیرا ہو گیا تو کھڑے کھڑے رہ گئے اور اللہ تعالیٰ چاہے

يَسْمِعَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

تو ان کے سننے اور دیکھنے کی قوتوں کو ختم فرما دے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

تفسیر: ان دو آیتوں میں منافقین کی دوسری مثال پیش فرمائی جیسے تیز بارش ہو اندھیریاں چھائی ہوئی ہوں گرج بھی ہو اور بجلی کی چمک بھی ہو موت کا سامنا ہو۔ جو لوگ وہاں موجود ہوں۔ کڑک کی آواز سے خوف زدہ ہو رہے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ ابھی موت آ جائے گی۔ کڑک کی آواز کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے ہیں۔ سخت بجلی آنکھی آنکھوں کی روشنی سلب کرنے کو ہے اسی حیرانی اور پریشانی میں کھڑے کھڑے جب ذرا بجلی چمکتی ہے تو اسکی روشنی میں ایک دو قدم چل لیتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو حیران سرگردان کھڑے رہ جاتے ہیں۔ منافقوں کی یہی حالت ہے جب غلبہ اسلام کو دیکھتے ہیں اور اس کا نور پھیلتا ہوا نظر آتا ہے تو اسکی طرف بڑھنے لگتے ہیں پھر جب دنیا کی محبت زور پکڑتی ہے اور دنیاوی فائدے کفر اختیار کئے رہنے میں نظر آتے ہیں تو کھڑے کھڑے رہ جاتے ہیں یعنی ایمان کی طرف بڑھنے سے رُک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و قدرت سے سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اسکی طرف بڑھنا اور اس کا دین قبول کرنا لازم ہے۔ وہ چاہے تو سننے اور دیکھنے کی ساری قوتیں ختم فرمائے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ منافقین کو اصحاب صیب (بارش والوں) سے تشبیہ دی اور ان کے (ظاہری) ایمان کو جو کفر اور دھوکے بازی کے ساتھ ملا ہوا تھا ایسی بارش سے تشبیہ دی جس میں اندھیریاں ہوں اور گرج ہو اور بجلی ہو یہ تشبیہ اس اعتبار سے ہے کہ بارش اگر چہ فی نفسہ نافع ہے لیکن جب مذکورہ صورت میں بارش نازل ہوئی تو اس کا نفع ضرر سے بدل گیا اور منافقین نے جو نفاق اسلئے اختیار کیا کہ مومنین کی طرف سے جو تکالیف پہنچنے والی ہوں اور کھلے کافروں کی طرف سے جو تکالیف پہنچتی ہوں ان سے بچاؤ ہو جائے ان کی اس منافقت کو کانوں میں انگلیاں دینے سے تشبیہ دی جیسے کوئی شخص جلیوں کی کڑک سے اپنے کانوں میں انگلیاں دے رہا ہو اور موت سے ڈر رہا ہو تو جس طرح کانوں میں انگلیاں دینے سے اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں ٹالا جاسکتا اسی طرح سے منافقت اختیار کرنے سے مصائب و آلام سے حفاظت نہیں ہو سکتی اور شدت الامر کی وجہ سے جو ان کو حیرانی اور یہ پریشانی تھی کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں اسے بجلی سے تشبیہ دی کہ کوئی موقع پاتے ہیں تو ذرا اپنے مقاصد میں آگے بڑھ جاتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ خوف لگا ہوا ہے۔ کہ بجلی ان کی آنکھیں نہ اچک لے۔ لہذا اچھہ قدم چلتے ہیں پھر جب بجلی کی چمک ختم ہو جاتی ہے تو بلا حس و حرکت کھڑے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

پھر دوسری طرح سے بھی اس تشبیہ کی تفسیر کی ہے (راجع بیضاوی) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی مثال ان منافقوں کے بارے میں پیش فرمائی ہے جو بہت مضبوطی کے ساتھ کفر رہتے ہوئے تھے ان کے بارے میں فرمایا وَتَرَكُهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يَبْصُرُونَ۔

اور دوسری مثال اُن منافقوں کے بارے میں ہے جن کو اسلام کے بارے میں تردد تھا کبھی اسکی حقانیت دل میں آتی تو اسکی طرف مائل ہونے لگتے اور جب دنیاوی اغراض سامنے آتیں اور دنیا کی محبت زور پکڑ لیتی تو وہ میلان ختم ہو جاتا تھا اور کفر ہی پر چھ رہ جاتے تھے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١﴾

اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا فرمایا اور اُن لوگوں کو بھی پیدا فرمایا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ

جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو چھوٹا اور آسمان کو چھت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکال دیا اس کے ذریعہ

بِهِ مِنَ الشَّجَرِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أُندَادًا ۚ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢﴾

پھلوں سے تمہارے لئے رزق لہذا مت بناؤ اللہ کے لئے مقابل حالانکہ تم جانتے ہو

دعوت توحید اور دلائل توحید

تفسیر: مومنین مخلصین اور کافرین اور منافقین کا ذکر کرنے کے بعد اب دلائل کے ساتھ توحید کی دعوت دی گئی۔ اور اللہ جل شانہ کی شان خالقیت اور شان ربوبیت بیان فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نعمت کا تذکرہ فرمایا جس کا مظاہرہ سب کے سامنے ہے اور ایک کم سمجھ آدمی بھی اس کو دیکھتا ہے۔

اول: تو یہ فرمایا کہ تم اپنے رب کی عبادت کرو جو تمہاری پرورش فرماتا ہے اور یہی نہیں کہ صرف پرورش فرماتا ہے بلکہ اس نے تم کو وجود بھی بخشا ہے ممکن ہے کوئی نا سمجھ یہ کہنے لگتا کہ مجھے تو میرے ماں باپ نے پیدا کیا اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے فوراً یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ تم سے پہلے ہیں ان سب کو اسی نے پیدا فرمایا ہے اس نے وجود بھی دیا اور وہ وجود کو باقی رکھے ہوئے بھی ہے اور وجود کے باقی رہنے کے جو اسباب ہیں وہ بھی اسی نے پیدا فرمائے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ جب اسی ذات پاک کی عبادت کو اختیار کرو گے اسی میں لگو گے تو تم کو صفت تقویٰ حاصل ہوگی۔ تقویٰ عربی زبان میں بچنے اور پرہیز کرنے کو کہتے ہیں اور اس کے بہت سے درجات ہیں۔ سب سے بڑا اور جریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک کا مراقبہ رکھے اور ہر وقت اسی کی طرف دل و دماغ کو متوجہ رکھے اسی کے لئے جیئے اور اسی کے لئے مرئے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔ جب کسی کو خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ شانہ کی ذات پاک کا استحضار رہے گا تو کہاں گناہ کر سکے گا اور جب گناہوں سے بچے گا تو ظاہر ہے دوزخ سے بھی محفوظ رہے گا۔ اسی لئے بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے تاکہ تم دوزخ سے بچو۔ سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ شرک سے بھی بچو اور توحید کو اختیار کرے جو سب سے بڑی عبادت ہے اور چھوٹے بڑے گناہوں سے بھی پرہیز کرے ایسا کرے گا تو ظاہر ہے کہ دوزخ سے ضرور اسکی حفاظت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور شان خالقیت کا مظاہرہ تو ہر چھوٹی بڑی چیز میں ہوتا ہے لیکن بہت واضح چیزیں جو سب کے سامنے ہیں اور کم سمجھ بھی جن کو سمجھتا اور جانتا ہے اُن میں سے تین چیزیں بیان فرمائیں۔ جن میں سے اول یہ ہے کہ اُس

نے زمین کو پیدا فرمایا۔ یہ زمین سب کے سامنے ہے اس پر بستے ہیں اور رہتے سہتے ہیں اگر کوئی ناپیدا ہو تو وہ بھی یہ تو جانتا ہی ہے کہ میں کسی چیز پر آباد ہوں کسی چیز پر چل پھر رہا ہوں جو زمین ہے اس کا وجود ہی بتاتا ہے کہ اس کا پیدا کر نیوالا بڑی قدرت والا ہے پھر زمین کا وجود محض وجود ہی نہیں بلکہ انسانوں کے لئے اس کا وجود بہت بڑی نعمت ہے ساری زمین انسانوں کے لئے چھوٹا ہے جس پر رہتے سہتے ہیں چلتے پھرتے ہیں اس کے اتنے بڑے پھیلاؤ میں انسانوں کے رہنے کے مکانات بنانے چلنے پھرنے سفر کرنے حاجتیں پوری کرنے کے مواقع ہیں اگر زمین پر پہاڑ ہی پہاڑ ہوتے یا پانی ہی پانی ہوتا تو اس پر رہنا دشوار ہو جاتا۔ زمین کے ساتھ ہی آسمان کا ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ آسمان کو تمہارے لئے چھت بنایا۔ یہ چھت ستاروں سے مزین ہے۔ دیکھنے میں بھلی معلوم ہوتی ہے اس کی طرف نظر کرنے سے فرحت اور بشارت محسوس ہوتی ہے۔ صاحب بیان القرآن نے اپنے رسالہ رفع البناء کے آخر میں لکھا ہے کہ بعض حکماء کا قول ہے کہ آسمان کی طرف دیکھنے سے دس فائدے ہیں (۱) غم کا کم ہونا (۲) وسوس کی تسکین (۳) وہم اور خوف کا ازالہ (۴) اللہ کی یاد (۵) قلب میں اللہ کی عظمت کا پھیل جانا (۶) افکار روڈیہ کا جاتا رہنا (۷) سوداوی مرض کے لئے نافع ہے (۸) مشاق کی تسلی (۹) محبین کا مونہ ہونا (۱۰) دعا کر نیوالوں کا قبلہ ہے اھ نقلہ عن کتاب الحکمة للغزالی۔

پھر بارش کے پانی کا تذکرہ کیا اور یہ فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے آسمان سے پانی اُتارا اور اس کے ذریعہ طرح طرح کے پھل پیدا فرمائے جو بنی نوع انسان کے لئے رزق ہیں اور غذا ہیں ان کے ذریعہ انسانوں کی پرورش اور بقا ہے اس میں دلائل قدرت بھی ہیں اور شان ربوبیت کا اظہار بھی ہے۔ ایک ہی زمین ہے اس میں طرح طرح کے پھل ہیں جن کے رنگ بھی مختلف ہیں مزے بھی مختلف ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ جب اپنے رب اور خالق کو تم نے اس کے دلائل قدرت کے ذریعہ اور اسکی نعمتوں کے واسطے سے پہچان لیا تو عقل اور سمجھ کا تقاضا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اسکو ایک جانو اور ایک مانو اسکی الوہیت اور ربوبیت کا اقرار کرو۔ اور اس کے مقابل شریک مت ٹھہراؤ۔ اُس کے علاوہ نہ کوئی رب ہے نہ کوئی خالق ہے نہ نعمتیں دینے والا ہے نہ زندگی کے اسباب پیدا کر نیوالا ہے۔ ان سب باتوں کو جاننے اور سمجھتے ہوئے اس کے لئے شریک تجویز کرنا اور کسی کو اس کے علاوہ عبادت کا مستحق سمجھنا علم و فہم اور عقل و دانش کے خلاف ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهٖ ۚ وَادْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ

اور اگر تم اس کتاب کی طرف سے شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی تو لے آؤ کوئی سورت جو اس جیسی ہو اور بلاؤ اپنے مددگاروں کو

مَنْ دُوْنَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم سچے ہو

رسالت محمدیہ کی دلیل اور قرآن پاک کا اعجاز

تفسیر: توحید کے ثابت کرنے کے بعد رسالت کے ماننے اور تسلیم کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے کوئی شخص خالق

و مالک کو مان لے تو اسکی معرفت کی بھی ضرورت رہتی ہے اسکی ذات و صفات کو جاننا اور ماننا لازم ہے اور ان کا علم خود بخود نہیں ہو سکتا اور خالق و مالک جل مجدہ کی عبادت کے طریقے اپنے پاس سے ایجاد نہیں کئے جاسکتے۔ لہذا ان سب چیزوں کے سمجھانے اور بتانے کے لئے اللہ جل شانہ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا جو انسان تھے اور انسانوں سے انسان کی زبان میں بات کرتے تھے۔ جتنے بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے ان کی نبوت ثابت کرنے کے لئے ہر ایک زمانہ کے ماحول کے اعتبار سے معجزات دیئے گئے۔ آخر الانبیاء سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خطہ عرب میں پیدا ہوئے مکہ معظمہ آپ کا وطن تھا جو جزیرہ عرب میں واقع ہے اس زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا اہل عرب جب مختلف مواقع میں جمع ہوتے تھے تو مقابلے کے طور پر مختلف قبائل اپنے اپنے قصیدے سنایا کرتے تھے۔

جس کا قصیدہ بہت زیادہ فصیح و بلیغ سمجھا جاتا اس کو کعبہ شریف پر لٹکا دیتے تھے اور یہ گویا ایک قسم کا چیلنج ہوتا تھا کہ کوئی شخص اس کا مقابلہ میں قصیدہ لکھ کر پیش کرے۔ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ خاتم النبیین ﷺ کی بعثت عامہ سارے عالم کے انسانوں کے لئے ہے قیامت آنے تک آپ ہی رسول ہیں۔ آپ ہی کے لائے ہوئے دین کو قبول کرنے میں سب کی نجات ہے آپ سے بے شمار معجزات کا ظہور ہوا جو حدیث سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور ان معجزات پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں ان معجزات میں بہت بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو آپ پر نازل ہوئی جس کا نام قرآن مجید ہے اس زمانہ میں چونکہ فصاحت و بلاغت کا بہت چرچا تھا اور مخاطبین اولین چونکہ اہل عرب ہی تھے۔ اس لئے یہ ایک ایسا معجزہ دے دیا گیا جس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے تمام شعراء عرب عاجز رہ گئے۔ اور اسکو دیکھ کر بہت سے شعراء نے کلام کہنا ہی چھوڑ دیا جن میں حضرت لبید بن ربیعہ بھی تھے۔ ان کا قصیدہ بھی اُن قصائد میں شامل ہے جن کو مقابلہ کے لئے کعبہ شریف پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کرایا کہ زمانہ اسلام میں آپ

نے کیا اشعار کہے ہیں انہوں نے جواب دیا۔ ابدلنی اللہ بالشعر سورة البقرة و سورة آل عمران (الاصاب)

مذکورہ بالا آیت میں اہل عرب کو قرآن جیسی کوئی سورت بنا کر پیش کرنے کے لئے تحدی کی گئی ہے یعنی مقابلہ میں کوئی سورت لانے کا چیلنج کیا گیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ تم سب اپنے حامیوں اور مددگاروں کو بلا لو اور اللہ تعالیٰ کے سوا سارے حمایتوں کو جمع کرو پھر قرآن کریم جیسی کوئی سورت بنا کر پیش کرو۔ پہلے دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج کیا گیا تھا پھر ایک سورت لانے کے لئے فرمایا گیا تمام فصحاء بلغاء ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی بنا کر نہ لاسکے اور یکسر عاجز رہ گئے۔

سورۃ یونس میں ارشاد فرمایا: قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ (آپ فرما دیجئے کہ اے آدم کوئی سورۃ اس جیسی اور بلا لو جس کو بھی بلا سکتے ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو)

قرآن کریم کا معجز ہونا ایسی ظاہر بات ہے جو سب کے سامنے ہے اور سب کو اس کا اقرار ہے دشمن بھی اس کو جانتے اور مانتے رہے ہیں۔ زمانہ نزول قرآن میں بعض جاہلوں نے تو یہ کہہ کر اپنی خفت مٹانے کی کوشش کی کہ: لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا (اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کہہ دیں) لیکن کچھ نہ سکے اور کچھ لوگوں نے قرآن کے مقابلہ میں کچھ عبارتیں بنائیں پھر خود ہی آپس میں مل کر بیٹھے تو تسلیم کر لیا کہ یہ قرآن جیسی نہ بنی اور آج تک بھی کوئی بنا کر نہ لاسکا اور نہ لاسکے گا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں ارشاد ہے اور سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا۔

قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (آپ فرمادیجئے کہ یہ بات ضروری ہے کہ اگر جمع ہو جائیں تمام انسان اور تمام جنات کہ وہ لے آئیں اس قرآن جیسا تو نہیں لائیں گے اس جیسا اگرچہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں)

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ

سو اگر تم نہ کرو اور ہرگز نہیں کر سکو گئے سو ڈرو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ وہ تیار کی گئی ہے

لِلْكَافِرِينَ ﴿۴۷﴾

کافروں کے لئے

قرآن کے مقابلہ سے ہمیشہ عاجز رہیں گے

تفسیر: اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم ہرگز قرآن کے مقابلہ میں اس جیسی کوئی سورت بنا کر نہیں لا سکتے ہو اور کبھی بھی نہ لا سکو گے اس میں رہتی دنیا تک کے لئے قرآن کے دنیا میں باقی رہنے کی پیشین گوئی کے ساتھ یہ پیشین گوئی بھی ہے کہ اس جیسا کوئی بھی جماعت یا کوئی فرد نہیں بنا سکتا۔ یہ دونوں پیشین گوئیاں صادق ہیں سچی ہیں سب کے سامنے ہیں چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت عام ہے تمام افراد انسانی جب تک بھی دنیا میں رہیں ان پر فرض ہے کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کا دین قبول کریں۔ چونکہ سارے انسانوں کے لئے سارے زمانوں اور سارے مکانوں میں آپ کی دعوت قیامت آنے تک ہے اس لئے کسی ایسے معجزہ کی بھی ضرورت تھی جو ہمیشہ زندہ اور تابندہ رہے یہ معجزہ قرآن مجید ہے جو اللہ کا کلام ہے اور اس کا مقابلہ کرنے سے ہمیشہ کے لئے تمام انسان اور جنات افراد اور جماعتیں عاجز ہیں اور عاجز رہیں گے۔ قرآن موجود ہے اسکی دعوت عام ہے اسکی حقانیت اور سچائی واضح ہے پھر بھی کفر میں اور شرک میں بے شارتو میں کر دوں افراد بتلا ہیں قرآن سنئے ہیں اور اس کو حق جانتے ہیں لیکن ماننے نہیں۔ عناد اور ضد اور تعصب قومی اور مذہبی نے انکو دعوت قرآن کے ماننے سے اور اسلام قبول کرنے سے روک رکھا ہے سب کچھ جانتے ہوئے پھر اسلام قبول نہ کرنا اپنے لئے عذاب آخرت مول لینا ہے اسی لئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم قرآن کے مقابلہ میں کوئی سورت نہیں لا سکتے اور ہرگز نہیں لا سکو گے تو دوزخ کی آگ سے اپنے کو بچاؤ یعنی قرآن لانے والے کی رسالت اور دعوت کے منکر ہو کر عذاب دائمی کے مستحق نہ بنو اور دیکھتے بھالتے دیکتی ہوئی آگ کا ایندھن نہ بنو اس آگ کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر ہیں۔ انسان تو وہی ہیں جو اس کے منکر ہیں اور ایمان لانے کو تیار نہیں اور پتھروں کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ پتھر جن کی دنیا میں مشرکین عبادت کیا کرتے تھے دوزخ میں ہوں گے۔ سورۃ انبیاء میں فرمایا۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبٌ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ (بے شک تم اور وہ جن کی تم عبادت

کرتے ہو۔ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ تم اس پر وارد ہونے والے ہو)

تفسیر درمنثور میں بحوالہ طبرانی، حاکم اور بیہقی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ پتھر جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ میں فرمایا ہے۔ کبریت (گندھک) کے پتھر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جیسے چاہا پیدا فرمادیا۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا

اور بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ بلاشبہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جب کبھی بھی

رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا

اکو ان باغوں میں سے کوئی پھل بطور غذا کے دیا جائے گا تو کہیں کہ یہ وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا اور انکو ہم شکل پھل دیئے جائیں گے

وَلَهُمْ فِيهَا أَنْوَاعٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۸﴾

اور ان کے لئے ان باغوں میں بیویاں ہوں گی جو پاکیزہ بنائی ہوئی ہیں۔ اور وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے

اہل ایمان کو جنت کی بشارت

تفسیر: کافروں کی سزا بتانے کے بعد (جو اوپر کی آیت میں مذکور ہوئی) اس آیت میں اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں کی جزا ذکر فرمائی ہے جو طرح طرح کی نعمتوں کی صورتوں میں ظاہر ہوگی۔

اول: تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ باغوں میں رہیں گے یہ باغات دارالنعیم میں ہونگے جسے جنت کہا جاتا ہے ان باغوں میں رہنے کے لئے مکان بھی ہونگے جیسا کہ سورہ صف میں وَمَسَاكِنٌ طَيِّبَةٌ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ فرمایا ہے ان باغات میں نہریں جاری ہوں گی جو صاف ستھرے پانی کی ہوں گی جس میں کسی طرح کا تغیر نہ ہوا ہوگا۔ اور دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا مزہ تبدیل نہ ہوا ہوگا۔ اور شراب کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لئے لذت کا ذریعہ ہوں گی۔ اور صاف ستھرے شہد کی نہریں ہوں گی جیسا کہ سورہ محمد ﷺ میں ان نہروں کا ذکر فرمایا ہے۔

اور جو شراب وہاں پی جائے گی وہ لذت کے لئے ہوگی۔ اس سے نہ نشہ آئے گا اور نہ سر میں درد ہوگا۔ سورۃ الصافات میں فرمایا ہے لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ (یہ اس میں درد سر ہوگا نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا)

دوم: یہ فرمایا کہ ان باغوں کے درختوں میں جو پھل ہوں گے وہ ان کو کھانے کے لئے پیش کئے جائیں گے اور جب کبھی بھی کوئی پھل لایا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا تھا اور وجہ اسکی یہ ہوگی کہ وہ پھل آپس میں ہم شکل ہوں گے اگرچہ لذت اور مزے میں مختلف ہوں گے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ من قبل سے یہ مراد ہے کہ دنیا میں جو پھل ہمیں دیئے گئے تھے یہ اُسی جیسا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہیں جنت میں جو پھل دیئے جائیں گے ان کے بارے میں کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ابھی پہلے کھایا تھا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ پہلے معنی لینا زیادہ ظاہر ہے تاکہ لفظ کُلُّمَّا کا عموم باقی رہے (کیونکہ جنت میں سب سے پہلے جب پھل ملے گا اس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ وہی ہے جو اس سے پہلے دیا گیا تھا اُسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب من قبل سے دنیا والے پھل مراد لئے جائیں) لیکن صاحب تفسیر نشی لکھتے ہیں۔

والضمير في به يرجع إلى المرزوق في الدنيا والاخرة لان قوله هذا الذي رزقنا من قبل انطوى تحته ذكر ما رزقوه في الدارين

جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کا یہ نہا کہ ”یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے مل چکا ہے“۔ دونوں پھلوں کے بارے میں ہے دنیا والے پھل اور جو پھل وہاں دیئے جاتے رہیں گے دونوں مراد ہیں جو پھل اُن کو دیئے جائیں گے دیکھنے میں بظاہر دنیاوی پھلوں سے مشابہ ہوں گے جس چیز کو پہلے دیکھا ہو اس سے انس اور الفت زیادہ ہوتی ہے اور اُسکی طرف طبعی میلان زیادہ ہوتا ہے اس لئے ظاہری صورت میں وہ پھل دنیا والے پھلوں کی طرح ہوں گے اور حقیقت میں اُن کا مزہ اور کیف دوسرا ہی ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جنت کے پھلوں سے دنیا میں کوئی پھل نہیں بس ناموں کی مشابہت ہے یعنی پھلوں کو دیکھ کر اہل جنت کہیں گے کہ یہ سیب ہیں۔ یہ انار ہیں ہم نے اُن کو دنیا میں کھایا تھا۔ لیکن وہ مزے میں دنیاوی پھل کی طرح نہ ہونگے بلکہ اُن کا مزہ اور کیف جنت کے اعتبار سے ہوگا جیسا کہ سورۃ آلہ سجده میں فرمایا ہے **فَلَا تَغْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ**۔ بعض حضرات نے یہ اشکال کیا ہے کہ دنیا والے پھل مراد لئے جائیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جنتی پھل صرف انہی پھلوں کے مشابہ دیئے جائیں اور پھر اُن پھلوں کے انواع و اقسام پیش کئے جاتے رہیں جو دنیاوی پھلوں کے مشابہ نہ ہوں اور ان میں آپس میں مشابہت ہو تو اس میں کوئی بات عقل و فہم سے بعید نہیں ہے۔ اہل جنت کو بار بار اور ہمیشہ ایسے پھل دیئے جانا کہ جن میں ظاہری مشابہت ہو اور حقیقت میں مزہ اور کیف الگ الگ ہو اس سے بہت زیادہ استغراب و استعجاب ہوگا۔ اور اس سے خوشی دو بالا ہوگی۔

سوم: یہ فرمایا کہ اُن لوگوں کے لئے بیویاں ہوں گی جو پاکیزہ بنائی ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مطہرۃ من القذی والاذی کہ وہ گندگی اور تکلیف دینے والی چیز سے پاک ہوں گی۔ اور حضرت مجاہدؓ نے فرمایا: من الحيض والغائط والبول والنخام والبصاق والمنی والولد۔

یعنی وہ بیویاں حیض سے، اور پیشاب پاخانہ سے، ناک سے نکلنے والے بلغم سے، تھوک سے، اور منی سے پاک و صاف ہوں گی اور اولاد بھی نہ ہوگی جس کے باعث نفاس آتا ہے۔ حضرت قتادہؓ نے فرمایا: مطہرۃ من الادی والمائم یعنی وہ بیویاں ہر تکلیف والی چیز سے اور نافرمانی سے پاک ہوں گی۔ ان سب اقوال کا خلاصہ یہ نکلا کہ اُن عورتوں میں کسی قسم کی کوئی چیز گھن والی اور تکلیف دینے والی نہ ہوگی۔ اُن کا ظاہر اور باطن سب کچھ عمدہ اور بہترین ہوگا۔ شوہروں کی بات مانیں گی نافرمانی نام کو بھی نہ ہوگی۔ (مذکورہ اقوال تفسیر ابن کثیر میں نقل کئے گئے ہیں) مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ **مُطَهَّرَةٌ** (باب تفعلیل سے) فرمایا اور طاہرہ اٹ نہیں فرمایا اس سے ان کی طہارت اور پاکیزگی کو نہایت اعلیٰ طریقے پر بیان فرمانا مقصود ہے کہ ان کو ایک پاک کرنیوالے نے پاک بنایا ہے اور وہ پاک بنائیواں صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ان بیویوں کا حسن و جمال دوسری آیت میں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ حُجُر میں ارشاد فرمایا: **كَانَتْهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ** (گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں) اور سورۃ واقعہ میں فرمایا: **وَحُورٌ عَيْنٌ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ** (وہ سفید رنگ کی بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی گویا کہ وہ چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں)

چہارم: یہ فرمایا **فِيهَا خَالِدُونَ** یعنی اہل جنت ہمیشہ اُن باغوں میں رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکلیں گے اور نہ نکالے جائیں گے نہ نکلتا چاہیں گے۔ کما فی سورۃ الکہف **(لَا يَمُوتُونَ عَنْهَا حَوْلًا)** صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل جنت کو خوشخبری سنانے کے لئے) ایک ہدایت والے والا نکار کر ہدایت گاہ تمہارے لئے یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ تندرست رہو گے لہذا کبھی بھی بیمار نہ ہو گے اور یہ کہ زندہ رہو گے۔ کبھی تمہیں موت نہ آئے گی۔

اور جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور یہ نعمتوں میں رہو گے۔ پس تم کو کبھی محتاجی نہ ہوگی۔ (صحیح مسلم ج ۲)

دنیا کی نعمتوں میں کدورت ملی ہوئی ہے۔ خوشی کے ساتھ رنج ہے تندرستی کے ساتھ بیماری ہے۔ پھولوں کے ساتھ کانٹے ہیں۔ مال اور عہدوں کے ساتھ دوسروں کا حسد اور دشمنی ہے اور سب سے آخر بات یہ ہے کہ سب نعمتیں فانی ہیں صاحب نعمت بھی فانی ہے نعمتوں کا دوام اور پھٹکی کسی کے لئے نہیں۔ آخرت کی نعمتیں ابدی ہیں دائمی ہیں ہمیشہ کے لئے ہیں۔ ان کے زوال اور چھن جانے کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا۔ زندگی بھی دائمی ہوگی۔ خالد بن ولیدؓ فیہا ابدان کی شان میں فرمادیا ہے۔ (جعلنا اللہ تعالیٰ منہم)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ أَنْ يُضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرمتا کہ کوئی بھی مثال بیان فرمائے۔ پھر ہوا یا اس سے بھی بڑی ہوئی کوئی چیز ہو سو جو لوگ ایمان لائے

فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا

وہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ مثال حق ہے انکے رب کی طرف سے اور یہ وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا سو وہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا اللہ نے اس کے ذریعہ مثال دینے کا

قرآنی مثالوں سے مومنین کا ایمان پختہ ہونا

اور منکرین کا بے جا اعتراض کرنا

تفسیر: کتاب اللہ کے منکرین کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بتانے کے بعد کتاب اللہ کے منکروں کے ایک اشکال اور اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔ مخالفین اور معاندین سے یہ تو نہ ہو سکا کہ کتاب اللہ کے مقابلہ میں کوئی سورت بنا کر لاتے لیکن انہوں نے ایک اعتراض کر دیا اور اس اعتراض میں قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا انکار مضمر ہے حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عنکبوت (مکڑی) اور ذباب (کھسی) کا قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا تو مشرکین کہنے لگے کہ اس میں تو مکڑی اور کھسی کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال سے کیا ارادہ کیا ہوگا۔ (ابن کثیر) اور یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ تھا کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ لہذا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ تفسیر نسفی میں ہے کہ جب کھسی اور مکڑی کا ذکر کتاب اللہ میں سنا تو یہودیوں نے اور کفار نے کہنے لگے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے ملتی جلتی باتیں نہیں مقصد ان کا بھی کتاب اللہ کا انکار کرنا ہی تھا۔ ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ مثال ممثل لہ کے مطابق ہونی چاہئے۔ مثال دینے والے کی عظمت کو اور جس چیز کی مثال دی گئی اسکی حقارت کو سامنے رکھ کر قیاس و درجہ لانے لگے اور یہ نتیجہ نکالا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ان چیزوں کا ذکر نہیں ہو سکتا۔ اللہ جل شانہ نے ان معاندین اور متعتر شین کی تردید فرمائی اور ان کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے نہیں شرمتا کہ کوئی چیز مثال میں پیش فرماوے خواہ مجھ ہی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی چیز ہو (بڑھ کر ہونے میں دونوں صورتیں آ جاتی ہیں حقارت اور چھوٹا ہونے میں بڑھ کر ہو یا جسامت میں بڑھ کر ہو) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اہل ایمان کو اس میں کوئی تردد نہیں ہوتا کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (کیونکہ مثال اپنی جگہ ٹھیک ہے مثل لہ کے مطابق ہے) وہ یقین رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مثال واقعی صحیح ہے۔ موقع کے مطابق ہے۔ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور کافر لوگ عناد کرتے ہیں اور ماننے سے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس حقیر چیز سے اللہ تعالیٰ نے کیا ارادہ فرمایا ہے۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ

اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بہت سول کو گمراہ کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ بہت سول کو ہدایت دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ نہیں گمراہ کرتے مگر فرما بیداری سے نکل جانے والوں کو جو

عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ

اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اسکی مضبوطی کے بعد اور کاٹتے ہیں اُن چیزوں کو جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا

فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

اور فساد کرتے ہیں زمین میں یہ لوگ پورے خسارہ والے ہیں

قرآنی مثالیں فاسقوں کے لئے گمراہی کا سبب ہیں

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو طرح طرح کی مثالیں پیش فرمائی ہیں، سمجھانے کے لئے اور معاندین کو راہِ حق پر لانے کے لئے ہیں لیکن ان لوگوں میں بہت سے لوگ ان مثالوں پر اعتراض کرتے ہیں اور اُن کا یہ انکار اور عناد ضلال اور اضلال کا سبب ہو جاتا ہے اور جو اہل ایمان ہیں وہ مزید اپنے ایمان پر ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور یہ جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے صحیح اور درست ہے اور موقع کے مطابق ہے۔ جو لوگ اس مثال کو اپنے لئے ذریعہ کفر بنا لیتے ہیں یعنی مثال پر اعتراض کر کے اپنے کفر میں مزید اضافہ کر لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو حکمِ عدولی پر کمر باندھے ہوئے ہیں ان کو غور کرنے اور حق تلاش کرنے کی عادت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلامِ نصاحت التیام ہی کو انہوں نے اپنے لئے ذریعہ ضلال بنا لیا۔ ان میں منافقین بھی ہیں اور عام کافرین بھی۔

قال ابن مسعود رضى الله عنه يضل به كثيرا يعنى به المنافقين ويهدى به كثيرا يعنى به المؤمنين، فيزيد هؤلاء ضلالة إلى ضلالهم لتكذيبهم بما قد علموه حقا يقينا من المثل الذى ضربه الله بما ضرب لهم وانه لما ضرب له موافق فذلك اضلال الله آياهم به ويهدى به يعنى بالمثل كثيرا من اهل الايمان والتصديق فسيزيدهم هدى إلى هداهم وايماناً الى ايمانهم لتصديقهم بما قد علموه حقا يقينا انه موافق لما ضربه الله له مثلا واقرارهم به وذلك هداية من الله لهم به (من ابن كثير) والا ضلال خلق فعل الضلال فى العبد والهداية خلق فعل الاهتداء هذا هو الحقيقة عند اهل السنة. (تفسير شمس)

فاسقوں کے اوصاف

پھر ان فاسقوں یعنی حکمِ عدولی کرنے والوں اور ہدایت ربانی کے خلاف چلنے والوں کے کچھ اوصاف ذکر فرمائے۔ اور (۱) وہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑتے ہیں۔ اس عہد سے یا تو عقلِ انسانی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے اور یہ عقلِ دنیا میں انسان پر حجت ہے اور ایک طرح کا عہد ہے کہ انسان اپنی عقل سے اپنے ۱۔ فاسقین فاسق کی جمع ہے یہ لفظ فسق سے مشتق ہے جس کا معنی ہے حکمِ عدولی کرنا اور فرما بیداری سے باہر ہو جانا یہ لفظ کافروں کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کے لئے بھی ہر ایک کی حکمِ عدولی اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے ہے۔

خالق اور مالک کو پہچانے اور اپنے خالق اور مالک کو واحد جانے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ یا عہد المست برکم مراد ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ساری ذریت کو (جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی) ان کی پشت سے نکالا جو بہت چھوٹی چھوٹی شکلوں میں چوٹیوں کی طرح سے تھے۔ اور اُن سے عہد لیا اور سوال فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا ”بلیٰ“ کہ ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔ وادی نعمان میں (عرفات کے قریب) یہ عہد لیا گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح از منہاج)

سورۃ اعراف کی آیت وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی

اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰی میں اسی عہد کا ذکر ہے۔ یہ عہد سب نے کیا پھر اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں اس عہد کے یاد دلانے کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ جن حدیثوں میں اس عہد کا ذکر ہے ان میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اقرار کے بعد فرمایا کہ میں ساتوں آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو تمہارے اُوپر گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو بھی تم پر گواہ بناتا ہوں۔ قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمیں اس بات کا پتہ نہ تھا۔ تم جان لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا میں تمہاری طرف رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا یہ عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس بات کے گواہ ہو گئے کہ آپ ہمارے رب ہیں اور ہمارے معبود ہیں اور ہمارے لئے آپ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں چنانچہ سب نے اس کا اقرار کر لیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

جو عہد سب نے کر لیا تھا اسکے یاد دلانے کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے۔ اس عہد کو توڑنا سراسر نا انصافی ہے اور عہد سے مکر جانا ہے۔ اور اپنی جان پر ظلم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے بھی عہد لیا تھا کہ جو کتاب تمہارے اُوپر نازل کی گئی اس کو تم لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور چھپاؤ گے نہیں۔

کَمَا قَالَ تَعَالٰی وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اٰتٰوْا الْکِتٰبَ لَنُبَیِّنَنَّ لِلنَّاسِ وَلَا تَخْشَوْنَہُ (سورۃ آل عمران ع ۱۹)

یہ عہد بھی یہاں اس آیت سے مراد ہو سکتا ہے کیونکہ علماء اہل کتاب بھی قرآن کی لغت میں لگے ہوئے تھے۔ منافقین اور مشرکین عرب کی طرح یہ لوگ بھی اسلام کے پھیلنے اور قرآن کی دعوت عام ہونے میں پوری طرح رکاوٹیں کھڑی کرتے رہتے تھے۔ (۲) ان فاسقوں کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ یہ لوگ اُن چیزوں کو کاٹتے ہیں جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم

فرمایا ان میں وہ احکام بھی ہیں جو فیما بین العبد و بین اللہ ہیں۔ (اللہ تعالیٰ سے بندے کا تعلق ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک کا فرمانبردار ہے) اور وہ احکام بھی ہیں جو فیما بین العباد ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں تفریق نہ کریں کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں بلکہ سب پر ایمان لائیں اور ”لَا تَفْرِقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِنْ رُسُلِہِ“ کا مصداق بنیں۔

اور ان احکام میں صلہ رحمی بھی ہے اور اہل ایمان سے دوستی کرنا بھی ہے۔ غرض ایمان باللہ کا جو تقاضا ہے اس کے مطابق عمل کرنا عہد کو جوڑے رکھنا اور ہر وہ عمل جس میں خیر کا چھوڑنا اور شر کا اختیار کرنا ہو یہ سب اُس چیز کے قطع میں آتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جوڑے رکھنے کا حکم فرمایا ہے سورۃ رعد میں ایفاء عہد اور عدم نقض میثاق اور وصل ما امر اللہ بہ کی مدح کی گئی ہے۔ اور جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اُن کے توڑنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ (سورۃ رعد رکوع ۳ کا ترجمہ اور تفسیر دیکھیں)

(۳) ان فاسقوں کا تیسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ یہ زمین میں فساد کرتے ہیں فساد بگاڑ کو کہتے ہیں اور یہ بہت جامع لفظ

ہے۔ کفر اختیار کرنا منافق بننا، مشرک ہونا، اللہ کی وحدانیت کا منکر ہونا، دوسروں کو ایمان سے روکنا، حق اور اہل حق کا مذاق بنانا، حقوق کا غصب کرنا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، قتل و خون کرنا جس کی شریعت میں اجازت نہیں دی گئی۔ یہ سب فساد فی الارض میں داخل ہے۔ آخر میں فرمایا اُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ کہ یہ لوگ پورے خسارے میں ہیں۔ یہ لوگ اپنے خیال میں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم بہت کامیاب ہیں ایمان نہ قبول کر کے اور منافقت اختیار کر کے دنیا کے فائدوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیا انہوں نے دنیا کے حقیر فائدوں پر نظر کی اور آخرت کے دائمی عذاب کے مستحق بنے جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْيَاكُمْ ثُمَّ تُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۵۳﴾

کیسے کفر کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالانکہ تم بے جان تھے سو اس نے تم کو زندگی دی۔ پھر تم کو موت دے گا پھر زندہ فرمائے گا پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے

مکرر دعوت توحید

تفسیر: اس آیت میں پھر توحید کی دعوت دی گئی جو یَاٰیہَا النَّاسُ اَعْبُدُوْا۔ میں دی گئی تھی اور ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اپنے خالق و مالک کے کیسے منکر ہو رہے ہو اور اس کی توحید سے کیسے انحراف کر رہے ہو حالانکہ اُس نے تم کو وجود بخشا ہے۔ تم نطفہ کی حالت میں بے جان تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے تم کو زندگی دی تمہارا جسم بنایا اور اُس میں روح پھونکی۔ عقل کا تقاضا ہے کہ ایسی ذات پاک پر ایمان لائیں اور کفر اختیار نہ کریں اور بات اتنی ہی نہیں ہے کہ مردہ تھے اُس کے بعد اُس نے زندگی بخشی بلکہ اس کے بعد یہ بھی ہے کہ جب تمہاری اجل مقررہ ختم ہوگی وہ تمہیں موت دے گا اس کے بعد پھر زندگی بخشے گا اُس زندگی کے بعد اُس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔ اُس وقت اس دنیا میں کئے ہوئے اعمال کا حساب ہوگا۔ کفر کا اور بُرے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ ایمان اور عمل صالح کی بھی جزا ملے گی۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ

الذہبی ہے جس نے تمہارے لئے پیدا فرمایا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔ پھر قصد فرمایا آسمان کی طرف سوٹھک طرح بنادیا ان کو سات

سَمَوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

آسمان اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے

ارض و سماء کی تخلیق کا بیان

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی شانِ خالقیت بیان فرمائی ہے کہ اُس نے آسمان و زمین پیدا فرمائے جو مخلوقات میں بڑی چیزیں ہیں اور نظروں کے سامنے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اس نے تمہیں صرف پیدا کر کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ تمہاری حاجت کی چیزیں زمین میں پیدا فرمائیں زمین میں جو کچھ ہے وہ سب تمہارے لئے ہے شرعی قواعد اور قوانین کے مطابق اُس سے نفع حاصل کر سکتے ہو۔ خود زمین انسانوں کے لئے بہت بڑی نعمت اور رحمت ہے اور اس کی سطح پر اور اس کے اندر ان گنت چیزیں ہیں۔ انسان ان سب سے منتفع ہوتے ہیں۔ سورہ رحمن میں ہے۔

وَالْاَرْضُ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ اور سورہ ملک میں ہے هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذُلُوْلًا فَامْشُوا فِيْهَا مَنِ كَبِهَاتِ

وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ وَآلَيْهِ النُّشُورُ۔ (اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو تمہارے قابو کی چیز بنادی لہذا اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور تمہیں اُسی کی طرف موت کے بعد اُٹھ کر جانا ہے)

زمین سے نکلنے والے چھوٹے بڑے درخت، پھل، میوے، معدنیات اور طرح طرح کی چیزیں جن کی گنتی بیان سے باہر ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں انسان ان کو استعمال کرے اور ان کے پیدا کرنے والے کا شکر گزار ہو۔ بعض وہ چیزیں جن میں بظاہر ضرر نظر آتا ہے وہ بھی بعض حالات میں نافع اور مفید ہیں۔ سانپ، بچھو اور سکھیا تک سے دوائیں بنائی جاتی ہیں۔ البتہ نفع مند بنانے کی تدبیریں ہیں وہ بھی اللہ جل شانہ نے ذہنوں میں ڈالی ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے الا یہ کہ دلیل حرمت اور استعمال کی ممانعت کسی شرعی دلیل سے ثابت ہو جائے اور یہ بھی سمجھ لیں کہ جس طرح استعمال کے طریقے سیکھتے ہیں اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ شرعی قوانین کے مطابق استعمال کیا جائے مثلاً کوئی شخص کسی کی ملکیت غصب نہ کرے۔ اور نافع چیز کو اپنے لئے ضرر کی چیز نہ بنا لے۔ حرام چیزیں استعمال نہ کرے جس کے فروغ اور مسائل جزئیہ بہت زیادہ ہیں۔ اس آیت سے اور سورۃ حم سجۃ کی آیت: قُلْ اِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ۔ (الآیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پہلے پیدا فرمائی اور اس کے بعد آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ جو دھواں تھا اُس کے سات آسمان بنا دیئے اور سورۃ النازعات میں فرمایا ہے۔

رَفَعَ سَمُكَهَا فَسَوَّاهَا وَاعْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحَاهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَلَهَا۔ (یعنی آسمان کی چھت کو بلند فرمایا اور اسکو ٹھیک بنایا اور اُسکی رات کو تاریک بنایا اور اُس کے دن کو ظاہر فرمایا اور اُس کے بعد زمین کو پھیلا یا) ان سب آیات کے ملانے سے معلوم ہوا کہ اول زمین کا مادہ بنایا اور اس کے اوپر بھاری بھرکم پہاڑ پیدا فرمائے پھر سات آسمان بنا دیئے جو بنانے سے پہلے دھوئیں کی صورت میں تھے اس کے بعد زمین کو موجودہ صورت میں پھیلادیا۔ قال النسفی فی المدارک ولا یناقض هذا قوله والارض بعد ذلك دحلها لان جرم الارض تقدم خلقه خلق السماء واما دحوها فتاخر۔

فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ یعنی آسمان کا مادہ جو دھوئیں کی صورت میں تھا جس کا ذکر سورۃ حم سجۃ میں ہے (وہی دُخَانٌ) اس کے سات آسمان بنا دیئے اور خوب اچھی طرح بنائے، ٹھیک بنائے، درست بنائے، اُن میں نہ کچی ہے نہ پھشن ہے نہ شکاف ہے نہ کسی قسم کا کوئی نقص ہے۔ ساتوں آسمان جو اوپر نیچے تہ تہ بنے ہوئے ہیں ان میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں۔ سورۃ ملک میں فرمایا: وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ (اور وہ زبردست ہے بخشنے والا ہے جس نے تہ تہ سات آسمان پیدا فرمائے تو خدا کی خالقیت میں کوئی فرق نہیں دیکھے گا سو تو نگاہ ڈال کر دیکھ لے کیا تو اس میں کوئی خلل دیکھ رہا ہے) سورۃ ق میں فرمایا: اَفَلَمْ يَنْظُرُوا اِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ۔ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف اپنے اوپر ہم نے اسکو کیسا بنایا اور اس کو زینت دے دی اور اُس میں کوئی شکاف نہیں ہے)

سورۃ بقرہ کی آیت بالا کے آخر میں فرمایا: وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اتنے بڑے آسمان اتنی بڑی زمینیں اور اُن میں جو کچھ اب ہے جو کچھ آئندہ ہوگا جو کچھ پہلے تھا اور اُن کے سوا بھی جو کچھ ہے اُن سب کا اسکو پورا پورا علم ہے۔ جو انسان اور جنات دنیا میں آئے اُن کے لئے ہدایت، نیکی اُن میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی

فرمانبردار بھی ہیں اور نافرمان بھی ہدایت قبول کرنے والے بھی اور اُس سے منہ موڑنے والے بھی اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے عقیدہ اور عمل کا علم ہے۔ ہر ایک کے عقیدہ اور عمل کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْا اَجْعَلْ فِیْهَا مَنْ

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں پیدا کرنے والا ہوں زمین میں خلیفہ فرشتوں نے عرض کیا۔ آپ پیدا فرمائیں گے زمین میں جو اس میں

یُفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ

فساد کرے گا اور خونوں کو بہائے گا اور ہم آپ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں جانتا ہوں

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

جو تم نہیں جانتے

حضرت آدم کی خلافت کا اعلان اور فرشتوں کی معروض

تفسیر: انسان کی تخلیق سے پہلے اس زمین میں جنات رہتے تھے۔ وہ آگ سے پیدا کئے گئے تھے ان کے مزاج میں شر ہے زمین میں بہت فساد کرتے رہے اور خون بہاتے رہے اللہ جل شانہ نے زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کر نیوالا ہوں۔ فرشتوں نے جنات کا حال دیکھ رکھا تھا انہوں نے سمجھا کہ زمین کا مزاج ایسا ہی ہے کہ جو اس میں رہے گا فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ گویا فرشتوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہونے والے خلیفہ میں تین قوتیں ہوں گی۔ (جن کا وجود خلافت کے لئے ضروری ہے) یعنی قوت شہوانیہ اور قوت غصیہ جو فساد اور خون خرابے پر آمادہ کر نیوالی ہیں اور قوت عقلیہ جو معرفت باللہ اور طاعت اور فرمانبرداری پر آمادہ کر نیوالی ہے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ پہلی دو قوتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسا خلیفہ پیدا نہ کیا جائے جس میں یہ دونوں موجود ہوں اور قوت عقلیہ کے جو تقاضے ہیں یعنی فرمانبرداری اور اطاعت اور تسبیح و تقدیس و تحمید ہم اس میں لگے ہوئے ہیں انہوں نے اس سے پہلے ایسی کوئی مخلوق نہیں دیکھی تھی جس میں متضاد قوتیں جمع ہوں اور اُن کے مجموعہ سے ایسی طبیعت پیدا ہو جائے جس سے خیر کا مظاہرہ ہو۔ عفت بھی ہو شجاعت بھی ہو۔ عدل و انصاف بھی ہو۔ اہل شر کی سرکوبی پر قدرت بھی ہو اور پہلی دو قوتیں مہذب ہو کر قوت عقلیہ کے تابع ہو جائیں۔ لہذا وہ سوال کر بیٹھے انہوں نے پہلی دو قوتوں کے بارے میں الگ الگ غور کیا۔ اور یہ نہ غور کیا کہ قوت عقلیہ کے ساتھ ان دونوں کے ملنے سے کیا کچھ کمال پیدا ہو سکتا ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ فرشتوں نے لفظ خلیفہ سے یہ بات نکال لی کہ اس دُنیا میں فساد کی لوگ ہونگے کیونکہ خلیفہ کی ضرورت ہی اسی لئے ہے کہ اصلاح کی جائے اور اصلاح جیسی ہوگی جب فساد ہوگا۔ لہذا انہوں نے بطور تعجب یہ عرض کیا کہ کیا آپ اپنی زمین میں ایسا خلیفہ بنائیں گے جو نافرمانی کرے گا لفظ خلیفہ سے جہاں یہ بات نکلتی ہے کہ زمین میں فساد کر نیوالے ہوں گے۔ وہاں یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اصلاح کر نیوالے بھی ہوں گے لیکن انہوں نے معصیت کا حکم سب پر لگا دیا۔ جو صحیح نہیں تھا۔ قیادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بتا دیا تھا کہ زمین میں ایسی مخلوق ہوگی جو فساد کرے گی اور خون بہائے گی

اس لئے انہوں نے وہ بات کہی جو اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ میں ذکر فرمائی۔ فرشتوں نے جو کچھ کہا وہ بطور اعتراض نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا کفر ہے اور فرشتے کفر سے اور ہر طرح کی محصیت سے بری اور معصوم ہیں کما قال تعالیٰ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ (سورۃ الانبیاء) اور فرمایا لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ (سورۃ تحریم) راجع فی ذلک کلہ القرطبی والبیضاوی

فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر عیب اور ہر نقص سے آپ کی تہذیب کرتے ہیں اور یہ تسبیح حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ یعنی تسبیح کے ساتھ آپ کی حمد بھی کرتے ہیں۔ اور ہر کمال سے آپ کو متصف جانتے ہیں اور اس کو بیان کرتے ہیں۔ نُسَبِّحُ کے ساتھ وَنُقَدِّسُ لَکَ بھی مذکور ہے۔ یہ لفظ تقدیس سے مشتق ہے۔ تسبیح اور تقدیس کا معنی تقریباً ایک ہی ہے۔ اور تفسیر قرطبی میں حضرت مجاہد تابعی سے نُقَدِّسُ کا معنی یوں نقل کیا ہے۔

ای نعظمک ونمجدک ونظہر ذکرک عمالاً یلیق بک مما نسبک الیہ الملحدون (یعنی ہم تیری عظمت اور بزرگی بیان کرتے ہیں اور تیرے ذکر کو ہر اُس چیز سے پاک کرتے ہیں جس کی نسبت ملحدوں نے تیری طرف کی ہے)

نُقَدِّسُ لَکَ کا ایک معنی مُفْتَرِ بیضاوی نے یوں لکھا ہے۔ نظہر نفوسنا عن الذنوب لا جملک (یعنی ہم اپنی جانوں کو آپ کی رضا کے لئے پاک و صاف رکھتے ہیں گناہوں میں ملوث نہیں ہیں)

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سکھا دیئے سارے نام پھر ان کو فرشتوں پر پیش فرمایا۔ پھر فرمایا کہ مجھے بتا دو ان چیزوں کے نام اگر

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۵۰﴾

تم سچے ہو

حضرت آدم کو اشیاء کے نام بتا کر فرشتوں سے سوال فرمانا

تفسیر: جس نئی مخلوق کے پیدا فرمانے اور زمین میں خلیفہ بنانے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا وہ حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی ذریت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا اول تو پتلا بنایا گیا پھر اس میں روح پھونکی گئی۔ اور جب یہ جاندار چیز بن گئی اور جاننے اور پہچاننے کے قابل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ساری چیزوں کے نام بتا دیئے پھر اُن چیزوں کو فرشتوں پر پیش فرمایا جن کے نام حضرت آدم علیہ السلام کو بتا دیئے تھے اور فرمایا تم مجھے ان کے نام بتا دو اگر تم سچے ہو۔ مفسر بیضاوی لکھتے ہیں: فی زعمکم انکم احقاء بالخلافة لعصمتکم وان خلقهم واستخلافهم وهذه صفتهم لا یلیق بالحکیم وهو وان لم یصر حوا بہ لکنہ لازم مقالہم مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے خیال میں اور اس بات میں سچے ہو کہ خلافت کے زیادہ حقدار تم ہو کیونکہ تم معصوم ہو اور یہ کہ ایسی مخلوق کا پیدا کرنا اور خلیفہ بنانا جس کی صفت فساد فی الارض اور سفک دماء ہو

شانِ حکیم کے لائق نہیں ہے تو تم ان چیزوں کے نام بتاؤ یہ بات کہ ہم بہ نسبت نئی مخلوق کے خلافت کے زیادہ مستحق ہیں صاف طور پر انہوں نے نہیں کہی تھی لیکن ان کے قول سے یہ بات بطور لزوم کے نکلتی ہے۔

لفظ آدم کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ غمی لفظ ہے۔ جیسے آزاد و شاخ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ عربی لفظ ہے جو اذمتہ سے مشتق ہے۔ عربی میں یہ مادہ گندم گونی رنگ کے معنی دیتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام بتادیئے تھے حتیٰ کہ چھوٹے بڑے پیالے کا نام بھی بتادیا تھا۔ جب فرشتوں کے سامنے پیش فرما کر ان کے نام پوچھے تو وہ عاجز رہ گئے۔ (اور سوال ہی ان کا عجز ظاہر کرنے کیلئے کیا گیا تھا) اور اس طرح سے اللہ جل شانہ نے نئی مخلوق کی فضیلت ثابت فرمادی اور بتادیا کہ اس نئی مخلوق میں صفت علم ایک ایسی بڑی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے زمین میں خلافت قائم کی جاسکتی ہے اور باقی رکھی جاسکتی ہے۔ بغیر علم کے خلافت نہیں چل سکتی بلکہ کوئی بھی کام علم کے بغیر صحیح طریقے سے نہیں ہو سکتا۔ صحیح عمل کے لئے صحیح علم کی ضرورت ہے۔ اور صفت علم میں یہ نئی مخلوق تم سے بڑھ کر ہے۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰﴾

فرشتوں نے عرض کیا کہ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں ہمیں اس کے سوا کچھ علم نہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا ہے شک آپ جانتے والے ہیں حکمت والے ہیں

فرشتوں کا عجز اور اقرار

تفسیر: جب فرشتوں نے دیکھ لیا کہ اس نئی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے نوازا دیا اور جو علوم اُسکو دیئے ہیں وہ ہم میں نہیں ہیں تو انہوں نے اپنی عاجزی کا اقرار کر لیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ ہم ان چیزوں کے نام نہیں بتا سکتے۔ ہمیں جو کچھ علم ہے اسی قدر ہے جو کچھ آپ نے عطا فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی کہ آپ نے جو اس مخلوق کو خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا ہے بالکل صحیح ہے آپ ہر عیب اور نقص سے پاک ہیں آپ نے جو اس مخلوق کو خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا اُس کے متعلق کسی قسم کا کوئی سوال اٹھانا درست نہیں اور آپ علیم ہیں سبھی کچھ جانتے ہیں اور حکیم بھی ہیں آپ کا کوئی ارادہ اور فعل حکمت سے خالی نہیں۔

قَالَ يَا دُمْ اَنْتُمْ هُمْ بِاسْمَائِهِمْ فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاسْمَائِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْ اَعْلَمُ ﴿۱۱﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! ان کو ان چیزوں کے نام بتاؤ جو جب انہوں نے اُن کو ان چیزوں کے نام بتادیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا کہ بے شک میں جانتا ہوں

غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۲﴾

آسمانوں اور زمین کی غیب کی چیزوں کو اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

حضرت آدم علیہ السلام کا علم و فضل ظاہر ہونا

تفسیر: جب فرشتوں نے اُن چیزوں کے نام بتانے سے اپنے عاجز ہونے کا اظہار کر دیا جو اُن پر پیش کی گئی تھیں تو اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ تم ان کے نام بتاؤ چنانچہ انہوں نے اُن چیزوں کے نام بتادیئے۔ فرشتوں کی

عاجزی کا اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کا خوب اچھی طرح مظاہرہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا۔ کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں اور وہ سب کچھ جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔ مفسر بیضادی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب تم سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کر نیوالا ہوں تو تمہیں توقف کرنا چاہئے تھا اور اس انتظار میں رہنا مناسب تھا۔ کہ اس نئی مخلوق کے بارے میں ایسی معلومات حاصل ہو جائیں جو اس کے فضل و کمال پر اور اس کے مستحق خلافت ہونے پر دلالت کریں۔ خلیفہ پیدا فرمانے کا اعلان سنتے ہی اشکال کرنا درست نہ تھا۔

اور یہ جو فرمایا کہ میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جو ظاہر کیا وہ یہ بات تھی جو بطور سوال عرض کی تھی کیا آپ پیدا فرمائیں گے جو زمین میں فساد اور خون خرابہ کریں گے اور جو چھپایا اس سے مراد یہ ہے کہ ہم خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ انہوں نے یہ بات چھپائی کہ اللہ تعالیٰ ہم سے افضل کوئی مخلوق پیدا نہ فرمائے گا۔ واللہ اعلم۔ ان آیات سے علم کی فضیلت معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خلافت کے لئے علم ضروری ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل تھے کیونکہ ان کو اُن سے زیادہ علم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (کیا برابر ہیں جو جاننے والے ہیں اور جو جاننے والے نہیں ہیں)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ سجدہ کرو آدم کو سنا انہوں نے سجدہ کر لیا، لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا

فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکاری ہونا

تفسیر: جب آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ ان کو سجدہ کرو۔ حکم تو پہلے سے دیا جا چکا تھا جیسا کہ سورۃ حجر اور سورۃ ص میں ہے۔ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (کہ جب میں اس کو بنادوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا) لیکن جب اُن کا علم و فضل ظاہر ہو گیا اور سجدہ کرنے کا سبب یعنی آدم علیہ السلام کا افضل ہونا معلوم ہو گیا تو حکم سابق کا اعادہ فرمایا تاکہ فرشتے اپنے علم سے انکی فضیلت کا اقرار کریں اور حکم کے مطابق سجدہ میں گر پڑیں۔ لہذا وہ سب آدم کے لئے سجدہ ریز ہوئے اور آدم کی تخلیق سے پہلے ہی جو انہوں نے مُفسد اور خون خرابہ کرنے والا کہہ دیا تھا اس کی بھی حلائی ہو گئی۔

سجدہ تعظیمی کی بحث اور اس کا حکم

یہ تو یقینی طور سے ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ سجدہ عبادت کا نہ تھا کیونکہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ پھر یہ سجدہ کون سا تھا؟ اس کے بارے میں مفسرین نے دو باتیں لکھی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سجدہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو تھا اور آدم علیہ السلام کو قبلہ بنایا گیا تھا۔ اُن کو قبلہ بنانے سے بھی اُن کا مرتبہ ظاہر ہو گیا جیسا کہ کعبہ شریف قبلہ ہے اور اس سے انکی فضیلت ظاہر ہے۔ اور لَادِمٌ میں جوام ہے وہ ایسا ہی ہے۔ جیسے حضرت خسان کے اس شعر میں ہے۔ الیس اول من صلیٰ لقبلتکم + واعرف الناس بالقرآن والسنن اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ سجدہ تو آدم علیہ السلام ہی کو تھا لیکن یہ سجدہ تعظیمی تھا۔ سجدہ عبادت نہ تھا جیسے یوسف

کے بھائیوں نے اُن کو سجدہ کیا تھا۔ (بیضاوی)

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ خواہ کیسا ہی سجدہ ہو، سجدہ تعظیمی جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کیا وہ اُن کی شریعت میں جائز تھا۔ یہ شریعت سابقہ کی بات تھی جو منسوخ ہو گئی حضرت قیس بن سعد (صحابی) رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں شہر حیرہ میں آیا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے علاقے کے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ میں حیرہ شہر گیا تھا وہاں میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں تو (میرے نزدیک) آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ نے فرمایا اگر تم میری قبر پر گزرو گے تو کیا سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں فرمایا سو (اب بھی) مجھے سجدہ نہ کرو اگر میں حکم دیتا کہ کوئی شخص کسی کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں اس حق کی وجہ سے جو اللہ نے شوہروں کو عورتوں پر رکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت محمدیہ میں سجدہ تعظیمی کسی کے لئے جائز نہیں نہ زندہ کو نہ مردہ کو۔ نہ مُرشد کو نہ قبر کو۔ اور حدیث مذکور کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت وارد ہوئی بعض حضرات نے سجدہ تعظیمی کی حرمت پر سورہ جن کی آیت وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا سے بھی استدلال کیا ہے۔ کہ مساجد مصدر میسی بمعنی سجدات ہے اور اس کا عموم اور اطلاق ہر طرح کے سجدوں کو شامل ہے (ترجمہ یہ ہے کہ بلاشبہ تمام سجدے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں لہذا اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو)

ابلیس کی بد تمیزی اور بد بختی: سورہ حجر میں فرمایا ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا ابْلِيسَ ابْنِیَ أَنْ یَسْجُدَ مَعَ الْمَسْجِدِیْنَ (کہ حکم سن کر فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا اس نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ سجدہ کر نیوالوں میں شامل ہو)

اللہ جل شانہ نے جب اس سے سوال فرمایا کہ تو سجدہ کر نیوالوں کے ساتھ کیوں نہ ہوا اور تو نے سجدہ کیوں نہ کیا۔ تو اس پر اُس نے جواب دیا کہ۔ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِینٍ۔ (سورہ اعراف سورہ ص) (کہ میں اس سے بہتر ہوں مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو کچھڑ سے پیدا کیا)

ابلیس ملعون نے نہ صرف یہ کہ حکم کی تعمیل نہ کی بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو غلط بتایا اور اعتراض کر بیٹھا کہ آپ نے افضل کو حکم دیا کہ غیر افضل کو سجدہ کرے۔ یہ حکمت کے خلاف ہے۔ اُس نے اپنے خیال میں آگ کو مٹی سے افضل سمجھا اس لئے جو آگ سے پیدا ہوا ہے اس کو بھی مٹی سے پیدا شدہ شخص سے افضل سمجھ لیا۔ آگ کو مٹی سے افضل سمجھنا ہی اول تو غلط ہے۔

آگ میں فساد زیادہ ہے صلاح کم ہے۔ اور مٹی میں سراپا خوبی ہے جو نافع ہی نافع ہے۔ اور سب سے بڑی جو خوبی کی چیز مٹی میں ہے وہ تو مٹن اور فروتنی ہے پھر کام کی چیزیں سب زمین ہی سے نکلتی ہیں انسانوں اور جنوں کے رہنے کی جگہ بھی زمین ہی ہے۔ پھل میوے غلے ہرے بھرے باغ، کھیتیاں سب زمین سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ اور بہت سی وجوہ سے مٹی کو آگ پر فضیلت حاصل ہے۔ پھر مومن بندے کا کام یہ ہے کہ وہ بات مانے حکم کی تعمیل کرے اگر چاہتی سمجھ سے خلاف ہی ہو۔

نیکی خیریت علت از کار تو!

زبان تازہ کردن با قرار تو

حکم عالی سن کر اس میں حجت نکالنا کبر اور نافرمانی ہے۔ اللہ جل شانہ نے سورہ بقرہ میں فرمایا اَبْنٰی وَاسْتَکْبَرُوْا وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ (یعنی ابلیس نے حکم ماننے سے انکار کیا اور تکبر کیا، اور وہ پہلے ہی سے اللہ کے علم میں کافروں میں سے تھا) اور بعض مفسرین نے کان بمعنی صادر بھی لیا ہے یعنی وہ اب اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر کے کافر ہو گیا۔ جب ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر حجت بازی کی اور حکم الہی کو حکمت کے خلاف بتایا تو اللہ تعالیٰ نے اسکو ملعون قرار دے دیا یعنی اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔ اور فرمایا:

فَاَهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یُکُوْنُ لَکَ اَنْ تَتَّکِبِرَ فِیْهَا فَاَخْرُجْ اِنَّکَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ۔

(کہ تو اس سے اتر تجھ کو کوئی حق نہیں کہ اس میں تکبر کرے سو نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے) (سورہ اعراف) اور فرمایا: فَاَخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ وَاَنْ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ (کہ تو اس سے نکل جا کیونکہ بے شک تو مردود ہے اور بیشک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت رہے گی) جو شخص قیامت کے دن تک ملعون رہ گیا اس کے بعد اس پر رحمت ہو ہی نہیں سکتی پھر تو اس کے لئے دوزخ ہی دوزخ ہے۔ قال تعالیٰ لَا مَلٰئِکَۃٌ جَہَنَّمُ مِنْکَ وَمِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ (سورہ من) غرض کہ شیطان کو تکبر کھا گیا اور ہمیشہ کے لئے ملعون اور مدحور اور ذلیل و خوار ہو گیا۔ اس نے ملعون ہونا گوارہ کیا لیکن حکم ماننا اسے منظور نہ ہوا۔ تکبر ایسی بُری بلا ہے جو دنیا اور آخرت میں متکبر کا ناس کھود دیتی ہے۔

بعض لوگوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ سجدہ کا حکم تو فرشتوں کو ہوا تھا۔ اور ابلیس جن میں سے تھا پھر اس نے سجدہ نہ کیا تو اس کا مواخذہ کیوں ہوا؟ یہ سوال غلط ہے کیونکہ سورہ اعراف میں اس کی تصریح ہے کہ اس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم تھا۔ کما قال تعالیٰ مَا مَنَعَکَ اَنْ لَا تَسْجُدَ اِذَا اُمِرْتُکَ (تجھے کس چیز نے روکا اس بات سے کہ تو سجدہ کرے جبکہ میں نے تجھ کو حکم دیا)

اس تصریح کے بعد اصل سوال تو ختم ہو جاتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کو بلا استقلال الگ سے حکم تھا یا چونکہ فرشتوں کے ساتھ رہتا سہتا اور ان کے ساتھ عبادت کرتا تھا اس لئے اس کے عموں میں یہ بھی آ گیا تھا یہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ واعلم عند اللہ العلیم۔ قرآن مجید سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس عالم بالا میں رہتا تھا جب نافرمانی کی تو وہاں سے اتر جانے اور نکل جانے کا حکم ہوا۔ وہاں اس کے اعمال و اشغال کیا تھے اس کے بارے میں بعض صحابہ اور تابعین سے کچھ باتیں منقول ہیں جو در منثور میں ص ۵۰ ج ۱ پر لکھی ہیں۔ بظاہر یہ اسرائیلی روایات ہیں۔ بہر حال جو بھی کچھ ہو اس نے اپنا علم بے جگہ استعمال کیا اور غرور علم میں اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر دیا اور کفر اختیار کر کے مردود ہو گیا۔ اور اس سے پہلے جتنی بھی عبادت کی تھی سب اکارت گئی۔

مارا گیا شیطان ایک سجدہ کے نہ کرنے سے ہزاروں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا

ابلیس کی بنی آدم سے دشمنی: سورہ طہ میں ہے کہ جب ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یَا اٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوْجِکَ فَلَا یُخْرِجُکُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی۔ (اے آدم بلاشبہ یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے سو یہ ہرگز تم کو جنت سے نکال نہ دے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے) اور ابلیس نے قسم کھائی کہ میں آدم کی ذریت کا ناس کھودوں گا۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ ابلیس نے کہا: لَا حَسْبُکُمْ ذُرِّیَّتِیْۤ اِلَّا قَلِیْلًا (میں ضرور ضرور اسکی ذریت کو اپنے قابو میں کر لوں گا۔ بجز تھوڑے لوگوں کے) اس مضمون کی تکمیل ان شاء اللہ سورہ اعراف کے دوسرے رکوع کی تفسیر سے کی جائے گی۔ اس کے بعد حضرت آدم و حوا کے جنت میں رہنے اور شیطان کے بہکانے کا ذکر ہے جو ابھی آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ

ابلیس کا پرانا نام عزراziel تھا جب ملعون ہو گیا تو اس کا نام ابلیس رکھا گیا اور شیطان بھی کہا جانے لگا۔ شیطان کا معنی ہے بہت زیادہ شریر۔ یہ سب سے بڑا شیطان ہے اور اسکی ذریت بھی شیطان ہے۔ اور بہت سے انسان بھی شیطانوں کا کام کرتے ہیں۔ اسی لئے شیاطین الانس والجن فرمایا گیا ہے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ

اور ہم نے کہا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہا کرو اور اس میں سے خوب اچھی طرح کھاؤ جہاں سے چاہو۔ اور نہ قریب جانا اس

الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۲۰﴾

درخت کے در نہم دونوں ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے

حضرت آدم علیہ السلام اور انکی بیوی کو جنت میں رہنے کا حکم

اور ایک خاص درخت سے بچنے کی ہدایت

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہ فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور انکی بیوی کو جنت میں رہنے کا حکم دیا اور خوب با فراغت اچھی طرح کھانے کا کھلا اختیار دے دیا۔ لیکن خاص ایک درخت کے بارے میں فرمایا کہ اس کے پاس نہ چٹکنا۔ مقصد تو یہ تھا کہ اس میں سے مت کھانا لیکن بطور مبالغہ اچھی طرح اہتمام کے ساتھ اس سے بچنے کے لئے یہ فرمایا کہ اس کے پاس بھی نہ جانا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم نے اس میں سے کھالیا تو ظالموں میں شمار ہو جاؤ گے۔ اس سے دو طرح کا ظلم مراد ہو سکتا ہے۔ اول تو یہ کہ اس کے کھانے سے جو ممانعت کی خلاف ورزی ہوگی یہ گناہ ہوگا اور ہر گناہ گناہ کرنے والے کے لئے وبال ہے۔ اور وہ اسکی وجہ سے مستحق سزا ہے۔ دوم یہ کہ جب خلاف ورزی کر لو گے تو یہاں جن نعمتوں میں رہ رہے ہو سلب ہو جائیں گی اور یہاں سے نکلنا پڑے گا۔ اور یہ بھی اپنی جان پر ظلم ہوگا۔

شجرہ (درخت) جس کے کھانے سے منع فرمایا تھا وہ کون سا درخت تھا۔ اس بارے میں حضور اقدس ﷺ سے کچھ ثابت نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ یہ گیسہوں کا درخت تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ انکور کا درخت تھا۔ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ کھجور کا درخت تھا۔ (یہ اقوال تفسیر در منثور) پر درج ہیں صحیح علم اللہ ہی کو ہے کہ وہ کون سا درخت تھا، ہمیں معین طریقہ پر اس کا علم یقینی نہیں ہے اور اس میں مضائقہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے جاننے پر کوئی حکم شرعی موقوف نہیں ہے۔

فَازْلِهِمُ الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ

مشیطان نے ان دونوں کو اس درخت کے ذریعہ سے لغزش دی سو ان دونوں کو اس سے نکال دیا جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا کہ تم جہاں میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لئے

فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۲۱﴾

زمین میں ٹھہرنا ہے اور ایک زمانہ تک نفع حاصل کرنا ہے

حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو شیطان کا بہکانا اور جنت سے نکالا جانا

تفسیر: اللہ جل شانہ نے آدم علیہ السلام سے فرمادیا تھا کہ دیکھو یہ ابلیس تمہارا دشمن ہے تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے یعنی جنت سے نکال دیئے جانے کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اور شیطان نے بھی دشمنی پر کمر باندھ لی تھی اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی اور ان کی ذریت کو تکلیف پہنچانے کا پکا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ اس تاک میں رہا کہ ان کو کسی طرح جنت سے نکلواؤں اور یہاں کی نعمتوں سے محروم کروں۔ اُسے یہ معلوم تھا کہ ان کو ایک درخت کے کھانے سے منع فرمایا گیا ہے اگر کسی طرح ان سے اس ممانعت کی خلاف ورزی کرادوں تو ضرور ان پر عتاب ہوگا۔ جو یہاں سے نکالے جانے کا سبب بنے گا۔ چنانچہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ دیکھو تم کو اس درخت کے کھانے سے اس لئے روکا گیا ہے۔ کہ جو کوئی شخص اس درخت میں سے کھالے گا وہ ہمیشہ یہیں رہے گا۔ اور جو بادشاہی یہاں حاصل ہے اس میں کبھی ضعف نہ آئے گا اور اس نے یہ بھی کہا کہ تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت کے کھانے سے اس لئے روکا ہے کہ اس کو کھا کر فرشتے ہو جاؤ گے اور ہمیشہ زندہ رہو گے۔ (فی سورة الاعراف) مَا نَهَكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا اَنْ تَكُونَا مَلَکَيْنِ اَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ (وفی سورة طه) يٰۤاٰدَمُ هَلْ اٰذَلْكُكَ عَلٰى شَجَرَةٍ الْخُلْدِ وَ مَلَكٌ لَا يَمَلُی۔

اور اُس نے صرف معمولی طور پر ہی ترغیب نہیں دی بلکہ دونوں میاں بیوی سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تمہارے لئے خیر خواہی کا مشورہ دینے والا ہوں۔ (کمانی سورة الاعراف) وَقَاسَمَهُمَا اِنِّیْ لَكُمْ لَمِنَ النَّاصِحِیْنَ۔

شیطان کے سمجھانے بھگانے اور قسم کھانے سے دونوں میاں بیوی نے اُس درخت میں سے کھا لیا جس سے منع فرمایا گیا تھا اور وہ ان کو فریب دے کر نیچے اتارنے میں کامیاب ہو گیا۔ (فَلَذْتُمَا بِغُرُورٍ) اس درخت کو چکھنا تھا کہ جنت کے کپڑے ان کے تن سے جدا ہو گئے اور دونوں کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو گئیں اب تو جنت کے پتے اپنے جسموں پر جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے۔ جیسا کہ سورہ اعراف اور سورہ طہ میں مذکور ہے۔ اللہ جل شانہ نے ان کو پکار کر فرمایا کیا میں نے تم کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے یہ نہ کہا تھا کہ بلاشبہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ دونوں فوراً گناہ کے اقراری ہوئے اور مغفرت طلب کرنے لگے۔ اس کا ذکر سورہ اعراف میں ہے۔ اور ابھی فَتَلَقٰی اٰدَمُ مِنْ رَبِّہٖ۔ کی تفسیر میں بھی انشاء اللہ ان کی توبہ کا ذکر آئے گا۔ یہاں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ شیطان نے اُن کو کس طرح بہکایا اور وسوسہ کیسے ڈالا۔ جبکہ وہ وہاں سے نکال دیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں مفسر بیضاوی نے یہ احتمال لکھا ہے کہ اعزاز کے طور پر اس کا وہاں رہنا اور داخل ہونا ممنوع قرار دیا گیا تھا اور ایسی مضبوط ممانعت نہ ہوئی تھی کہ بالکل ہی داخل نہ ہو سکے چونکہ حضرت آدم و حواء علیہما السلام کا اہتمام اور امتحان مقصود تھا اس لئے وسوسہ کے لئے داخلہ کا موقعہ دیا گیا۔ اور ایک احتمال میں لکھا ہے کہ دروازہ کے قریب کھڑے ہو کر وسوسہ ڈالا۔ (لیکن یہ دونوں باتیں اس پر مبنی ہیں کہ وہ جنت سے نکالا گیا تھا اور ابھی زمین پر نہیں آیا تھا) ان کے علاوہ دوسرے اقوال بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ جو بھی صورت ہو اُس نے وسوسہ ڈالا اور بہکایا اور انہوں نے اسکی بات پر عمل کیا۔ جس کی وجہ سے زمین پر آنا پڑا، نکوینی طور پر جو ان کو زمین پر بھیجنا اور غلیفہ بنانا پہلے سے طے تھا شیطان کا بہکانا اور ان کا درخت میں سے کھالینا زمین پر آنے اور رہنے اور بسنے کا سبب بن گیا۔

جب درخت کے کھانے کا واقعہ پیش آ گیا تو اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ تم یہاں سے اتر جاؤ زمین میں جا کر رہو وہاں تم

میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ اور زمین میں تم کو ٹھہرنا ہے اور ایک زمانہ تک نفع حاصل کرنا ہے۔ اس سے یا تو یہ مراد ہے کہ آدم اور حوا اور ان کی ذریت کو قیامت تک دنیا میں رہنا ہے جس کا وقت مقرر ہے یا یہ مطلب ہے کہ ان میں سے ہر شخص کو اپنی موت آنے تک زمین پر رہنا ہے اور تھوڑا بہت نفع حاصل کرنا ہے۔

یہاں لفظ اِھبطُوا (تم اتر جاؤ) جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے جب دو آدمی تھے تو جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام اور ابلیس تینوں کو خطاب ہے (ابلیس ابھی تک آسمانوں میں تھا زمین پر نہیں آیا تھا) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صیغہ جمع اس لئے لایا گیا کہ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام اور ان کی ذریت کا مجموعہ مراد ہے۔ یہ دونوں اُتارے گئے تو ساری ذریت اُتاری گئی، گواہی موجود نہ تھی۔ یہ دوسری بات زیادہ اولیٰ و اقرب ہے کیونکہ سورۃ طہ میں تشبیہ کا صیغہ اِھبطَا لایا گیا ہے۔ اور ابلیس کو مستقل وہاں سے اُترنے اور نکلنے کا حکم پہلے دیا جا چکا تھا جو سورۃ اعراف میں مذکور ہے۔

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ (تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے) اس سے بنی آدم کی آپس کی دشمنیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن رہے گا اور تم اس کے دشمن ہو گے۔

فَتَلَكُمُ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

اس کے بعد آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کر لئے۔ واللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ خوب زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے بڑا مہربان ہے

حضرت آدم علیہ السلام کا توبہ کرنا اور توبہ قبول ہونا

تفسیر: حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی سے جو خطا ہو گئی اس کی وجہ سے انہیں بہت زیادہ ندامت تھی۔ اللہ جل شانہ کی طرف سے ان کو چند کلمات بتائے گئے کہ ان کے ذریعے توبہ کریں یہ کون سے کلمات تھے بعض مفسروں نے فرمایا کہ سورۃ اعراف میں جو ان کی توبہ کے الفاظ مذکور ہیں وہی مراد ہیں یعنی۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ضرور ہم خسارے والوں میں سے ہو جائیں گے)

ان الفاظ میں متکلم مع الغیر کا صیغہ استعمال فرمایا جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام دونوں ہی نے مذکورہ الفاظ کے ذریعے توبہ کی۔ حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ جو الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوئے تھے وہ یہ الفاظ تھے۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ۔ (اے اللہ میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور آپ کی حمد بیان کرتا ہوں اور آپ کی شان بلند ہے اور آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، لہذا مجھے بخش دیجئے بے شک آپ کے علاوہ کوئی بھی گناہ کو نہیں بخش سکتا)

جو بھی الفاظ ہوں اللہ تعالیٰ نے اُن کو توبہ کے الفاظ بتائے انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے توبہ کے الفاظ خود ہی القاء فرمائے اور ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ وہ توبہ قبول فرمانے والا اور بہت بڑا مہربان

ہے جب کبھی بھی کوئی شخص ندامت کے ساتھ رجوع کریگا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ سورہ شوریٰ میں ارشاد ہے۔
 وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ۔ (اور اللہ وہ ہے کہ جو اپنے بندوں کی
 توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو) معافی اور مغفرت تو ہوگئی لیکن جنت میں واپس
 نہیں بسایا گیا کیونکہ تلوینی طور پر اُن کو پہلے ہی سے دنیا میں بھیجا اور خلیفہ بنانا طے تھا اُن کے دنیا میں آنے کی وجہ سے بہت کثیر
 تعداد میں اُن کی ذریت کے افراد مرد اور عورت ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے مستحق جنت ہوئے۔ یہ بنی نوع انسان کا بہت بڑا
 فائدہ ہوا۔ اگر وہ دونوں جنت ہی میں واپس کر دیئے جاتے تو وہاں کی نعمتوں سے وہی منتفع اور متمتع رہتے۔ اور اگر بالفرض وہاں
 اولاد ہوتی تو وہ اعمال صالحہ کی محنت اور گناہوں سے پرہیز کرنے کی مشقت کے بغیر ہی نعمتوں میں رہتی اور نعمتوں کی زیادہ قدر
 نہ ہوتی اپنی محنت سے جو چیز حاصل ہو اور کدھ تکلیف کے بعد جو نعمتیں ملیں اُن کا مزہ اور کیف اور ہی ہوتا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَاَمَّا اِيَّاكَ مَقِيٌّ هُدى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

ہم نے کہا تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا تو اُن پر کوئی خوف نہ

هُم مَخْزُونُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور میری آیاتوں کو جھٹلایا لوگ دوزخ والے ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

ہدایت قبول کرنیوالوں کیلئے انعام اور کافروں کیلئے دوزخ کا داخلہ

تفسیر: اس سے پہلے حکم اِهْبِطُوا (اتر جاؤ) پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اسکو دوبارہ لانا تو تاکید کے لئے ہے یا پہلا حکم یہ
 بتانے کیلئے تھا کہ تم یہاں سے جاؤ جہاں جارہے ہو مصیبت کی جگہ ہوگی آپس میں دشمنی ہوگی اور وہاں تھوڑی مدت رہنا ہوگا، بیشک
 نہ ہوگی اور دوسرا حکم یہ بتانے کے لئے ہے کہ جہاں تم کو بھیجا جا رہا ہے وہ دار الحکلیف ہے۔ وہاں قیام کرنے کے بارے میں یہ بھی
 ذہن میں رکھو اور یہیں سے سمجھتے جاؤ کہ تمہارے خالق اور مالک کی طرف سے وہاں ہدایت آئے گی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر آئیں گے
 اسکی کتابیں نازل ہوں گی۔ اُن پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان لانا ہوگا اور انکی تعلیمات اور ہدایات کے مطابق زندگی گزارنی ہوگی جو
 ہدایت کا اتباع کریں گے ان کے لئے یہاں واپس آ کر خیر ہی خیر ہے نہ انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی رنج لاحق ہوگا۔ سورۃ طہ
 میں یوں فرمایا ہے فَمَنْ اتَّبَعَ هٰذَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (کہ جو شخص میری ہدایت کا اتباع کرے گا، سو نہ گمراہ ہوگا اور نہ
 شقی ہوگا) اور جو لوگ کفر اختیار کریں گے اور میری آیات کو جھٹلائیں گے یہ نار (آگ) والے ہوں گے یعنی دوزخ میں جائیں
 گے جس طرح اہل ایمان ہمیشہ جنت میں رہیں گے اسی طرح یہ اہل کفر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

فَوَاذْ لِّكَ بِرَبِّكَ مَا يُصَلِّىٰ ۝ فَوَاذْ لِّكَ بِرَبِّكَ مَا يُصَلِّىٰ ۝ فَوَاذْ لِّكَ بِرَبِّكَ مَا يُصَلِّىٰ ۝

حضرت آدم وحواء علیہما السلام اور اُن کے دشمن ابلیس ملعون کے مذکورہ واقعہ سے بڑے بڑے اہم نتائج اور فوائد معلوم ہوئے۔
 انسان کو خلافت ارضی کیلئے پیدا فرمایا: (۱) اللہ جل شلئے نے انسان کو خلافت ارضی کے لئے پیدا فرمایا۔ اُس پر
 لازم ہے کہ اپنے خالق و مالک کا خلیفہ بن کر رہے۔ اس کے احکام پر خود بھی عمل کرے اور اپنے زور و طاقت سے احکام الہیہ کو

نافذ کرے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو صاحب اقتدار بنانا واجب ہے جو احکام الہیہ پر عمل کر سکتا ہو۔ جو لوگ قرآن کو نہیں مانتے وہ تو اس واجب پر کیا عمل کریں گے جنہیں قرآن کے ماننے کا دعویٰ ہے وہ بھی احکام الہیہ کی تنفیذ کے حق میں نہیں ہیں۔ دنیا کے ایک بڑے حصے پر مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے لیکن قوانین شریعت نافذ کرنے کے لئے تیار نہیں اس سے جان چراتے ہیں۔ دشمنان اسلام کے ترتیب دیئے ہوئے ظالمانہ قوانین کو کورٹ اور کچہری میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ شرعی قوانین سے بہت سے دنیاوی منافع اور نفس کی لذتوں پر زد پڑتی ہے اس لئے اللہ کی خلافت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور خلیفۃ اللہ نہ ہونے کی وجہ سے ساری دنیا فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ جو مالک مسلمانوں کے زیر اقتدار ہیں فسادات وہیں زیادہ ہیں۔ قتل و خون کے واقعات بھی انہیں ممالک میں بہت زیادہ پیش آتے رہتے ہیں۔ مسلمان ہی مسلمان کو قتل کرتا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسا خلیفہ بنائیں جو احکام الہیہ کو نافذ کرے اور اس بارے میں اس کی مدد کریں۔ اور خلافت کے کام انجام دیں۔ اور فاسق بن کر یَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوَصَّلَ کا مصداق نہ بنیں۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا اس کے اکثر افراد کو کافر ہی ہیں اور جو اسلام کے مدعی ہیں ان میں سے بھی اکثر نافرمانی پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ انسان کی حماقت اور شقاوت ہے۔ اپنے بلند مرتبہ کو چھوڑ کر دنیا کی ذلت اور آخرت کے عذاب کے لئے اپنی جان کو تیار کر رکھا ہے یہی انسان جس کے سب سے پہلے فرد کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا وہی انسان اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں جانے کو تیار ہے یہ تو اہل کفر ہیں اور جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں وہ بھی صالحین کے پیچھے نہیں لگتے۔ فاسقوں فاجروں بد عقیدہ ملحدوں کو اپنا لیڈر اور قائد بنا لیتے ہیں اور انہیں کو اقتدار سونپتے ہیں اور یہ لوگ خود اور صاحب اقتدار سب مل کر فساد برپا کرتے ہیں۔ قتل و خون اور لوٹ مار کی خبریں برابر آتی رہتی ہیں۔ رشوت کی گرم بازاری ہے سودی کاروبار ہیں سودی لین دین ہے۔ شرائیں پی جا رہی ہیں۔ زکوٰۃ نہیں دی جاتی (بہت کم لوگ زکوٰۃ شرعی قاعدہ کے مطابق دیتے ہیں) لوگوں کے حق مارے جارہے ہیں۔ نمازیں برباد ہیں رمضان میں کھلے عام سب کے سامنے کھایا پیا جاتا ہے۔ جانتے بوجھتے گناہ کرتے ہیں اور گناہوں پر اصرار ہے۔ اپنا مقام بھول گئے اور معصیتوں میں لگ گئے۔ شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آئے کہ پھر تو فرشتوں نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ جوئی مخلوق پیدا ہو رہی ہے وہ فساد کی ہوگی اور خون خرابہ کرنے والی ہوگی۔ اس وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں نے تو تمام افراد انسانی کو ہی فساد اور خون خرابہ سے متصف کر دیا تھا انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علماء صلحاء شہداء عابدین ذاکرین قاشین مجاہدین حجاج حفاظ قرآن مفسرین قرآن محدثین مصنفین مصلحین و مرشدین بھی ہوں گے اگر بنی نوع انسان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور خاص کرامت محمد علیہ علیہ الصلوٰۃ و التحیہ کی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انسانوں میں کیسے کیسے اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اصلاح حال کے لئے جانیں وقف کرنے والے اور خلافت الہیہ کے فریضہ کو انجام دینے والے گزرے ہیں۔ فرشتوں کے سامنے اہل صلاح و فلاح کے اعمال خیر کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اندر یکے بعد دیگرے رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آتے رہتے ہیں اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ جب وہ فرشتے واپس ہو کر اوپر جاتے ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ رات گزار لی تو اللہ تعالیٰ شانہ اُن سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتے والے ہیں کہ میرے بندوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا۔ وہ عرض کرتے ہیں: تو کناہم و ہم یصلون و اتیناہم و ہم یصلون یعنی ہم نے اُن کو اس

حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم اُن کے پاس گئے تھے تو بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ (زادہ البخاری)
 اور یوم عرفہ کو جب جہان عرفات میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ جل شانہ اُن کو فرشتوں کے سامنے پیش فرما کر فخر فرماتے ہیں (فی)
 حدیث جابر مرفوعاً اذا كان يوم عرفة ان الله ينزل إلى السماء الدنيا فيباهي بهم الملائكة فيقول انظروا الى
 عبادي اتوني شعباً غيبراً ضاحجين من كل فج عميق. الحديث كما في المشكوة عن شرح السنة)
 یوم عید میں بھی اسی طرح فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کو پیش فرما کر اللہ تعالیٰ فخر فرماتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۲)
علم بہت بڑی دولت ہے

(۲) علم اللہ جل شانہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور بہت بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ اسی کے ذریعہ اللہ جل شانہ نے فرشتوں پر
 حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر فرمائی۔ علم ہر حال میں جہالت سے بہتر ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ علم کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری
 میں اور خلافت الہیہ کے کاموں میں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں خرچ کرنے سے صاحب علم کی فضیلت باقی رہتی ہے۔ حضرت آدم علیہ
 السلام کو جن چیزوں کا علم دیا گیا تھا۔ یہ خلافت الہیہ کو قائم اور باقی رکھنے کیلئے دیا گیا تھا انسان کو جو بھی علم ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت
 کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بننے کے لئے استعمال کیا جائے۔ جو علم مجاہدہ پر اُٹھارے راہِ حق سے ہٹائے وہ علم جہل ہے۔
 حدیث شریف میں فرمایا کہ ان من العلم جهلاً (یعنی بعض علم جہالت ہوتے ہیں) اخرجہ ابو داؤد فی کتاب الادب۔

کتاب وسنت کے علوم تو باعث قرب الہی ہیں ہی دوسرے علوم بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ بن سکتے ہیں (قال تعالیٰ)
 وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (وقال تعالى سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ) لیکن حال یہ ہو رہا ہے کہ
 آفاق اور انفس اور اشجار و احجار جبال و بحار سے متعلق جو علوم منکشف ہو رہے ہیں انسان ان سے اپنے دنیاوی امور میں
 منفع اور متمتع ہوتا ہے لیکن جس نے یہ علوم دیئے ہیں اور یہ منافع پیدا فرمائے اور انکی طرف لوگوں کا ذہن منتقل کیا ہے اسکی
 طرف متوجہ نہیں یہ لوگ عام طور پر طغ کا فر اور فاسق فاجر ہی ہیں۔

جو علم میں بڑھ کر ہو اس کی برتری تسلیم کرنی چاہئے:

(۳) جب کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے اُس کے عالم ہونے کا اقرار
 کرے۔ اور بغیر کسی پس و پیش کے اپنا عجز ظاہر کر دے اور اس میں اپنی خفت محسوس نہ کرے۔ جیسا کہ فرشتوں نے
 حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم ظاہر ہوتے ہی اپنے عجز کا اقرار کر لیا، جاہل ہوتے ہوئے علم کا دعویٰ کرنا اور
 اہل علم سے بحث کرنا بہت بڑی حماقت ہے اور حق منکشف ہونے کے بعد باطل پر جمار ہنا یہ بہت بڑی شقاوت ہے۔

توبہ کی اہمیت اور ضرورت:

(۴) بندے کا کام یہ ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جائے فوراً توبہ کرے اور اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع ہو اپنے گناہ کا اقرار
 کرے۔ اور مغفرت طلب کرے۔ گناہ پر اصرار نہ کرے اور گناہ کو اپنے لئے وبال سمجھے اور گناہ کو اپنی جان پر ظلم جانے۔ حضرت آدم وحو علیہما
 السلام سے گناہ ہو گیا تھا یعنی وہ درخت کھا لیا تھا جس کے کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ اور حضرت آدم مناعت کو اُسوقت بھولے ہوئے بھی
 تھے۔ (کافی سورۃ طہ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ نَسِيٍّ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً) جب ان کا مواخذہ ہوا تو انہوں نے کوئی حجت نہیں

کی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہ کا اقرار کیا اور توبہ کی۔ گو بھول پر مؤاخذہ نہیں ہوتا مگر بھول کے اسباب اختیار کرنے پر مؤاخذہ ہو جاتا ہے اور بڑوں کی بڑی بات ہے اُن کی وہ باتیں بھی گرفت میں آ جاتی ہیں جو دوسروں سے درگزر کر دی جاتی ہیں حضرت آدم اور اُن کی بیوی نے کوئی کٹ جتنی نہیں کی نہ بھول کا بہانہ بنایا اللہ جل شانہ نے اُن پر رحم فرمایا اور خود ہی ایسے کلمات اُتوا القاء فرمائے جو قبولیت توبہ کا ذریعہ بن گئے۔ قال البیضاوی مجیباً عما یرد علی العصمة انه فعله ناسیاً لقوله تعالیٰ فَنَسِیَ وَلَمْ یَجِدْ لَهُ عِزْماً وَلَکِنَّ عُتْبَ بَرَکَ التَّحْفِظَ عَنْ اسباب النسیان ولعله (ای النسیان) وان حطَّ عن الامة لم یحط عن الانبیاء لعظم قدرهم۔

برخلاف ابلیس شیطان کے اس نے دانستہ طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور نہ صرف خلاف ورزی کی بلکہ حکم ہی کو غلط بتایا اور ذاتِ خداوندی پر اعتراض کر بیٹھا اور اپنی خطا تسلیم نہیں کی دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ گناہ کا اقرار کرنا اور توبہ کرنا معافی کے لئے رونا دھونا بے چہین ہونا ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کا طریقہ ہے اور تمام صالحین کا جو اپنے باپ آدم کی راہ پر تھے یہی طریقہ رہا ہے اور گناہ کر کے کٹ جتنی کرنا اور اس کو گناہ نہ سمجھنا گناہ کا اقرار نہ کرنا ابلیس کا طریقہ ہے جو تمام شیطانوں کا سرغنہ ہے۔ مومن بندے جن کو تعلق مع اللہ حاصل ہے اور انا بت رالی اللہ کی نعمت سے نوازے گئے ہیں وہ تو نہ صرف یہ کہ گناہ ہو جانے پر توبہ کرتے ہیں بلکہ نیکی کر کے بھی استغفار کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے خالق کا حق ادا نہ ہوا۔ گناہ تو بندوں سے ہو ہی جاتا ہے لیکن مغفرت کی طلب میں جلدی کرتے ہیں اور معافی مانگتے رہتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ”کل بنی آدم خطاء وخیر الخطائین التوابون“۔ یعنی تمام بنی آدم خطا کار ہیں اور خطا کاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو خوب توبہ کریں گے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی مشکوٰۃ) پس بنی آدم پر لازم ہے کہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کے طریقہ پر چلیں اور ابلیس دشمن کی راہ اختیار نہ کریں۔

تکبر بری بلا ہے: (۵) تکبر بہت بُری بلا ہے۔ یہ صفت انسان کو لے ڈوبتی ہے۔ ابلیس علیہ اللعینہ نے تکبر کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہ مانا اور اُس کو خلافِ حکمت قرار دیا۔ تنبیہ کرنے پر بھی اپنے انکار پر اڑا رہا۔ ملعون اور مطر و داور مدح و حور ہونا گوارا کر لیا لیکن حکمِ خداوندی کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اس نے یہ تو کہا کہ میری زندگی دراز کر دی جائے اور مجھے مہلت دی جائے (اور اس میں شرکا پہلو تھا کیونکہ درازی عمر سے کوئی خیر مقصود نہ تھی بلکہ بنی آدم کو بہکانا اور غلامانِ کفر و شرک پر ڈالنا مقصود تھا) اور توبہ کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ جسے اپنی بڑائی کا خیال ہوا اُس سے بڑے بڑے گناہ صادر ہوتے ہیں وہ حق کو ٹھکراتا ہے۔ لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو (کیا یہ تکبر ہے) آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے (لہذا اچھا کپڑا اور اچھا جوتا پہننا تکبر نہیں ہے) پھر فرمایا۔ الکبر بطل الحق و غمط الناس۔ یعنی تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرائے اور اس کے ماننے سے انکار کرے اور لوگوں کو ذلیل اور حقیر جانے (رواہ مسلم)

اس آفت میں امیر غریب عالم جاہل سب مبتلا ہوتے ہیں۔ اور مصلحین و اعظین، مرشدین کو بھی یہ مرض گھن کی طرح سے لگ جاتا ہے۔ اپنے اعمال کی ریا کاری دوسروں کی غیبت اور تحقیر اپنے عمل و فضل کا ظاہر کرنا حق سامنے ہوتے ہوئے نہ ماننا گناہ کرنا اور نصیحت و خیر خواہی کر نیوالوں سے کٹ جتنی کرنا۔ مسئلہ غلط بتا کر یا شائع کر کے رجوع نہ کرنا۔ اور غلطی پر اصرار کرتے رہنا۔ اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو پیش آتی رہتی ہیں۔ یہ سب تکبر ہے۔

اللہ جل شانہ کو تواضع پسند ہے۔ ایمان کا کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نصیحت عطا فرمائی اسکی قدر دانی اور شکر گزاری

کرتے ہوئے اسکی مخلوق کے ساتھ عاجزی اور فرد تنی کے ساتھ پیش آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگو! تواضع اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ اُس کو بلند فرما دیں گے جو اپنے نفس میں تو چھوٹا ہوگا اور لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوگا۔ اور جو شخص تکبر اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو گرا دیں گے۔ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح از بیہقی فی شعب الایمان)

گناہوں کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں

(۶) گناہ نعمتیں چھین جانے کا سبب ہیں۔ آخرت کے مؤاخذہ کے علاوہ دنیا میں بھی گناہ کی وجہ سے نعمتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ حضرت آدم و حوا علیہما السلام شجر ممنوعہ کے کھانے کے سبب جنت سے نکال دیئے گئے۔ اور دنیاوی مصیبتوں میں اُن کو اور اُن کی ذریت کو مبتلا ہونا پڑا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ۔ ان الرجل لیحرم الرزق بالذنب یصیبه یعنی بلاشبہ انسان گناہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ (مسند رک حاکم ج ۶ ص ۴۹۳)

بہت سے لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں بلکہ پوری پوری قومیں اور قبیلے گناہوں میں لت پت ہیں وہ چاہتے ہیں کہ مصیبتیں دور ہوں اور تنگدستی سے خلاصی ہو لیکن گناہ چھوڑنے کو تیار نہیں بلکہ سمجھانے والے کو آڑے ہاتھوں لے لیتے ہیں۔ اور اُلٹے سیدھے سوال و جواب کرتے ہیں۔ سورۃ اعراف میں ارشاد ہے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے انکے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا)

متعدد احادیث میں بعض اعمال پر دنیا میں مل جانے والی سزاؤں کا خصوصی تذکرہ بھی وارد ہوا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا کہ جس قوم میں زنا کا رواج ہو جائے گا وہ قحط کے ذریعہ پکڑی جائے گی اور جن لوگوں میں رشوت عام ہو جائے گی وہ لوگ رعب کے ذریعہ پکڑے جائیں گے۔ (یعنی ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جائے گا دشمن سے ڈریں گے دور سے کانپیں گے) (رواہ احمد کما فی مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۳)

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی حدود میں سے کسی حد کو قائم کرنا اللہ کے شہروں میں چالیس رات بارش برسنے سے بہتر ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

یعنی ایک حد قائم کرنے کا اتنا بڑا نفع ہے جو چالیس دن بارش ہونے کے نفع سے بڑھ کر ہے۔ اب وہ لوگ غور کر لیں جو اللہ کی حدود نافذ نہیں کرتے اور نافذ ہونے نہیں دیتے۔ وہ اللہ کی عام مخلوق پر رحم کھا رہے ہیں یا ظلم کر رہے ہیں۔ نیز حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس قوم میں کوئی شخص قطع رحمی کرنے والا ہو اُن پر رحمت نازل نہیں ہوتی۔

(بیہقی فی شعب الایمان کما فی مشکوٰۃ المصابیح)

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے مگر ماں باپ کے تکلیف

دینے کو معاف نہیں فرماتا جو شخص ایسا کرے اُس کو اسی دنیا میں موت سے پہلے سزا دے دیتا ہے۔ (رواہ البیہقی کما فی مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہوگی ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ رعب ڈال دے گا۔ اور جس قوم میں زنا کاری کا رواج ہو جائے گا اُن لوگوں میں موت کی کثرت ہو جائے گی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے اُن کا رزق منقطع ہو جائے گا اور جو لوگ ظالمانہ فیصلے کریں گے اُن میں قتل و خونِ خوب زیادہ ہوگا اور جو لوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے اُن پر دشمن مسلط کر دیا جائے گا۔ (رواہ مالک فی الموطا و ہونی حکم المرفوع)

شرم اور حیا انسان کا فطری وصف ہے

(۷) شرم اور حیا انسان کی فطری صفت ہے اور اسکی خلقت اور جبلت میں داخل ہے۔ حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے جنت میں شجر ممنوعہ کھا لیا تو اُن کے جسموں سے جنت کے کپڑے گر پڑے اور دونوں کی شرم کی جگہ ظاہر ہو گئی لہذا جنت سے پتے لے لے کر اپنے جسم پر لگانے لگے تاکہ شرم کی جگہ ڈھک جائے۔ دونوں میاں بیوی تھے پھر بھی آپس میں شرم اگئے اور پردہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ انسان دنیا میں آیا تو شرم و حیا کو ساتھ لے کر آیا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے برابر حیا کی تعلیم دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں پیغمبروں کی عادتوں اور خصلتوں میں سے ہیں۔ (۱) حیا (۲) خوشبو استعمال کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا (رواہ الترمذی فی ابواب النکاح)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ ان الحیاء والایمان قرناء جمیعا و اذا رفع احدہما رفع الآخر۔

اس میں شک نہیں کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ جب ان میں سے ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی مشکوٰۃ المصابیح)

ہدایت قبول کرنے پر انعام:

(۸) حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کے آخر میں یہ جفرمایا۔ فَاَمَّا يَا تَبْنٰکُمْ مِّنْیْ هٰذِی۔ الآیۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان اس دنیا میں صرف جینے اور کمانے کھانے اور ماں باپ بننے اور اولاد پالنے کے لئے نہیں آیا اس کو یہاں دارال تکلیف میں بھیجا گیا ہے اُسے اللہ تعالیٰ کے حکموں کا پابند کیا گیا ہے اور یہ احکام اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعے پہنچتے رہے ہیں۔ ان احکام پر عمل کرنا اُسے واپس جنت میں لے جائے گا۔ اور وہی مقام بلند اور برتر مل جائے گا۔ جہاں سے اُس کے ماں باپ آدم و حوا علیہما السلام اس دنیا میں آئے تھے جنت اپنے ماں باپ کی جگہ ہے جہاں وہ گئے وہیں انکی وفادار اولاد پہنچ جائے گی اور ہمیشہ وہاں رہے گی۔ اور جو لوگ انکے دین سے علیحدہ ہوئے انہیں وہ جگہ دوبارہ نصیب نہ ہوگی بلکہ وہ دارال عذاب یعنی دوزخ میں جائیں گے۔ اختلاف دین کی وجہ سے میراث منقطع ہو جاتی ہے جو کافر ہوں گے وہ اپنے ماں باپ کے دین پر نہیں۔ اس لئے وہ مستحق میراث بھی نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی تھے اُن کا دین اسلام تھا۔ اُن کی ذریت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو پسند فرمایا اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آتے رہے۔ سب ہی دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ جو اُن کے دین پر تھا وہ مسلم ہوا اور جو اُن کے دین کا منکر ہوا وہ کافر ہوا۔ بنیادی طور پر دین اسلام کے تین عقیدے ہیں۔

اول: توحید (جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو اس طرح ماننا داخل ہے جیسا کہ وہ اپنے نزدیک ہے اور جیسا کہ اُس نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ اپنی پہچان کرائی ہے)

دوم: رسالت (یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر ایمان لانا اور انکی کتابوں پر ایمان لانا) اس میں ہر اس بات کی تصدیق آ جاتی ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں نے بتائی۔ فرشتوں پر ایمان لانا، تقدیر کو ماننا، جنت دوزخ کے احوال پر ایمان لانا بھی ایمان بالرسالت میں شامل ہے۔ اور اُن سب احکام کا ماننا اور عمل پیرا ہونا بھی داخل ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچائے۔

سوم: معاد (یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے اور حساب کتاب ہونے اور ایمان و کفر اور اچھے برے اعمال کی جزا ملنے اور جنت یا دوزخ میں داخل کئے جانے کا عقیدہ رکھنا)

ان تین عقائد کی ہر نبی نے تبلیغ کی ہے البتہ فروعی احکام میں حالات کے اعتبار سے فرق رہا ہے۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: انا اولی الناس بعیسیٰ بن مریم فی الاولیٰ والاخرۃ الانبیاء اخوة من علات و امہاتہم شعی و دینہم واحد (رواہ البخاری)

یعنی میں عیسیٰ بن مریم سے سب سے زیادہ قریب تر ہوں دنیا اور عقبیٰ میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپس میں علاقائی بھائی ہیں یعنی دین واحد ہونے میں اس طرح ہی جیسے باپ ایک ہو اور ماںیں کئی ہوں اُن سب کا دین ایک ہے۔ لوگ اپنی جہالت سے سمجھتے ہیں کہ دین اسلام ڈیڑھ ہزار سال سے دنیا میں آیا ہے اُن کا خیال اور عقیدہ غلط ہے انسان جب سے دنیا میں آیا ہے دین اسلام کے ساتھ آیا ہے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اسلام کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آخری رسول ہیں آپ وہی دعوت لیکر تشریف لائے جو حضرات انبیاء کرام آپ سے پہلے لیکر آئے تھے آپ پر نبوت و رسالت ختم ہو گئی۔ لیکن آپ کی دعوت قیامت تک کیلئے ہے۔ اس دعوت کے پہنچانے اور باقی رکھنے کے لئے قرآن مجید باقی ہے اور باقی رہیگا ہر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام قبول کرنے کا مامور ہے۔ کوئی یہودی ہو یا نصرانی ہندو یا بدھسٹ پارسی ہو کسی بھی دین کا ماننے والا ہو سب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت میں شامل ہیں۔ جو آپ پر ایمان لائیگا آخرت میں نجات پائیگا جو منکر ہوگا دوزخی ہوگا۔ سورہ آل عمران میں ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (یعنی جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا وہ آخرت میں تباہ کار لوگوں میں سے ہوگا) (آل عمران ع ۹) سورہ سبا (ع ۳) میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) صحیح مسلم (ص ۸۶ ج ۱۱) میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع ہی احد من هذه الامة یہودی ولا نصرانی

ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار

(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے میرے نبی ہونے کی خبر جس کسی انسان کو بھی پہنچے گی اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جو دین لیکر میں بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا۔ یہودی ہو یا نصرانی)

بنی اسرائیل کا تعارف

چونکہ آیت میں بنی اسرائیل کا ذکر آ رہا ہے اور کئی رکوعوں میں انکی شرارتیں مذکورہ ہیں اور سورہ بقرہ کے علاوہ بھی قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کا تذکرہ ہے۔ اس لئے بنی اسرائیل کا تعارف مفصل کرایا جاتا ہے تاکہ ان سے متعلقہ مضامین کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن اور اولاد

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل وطن بابل کا علاقہ تھا جہاں نمرود بادشاہ تھا وہاں بت پرست رہتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بھی بت پرست تھے آپ نے اُن لوگوں کو حق کی تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی اور اس سلسلہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ اُن کی پوری قوم دشمن ہو گئی۔ یہاں تک کہ اُن کو آگ میں ڈالا گیا۔ اُن کے واقعات جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اُن کی ایک بیوی کا نام سارہ تھا جو اُن کے چچا کی لڑکی تھی اور ایک بیوی کا نام ہاجرہ تھا۔ حضرت سارہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت ہاجرہ سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ہاجرہ وہی ہیں جنہیں مکہ معظمہ کے چشیل میدان میں بحکم الہی چھوڑ دیا تھا۔ اُن کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی تھے جو اس وقت گود میں تھے مکہ معظمہ کے بالکل ابتداء آباد کرنے والے یہی دونوں ماں بیٹے تھے۔ حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لڑکے تھے جن کے نام البدیۃ والنہایۃ میں لکھے ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند یعقوب علیہ السلام تھے۔ جن کا لقب اسرائیل تھا۔ ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ اور اُن کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنوس میں ڈال دیا تھا جس کا قصہ سورہ یوسف میں مذکور ہے۔

بنی اسرائیل مصر میں: حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ اقتدار میں مصر میں جا کر رہنے لگے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہو گئی تب بھی یہ لوگ مصر ہی میں رہتے رہے پشعہا پشت وہاں رہنے سے انکی نسل بھی بہت زیادہ ہو گئی اور بارہ بھائیوں کی اولاد جو بارہ قبیلوں میں منقسم تھی مجموعی حیثیت سے انکی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی ان لوگوں کا اصل وطن کنعان تھا جو فلسطین کا علاقہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا اصلی وطن (بابل) چھوڑ کر اور ہجرت فرما کر اس علاقہ میں آباد ہو گئے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مکہ معظمہ میں آباد رہی اور بڑھتی رہی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل اؤلا کنعان میں پھر مصر میں آباد ہو گئی جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد پر مشتمل تھی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو اُن لوگوں کا اقتدار میں کچھ حصہ بھی نہ رہا۔

چونکہ یہ لوگ مصر کے اصل باشندے نہیں تھے۔ اجنبی قوم کے افراد تھے اس لئے مصری قوم (قبط) کے افراد ان لوگوں سے بڑی بڑی بیگاریں لیتے تھے اور اُن کو بُری طرح غلام بنارکھا تھا۔ حدیہ ہے کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتے تھے اور یہ اُن کے سامنے عاجز محض تھے اُن کے سامنے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ غلامی کی ایسی بدترین مثال دنیا کی تاریخ میں کسی قوم کی نہیں ملتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور دعوت:

اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ جنہوں نے اس زمانہ کے ظالم اور جابر ترین

بادشاہ فرعون کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی دعوت دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے یہ بھی کہا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ نہ اُس نے دعوت حق کو قبول کیا اور نہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہوا اور اُس نے اعلان کیا کہ اَنَا رَبُّكُمْ الْاَعْلٰی (میں تمہارا سب سے زیادہ بلند معبود ہوں)

بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا

بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے راتوں رات مصر سے نکل کھڑے ہوئے اور سمندر تک پہنچ گئے۔ جب صبح ہو کر ان کے نکلنے کا فرعون کو علم ہوا تو وہ اپنے لشکر لے کر ان کے پیچھے لگا اور سمندر پر پہنچ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا مبارک سمندر پر ماری جس سے سمندر پھٹ گیا اور اس میں راستے بن گئے اور بنی اسرائیل کے قبیلے ان راستوں سے پار ہو گئے۔ ان کو دیکھ کر فرعون نے بھی اپنے لشکروں کو سمندر میں ڈال دیا جب فرعون اور اس کا لشکر بچ سمندر میں آ گیا تو اللہ جل شانہ نے سمندر کو ملا دیا۔ فرعون کا لشکر تو ڈوب گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لیکر سمندر پار ہو گئے۔ فرعون بھی اس عظیم حادثہ میں غرق ہوا اور مر گیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش کو محفوظ رکھا جو اب بھی مصر کے عجائب گھر میں بتائی جاتی ہے۔ عبرت کے لئے اس کی لاش کو محفوظ فرمایا تاکہ لوگ خدائی کے جھوٹے دعویدار کا انجام دیکھ لیں۔ قال تعالیٰ فَلْيَوْمَ نَسْجِیْکَ بِنَدْبِکَ لِتَكُوْنُ لِمَنْ خَلَفَکَ اٰیۃٌ الْبَدِیۃِ وَالْاٰخِرِیۃِ ص ۲۷۰ ج ۱ میں لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل فرعون سے نجات پا کر سمندر پار ہوئے تو اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ کے لگ بھگ تھی یہ تعداد بچوں عورتوں کے علاوہ تھی اور یہ بھی لکھا ہے کہ مصر میں ان لوگوں کے رہنے کی مدت چار سو چھپیس سال شمی تھی۔

مصر سے نکل کر چالیس سال میں وطن پہنچے

بنی اسرائیل سمندر پار تو ہو گئے لیکن اب سوال تھا کہ کہاں جا کر بسیں؟ اپنے ہی علاقہ میں جانا تھا اور وہ علاقہ بہت دور بھی نہیں تھا آخر وہیں سے ان کے باپ دادا مصر میں آئے تھے اور چند دن میں اونٹوں پر پورا سفر قطع کر لیا تھا لیکن یہ چلے تو ان کو اپنے وطن پہنچنے میں چالیس سال لگ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سنا تے رہے میدان تیرے میں چالیس سال سرگرداں پھرتے رہے (صبح کو جہاں سے چلتے شام کو وہیں پہنچ جاتے تھے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف ملی وہ طور پہاڑ پر توریت شریف لینے گئے تو پیچھے ان لوگوں نے پھڑے کی پریشانی کر لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم تو تمہاری بات جب مانیں گے جب ہم اللہ کو آمنے سامنے دیکھ لیں۔ ان کی غذا کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے من اور سلوی ملتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ ہم کو سبزی۔ پیاز۔ کھیر وغیرہ چاہئے۔ جو توریت شریف لے کر موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ لہذا پہاڑ طور اٹھا کر ان پر سائبان کی طرح کھڑا کر دیا گیا۔ یہ واقعات اسی میدان میں پیش آئے جس میں چالیس سال حیران اور سرگرداں گزارے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہیں وفات ہو گئی۔ اُن کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانہ میں اُن کا علاقہ فتح ہوا اور بیت المقدس میں داخلہ نصیب ہوا۔ ان کو حکم ہوا تھا کہ عاجزی کے ساتھ اور خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے عاجزی کے ساتھ داخل ہوں انہوں نے اسکی خلاف ورزی کی بنی اسرائیل کے یہ واقعات مختلف مواقع میں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ بنی اسرائیل کو یہودی بھی کہا جاتا ہے۔

یہودی مدینہ میں کب آئے؟

یہودی مدینہ منورہ میں کب آئے؟ اس کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ ان کے وطن بیت المقدس کو جب بخت نصر (مشہور کافر بادشاہ) نے منہدم کر دیا اور وہاں کے رہنے والوں کو جلا وطن کر دیا اور بنی اسرائیل (یہود) میں سے بہت لوگوں کو قید کر لیا تو ان میں سے ایک جماعت نے حجاز کی طرف رخ کیا ان میں بعض وادی القرطی میں اور بعض تیہ اور بعض مدینہ منورہ میں آ کر مقیم ہو گئے۔ یہاں پہلے سے کچھ لوگ بنی جرہم کے اور کچھ بقایا عمالقہ کے آباد تھے۔ انہوں نے کھجوروں کے باغ لگا رکھے تھے اور کھیتیاں کرتے تھے۔ یہودی اُن کے ساتھ ٹھہر گئے اور گھل مل کر رہنے لگے پھر یہ بڑھتے رہے اور بنی جرہم اور عمالقہ کم ہوتے رہے یہاں تک کہ اُن کو یہودیوں نے مدینہ منورہ سے نکال دیا اور مدینہ منورہ پوری طرح ان کے تسلط میں آ گیا اس کی عمارتیں اور کھیتیاں سب انہیں کی ہو گئیں اور ایک مدت تک جس کا علم اللہ ہی کو ہے اسی حال میں یہ لوگ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ (فتوح البلدان للبلداری)

بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہودی علماء توریت شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پڑھتے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ آپ کی ہجرت ایسے شہر کی طرف ہوگی جس میں کھجوریں ہوں گی اور وہ دو پتھر کی زمینوں کے درمیان ہو گا لہذا وہ شام سے آئے۔ اور اس صفت کے شہر کی تلاش میں نکلے تاکہ اسی شہر میں جا کر رہیں اور مبعوث ہونے والے نبی پر ایمان لائیں اور اُن کا اتباع کریں۔ جب مدینہ منورہ آئے وہاں کھجوریں دیکھیں تو وہ سمجھ گئے کہ یہی وہ شہر ہے جس کی تلاش میں ہم نکلے ہیں اور پھر وہیں رہنے لگے۔ (عمدة الاخبار فی مدینہ النبی و تعم البلدان للحموی)

اوس و خزرج کا مدینہ میں آ کر آباد ہونا

مدینہ منورہ کی آبادی بہت کم تھی آبادی اس کا پرانا نام یثرب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے کے بعد اس کا نام مدینہ الرسول اور طابہ اور طیبہ معروف ہو گیا۔ اور المدینہ نیز المدینہ منورہ کے نام کی زیادہ شہرت ہو گئی۔ یہودیوں کے مدینہ منورہ میں آ کر بسنے کے سالہا سال کے بعد یمن کے دو قبیلے اوس اور خزرج بھی مدینہ منورہ آ کر آباد ہو گئے تھے۔ جب آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں تین قبیلے یہودیوں کے یعنی (۱) بنی نضیر (۲) بنی قریظہ (۳) بنی قینقاع اور دو قبیلے یمن سے آ کر آباد ہونے والوں کے موجود تھے یعنی اوس اور خزرج۔ یہی دونوں قبیلے ہیں جو بعد میں انصار بنے۔

یہود کے قبیلوں اور اوس و خزرج میں لڑائیاں

یہ دونوں قبیلے بُت پرست تھے آپس میں بھی لڑائیاں ہوتی تھیں اور یہودیوں سے بھی جنگ ہوتی رہتی تھی۔ یہودی اہل کتاب تھے اور اہل علم سمجھے جاتے تھے۔ جب یمن کے ان دونوں قبیلوں سے ان کی لڑائی ہوتی تھی تو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں ان کا زمانہ آئے گا ہم ان کا اتباع کر کے اور اُن کے ساتھی بن کر تمہارا ناس کھودیں گے۔

اوس و خزرج کا اسلام قبول کرنا:

حج کے موقع پر پہلی ملاقات میں جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس اور خزرج کے چند افراد پر اپنی دعوت پیش کی تو یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی تشریف آوری کی خبر یہودی دیا کرتے ہیں اور ہمیں دھمکیاں

دیتے ہیں کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کر دیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ آگے بڑھ جائیں لہذا ہمیں یہ دین قبول کر لینا چاہئے۔ چنانچہ یہ حضرات مسلمان ہو گئے۔ اور مدینہ منورہ آ کر انہوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی اور انصار کے دونوں قبیلوں میں اسلام پھیل گیا۔ پھر دونوں قبیلوں کے بارہ نمائندوں نے اگلے سال موسم حج میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ سے بیعت کی۔ اور عرض کیا آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔

ہجرت مدینہ: چنانچہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے آپ کی آمد سے پہلے بہت سے صحابہ ہجرت کر کے آچکے تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ سب باتیں لکھی ہیں۔ فتوح البلدان بلاذری الروض الانف سیرت ابن ہشام باب عرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفسہ علی القبائل کا مطالعہ کیا جائے۔

یہودیوں کا عناد اور قبول حق سے انحراف:

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہودی یہ جاننے کے باوجود کہ آپ نبی ہیں (اور علامات پوری اتر رہی ہیں۔ جو نبی آخر الزماں کے بارے میں انہیں معلوم تھیں) منکر ہو گئے اور آپ کو نبی رسول ماننے اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کو اوس اور خزرج کے لوگوں نے توجہ دلائی اور کہا کہ اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو تم ہی تو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی آئیں گے اور ہم ان کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کریں گے اور تم ان کی صفات بیان کرتے تھے۔ اب کیوں منکر ہو رہے ہو۔ لیکن ان لوگوں نے ایک نہ سنی۔ (سیرۃ ابن ہشام اوائل المجلد الثانی) اور بجز چند آدمیوں کے (جن میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا نام زیادہ مشہور ہے) یہودیوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور طرح طرح کی باتیں بناتے رہے اور کٹ چٹی پر اتر آئے۔ جسے اللہ تعالیٰ پر کمر باندھ لی اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے اور عہد شکنی کرتے رہے۔ آج تک اگلے سارے قبیلوں اور خاندانوں کا یہی حال ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرٰٓءِیْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِیْ اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ

اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور پورا کرو میرے عہد کو میں پورا کروں گا اپنے عہد کو۔

وَ اٰیٰتِیَ فَارْهَبُوْٓنَ ﴿۱۰﴾

اور صرف مجھ ہی سے ڈرو

بنی اسرائیل کو انعامات کی یاد دہانی

تفسیر: بنی اسرائیل (اسرائیل کی اولاد) اس سے یہودی مراد ہیں۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جو عبرانی زبان کا لفظ ہے اسرائیل کا معنی ہے صفوة اللہ یعنی اللہ کا برگزیدہ بندہ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی ہے عبداللہ (اللہ کا بندہ) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کی اولاد بارہ قبیلوں پر منقسم ہے اور بنی اسرائیل کا خطاب ان سب کو شامل ہے۔ بنی اسرائیل مدینہ منورہ میں اور خیبر میں اور شام میں اور ان کے علاوہ مختلف علاقوں میں آباد تھے۔ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے آپ کی بعثت تو سارے ہی انسانوں کیلئے ہے لیکن

آپ کے اولین مخاطبین مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے اور وہاں سے ہجرت فرمائی تو مدینہ منورہ میں اوس و خزرج اور یہودیوں کے تینوں قبیلے سامنے تھے اوس اور خزرج تو مسلمان ہو گئے لیکن یہودیوں میں سے صرف چند افراد نے اسلام قبول کیا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو خصوصی خطاب بھی فرمایا ہے اور ان کو اپنے انعامات اور احسانات یاد دلانے ہیں۔ آیت بالا میں یہی ارشاد فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم کو دی ہیں اور میرا عہد پورا کرو میں بھی تمہارا عہد پورا کروں گا۔ اور صرف مجھ سے ڈرو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بنی اسرائیل پر جو کچھ تھیں وہ اُن کو جانتے تھے انہیں اپنی تاریخ کا پتہ تھا۔ قرآن مجید میں ان نعمتوں کا تذکرہ فرمانے میں جہاں یہود کو نصیحت ہے کہ وہ اللہ کے آخری نبی پر ایمان لائیں وہاں سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے دلائل بھی ہیں کیونکہ آپ نے کسی سے نہیں پڑھا تھا اہل کتاب کی صحبت نہیں اٹھائی تھی۔ یہ واقعات آپ کو کہاں سے معلوم ہوئے ان کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتائے آپ کا ان چیزوں کی خبر دینا یہ سب آپ کے معجزات میں شامل ہے۔

وَأْمِنُوا بِمَا أُنزِلَتْ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا

اور ایمان لاؤ اُس کتاب پر جو میں نے نازل کی حال یہ ہے کہ یہ کتاب اسکی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم اس کتاب کے انکار کرنے والوں میں پہل کریناوالے مت جو۔ اور میری آیات کے عوض حقیر معاوضہ مت حاصل کرو۔

وَإِلَّا يَأْتِيَنَّكَ الْقَوْلُ

اور صرف مجھ ہی سے ڈرو

بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے کی دعوت

تفسیر: بنی اسرائیل کو مزید خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی ہے یعنی قرآن مجید اور یہ کتاب اس کتاب کے معارض نہیں ہے جو تم کو دی گئی تھی (یعنی توریت شریف) بلکہ یہ کتاب تو اس کتاب کی تصدیق کرنیوالی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی جس کو تم جانتے ہو اور مانتے ہو۔ جو توریت و انجیل بزمانہ نزول قرآن اہل کتاب کے پاس تھیں اگرچہ ان لوگوں نے ان میں تحریفات کر دی تھیں پھر بھی ان میں نبی آخر الزماں ﷺ کی صفات موجود تھیں۔ سورہ اعراف میں فرمایا۔ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ (الآیۃ)

جب یہودیوں کو خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کا علم ہو گیا اور یہ اہل علم تھے اہل کتاب تھے حضرت خاتم النبیین ﷺ کی علامات اپنی کتاب میں پاتے تھے (اور پہچان بھی گئے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی بشارت پہلے سے دی گئی ہے اور ہم جن کے انتظار میں برسہا برس سے مدینہ میں رہ رہے ہیں) تو ان کو سب سے پہلے ایمان لانا لازم تھا۔ اہل کتاب کا جو دوسرا فرقہ تھا یعنی نصاریٰ اُن کے پاس سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر بہ نسبت یہودیوں کے بعد میں پہنچی مکہ معظمہ والے بے علم تھے۔ مشرک تھے۔ اپنے کفر اور شرک پر اڑے رہے اور ضد اور عناد پر جتے رہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن یہود کے لئے انکار کا کیا مقام تھا۔ اُن کو فوراً مان لینا تھا اور تصدیق کرنا تھا اور نصاریٰ سے

آگے بڑھ کر اسلام قبول کرنا تھا لیکن بجائے اسلام میں آگے بڑھنے کے انہوں نے اسلام سے منحرف ہونے اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے میں پہل کر لی۔ اسی کو فرمایا کہ تم اس کتاب کے انکار کرنے والوں میں پہل کرنے والے مت بنو یہاں جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ انکار کرنے والوں میں اہل مکہ پہل کر چکے تھے پھر یہود کو "اول کافر" کیسے فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب میں سب سے پہلے منکر یہودی ہی بنے تھے۔ کیونکہ اہل کتاب کی دو جماعتیں تھیں۔ یہود اور نصاریٰ۔ ان دونوں میں سے یہود کو سب سے پہلے مسلمان ہونا لازم تھا۔ اول تو اس وجہ سے کہ دعوت اُن کو پہلے پہنچی دوسرے اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علاماتِ نبوی پہچان لی تھیں اور بہ نسبت نصاریٰ کے یہ لوگ اہل اعلم تھے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے یہود مدینہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے کافر نہ بنو۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے مخاطب یہود مدینہ ہی تھے۔

قال ابن عباس ولا تكونوا اول کافر به وعندکم فیہ من العلم ما لیس عند غیرکم
قال ابو العالیہ ولا تكونوا اول من کفر بمحمد ﷺ یعنی من جنسکم اهل الكتاب
بعد سماعکم بمبعثہ واما قوله اول کافر به فیعنی به اول من کفر به من بنی اسرائیل
لا نه قد تقدمهم من کفار قریش وغیرہم من العرب بشر کثیر۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۸۳ ج ۱)

پھر فرمایا: وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِنَا قَلِيلًا۔ (اور میری آیات کے عوض حقیر معاوضہ مت حاصل کرو) مفسرین نے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ میری آیات پر ایمان لاؤ اور میرے تمام رسولوں کی تصدیق کرو (جس میں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق بھی شامل ہے) اور حقیر دنیا کے چلے جانے کی وجہ سے ایمان سے نہ روکا اگر کفر اختیار کئے رہنے میں کچھ منافع نظر آتے ہیں تو ان کو چھوڑو (ابن کثیر)

ساری دنیا آخرت کے مقابلہ میں حقیر ہی ہے خواہ کتنی ہی زیادہ ہو۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ میری آیات میں تبدیل اور تحریف نہ کرو اور کتمانِ حق نہ کرو۔ جیسا کہ اب تک کرتے رہے ہو اور اپنے عوام سے اس کے ذریعہ دنیاوی منافع حاصل کرتے ہو۔ وقیل کانوا یا کلون الرشی فی حروف الحق ویکتمولہ (من البیضاوی)
پھر فرمایا: وَإِنَّمَا فَاتَقُونَ (کہ صرف مجھ ہی سے ڈرو) درحقیقت خوفِ خدا بہت بڑی چیز ہے کفر اور شرک اور ہر طرحِ معاصی چھڑانے میں اس کو سب سے بڑا دخل ہے۔ اس کی طرف دوبارہ توجہ دلائی اور بطور تاکید اس کا دوبارہ اعادہ فرمایا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ رحمت سے تقویٰ کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور چونکہ ایمان کا حکم عوام و علماء سب کو ہے اس لئے پہلی آیت کے ختم پر فَاتَقُونِ فرمایا اور دوسری آیت میں جب علماء کو خصوصی خطاب ہوا تو فَاتَقُونَ فرمایا کیونکہ تقویٰ خوف و خشیت اور رحمت کا منظمی ہے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَكَتَبُوا الْحَقَّ وَانْتُمْ تَعْلَمُونَ ①

اور مت ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم جانتے ہو

حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ اور حق کو مت چھپاؤ

تفسیر: اس آیت میں بھی علماء یہود کو خطاب ہے یہ لوگ توریت شریف میں تحریف کر چکے تھے اور اس میں سے جو

کچھ صحیح باتیں اُن کے پاس باقی تھیں اُن میں بھی خلط ملط کرتے تھے۔ اول تو تعلیم عام نہیں تھی اپنی قوم کے تمام افراد کو دین اور کتاب نہیں سکھاتے تھے اور توریت شریف کے اوراق منتشر کر کے رکھ رکھے تھے (تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا) جو شخص کوئی بات پوچھتا تو کوئی ایک ورق نکال کر اس کا مطلب جو چاہتے بتا دیتے تھے۔ اور پوچھنے والے کو خوش کرنے اور اس سے رشوت لینے کے لئے اسکی مرضی کے مطابق توریت شریف کے مضامین کی تشریح کر دیتے تھے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی جو علامات توریت شریف میں لکھی تھیں اُن کو چھپاتے تھے۔ اُن کو حکم فرمایا کہ تم حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ۔ اپنی بنائی ہوئی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرو خود تراشیدہ بات کو حکم خداوندی ظاہر نہ کرو تم جاننے ہو کہ ہم ایسا کر رہے ہیں اور یہ بھی جاننے ہو کہ اس کا کیا وبال ہے۔ پھر بھی ایسی حرکت کرتے ہو۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۲۰﴾

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرؤ رکوع کرنے والوں کے ساتھ

نماز اور زکوٰۃ کا حکم

تفسیر: اس آیت میں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز قائم کرنے کا مطلب سورہ البقرہ کے شروع میں بیان ہو چکا ہے۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ قرآن مجید میں بکثرت دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔ نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اللہ کا ذکر کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ نفس میں رجوع الی اللہ اور تواضع پیدا ہوتی ہے۔ اور نماز کی برکات اور ثمرات بہت ہیں جو علماء اسلام نے اپنی کتابوں میں بیان کئے ہیں۔ زکوٰۃ سے نفس کی کجی دور ہوتی ہے اور مال کا خبث بھی دور ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ رکوع کرنیوالوں کے ساتھ رکوع کرو۔ یعنی نماز باجماعت پڑھو۔ جماعت کی نماز میں بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں۔ ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے سے اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اور ایک نماز کا ثواب ستائیس نمازوں کے ثواب کے برابر ملتا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کا حکم تو سبھی کو ہے۔ لیکن یہودیوں کو خصوصی خطاب اس لئے فرمایا کہ ان لوگوں میں حُب جاہ اور حُب مال کا مرض تھا۔ نماز اور زکوٰۃ میں ان دونوں کا علاج ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ **وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ** اس لئے فرمایا کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ اب تک جو نماز پڑھتے رہے اب اُس کو چھوڑ دو اور اب وہ نماز پڑھو جو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے بتائی ہے جو رکوع اور سجدہ دونوں پر مشتمل ہے۔ بعض علماء نے اس آیت سے فرض نماز باجماعت کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ اور جو حضرات واجب نہیں کہتے اُن کے نزدیک بھی نماز باجماعت بہت زیادہ تاکید کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلا شک میں نے ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں جو جمع کر لی جائیں پھر نماز کا حکم دوں تاکہ اذان دی جائے پھر کسی شخص کو حکم دوں جو لوگوں کا امام بنے اور میں ان لوگوں کے گھروں کی طرف چلا جاؤں جو جماعت میں حاضر نہ ہوئے۔ پھر ان کے گھروں کو ان پر جلا دوں۔ (صحیح بخاری)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی جماعت قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ (ان لوگوں کے گھروں میں جو کچھ ہے) آگ سے جلادیں (جو جماعت میں نہیں آئے) (رواہ احمد کانی مشکوٰۃ)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھائی اور سلام پھیر کر فرمایا کیا فلاں شخص حاضر ہے حاضرین نے عرض کیا نہیں فرمایا۔ کیا فلاں شخص حاضر ہے۔ غرض کیا نہیں فرمایا۔ بے شک یہ دونوں نمازیں (عشاء اور فجر) منافقوں پر سب نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں اور اگر تم کو معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں میں کیا اجر و ثواب ہے تو ان دونوں میں حاضر ہوتے اگرچہ گھنٹوں کے بل چلتا پڑتا۔ اور (فرمایا) کہ بلاشبہ پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح سے ہے اور اگر تم جان لو کہ اسکی کیا فضیلت ہے تو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور بلاشبہ ایک شخص کی نماز دوسرے شخص کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے بہ نسبت تنہا نماز پڑھنے کے اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے اور جتنی بھی زیادہ تعداد ہوگی اُسی قدر اللہ کو محبوب ہے۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی کانی مشکوٰۃ ص ۹۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں نے اپنا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ نماز جماعت سے صرف وہی شخص پیچھے رہ جاتا تھا جو منافق ہوتا اور اس کا نفاق کھلا ہوا سب کو معلوم ہوتا تھا یا کوئی مریض ہوتا (بلکہ) مریض کا بھی یہ حال تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر آتا تھا۔ یہاں تک کہ نماز میں حاضر ہو جاتا تھا۔ اور فرمایا کہ بلاشبہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کے طریقے بتائے ہیں اور ہدایت کے طریقوں میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد میں نماز پڑھی جائے جس میں اذان دی جاتی ہو۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی تین مرد کسی جنگل یا بستی میں ہوں جن میں نماز باجماعت قائم نہ کی جاتی ہو تو ضرور شیطان ان پر غلبہ پالے گا۔ لہذا جماعت کی حاضری کو لازم کر لو کیونکہ بھیڑ یا اُسی بکری کو کھا جاتا ہے جو گلہ سے دور ہو جائے۔ (رواہ احمد و ابو داؤد والنسائی کانی مشکوٰۃ ص ۹۶)

أَتَاْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے

مبلغ اور داعی اپنے نفس کو نہ بھولے

تفسیر: اسی آیت میں بھی یہودیوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ لوگ قرآن کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق جانتے تھے اس لئے پوشیدہ طور پر کبھی کبھی اپنے عوام اور رشتہ داروں کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دیتے تھے اور خود اسلام قبول نہیں کرتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر اور درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بات نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی لڑکے کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا آپ تشریف لائے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہو گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اُس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو وہاں موجود تھا اس کے باپ نے کہا کہ ابو القاسم (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لے چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا اور آپ وہیں سے یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اسے دوزخ سے بچا دیا۔ (صحیح بخاری)

اس کے علاوہ بھی علماء یہود میں بے عملی عام تھی لوگوں کو نماز روزے کا حکم کرتے تھے اور خود عمل نہیں کرتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو عار دلانی اور فرمایا کہ جو خیر کا حکم کرے اُسے خیر میں دوسروں سے آگے بڑھنا چاہئے۔ (قالہ ابن جریر کما فی تفسیر ابن کثیر) یہاں یہ بات اگرچہ یہودیوں کی بے عملی ظاہر کرنے کے لئے بیان کی گئی ہے لیکن اس کا حکم سب کے لئے عام ہے جو بھی کوئی شخص لوگوں کو بھلائی کا حکم کرے گا اور گناہوں سے روکے گا اور خود بے عمل ہوگا اس کا انجام بُرا ہوگا۔ اور اس طریقہ کار کی شامت اور قہر اُسے لے ڈوبے گی بعض روایات میں ہے کہ جو عالم لوگوں کو خیر سکھاتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا وہ اس چراغ کی طرح سے ہے جس کی بتی چلتی رہتی ہے لوگوں کو روشنی پہنچتی ہے لیکن بتی خود جل جاتی ہے۔ (ابن کثیر من المعانی فی التلمیح الکبیر)

بے عمل واعظوں کی سزا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ اُن کے ہونٹ قیچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ جب کٹ جاتے ہیں تو پھر ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ میں نے جبریلؑ سے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے خلیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں جس کی اُن کو سمجھ نہیں ہے۔ (در منثور ص ۶۳ ج ۱ عن النبی عن شعب الایمان وعزاه صاحب مشکوٰۃ الی شرح السنۃ) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا پھر اُسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جس میں اس کے پیٹ کی آنتیں نکل پڑیں گی اور وہ اپنی آنتوں کے ساتھ گھومتا پھرے گا جیسے گدھا چکی کو لے کر گھومتا ہے۔ دوزخ والے اس کے پاس جمع ہو جائیں گے اور اس سے کہیں گے کہ اے فلاں تجھے کیا ہوا؟ کیا تو ہمیں اچھی باتیں نہیں بتاتا تھا اور بُرائی سے نہیں روکتا تھا۔ وہ جواب دے گا کہ میں تم کو اچھی باتوں کا حکم کرتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا اور تم کو بُرائی سے روکتا تھا اور خود اس بُرائی کو کرتا تھا۔ (صحیح مسلم)

فائدہ: مذکورہ بالا آیات اور احادیث شریفہ کا مقصد یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں (نیکیوں کا حکم دیں بُرائیوں سے روکیں) اور خود بھی عمل کریں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ نہ عمل کریں نہ امر بالمعروف کریں نہ نہی عن المنکر کریں۔ مبلغ اور مصالح کو عمل کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ جو عمل نہ کرے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔

قال ابن کثیر فکل من الامر بالمعروف وفعله واجب ولا یسقط احدهما بترك الآخر علی اصح قولی العلماء من السلف والخلف والصحيح ان العالم یأمر بالمعروف وان لم یفعله ویبھی عن المنکر وان ارتکبه.

وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا الْكَبِيرَةُ ۖ إِلَّا عَلَى الْحَشِيعِينَ ۚ ۝۱۰۱ الَّذِينَ يَطُئُونَ أَنْفَهُمْ

اور مدد چاہو صبر اور نماز کے ساتھ اور بلا شبہ نماز ضرور دشوار ہے۔ مگر خشوع والوں پر جو یقین رکھتے ہیں کہ بیشک وہ

تُلقُوا رَبَّهُمْ وَأَنْفَهُمُ الْبِئْرُ رَجْعُونَ ۝۱۰۲

اپنے رب سے ملاقات کر لیں اور یہ کہ وہ اُسی طرف لوٹنے والے ہیں

صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد حاصل کرو

تفسیر: اس آیت شریفہ میں صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا طریقہ بتایا ہے لفظ صبر تین معنی میں آتا ہے۔ اول طاعات پر جمار ہنا خاص کر فرائض اور واجبات کو پابندی سے ادا کرنا۔ دوم گناہوں سے پوری طرح اہتمام کے ساتھ بچنا۔ سوم جو مصائب اور مشکلات درپیش ہوں اُن پر صبر کرنا۔

عام طور پر لوگوں میں یہ تیسرا معنی ہی زیادہ معروف ہے۔ تینوں قسم کا صبر اللہ تعالیٰ کی مدد کو لانے والا ہے۔ زندگی میں عموماً صبر کے مواقع پیش آتے رہتے ہیں۔ عبادات بھی صبر ہی سے ادا ہوتی ہیں۔ نفس عبادت کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اگر تیار ہوتا ہے تو صحیح طریقہ سے ادا کرنے سے بچتا ہے۔ روزہ اور جہاد تو سراپا صبر ہی ہے۔ نماز سب سے بڑی عبادت ہے اس میں بھی صبر کا مظاہرہ ہے۔ نماز کا ظاہر اور باطن عبادت ہی میں مشغول ہو جاتا ہے جو نفس پر شاق ہوتا ہے۔ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد طلب کرنے کا حکم فرمایا یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی مدد لانے میں بڑا دخل رکھتی ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ لیلۃ الاحزاب میں (غزوہ خندق کے موقع پر) میں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آیا (اُن کو ایک کام کے لئے بھیجا تھا) تو آپ چادر اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کی عادت تھی کہ جب کوئی مشکل درپیش ہوتی تھی تو نماز پڑھنے لگتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے غزوہ بدر کی رات میں دیکھا کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے سب لوگ سوئے ہوئے تھے آپ برابر نماز میں مشغول رہے اور صبح ہونے تک دعا کرتے رہے۔ (ابن کثیر) اس سلسلہ کا کچھ مضمون ان شاء اللہ آیت کریمہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ کے ذیل میں آئے گا۔

مفسر ابن کثیر نے ابن جریر طبری سے نقل کیا ہے کہ اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ میں علماء یہود سے خطاب فرمایا ہے (وہ لوگ تحصیل دنیا کے لئے اور ریاست اور جاہ بائی رکھنے کے لئے حق چھپاتے تھے اور اسلام نہ خود قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے اُن کو حکم ہوا کہ حق قبول کرو اسلام لاؤ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگو صبر اور صلاۃ کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کرو جو اللہ سے نزدیک کرے گی اور بُرائیوں سے روکے گی اسلام قبول کرنے پر جو کچھ تکلیف پہنچ جائے مال اور ریاست میں کمی آجائے اُسے صبر کے ساتھ برداشت کرو)

پھر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیت کا خطاب اگرچہ بنی اسرائیل کے اندر اور تحذیر کے سیاق میں وارد ہوا ہے لیکن علی سبیل تخصیص صرف یہود مخاطب نہیں ہیں بلکہ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد حاصل کرنے کا حکم یہود اور غیر یہود سب ہی کے لئے ہے۔ نماز کی اہمیت: نماز میں ظاہر اور باطن سب عبادت میں لگ جاتا ہے۔ یہ ظاہری طہارت اور باطنی تزکیہ دونوں کو شامل ہے کچھ نہ کچھ مال بھی خرچ ہوتا ہے (مثلاً وضو اور غسل کے لئے پانی حاصل کرنا پڑتا ہے اور ستر عورت کے لئے کپڑوں کا انتظام کرنا پڑتا ہے) اگر صحیح طریقہ پر نماز پڑھی جائے تو دل اور اعضاء نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اس میں شیطان سے مقابلہ ہے اور حق تعالیٰ شائد سے مناجات ہے تلاوت قرآن ہے توحید اور رسالت کی گواہی ہے نفس کو اس کے تقاضوں سے روکنا ہے اس میں چلنا پھرنا کھانا پینا اور بات کرنا ممنوع ہے۔ نماز کے بہت سے فضائل اور فوائد ہیں۔ اگر نماز کو ٹھیک طرح سے پڑھا جائے۔ فرائض کی پابندی کی جائے سنتوں کا اہتمام کیا جائے نوافل کی طرف دھیان دیا جائے تو ضرور اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بندہ کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔

خشوع کی ضرورت: پھر فرمایا کہ نماز ضرور دشوار ہے مگر خشوع والوں پر دشوار نہیں۔ خشوع دل کے جھکاؤ اور عاجزی اور فروتنی کو کہا جاتا ہے۔ جب دل میں خشوع ہوتا ہے تو اعضاء میں بھی اسکی کیفیت ظاہر ہوتی ہے جو لوگ خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں انکی نماز واقعی نماز ہوتی ہے نماز میں ان کا دل لگتا ہے نماز چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ مسجد سے جائیں تو مسجد میں واپسی کے لئے دل اٹکارہتا ہے۔ جسے نماز کا خشوع حاصل ہو گیا اُسے ساری کامیابیاں حاصل ہو گئیں۔ سورۃ مومنون میں فرمایا کہ: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (بے شک وہ کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع کر نیوالے ہیں) دنیا میں لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ طلب دنیا کے لئے بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں۔ پہاڑ توڑتے ہیں۔ پتھر پھوڑتے ہیں بہت سے لوگ اٹھارہ گھنٹے روزانہ محنت کرتے ہیں لیکن دو رکعت پڑھنا ان کے لئے مصیبت بن جاتا ہے۔ اگر نماز شروع کر دیں تو اس میں بھی اپنے دنیاوی مشاغل کا ہی دھیان رکھتے ہیں خشوع نہیں ہوتا اس لئے دو رکعت پڑھنا بھی بھاری پڑ جاتا ہے۔

خشوع والے کون ہیں؟ پھر فرمایا خشوع والے وہ ہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ بیشک اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اسکی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ خشوع ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جنہیں اس بات کا یقین ہے کہ ان کو موت کے بعد جی اٹھنا ہے اور میدان قیامت میں حاضر ہونا ہے اور بارگاہ خداوندی میں پیشی ہونی ہے۔ اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ جس کو ان باتوں کا یقین ہو گا وہ نماز قضا بھی نہ کرے گا بے وقت بھی نہ پڑھے گا اچھی نماز بھی پڑھے گا اس کو خشوع کی کیفیت بھی حاصل ہوگی۔ رکوع سجدہ بھی ٹھیک کرے گا۔ اس کی تلاوت بھی صحیح ہوگی۔ (قال ابن کثیر ای یعلمون انہم محشورون الیہ یوم القیامۃ معروضون علیہ وانہم الیہ راجعون ای امورہم راجعۃ الی مشیتہ فلہذا لما ایقنوا بالمعاد والجزاء سهل علیہم فعل الطاعات وترك المنکرات۔

درحقیقت جسے یہ یقین ہو کہ یہ نماز آخرت میں نجات کا ذریعہ بنے گی اور نماز قبول ہوئی تو اور نیکیاں بھی قبول ہوں گی یہ رزق ہوئی تو دوسرے اعمال بھی رد ہو جائیں گے) جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے) اور یہ کہ میری نماز کا ثواب مجھی کو ملنا ہے اور اسکی وجہ سے بڑے بڑے انعامات نصیب ہوتے ہیں تو ایسا شخص بے وقت نماز کیوں پڑھے گا۔ جلدی جلدی کیوں پڑھے گا۔ اور رکوع سجدہ میں کمی کیوں کرے گا؟ درحقیقت آخرت کی پیشی اور وہاں کے عذاب و ثواب کا فکر ہو تو یہ دین کے بڑے بڑے کام کروا سکتا ہے۔ یہ نہ ہو تو صحیح طریقے پر دو رکعت نماز پڑھنا بھی بھاری ہو جاتا ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک انسان نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اُس کے لئے نماز کا دسواں یا نوواں یا آٹھواں یا ساتواں یا چھٹا یا پانچواں یا چوتھا یا تہائی یا آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن حبان و صحیح ترمذی و ابن ماجہ و الترمذی) یہ ثواب کی کمی اور کٹوتی خود نمازی کے اپنے اخلاص عمل اور خشوع کی کمی اور کوتاہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآئِیْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ كُفَرْتُمْ بِاٰیٰتِیْ فَصَلُّوْا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰ وَاتَّقُوا

اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے۔ اور اس بات کو کہ میں نے تم کو فضیلت دی جہانوں پر اور ڈرو

یوماً لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا

اس دن سے جس دن کوئی بھی شخص کسی کی طرف سے بھی کچھ مانگے گا نہیں کرے گا۔ اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی۔ اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی

عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۸۵﴾

معاوضہ لیا جائے گا اور نہ اُن لوگوں کی مدد کی جائے گی

قیامت کے دن نفسا نفسی

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں بھی بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا اور مکثر راہی نعمتوں کی یاد دہانی فرمائی۔ اُن میں سے بہت سی نعمتوں کا تذکرہ آئندہ آیات میں آنے والا ہے۔ یہ جو فرمایا: **وَأَتَيْنَا فَضْلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ** (کہ میں نے تم کو فضیلت دی جہانوں پر) اس سے اُن کے آباؤ اجداد مراد ہیں۔ جن میں انبیاء کرام علیہم السلام بھی تھے اور وہ علماء صلحاء بھی تھے جنہوں نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھامنا اور جنہوں نے دین خداوندی میں کسی قسم کی تحریف اور تغیر نہیں کی تھی۔ ایمان اور اعمال صالحہ سے متصف تھے اور جن پر فضیلت دینے کا ذکر ہے ان سے ان کے زمانے کے لوگ مراد ہیں۔ تمام عالم کے انسان اگلی پچھلی اقوام و افراد مراد نہیں ہیں۔

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے افضل ہیں اور آپ کی اُمت ساری اُمتوں سے افضل ہے جس کی تصریح **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ** میں اور **وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا** میں فرمائی ہے۔ اپنے زمانہ میں بنی اسرائیل کو دوسری اقوام پر فضیلت اور برتری حاصل تھی۔ کیونکہ ان میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہوتے تھے اور اُن کے ماننے والے بھی ہوتے تھے اور اعمال صالحہ والے بھی موجود تھے۔ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو فترت کا زمانہ ہے (اور یہ زمانہ چھ سو سال کے لگ بھگ تھا) اس میں علماء یہود نے توریت شریف میں تحریف کر دی اور دین خداوندی کو بدل دیا پھر جب حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور علماء یہود نے پہچان بھی لیا کہ آپ وہی نبی ہیں جن کے آنے کا ہمیں انتظار تھا تو آپ کی نبوت اور رسالت کے منکر ہو گئے تحریف و تغیر و انکار نبوت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اپنی ہر طرح کی فضیلت کھو بیٹھے۔ اور اب نہ صرف یہ کہ کفر اختیار کر نیوالے بن گئے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن بن کر مستقل طریقہ پر مغضوب علیہ کی سند لے لی۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسل سے ہیں مگر کفر کے ساتھ نسب کوئی کام نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے۔ وہ ہر کافر کو دوزخ میں بھیج دے گا کسی کی بھی اولاد ہو۔

یہودیوں کی دنیا طلبی، حُب مال، حُب جاہ اور اس بات کا حسد کہ نبی ہم میں سے کیوں نہ آیا عربوں میں سے کیوں آیا ان چیزوں نے اُن کو نہ باد کر دیا۔ قرآن مجید نے خطاب کر کے اُن سے فرمایا کہ دنیا کو نہ دیکھو آخرت پر نظر کرو۔ اموال و اولاد اور قوم اور قبیلہ قیامت کے دن بالکل کام نہیں آسکتا وہاں نہ کوئی جان کسی کی طرف سے کوئی حق ادا کر سکے گی۔ (یہ نہ ہو سکے گا کہ کوئی کسی کی طرف سے عذاب بھگت لے)

جن کو شفاعت کی اجازت ہوگی وہی سفارش کر سکیں گے

کوئی سفارش قبول نہ کی جائے گی، بلکہ کوئی شخص کسی کے لئے سفارش کر ہی نہ سکے گا۔ سوائے اُن لوگوں کے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اور جن کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی ان ہی کے بارے میں قبول ہوگی۔ اور کافروں کے لئے کوئی سفارش کر نیوالا نہ ہوگا اور نہ ان کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی۔

(قَالَ اللَّهُ تَعَالَى شَانَهُ) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ (وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى) مَا لِلظَّالِمِينَ

مِنْ حَيْمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ (وَقَالَ تَعَالَى) يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ

لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (وَقَالَ تَعَالَى) مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

وہاں عذاب سے جان چھڑانے کے لئے کوئی معاوضہ یا فدیہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ اول تو وہاں کسی کے پاس کچھ ہوگا ہی نہیں جو جان کا بدلہ دے کر عذاب سے جان چھڑائے اور بالفرض کوئی دینا بھی چاہے تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور جس کے لئے عذاب کا فیصلہ ہو گیا اُسے عذاب ہی میں رہنا ہوگا۔ سورہ آل عمران میں فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَا تَوَّاهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلَّةُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَخَرُوا بِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ (جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی تو ہرگز قبول نہ ہوگا کسی ایسے شخص سے زمین بھر سونا۔ اگرچہ فدیہ دے اس قدر سونے کا اُن کے لئے عذاب دردناک ہے اور کوئی نہیں ہوگا اُن کا مددگار) اور سورہ مائدہ میں فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (جو لوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس جو کچھ زمین میں ہے وہ سب ہو اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہوتا کہ بدلہ میں دیں قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے تو اُن سے قبول نہ ہوگا اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے) آخر میں فرمایا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ اور روز قیامت اُن لوگوں کی مدد نہ کی جائے گی اول اس بات کی نفی کی گئی کہ کوئی کسی کے کام آئے۔ پھر سفارش کی نفی کی گئی پھر جان کا بدلہ قبول کئے جانے کی نفی کی گئی پھر ہر طرح کی مدد کی نفی کر دی گئی۔

وَإِذْ نَجَّيْنَاكَ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَفَرُوا (وَقَالَ تَعَالَى) يَوْمَئِذٍ لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ

اور جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی وہ تم کو سخت ترین تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری

نساءکم و فی ذلکم بلائکم من ربکم عظیمہ

عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑا امتحان تھا

مصر میں بنی اسرائیل کی مظلومیت

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے ایک بہت بڑے انعام کا تذکرہ فرمایا ہے پہلے گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل کے تمام قبیلے مصر میں رہتے تھے۔ غیر ملکی ہونے کی وجہ سے مصر کے لوگ (فرعون اور فرعون کی قوم) ان پر بری طرح مسلط تھے انکی زندگی غلاموں سے بھی بدتر تھی ان سے بڑی بڑی بیگاریں لیتے تھے اور ایسی بدترین غلامی میں بنی اسرائیل مبتلا تھے کہ مصری لوگ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے تو یہ ذرا چوں بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں پیدا فرمایا پھر ان کو اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کو نبوت عطا فرمائی فرعون سے ان کا مقابلہ اور مناظرہ ہوا فرعون نے مقابلہ کے لئے جادوگر بلائے معجزہ کے سامنے وہ لوگ نہ ٹھہر سکے اور اپنی ہار مان کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی وجہ سے بنی اسرائیل پر فرعون اور اس کی قوم کی اور زیادہ سختیاں بڑھ گئیں۔ اللہ جل شانہ کا موسیٰ علیہ السلام کو

حکم ہوا کہ تم بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکل کھڑے ہو اور راتوں رات روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ لوگ ملک مصر سے نکل آئے اور فرعون اور اس کے لشکروں سے نجات پائی۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ یہ لوگ مصر میں چار سو سال سے رہ رہے تھے۔ عرصہ دراز کی بدترین غلامی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ آیت کے اخیر میں جو لفظ بَلَاءَ ہے اس کے دو معنی مفسرین نے لکھے ہیں۔ عربی زبان میں آزمائش اور امتحان کو بھی بلاء کہتے ہیں۔ اگر یہ معنی لئے جائیں تو ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا کہ تم ایسی سخت تکلیفوں میں مبتلا تھے اس میں تم بڑے امتحان میں تھے اور بلاء کا دوسرا معنی انعام کا ہے اگر یہ معنی لئے جائیں تو ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا کہ ایسی تکلیفوں سے اور غلامی سے نجات دینے میں تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو کیوں ذبح کرتے تھے اسکے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا تھا یا اُسے کاہنوں نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے ملک کو ختم کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ اللہ جل شانہ کی قضاء و قدر غالب آئی انکی تدبیروں ہی دھری رہ گئی خدا جانے کتنے لڑکوں کو قتل کر دیا۔ اسی زمانہ قتل میں موسیٰ علیہ السلام پیدا بھی ہوئے پہلے بڑھے جوان ہوئے اور فرعون ہی کے محل میں پرورش پائی پھر اسکی اور اسکی حکومت کی تباہی کا ذریعہ بنے۔

وَإِذْ قَرْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے تمہاری وجہ سے سمندر کو کھٹا دیا پھر ہم نے تم کو نجات دے دی اور آل فرعون کو ہم نے غرق کر دیا اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے

بنی اسرائیل کا سمندر پار کر کے نجات پانا اور آل فرعون کا غرق ہونا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اجمالی طور پر مصریوں سے بنی اسرائیل کی نجات اور آل فرعون کی بربادی اور ہلاکت کا ذکر ہے اللہ جل شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم راتوں رات بنی اسرائیل کو لیکر مصر کی آبادیوں سے نکل جاؤ اس وقت مصر میں فرعون کی حکومت تھی فرعون مصر کے ہر فرماں روا کو کہا جاتا تھا اور اس فرعون کا نام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا بعض مفسرین نے ولید بتایا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس کا نام بھی موسیٰ تھا۔ اس کا تعلق قوم عاد سے بتاتے ہیں یہ بڑا سرکش بادشاہ تھا اپنے آپ کو سب سے اونچا معبود منواتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو رات کو لیکر مصر کی آبادی سے نکل گئے اور سمندر کے کنارے پہنچ گئے ان کے نکلنے کی جب فرعون اور آل فرعون کو خبر لگی تو فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا بنی اسرائیل دریا کے کنارے پہنچ چکے تھے سورج نکل چکا تھا فرعون جو اپنے لشکروں کے ساتھ پیچھے سے پہنچا تو بنی اسرائیل گھبرا گئے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اِنَّا لَمُذْرَبُونَ (کہ ہم تو دھر لئے گئے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ (ہرگز نہیں بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور مجھے راہ بتائے گا) اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم اپنی لاٹھی سمندر میں مارو! انہوں نے سمندر میں لاٹھی ماری تو سمندر پھٹ گیا اور پہاڑوں کے برابر اس کے ٹکڑے ہو گئے۔ ان پانی کے پہاڑوں کے درمیان زمین خشک ہوگئی اور بنی اسرائیل کے قبیلے ان پہاڑوں کے درمیان سے گزر گئے۔ فرعون نے بھی اپنی جماعتوں اور لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا اور یہ لوگ بھی سمندر میں داخل ہو گئے بنی اسرائیل کا پار ہونا تھا اور فرعون اور اس کے لشکر کا سمندر میں داخل ہونا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو ملا دیا اور فرعون اپنے لشکروں اور جماعتوں سمیت ڈوب گیا ان کے

ڈوبنے کے اس منظر کو بنی اسرائیل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جس کو اس آیت میں **وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ** سے تعبیر فرمایا ہے۔ فرعون جب ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں بھی ایمان لاتا ہوں کہ اس ذات کے علاوہ کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ ارشاد ہوا **أَلَنْ يَأْتِيَنَّكَ عَذَابٌ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ** (کیا اب ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا) جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا فرعون غرق ہو کر ہلاک تو ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسکی لعش کو محفوظ رکھا تا کہ بعد میں آنیوالوں کو عبرت ہو جیسا کہ سورہ یونس میں فرمایا ہے۔ **فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً** (سو آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے تا کہ تیری ذات ان لوگوں کے لئے عبرت ہو جائے جو تیرے بعد میں آنے والے ہیں) فرعون اور اس کے لشکروں کے غرق ہونے اور بنی اسرائیل کے نجات پانے کا واقعہ سورہ طہ (رکوع ۴) میں اور سورہ شعراء (رکوع ۴) میں اور سورہ دخان (رکوع ۱) میں بھی مذکور ہے۔

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۸۵﴾

اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم لوگوں نے اُن کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظلم کرنے والے تھے

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۸۶﴾

پھر ہم نے اس کے بعد تم سے درگزر کر دیا تا کہ تم شکر ادا کرو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا اور بنی اسرائیل کا بچھڑے کی عبادت کرنا

تفسیر: جب حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کو لیکر سمندر پار ہو گئے تو ایک میدان میں پہنچ گئے۔ یہاں سے ان کو اپنے وطن فلسطین جانا تھا لیکن وہاں چالیس سال کے بعد پہنچ سکے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے علاقے میں ان کو جانا نصیب ہوا اُن کی وفات اُسی میدان میں ہو گئی۔ اور اسی عرصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا ہوئی۔ طور پہاڑ اُسی میدان میں ہے۔ اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں بلایا ایک مہینہ اعتکاف کرنے اور روزے رکھنے کا حکم ہوا تھا۔ لیکن تیس راتیں گزرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مساوا کر لی جس سے وہ خاص قسم کی رات دور ہو گئی جو روزہ رکھنے سے منہ میں پیدا ہو جاتی ہے اس کو حدیث میں **خُلُوفٌ فَمِنَ الصَّائِمِ** سے تعبیر فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ عمدہ ہے۔ (کمانی صحیح البخاری) جب یہ رات دور ہو گئی تو دس دن مزید روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔ لہذا چالیس دن کو وہ طور پر گزارے مدت مذکورہ گزر جانے کے بعد توریت شریف عطا ہوئی۔ سورہ بقرہ میں چالیس راتوں کا ذکر ہے۔ اور سورہ اعراف میں تفصیل بیان فرمائی کہ تیس راتوں میں دس راتیں اور بڑھادی گئیں۔ لہذا چالیس راتیں پوری ہو گئیں۔ **(أَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ فِتْمٍ مِّمَقَاتٍ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً)**

سامری سنار کا زیورات سے بچھڑا بنانا اور بنی اسرائیل کا اس کو معبود بنالینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے اور وہاں چالیس دن لگ گئے۔ ادھر انکے پیچھے انکی قوم بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلنے والے تھے۔ تو انہوں نے قبلی قوم کے

لوگوں سے (جو مصر کے اصل باشندہ تھے) زیورات مانگ لئے تھے۔ یہ زیورات ان لوگوں کے پاس تھے ان میں ایک آدمی سامری نام کا تھا جو سنار کا کام کرتا تھا اس نے ان زیوروں کو جمع کر کے گائے کے پھڑے کی شکل بنادی اور اُس کے منہ میں مٹی ڈال دی۔ یہ وہ مٹی تھی جو اُس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے اٹھالی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مٹی میں ایسا اثر ڈالا کہ اس مجسمہ سے گائے کے بچہ کی آواز آنے لگی۔ بنی اسرائیل مصر میں بُت پرستی دیکھ آئے تھے۔ جب اُس کی آواز سنی تو کہنے لگے۔ هَذَا إِلَهُكُمْ وَاللّٰهُ مُوسٰی فَنَسِیَ۔ (یعنی یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے جو طور پر خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے گئے۔ معبود تو العیاذ باللہ یہاں موجود ہے) حضرت ہارون علیہ السلام جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے چھوڑ گئے تھے انہوں نے بنی اسرائیل کو سمجھایا اور بتایا کہ تم فتنے میں پڑ گئے ہو تمہارا رب رحمن ہے میرا اتباع کرو۔ میری اطاعت کرو۔ اس پر بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم برابر اس پھڑے کے آگے پیچھے لگے رہیں گے۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آجائیں۔

سامری کو بددعا اور پھڑے کا انجام

جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف کی تختیاں لے کر تشریف لائے تو انہوں نے یہ ماجرا دیکھا بہت غصہ ہوئے اور پوری صورت حال معلوم فرمائی پتہ چلا کہ سامری نے یہ حرکت کی ہے۔ اس سے بھی سوال جواب فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بددعا دی اور فرمایا: فَادْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ (تو جا تیرے لئے زندگی بھر یہ بات طے کر دی گئی کہ تو جسے دیکھے گا اُس سے کہے گا کہ مجھ نہ چھوٹا) لہذا وہ حیران پریشان جنگل میں پھرتا رہتا تھا جب وہ کسی کو چھو لیتا تھا یا کوئی شخص اُسے چھو لیتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا پھر موسیٰ علیہ السلام نے اُس پھڑے کو جلادیا اور اکھ کو سمندر میں بہا دیا۔ اور فرمایا: اِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ (تمہارا معبود صرف اللہ ہی ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے)۔ یہ جو فرمایا کہ ہم نے تم سے درگزر کر دیا۔ یہ اُن کی توبہ کرنے کے بعد کی بات ہے۔ اُن کی توبہ کا ذکر ابھی ایک آیت کے بعد آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسٰی الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فیصلہ کرنے والی چیز دے دی تاکہ تم ہدایت پاؤ

توریت شریف عطا فرمانے کا انعام

تفسیر: اس آیت میں توریت شریف عطا فرمانے کا ذکر ہے بنی اسرائیل پر جو اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعامات ہوئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اُن کو ایک جامع کتاب دی گئی جو احکام پر مشتمل تھی اس میں احکام دینیہ پوری طرح واضح طور پر بیان فرمادیئے گئے تھے سورۃ انعام میں فرمایا: ثُمَّ آتَيْنَا مُوسٰی الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ (پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس سے اچھی طرح عمل کرنیوالوں پر نعمت پوری ہو جائے اور سب احکام کی تفصیل معلوم ہو جائے۔ اور رہنمائی ہو اور رحمت ہوتا کہ وہ لوگ اپنے

رب کے ملنے پر ایمان لائیں) توریت شریف کو فرقان فرمایا یعنی حق اور باطل کے درمیان فرق کر نیوالی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے والی۔ یہ دونوں باتیں ٹھیک ہیں۔ اللہ کی کتاب کی یہ سب صفات ہیں۔ حق اور باطل کے درمیان فرق کر نیوالی ہے اور حلال و حرام کے درمیان بھی۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ الفرقان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات مراد ہیں۔ سیاق کلام سے یہ بھی بعید نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت شریف بھی دی اور معجزات بھی دیئے۔ جو ان کے دعوائے نبوت اور رسالت کو ثابت کر نیوالے تھے۔ جو انعامات موسیٰ علیہ السلام پر ہوئے وہ سب بنی اسرائیل پر بھی ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل ان کی امت میں سے تھے اور خود موسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ بنی اسرائیل نے اللہ کی ساری نعمتوں کی ناقدری کی اور بجائے شکر گزار ہونے کے ناشکرے ثابت ہوئے اور ہدایت کے بجائے گمراہی اختیار کی جس کا تذکرہ آئندہ آیات میں آ رہا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بے شک تم نے مجھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ لہذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ سو

بَارِكُمْ فَاذْكُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِكُمُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ

اپنی جانوں کو قتل کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک پھر اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے

الرَّحِيمُ ﴿۸۷﴾

والا ہے اور نہایت رحم کرنے والا ہے

گنہگار پرستی کر نیوالوں کی توبہ اور اس بارے میں جانوں کا قتل کرنا

تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لے کر واپس بنی اسرائیل کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ بہت بڑی تعداد میں یہ لوگ گنہگار پرستی یعنی مجھڑے کی عبادت میں منہمک ہو چکے ہیں اس پر انہیں بہت زیادہ غصہ آیا اور ان کو بت پرستی سے توبہ کرنے پر متوجہ فرمایا۔ ان لوگوں کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے سے اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا جیسا کہ سورہ اعراف میں فرمایا۔ وَلَمَّا سَقَطَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَرَأَوْا اَنْهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ؕ (اور جب نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمیں معاف نہ کرے تو ہم بالکل نقصان میں پڑ جائیں گے) اُن لوگوں کی توبہ کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے یہ متعین فرمایا تھا کہ وہ مقتول ہو جائیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یوں حکم ہوا تھا کہ جن لوگوں نے مجھڑے کی عبادت نہیں کی تھی وہ ان لوگوں کو قتل کر دیں۔ جنہوں نے مجھڑے کی عبادت کی۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب قتل کرنا شروع کیا تو قاتلین کے سامنے مجھڑے کی عبادت کر نیوالوں میں سے وہ لوگ بھی سامنے آ جاتے تھے جو ان کے رشتہ دار اور عزیز قریب تھے۔ لہذا وہ قتل کرنے سے ہچکچاتے تھے اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادل بھیج دیئے تاکہ ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اور صبح سے شام تک قتل کا سلسلہ چلتا رہا حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے دعا کی بادل ہٹا دیا گیا اور توبہ نازل

ہوگئی اس وقت تک ستر ہزار آدمی قتل کئے جا چکے تھے۔ مفسرین کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے پچھڑے کی عبادت کی تھی وہ سب ہی مقتول نہیں ہوئے بلکہ ستر ہزار کے قتل ہونے پر سب کی توبہ قبول ہوگئی۔ (بیضاوی داین کثیر)

آیت کریمہ میں یہ جو فرمایا کہ **فَتَوْبُوا إِلَىٰ إِلَهِكُمْ** (کہ تم اپنے پیدا کر نیوالے کے حضور میں توبہ کرو) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مستحق عبادت وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اُسے چھوڑ کر تم ایسی چیز کی پرستش میں لگ گئے جن کی شکل و صورت تمہارے آدمی نے خود بنائی۔ شرک کی سزا دوزخ کا دائمی عذاب ہے اُس سے بچنے کے لئے توبہ کرو۔ اور توبہ کی قبولیت کے لئے یہ شرط لگائی کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔ اور فرمایا کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے یہ ایک وقتی تکلیف ہے جس کا سہہ لینا دوزخ کے دائمی عذاب کے مقابلہ میں بہت زیادہ سہل ہے۔ اور اس عذاب سے بچنا تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ اُمت محمدیہ پر اللہ جل شانہ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے انکی توبہ بندامت سے اور آئندہ گناہ کے نہ کرنے کا فیصلہ کر لینے پر اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے سے قبول ہو جاتی ہے۔ کوئی کیسا ہی کتنا بڑا گناہ کرے۔ کفر اختیار کرے شرک کا کام کرے اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ سچے دل سے اسلام قبول کرے تو حیدر و رسالت پر ایمان لائے اُسکی توبہ قبول ہے۔

وَاذْكُرْتُمْ يُمُوسَىٰ لَمَّا تَوَلَّوْا مِنْ لَدُنِّي حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهَنَّمَ فَاخَذَ نَكُمْ الصُّعْفَةَ وَأَنْتُمْ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمہاری تصدیق نہ کریں گے جب تک کہ ہم اللہ کو علانیہ طور پر نہ دیکھ لیں سو پکڑ لیا تم کو کڑک نے اور حال یہ تھا

تَنْظُرُونَ ۚ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۹۱﴾

کہ تم آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر ہم نے تم کو زندہ اٹھادیا تمہاری موت کے بعد تاکہ تم شکر ادا کرو

بنی اسرائیل کی بیجا جسارت اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال

تفسیر: جب موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام توریت شریف لائے تو بنی اسرائیل کو پایا کہ ان میں سے بہت سے لوگ پچھڑے کی عبادت کر چکے ہیں پچھڑے اور اُس کی عبادت کرنے والوں کا انجام اوپر بیان ہو چکا ہے۔ بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی کے علاوہ ایک اور اڑ لگائی اور انہوں نے کہا کہ آپ جو فرما رہے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ ہمارے پاس انکی کیا دلیل ہے۔ ہم تو اس کو جب مانیں گے جب اللہ تعالیٰ ہم سے خود فرمائیں کہ یہ میری کتاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا چلو یہ بھی تم لوگ اپنے نمائندے تیار کر لو اور جو لوگ میرے ساتھ چلیں وہ روزہ رکھیں اور پاک صاف ہو کر چلیں جس دن ان کو خداوند قدوس سے ہم کلامی سے مشرف ہونے کا موقع آیا (جس کے لئے پہلے سے اجازت لی ہوئی تھی اور وقت مقرر فرما دیا تھا) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان ستر آدمیوں کو بھی ساتھ لے گئے اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر یہ لوگ مطمئن ہوئے اور دوسری کرٹ بدلی اور کہنے لگے کہ ہم تمہاری بات جب مانیں گے جب ہم اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر اپنے آئنے سامنے دیکھ لیں۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ ان کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا اور وہ دیکھتے دیکھتے ہی لقمہ اجل بن گئے۔ جب یہ ماجرا ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فکر لاحق ہوئی کہ پہلے ہی بنی اسرائیل مجھے مہم کرتے تھے اور طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اب اتنے آدمی ہلاک ہو گئے تو میں جب یہ بیان کروں گا کہ وہ لوگ بجلی کی کڑک سے مر گئے تو خدا جانے کیا کیا باتیں بنائیں گے اور کیسے اتہام دھریں گے لہذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی جس کی وجہ سے دوبارہ زندہ کر دیئے گئے۔ اس نعمت کا شکر اُن زندہ ہو نیوالوں پر اور ساری قوم پر واجب ہوا۔ (ابن کثیر ص ۹۳/۹۴ ج ۱ بیضاوی)

وَزَكَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوَىٰ كُلًّا مِّنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور ہم نے تمہارے اوپر من اور سلویٰ نازل کیا جو کچھ ہم نے تم کو دیا اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ

وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۸۹﴾

اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنی ہی جانوں کا نقصان کیا کرتے تھے

میدان تہ میں بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کرنا اور من و سلویٰ نازل ہونا

تفسیر: جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے اور دریائے نیل کے ایک بیابان جنگل میں پہنچے جہاں سے اُن کو اپنے وطن کنعان جانا تھا اور وہاں پہنچنے میں چالیس سال لگ گئے صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں موجود ہوتے تھے۔ (ذکر البیہاوی فی تفسیر قولہ تعالیٰ یَتَّبِعُونَ فِی الْأَرْضِ) دھوپ اور گرمی میں چلنا اور روزانہ چلنا نہایت تکلیف دہ تھا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمارے لئے کچھ سایہ کا انتظام ہونا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی جس کی وجہ سے اُن کے لئے بادل بھیج دیئے گئے دن میں جب وہ سفر کرتے تھے تو بادل اُن پر سایہ کرتے تھے اس سایہ میں انکا سفر طے ہوتا تھا چونکہ روزانہ سفر ہی سفر تھا کسی طرح کی تجارت یا صنعت و حرفت یا زراعت کا موقع نہیں تھا اور کھانے کی ضرورت بدستور جس کا ہر انسان محتاج ہے تو انکی اس حاجت کے پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے من اور سلویٰ نازل فرمائے۔

من کے بارے میں علماء تفسیر کے بہت سے اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ کوئی ایسی چیز تھی جو درختوں پر نازل ہو جاتی تھی صبح جا کر اس میں سے جس قدر چاہتے کھا لیتے تھے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ یہ ایک قسم کا گوند تھا۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ وہ کوئی چیز تھی جو گاڑھے گودے کے مشابہ تھی۔ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ یہ لوگ جہاں مقیم ہوتے وہیں برف کی طرح اُن کی جگہوں میں من کا نزول ہو جاتا تھا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوتا تھا۔ اور یہ طلوع فجر سے طلوع شمس تک نازل ہوتا تھا ایک دن کی ضرورت کے بقدر ہر شخص کو لینے کی اجازت تھی اس سے زیادہ کوئی لے لیتا تو خراب ہو جاتا تھا۔ البتہ جمع کے دن جمعہ اور سنہرے دنوں دنوں کے لئے لے لیتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عجوہ (مدینہ منورہ کی کھجوروں کی ایک قسم) جنت سے ہے اور اس میں زہر سے شفا ہے اور کھنٹی من سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفا ہے۔ (آخر جہ الترمذی فی ابواب الطب) وھو البخاری من غیر ذکر الجموع اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو کھنٹی کبھی کبھی زمین پر نظر آ جاتی ہے یہ اس من کا بقیہ ہے جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا۔ راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میری ایک باندی جندھی تھی میں نے کھنٹی کا پانی لیکر اس کی آنکھ میں ڈالا تو وہ ٹھیک ہو گئی۔

سلویٰ یہ کیا چیز تھی؟ یہ کوئی پرندہ تھا جو میٹھے سے مشابہ تھا اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے پاس خوب زیادہ تعداد میں پرندے بھیج دیتا تھا جو ہوا کے ذریعہ آ جاتے تھے وہ لوگ ان کو ذبح کر دیتے تھے اس بارے میں بھی حکم تھا کہ بقدر ضرورت لیں اور ذخیرہ بنا کر نہ رکھیں لیکن انہوں نے اس بات پر عمل نہ کیا من اور سلویٰ دونوں کا ذخیرہ بنایا اور جب دوسرے دن اُسے دیکھا تا کہ کھائیں تو اس میں بد بو آ چکی تھی اور خراب ہو چکا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت میں تغیر نہ آتا اور وہ بد بو دار نہ ہوتا۔ اور اگر حوانہ ہو میں تو کوئی

عورت کبھی بھی اپنے شوہر کی خیانت نہ کرتی (صحیح بخاری ص ۱۴۶۹ ج ۱) مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اللہ پر بھروسہ نہ کیا ان کے لئے حکم تھا کہ من و سلاوی اٹھا کر نہ رکھیں لیکن وہ نہ مانے اٹھا کر رکھا تو اس میں بدبو آگئی، خراب ہو گیا لہذا گوشت کے خراب ہونے کی ابتداء ان لوگوں سے ہوئی اور ان کی حرکت بد کی وجہ سے ہوئی اسی طرح سے حضرت حوا نے حضرت آدم کو جنت کا وہ درخت کھانے پر آمادہ کیا جس کے کھانے سے منع کیا گیا تھا پھر دونوں نے کھا لیا اور دونوں دنیا میں بھیج دیئے گئے۔ شوہر کی خیانت کی ابتداء حضرت حوا سے ہوئی لہذا ان کی نسل میں بھی یہ بات باقی رہ گئی۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب النکاح باب عشرۃ النساء)

وَاذْقُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَاكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

اور جب ہم نے کہا داخل ہو جاؤ اس بستی میں سوکھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو خوب اچھی طرح اور داخل ہو جاؤ دروازہ میں جھکے ہوئے

وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ

اور یوں کہو کہ ہم گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔ اور نیکو کاروں کو اور زیادہ دیں گے۔ سو بدل دیا ان لوگوں نے جنہوں نے

الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَانْزِلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا جِزَاءً مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝

ظلم کیا بات کا اس بات کے علاوہ جو ان سے کہی گئی تھی سو ہم نے نازل کر دیا ان لوگوں پر آسمان سے عذاب جنہوں نے ظلم کیا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

ایک بستی میں خشوع کے ساتھ داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل کی شرارت اور اس پر عذاب آنا

تفسیر: یہ کون سی بستی ہے جس میں داخل ہونے کا یہاں اس آیت شریفہ میں ذکر فرمایا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بیت المقدس مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اریحا بستی تھی جس میں داخل ہونے کا حکم ہوا تھا۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ پہلا قول ہی صحیح ہے کیونکہ یہ مصر سے آ کر اپنے علاقہ ارض مقدسہ میں جا رہے تھے اور اریحا ان کے راستہ میں نہیں پڑتا تھا اور پھر لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا نہیں ہے بلکہ جب بنی اسرائیل چالیس سال میدان میں حیران و سرگرداں پھرتے رہے تو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی معیت میں ان کو بیت المقدس میں داخل ہونا نصیب ہوا ان کے علاقہ میں (جسے یہ چھوڑ کر مصر چلے گئے تھے) قوم عمالقہ آباد تھی۔ وہ بڑے قد آور اور قوت و شوکت والے لوگ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل سے فرمایا کہ چلو اس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے تو ان لوگوں نے کہا کہ اس میں تو بڑے جابر قسم کے لوگ آباد ہیں۔ ہمارے بس کا نہیں جو ان سے مقابلہ کریں تم جاؤ تمہارا رب جائے دونوں وہاں جا کر قتال کر لیں۔ ان کی اس حرکت پر چالیس سال کے لئے بیت المقدس کی سرزمین ان پر حرام کر دی گئی پھر یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں بیت المقدس فتح ہوا جب بیت المقدس میں داخل ہونے لگے تو حکم ہوا کہ اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہوں کہ اس نے ان کا علاقہ ان کو واپس فرمایا اور اس میں فتح یابی نصیب فرمائی اور ان کو میدان حیران کی حیرانی اور پریشانی سے نجات دی۔ اور اس شکر کے اظہار کے لئے عملی طور پر یہ تجویز فرمایا کہ جھکے ہوئے داخل ہوں تو واضح کا طریقہ اختیار کریں غرور اور تکبر کو پاس نہ آنے دیں اور ایسی کوئی ضرورت اختیار نہ کریں جس سے استہزاء کی کیفیت ظاہر ہو۔ اور ان کو یہ بھی حکم دیا

تھا۔ کہ حِطَّة کہتے ہوئے داخل ہوں جس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ ہم گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ ایسا کرو گے تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور جو لوگ اچھے کام کرنے والے ہیں ان کے ثواب میں اور اضافہ کر دیں گے۔ حکم کیا ہوا تھا اور حرکت کیا کی؟ اسی کو فرمایا کہ ظالموں نے اس کو بدل دیا جس کا حکم دیا تھا، عمل کو تو اس طرح بدلا کہ جھکے ہوئے داخل ہونے کی بجائے بچوں کی طرح اپنے دھڑوں پر گھسٹتے ہوئے جس میں ایک طرح کا استہزاء ہے۔ اور جو معافی مانگنے کا حکم ہوا تھا اس میں اس طرح ادل بدل کیا کہ حَبَّةٌ فِي شَعِيرَةٍ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ (کمانی صحیح البخاری)

جب انہوں نے ایسی حرکت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فاسقانہ کرتوتوں کی وجہ سے اُن پر عذاب نازل فرما دیا۔ یہ عذاب جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا اسکو رجز سے تعبیر فرمایا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان لوگوں پر طاعون بھیج دیا گیا تھا جس کی وجہ سے کثیر تعداد میں بنی اسرائیل کی موتیں ہوئیں۔ علماء تفسیر نے یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ۔ الطَّاعُونُ رَجَزٌ عَذَابٌ عَذِبَ بِهِ مَنْ كَانَ قَبْلُكُمْ (یعنی طاعون رجز ہے جو عذاب ہے جس کے ذریعہ تم سے پہلی امتوں کو عذاب دیا گیا) (ذکرہ ابن کثیر۔ عن ابن ابی حاتم)

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ طاعون کی وجہ سے بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمی ایک ہی ساعت میں ہلاک ہو گئے۔ مومن بندوں کو ہر حال میں اپنے خالق و مالک ہی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ فتح اور کامرانی دے تو خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ شلنہ کی طرف متوجہ ہوں عاجزی اور فروتنی کو اختیار کریں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ معظمہ میں خشوع خضوع کے ساتھ داخل ہوئے فتح مکہ کے بعد حضرت ام ہانی کے گھر میں آٹھ رکعت نماز پڑھی یہ چاشت کا وقت تھا، مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے اسکو صلاۃ الضحیٰ اور بعض حضرات نے صلاۃ الفتح سے تعبیر کیا ہے جب امیر لشکر کسی شہر کو فتح کرے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ اول مرتبہ جب داخل ہو تو آٹھ رکعت نفل پڑھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب فارس فتح کیا اور ایوان کسریٰ میں داخل ہوئے تو انہوں نے بھی آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ (ابن کثیر ج ۱)

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوِيهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

اور جب موسیٰ سے اُن کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا کہ اپنی عصا پتھر پر مارو سو اس میں سے

عَشْرَةُ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ فَنَشَرُّهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي

بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر جماعت نے اپنے اپنے پینے کی جگہ جان لی کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے اور مت خرابی کرو

الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝

زمین میں فساد کرتے ہوئے

میدان تھیہ میں بنی اسرائیل کیلئے پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹنا

تفسیر: یہ بھی میدان تھیہ کا قصہ ہے۔ اس میدان میں جب بنی اسرائیل کو پیاس لگی اور پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا سوال کیا جب موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں پانی کی درخواست کی تو

اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنی لاشی کو پتھر پر مارو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا لاشی کا پتھر پر مارنا تھا کہ اُس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جس پتھر میں لاشی مارنے سے چشمے جاری ہوتے تھے یہ ایک ہلکا سا پتھر تھا جو چوکور تھا۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھیلے میں رہتا تھا۔ جب پانی کی حاجت ہوتی اُسے زمین پر رکھ کر لاشی مار دیتے تھے جس سے چشمے جاری ہو جاتے تھے۔

جب بنی اسرائیل پانی سے سیراب ہو جاتے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اُسکو اٹھا کر تھیلے میں رکھ لیتے تھے اور جب پانی لینا چاہتے تھے تو پھر اس میں لاشی مار دیتے تھے جس سے پانی نکلتا روزانہ چھ لاکھ آدمی اس سے سیراب ہوتے تھے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلے کے لئے پتھر سے چشمہ پھوٹا تھا اور ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے سیراب ہوتا تھا۔

لق وق میدان میں اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل کے کھانے کے لئے من وسلوی عطا فرمایا اور اُن کے پینے کے لئے پتھر سے چشمے جاری فرمائے یہ اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر بہت بڑا انعام تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا معجزہ بھی تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْفُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (کہ اللہ تعالیٰ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد کرنے والے نہ بنو) لَا تَعْفُوا عَنِّي سے مشتق ہے جو خوب زیادہ بڑا فساد کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی آپس کا قتل و قتال اور ایک دوسرے پر ظلم کرنا بہت بڑا فساد ہے۔ نعمتوں کی ناشکری کرنے سے نعمتوں سے محرومی ہو جاتی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ نعمتوں کے مقابلہ میں ناشکری اور نافرمانی شرعاً عقلاً بہت بڑی جہالت اور باعث ہلاکت ہے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَمُوسَىٰ لَنْ تَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْثِي

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک کھانے پر لہذا ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے وہ ہمارے لئے اُن چیزوں میں سے نکال دے

الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصِلَٰهَا قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي

جن کو زمین اُگاتی ہے۔ اس کی سبزی اور کھیرا گیہوں اور مسور اور پیاز۔ موسیٰ نے کہا کہ تم بدلے ہو اُس چیز کو جو گھٹیا ہے

هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ إِنْ هِيَ إِلَّا مَصْرَافًا لَكُمْ قَالُوا سَأَلْتُمْ وَضَرِبْتُمْ عَلَيْهِمُ الدَّكْلَ

اُس چیز کے بدلہ میں جو خیر ہے؟ اتر جاؤ کسی شہر میں سو بے شک تمہارے لئے وہ ہے۔ جو تم نے سوال کیا۔ اور ماردی گئی اُن لوگوں پر ذلت

وَالسَّكَنَةُ وَبَاءٌ وَبَغْضٍ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ

اور مسکنت اور مستحق ہو گئے غصہ کے جو اللہ کی طرف سے تھا یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور

الَّذِينَ يَغْيِرُ الْحَقُّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ٥٥

نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے آگے بڑھتے تھے

بنی اسرائیل کا کہنا کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے ہمیں پیاز، لہسن چاہیے

تفسیر: میدان تہ میں بنی اسرائیل کو دونوں وقت کھانے کے لئے من وسلوی ملتا تھا۔ انسان کا کچھ ایسا مزاج ہے

کہ وہ ایک قسم کا کھانا کھاتے کھاتے بدل ہو جاتا ہے۔ اور اسکی طبیعت کا تقاضا ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے کھانے کھائے بنی اسرائیل من وسلوی کھاتے کھاتے اکتا گئے لیکن انہوں نے طبعی اکتاہٹ کو دیکھا اور اس بات کو نہ دیکھا کہ ہم ایسی بدترین غلامی سے نکل کر آئے ہیں جہاں ہمارے بچے ذبح کر دیئے جاتے تھے اور اُن نہ کر سکتے تھے ایسے بڑے دشمن کا ہلاک اور برباد ہونا اور اس سے نجات پانا یہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے سامنے کھانے کی طبعی اکتاہٹ پر صبر کر لینا معمولی بات ہے لیکن انہوں نے صبر کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے زمین سے نکلنے والی چیزیں پیدا فرمائے ہمیں سبزیاں چاہئیں، کھیر چاہئے، گیہوں چاہئے، مسور کی دال چاہئے اور پیاز چاہئے۔ اور طرز سوال بھی عجیب ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ رہے ہیں آپ اپنے رب سے دعا کریں۔ یہ نہیں کہتے کہ ہم سب مل کر اپنے رب سے مانگیں، گویا اپنا کوئی تعلق ہی اپنے رب سے نہیں ہے اور گویا موسیٰ علیہ السلام نے انکو مصر سے لاکر ایک طرح کے کھانے کی مصیبت میں ڈالا ہے لہذا وہ دعا کریں اور وہی مصیبت حل کریں۔ اُن کا شکریہ تو کجا کہ اُن کی محنتوں کو ششوں اور قربانیوں سے بدترین غلامی سے نجات پائی۔ شکریہ کی بجائے اُن کو مطعون کر رہے ہیں کہ تم نے ہم کو مصیبت میں ڈالا۔ جب مذاق بگڑ جاتا ہے تو انسان عزت اور رفعت کی قدر نہیں کرتا وہ اپنے پست ذہن کی وجہ سے پستی کو ہی پسند کرتا ہے۔ اور ذلت کا خوگر ہو جاتا ہے اسکی طبیعت ذلیل ہو کر رہنے ہی کو پسند کرتی ہے وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ طبیعت کی خواہشوں کے مطابق جیتا رہوں۔ چاہے جوتے ہی پڑتے رہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی یہ اداسی نہ آئی اور فرمایا کہ تمہارے پاس عمدہ کھانا بغیر کسب معاش اور بغیر محنت مشقت کے پہنچ جاتا ہے۔ تم اس عمدہ چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیزیں طلب کر رہے ہو، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اگر تم کو سبزیاں ترکاریاں دال اور پیاز چاہئے۔ تو کسی شہر میں چلے جاؤ۔ یہ چیزیں وہاں ملیں گی۔ لفظ ”فوم“ کا معنی تفسیر کی کتابوں میں گیہوں بھی لکھا ہے۔ اور لہسن بھی، دونوں ہی معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ بنی ہاشم کی زبان میں ”فوم“ گیہوں کو کہا جاتا تھا حضرت مجاہد نے اس کا ترجمہ لہسن کیا اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے۔ حضرت امام بخاری نے بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ ”الحبواب النبی تو کل کلھا فوم“ یعنی تمام غلے جو کھائے جاتے ہیں وہ سب فوم کا مصداق ہیں۔ (راجع ابن کثیر)

یہودیوں پر ذلت اور مسکنت مار دی گئی

پھر فرمایا کہ یہودی پر ذلت اور مسکنت مار دی گئی یعنی ان کے ساتھ لازم کر دی گئی۔ وہ برابر ذلیل رہیں گے، جس میں دوسری قوموں کا ماتحت ہونا، جزیہ دینا، مال کا حریص ہونا، بہت زیادہ مال ہوتے ہوئے بھی مال کی طلب میں لگنا اور جان کھپانا یہ سب ذلت میں داخل ہے۔ صاحب معالم التزیل لکھتے ہیں۔

فتری الیہود وان کانوا میسا سیر کأنہم فقراء وقیل الدلة هی فقر القلب فلا تری فی اهل الملل اذل واحرص علی المال من الیہود.

یہود پر چونکہ ذلت اور مسکنت ماردی گئی اور انکی جانوں کے ساتھ لگا دی گئی اس لئے تم ان کو دیکھو گے کہ مالدار ہوتے ہوئے بھی فقیر ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ذلت سے دل کا فقیر ہونا مراد ہے۔ اسی لئے تمام اہل مذاہب میں یہودیوں سے بڑھ کر کوئی قوم زیادہ ذلیل اور مال کی حریص نہیں ہے۔ صاحب معالم التزیل نے سچ فرمایا کہ مالدار ہوتے ہوئے لیچڑ ہونا اور پیسے کے لئے جان دینا اور تھوڑا سا نقصان ہو جانے پر بیمار پڑ جانا یا دل کا دورہ پڑ جانا یا اچانک مر جانا یہ باتیں قلبی فقر کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کے نمونے اگر دیکھئے ہوں تو ہندوستان کے بچوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

یہود نے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا اس لئے غضب الہی کے مستحق ہو گئے

پھر فرمایا کہ وہ غضب الہی کے مستحق ہو گئے اور ذلت اور مسکنت کا ان کے ساتھ لازم ہو جانا اور غضب الہی کا مستحق ہو جانا اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے اور اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل تو ناحق ہی ہوتا ہے لیکن بغیر الحق کی تصریح اس لئے فرمائی کہ ان کے نزدیک بھی ان کو قتل کرنا ناحق تھا پھر یہ کہ ان حضرات کے قتل کرنے پر کوئی ندامت نہیں ہوتی تھی۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے شروع دن میں تین سو بیویوں کو قتل کر دیا (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پھر شام کو اپنے بازاروں میں سبزیوں کا کاروبار شروع کر دیا۔ بنی اسرائیل نے جن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قتل کیا ان میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے اسماء گرامی زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ارشاد فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب والا وہ شخص ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا جیسے کسی نبی نے قتل کیا یا جس نے اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کیا۔ اور تصویر بنانے والوں کو بھی سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا اور اُس عالم کو بھی جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہ کیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح از تہذیبی فی شعب الایمان)

یہودیوں کی حکومت سے متعلق ایک سوال

جب سے یہودیوں کی حکومت قائم ہوئی ہے تو کم علم یہ اشکال پیش کرنے لگے ہیں کہ قرآن مجید میں پیشین گوئی تھی کہ ان کی حکومت کبھی قائم نہ ہوگی اس پیشین گوئی کے خلاف کیسے ہو گیا؟ یہ سوال کوئی دینی نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ایسی کوئی تصریح نہیں ہے بلکہ سورہ آل عمران میں اسطرف اشارہ ہے کہ جو ذلت ان پر ماردی گئی ہے بعض حالات میں وہ نہ رہے گی چنانچہ ارشاد ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةُ أَيْنَمَا تُفْقَهُوا إِلَّا تَحِبُّوا مِنَ اللَّهِ وَحَبْلُ مِنَ النَّاسِ (یعنی اُن پر ذلت جمادی گئی وہ جہاں کہیں پائے جائیں مگر اللہ کے کسی قانون کے ذریعے سے یا آدمیوں کے ذریعے سے) اللہ کے قانون کا مطلب تو یہ ہے کہ کوئی یہودی بوزہا ہو عبادت میں لگا ہو مسلمانوں سے جنگ نہ کرتا ہو تو وہ قتل نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ اسکی عبادت آخرت میں نفع دینے والی نہیں ہے۔ اور آدمیوں کے ذریعہ اس کی ذلت رک جانے کا ذریعہ یہ ہے کہ کسی قوم سے انکی صلح ہو جائے یا کوئی قوم ان کو قوت پہنچانے لگے یا اُن کی مدد کرنے لگے جس سے اُن کو تھوڑی سی عارضی عزت مل جائے۔ ظاہر ہے کہ یہودیوں کی جواب حکومت قائم ہے وہ بعض دوسری حکومتوں کی وجہ سے ہے اگر وہ انکی مدد اور معاونت چھوڑ دیں تو ایک دن بھی انکی حکومت باقی نہیں رہ سکتی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّالِحِينَ وَاللَّهُ بِأَعْيُنِنَا

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے یہودیت اختیار کی اور نصاریٰ اور صابئین ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم

الْآخِرَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۷﴾

آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے سو ان کے لئے اجر ہے ان کے رب کے پاس اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے

صرف ایمان اور عمل صالح ہی مدار نجات ہے

تفسیر: گذشتہ آیت میں ارشاد فرمایا تھا کہ یہودیوں پر ذلت اور شکست لازم کر دی گئی اور وہ غضب الہی کے مستحق ہوئے اور اُس کا سبب یہ بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لگتے اور حدود سے آگے بڑھتے تھے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے مطرود اور مردود ہونا کوئی یہودی قوم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہونا اور مستحق اجر و ثواب ہونا اور قیامت میں بے خوف اور بے غم ہونا کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ جو بھی کوئی شخص ایمان کی صفت سے متصف ہوگا وہ اپنے رب کے نزدیک مستحق اجر و ثواب اور بے خوف و بے غم ہوگا۔ یہ ایمان کی صفت ہر قوم کے اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے تھی۔ یہودیوں کا ایمان یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور توریت شریف پر ایمان لائیں اور ہر اُس عقیدہ کو مانیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتایا۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل شریف پر ایمان لانا اور ان کی شریعت کو پوری طرح سے ماننا اور جو کچھ انہوں نے بتایا اُس کو تسلیم کرنا یہ ان کے زمانہ کے لوگوں کا ایمان تھا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول تھا جو لوگ ان پر ایمان نہ لائے یا ایمان تو لائے لیکن بعد میں ان کی شریعت کو بدل دیا اور ان کے دین میں شرک داخل کر دیا وہ لوگ مومن نہ رہے۔ یہودیوں نے جب ان کی نبوت اور رسالت سے انکار کیا تو ان میں جواب تک مومن تھے وہ بھی کافر ہو گئے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ

پھر جب خاتم النبیین سرور عالم حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی جن کی آمد کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی (مُبَشِّرًا

بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ) اور جن کا تذکرہ توریت اور انجیل میں پاتے تھے (يَجِدُونَهُ مَكْنُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ) تو اب ایمان یہ ہوگا کہ حضرت سرور عالم محمد ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ کی ہر بات تسلیم کریں۔ اسی لئے سورۃ آل عمران میں فرمایا (وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ) (یعنی جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کوئی دین چاہے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا) جتنی قومیں بھی دنیا میں ہستی ہیں اور جتنے اہل مذاہب آنحضرت سرور عالم محمد ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا میں موجود تھے یا اب موجود ہیں خواہ وہ کسی نبی کے ماننے اور پیرو ہونے کے مدعی ہوں اور خواہ کسی بھی دین پر ہوں ان سب پر فرض ہے کہ آنحضرت سرور عالم محمد ﷺ پر ایمان لائیں اور ہر وہ عقیدہ تسلیم کریں اور مانیں جو آپ نے بتایا۔ قیامت تک کے لئے ہر قوم ہر جماعت ہر فرد ہر علاقہ کے انسان آپ کی امت دعوت میں شامل ہیں۔

سورۃ اعراف میں فرمایا: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ (آپ فرمادیجئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا پیغمبر ہوں تم سب کی طرف)

سورۃ سبائیں ارشاد فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) لہذا جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے یہودی نصرانی فرقہ صائبین اور ہر قوم اور ہر اہل مذہب کے لئے معیار نجات صرف سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کسی قسم کا کوئی ایمان معتبر نہیں صرف یہی ایمان معتبر ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ نے جو کچھ بتایا ہے اس کو دل سے مانے اور تسلیم کرے۔ ان سب تصریحات کو سمجھ لینے کے بعد اب آیت کا ترجمہ اور مطلب سمجھ لیں کہ جو لوگ ایمان لائے یعنی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے اقراری ہوتے ہوئے آپ کو دل سے نبی اور رسول مانا اور یہودی اور نصرانی اور صائبین میں سے جو کوئی اللہ پر ایمان لایگا۔ اور یوم آخرت کو مانے گا۔ اور عمل صالح کرے گا۔ اور یہ ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر اور عمل صالح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے ایمان کے مطابق اور عمل صالح آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے موافق ہوگا۔ تو ایسے لوگ قیامت کے دن بے خوف اور بے غم ہوں گے۔

وحدتِ ادیان کا فتنہ اور اسکی تردید

اتنی بڑی تفصیل ہم نے دور حاضر کے طحّین اور زنادقہ کی تردید کرنے کے لئے لکھی ہے۔ دورِ حاضر کے فتنوں میں وحدتِ ادیان کا فتنہ بھی ہے۔ بہت سے اہل باطل یہ کہتے ہیں کہ نجات اخروی کے لئے اللہ پر اور آخرت پر ایمان لانا کافی ہے۔ دین اسلام میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں (العیاذ باللہ) یہ لوگ اپنی گمراہی کو پھیلانے کے لئے آیت بالا کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں صرف من آمن باللہ والیوم الآخر مذکور ہے۔ ایمان بالرسول کا ذکر نہیں ہے۔ یہ لوگ جاہلوں کو دھوکہ دینے کے لئے اُن آیات کو سامنے نہیں رکھتے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہیں۔ ایمان باللہ کا مطلب صرف اتنا سا نہیں ہے کہ اللہ کے وجود کا اقرار کرے اور انسانوں کے خود ساختہ طریقوں سے عبادت کر لیا کرے۔ اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے اس کے جاننے کا ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

یہ کیسا ایمان باللہ ہے کہ بتوں کی پوجا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کریں۔ اور یہ کیسا یوم آخرت پر ایمان ہے کہ تناسخ یعنی آواگون کے قائل ہوں اور جنت دوزخ کے منکر ہوں۔ آیت شریفہ میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے صرف اہل اسلام مراد ہیں۔ یہودی کی وجہ تسمیہ: اور اَلَّذِیْنَ هَآؤُنَا سے یہود مراد ہیں ہاد یہود تو بہ کرنے کے معنی میں آتا ہے چونکہ ان لوگوں نے گائے کے چمڑے کی عبادت سے توبہ کی تھی اس لئے ان کو ان لفظوں میں یاد کیا جاتا ہے۔ انکا مشہور نام یہود ہے۔ جماعت کو یہود اور ایک شخص کو یہودی کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے یہود کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے انکو یہودی کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ یہ لفظ تہود سے مشتق ہے جو حرکت یعنی حرکت کرنے کے معنی میں ہے۔ چونکہ یہ لوگ توریت شریف پڑھتے ہوئے حرکت کرتے تھے اسی طرح ان کا یہ لقب پڑ گیا۔ (قال ابو عمرو بن العلاء)

النصارى: سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو ماننے کے مدعی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ نصرت سے مشتق ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مَنْ اَنْصَارِیْ اِلٰہِی اللہ فرمایا تو اُن کے حواریین نے

نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ کہا جیسا کہ سورۃ صف میں مذکور ہے۔ لفظ نصاریٰ کی جمع نصران بھی بتایا گیا ہے جیسا کہ سکران کی جمع سکرای ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے ایک بستی میں سکونت اختیار کی تھی جس کو ناصرہ کہا جاتا تھا اسکی وجہ سے ان کو نصاریٰ کہا گیا۔ بہر حال وجہ تسمیہ جو بھی ہو نصاریٰ سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے مدعی ہیں۔ ان دعوے داروں میں وہ بھی تھے جو اُن کے واقعی اصلی دین پر تھے اور اُن کے دین میں کسی طرح کی تغیر و تبدیل نہیں کی اور وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اُن کا دین بدل دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُنکی والدہ کو بھی معبود ماننے لگے۔ قرآن مجید نے ان کو کسی جگہ عیسائی نہیں فرمایا یعنی حضرت عیسیٰ کی طرف نسبت نہیں کی۔ مشرک اُنکی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ قرآن نے ان کے لئے لفظ نصاریٰ استعمال فرمایا ہے۔

الصَّابِقِينَ: یہ صَبَأٌ یَصْبُو سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ زمانہ نزول قرآن میں اس فرقہ کا وجود تھا۔ ان لوگوں کا دین کیا تھا اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے بہت سے اقوال نقل فرمائے ہیں۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ یہ لوگ مجوسیت یہودیت اور نصرانیت کے درمیان تھے۔ ان کا مستقل کوئی دین نہ تھا۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ یہ لوگ فرشتوں کی عبادت کرتے تھے ابن ابی الزناد نے اپنے والد سے نقل کیا کہ یہ وہ لوگ تھے جو عراق کے قریب رہتے تھے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لاتے تھے اور سال بھر میں تیس روزے رکھ لیتے تھے اور یمن کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے تھے۔ عبدالرحمن بن زید نے کہا کہ یہ لوگ موصل کے جزیرہ میں تھے صرف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتے تھے۔ خلیل کا قول ہے کہ ان کا دین نصاریٰ کے دین سے ملتا جلتا تھا۔ ان کا قبیلہ جنوبی ہوا کی طرف تھا۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم نوح علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ وہب بن منبہ کا قول ہے کہ یہ لوگ نہ دین یہودیت پر تھے نہ نصرانیت پر نہ مجوسیت پر اور مشرک بھی نہ تھے۔ یہ فطرت پر باقی تھے۔ اُس کا کوئی مقرر دین نہ تھا جس کا اتباع کرتے اور بعض علماء کا قول ہے کہ صابین وہ لوگ ہیں کہ جن کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ (آیت کی تفسیر اور توضیح کے لئے ہم نے تفسیر ابن کثیر کو سامنے رکھا ہے اہل علم اسکی مراجعت فرمائیں)

فائدہ: صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ حاصل قانون کا یہ ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں جو شخص پوری اطاعت اعتقاد اور اعمال میں اختیار کرے گا خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو ہمارے یہاں مقبول اور اسکی خدمت مشکور ہے اور ظاہر ہے کہ بعد نزول قرآن کے پوری اطاعت مسلمان ہونے میں منحصر ہے مطلب یہ ہوا کہ جو مسلمان ہو جائے گا مستحق اجر و نجات اخروی ہوگا۔

اور اس قانون میں مسلمانوں کے ذکر کی ظاہر میں ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ تو مسلمان ہیں ہی لیکن اس سے کلام میں ایک خاص بلاغت اور مضمون میں ایک خاص وقعت پیدا ہو گئی اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی حاکم یا بادشاہ کسی ایسے ہی موقع پر یوں کہے کہ ہمارا قانون عام ہے خواہ کوئی موافق ہو یا مخالف جو شخص اطاعت کرے گا وہ مورد عنایت ہوگا اب ظاہر ہے کہ موافق تو اطاعت کر ہی رہا ہے۔ سنا تا ہے اصل میں مخالف کو لیکن اس میں نکتہ یہ ہوتا ہے کہ ہم کو جو موافقین پر عنایت ہے سو اسکی علت اُن سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ اُن کی صفت موافقت مدار ہے ہماری عنایت کا سو مخالف بھی اگر اختیار کر لے وہ بھی اس موافق کے برابر ہو جائے گا اس لئے مخالف کے ساتھ موافق کو بھی ذکر کر دیا گیا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذْ مَا آتَيْنَاكَ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرْ مَا فِيهِ

اور جب ہم نے لے لیا تمہارا عہد اور اٹھادیا تمہارے اُوپر طور کو، لے لو قوت کے ساتھ جو کچھ ہم نے تم کو دیا اور یاد کرو جو کچھ اس میں ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ پھر اس کے بعد تم نے روگردانی کی، سو اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل

وَرَحْمَةً لَّكُنْتُمْ مِنَ الْخَيْرِينَ ﴿٦١﴾

اور اس کی رحمت تو ضرور تم تباہ کاروں میں سے ہو جاتے

بنی اسرائیل سے پختہ عہد لینا پھر ان کا مخرف ہو جانا

تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لے کر آئے اور مستقل شریعت بنی اسرائیل کو دی گئی تو بنی اسرائیل سے

عہد لیا گیا کہ اللہ وحدہ لا شریک کی کتاب پر ایمان لائیں اور اس کے رسول کا اتباع کریں اور اسکی شریعت پر عمل کریں گے۔ جب

انہوں نے سخت احکام دیکھے تو عمل کرنے سے انکاری ہو گئے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے پہاڑ طور کو اسکی جگہ سے اُکھاڑ کر ان کے اوپر کھڑا کر

دیا اور فرمایا کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے اس قوت کے ساتھ لے لو اور جو کچھ اس میں ہے اُسے یاد کرو۔ سورۃ اعراف میں اور زیادہ واضح

طریقے پر اس کو یوں بیان فرمایا۔ وَاِذْ نَفَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهُ ظِلَّةٌ وَظَنُّوْا اَنَّهُ وَاَقَعَ بِهِمْ خُذُوْا مَا آتَيْنٰكُمْ

بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ہ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر مسابان کی طرح اُن

کے اُوپر معلق کر دیا۔ اور اُن کو یقین ہو گیا کہ اب اِن پر گراور ہم نے کہا کہ لے لوقوت کے ساتھ جو ہم نے تم کو دیا ہے اور یاد کرو جو کچھ

اس میں ہے تاکہ تم متقی ہو جاؤ) جب انہوں نے دیکھا کہ واقعی پہاڑ گرنے کو ہے تو اس وقت مان لیا لیکن بعد میں اس ميثاق عظيم کو توڑ

دیا اور اقرار سے پھر گئے اللہ تعالیٰ نے انکو توبہ کرنے کی توفیق دی اور اُن کو باقی رکھا اور حضرات انبیاء کرام علیہ السلام کی طرف آتے رہے

اور اُن کو ہدایت دیتے رہے اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اسکی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو دنیا و آخرت میں برباد ہو جاتے۔ (من ابن کثیر)

شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آئے کہ دین میں تو زبردستی نہیں ہے جیسا کہ لا اکراہ فی الدین میں بتایا ہے پھر پہاڑ

سروں پر اٹھا کر بنی اسرائیل سے کیوں قول و قرار لیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسلام قبول کرانے کے لئے زبردستی نہیں

ہے اگر کوئی قوم مسلمان نہ ہو جزیہ دیکر رہنا چاہے اس سے جزیہ قبول کر لیا جائیگا۔ جس نے اسلام قبول کر لیا اس سے احکام پر

زبردستی قتل کرانے کی نفی لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ میں نہیں ہے اسی لئے ذمی کو قتل نہیں کیا جاتا اور جو شخص اسلام کو چھوڑ کر دوسرا

دین اختیار کر لے اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی اگر تین دن کے بعد اسلام میں واپس نہ آئے تو قتل کر دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾

اور البتہ تحقیق تم نے ان لوگوں کو جان لیا جنہوں نے سیچر کے دن میں زیادتی کی، سو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر ذلیل!

فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّلْبَآئِنِ يَدِيهَا وَمَآ خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٦﴾

پھر ہم نے اسکو عبرت بنادیا اُن لوگوں کے لئے جو اسوقت موجود تھے اور جو بعد میں آئیںوالے تھے۔ اور نصیحت بنادیا ڈرنے والوں کے لئے

یہودیوں کا سینچر کے دن میں زیادتی کرنا اور بندر بنا دیا جانا

تفسیر: جیسے مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن معظم قرار دیا گیا ہے اسی طرح سے یہود کے لئے سینچر کے دن کو معظم قرار دیا گیا تھا۔ اور اسکی تعظیم کیلئے یہ حکم بھی تھا کہ اس دن مچھلی کا شکار نہ کریں۔ ایک طرف تو یہ حکم تھا اور دوسری طرف ان کا امتحان تھا اور وہ امتحان اس طرح سے تھا کہ دوسرے دنوں میں مچھلیاں عام حالات کے مطابق پانی میں اندر ہی رہتی تھیں اور سینچر کے دن خوب ابھر ابھر کر پانی پر آ جاتی تھیں جس کا تذکرہ سورہ اعراف کی آیت وَسُئِلُهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبُحْرِ میں فرمایا ہے چونکہ سینچر کے دن مچھلیاں خوب ابھر کر سامنے آ جاتی تھیں اس لئے ان لوگوں نے انکے پکڑنے کے لئے حیلے نکالے اور یہ کہا کہ سینچر کا دن آنے سے پہلے جال اور مچھلی پکڑنے کے کانٹے پہلے سے پانی میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ وہ ان میں پھند کر رہ جاتی تھیں جب سینچر کا دن گزر جاتا تھا تو ان کو پکڑ لیتے تھے۔ اور اپنے نفسوں کو سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے سینچر کے دن ایک مچھلی بھی نہیں پکڑی وہ تو خود سے جالوں میں اور کانٹوں میں آ گئیں اور یہ جال اور کانٹے ہم نے جمعہ کے دن ڈالے تھے انکو منع کرنیوالوں نے منع کیا تو نہ مانے لہذا اللہ پاک کی طرف سے ان پر یہ عذاب آیا کہ ان کو بندر بنا دیا گیا۔ جب یہ لوگ بندر بنا دیئے گئے تو بندروں کی طرح آوازیں نکالتے تھے انکی دیش بھی پیدا ہو گئیں جو لوگ انکو منع کرتے تھے وہ ان کے پاس گئے اور کہا کہ کیا ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا تو وہ سر ہلا کر جواب دیتے تھے۔

سورہ مائدہ میں فرمایا۔ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْفِرْدَ وَالْخَنَازِيرَ اس میں بتایا ہے کہ بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے یہ خنزیر بنا دینے کا واقعہ اس موقع سے متعلق ہے جبکہ سینچر کے دن مچھلیاں پکڑنے کے جرم میں بندر بنا دیئے گئے تھے یا اور کسی موقع سے متعلق ہے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ملی۔ البتہ تفسیر ابن کثیر میں آیت بالا وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ سینچر کے دن زیادتی کرنیوالے بندر بنا دیئے گئے اور خنزیر بھی ان میں جو جان تھے وہ بندر ہو گئے اور جو بوڑھے تھے وہ خنزیر بنا دیئے گئے۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ جو قوم مسخ ہوئی ہے وہ مسخ شدہ حالت میں تین دن سے زیادہ نہیں رہی ان تین دنوں میں انہوں نے کچھ کھایا پیا نہیں اور انکی نسل بھی نہیں چلی۔ یہ جو بندروں اور خنزیریوں کی نسلیں ہیں مسخ شدہ قوموں کی نسلیں نہیں ہیں بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مستقل مخلوق ہے۔ الجامع الصغیر میں بروایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ مَا مَسَخَ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ شَيْءٍ فَكَانَ لَهُ عَقِبٌ وَلَا نَسْلٌ رمز لہ السیوطی

بالحسن قال الہیثمی فیہ لیث بن سلیم مدلس وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح (کمانی فی القدر)

اس واقعہ کی مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورہ اعراف میں بیان ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاصی کی وجہ سے کئی طرح سے عذاب آتا رہا ہے ان میں سے ایک طریقہ صورتیں مسخ کر کے ہلاک کرنے کا بھی تھا اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اب تک مسخ کے عذاب سے محفوظ چلی آرہی ہے لیکن قرب قیامت میں مسخ ہوگا۔ جیسا کہ سنن الترمذی کتاب الفتن میں حدیث اذا اتخذ الفتنی دولا کے آخر میں تصریح ہے اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں بھی مسخ کئے جانے کا ذکر ہے۔ (مقلوۃ)

جتنے بھی عذاب آئے سب میں عبرت ہے ان لوگوں کے لئے بھی جو عذاب کے وقت موجود تھے اور ان کے لئے بھی

جو بعد میں آنے والے ہیں اور اُن عذابوں میں نصیحت بھی ہے اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے خاص کر یہ مسخ کا عذاب تو بہت ہی زیادہ عبرت ناک ہے ہلاک تو ہو ہی گئے لیکن ہلاکت سے پہلے تین دن جو بند رہے اس میں سب کے لئے بہت بڑی عبرت اور نصیحت ہے اسی لئے فرمایا کہ ہم نے اس کو عبرت بنا دیا اُن لوگوں کے لئے جو اُس وقت موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے ہیں اور نصیحت بنا دیا ڈرنے والوں کے لئے فَجَعَلْنَهَا كِذِّبٍ عَقُوبَةٍ کی تفسیر عاقبت کی طرف یا قری کی طرف راجع ہے جس سے اہل قری مراد ہیں لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں اُن کو مسخ کرنے کی سزا دی گئی اُس زمانہ کے لوگوں کے لئے اور اُن کے بعد آنے والوں کے لئے عبرت ہو جائے اور ایک معنی یہ لکھا ہے کہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا وہاں کی قریب کی بستیوں اور دور کی بستیوں کے لئے عبرت ہو جائے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ دوسرا معنی منقول ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ عن ابن عباس لما بين يديها من القرى وما خلفها من القرى اس کے بعد حضرت ابو العالیہ کا قول نقل کیا ہے۔ وما خلفها لما بقي ما بعدهم من الناس من بنی اسرائیل ان يعملوا مثل عملهم یعنی ما خلفها سے وہ بنی اسرائیل مراد ہیں جو اس عبرت ناک واقعہ کے بعد باقی رہے یہ واقعہ ان کے لئے عبرت ہے تاکہ اپنے اسلاف جیسا عمل نہ کریں۔

حضرت حسن اور قداہ نے موعظۃ للمتقین کے بارے میں فرمایا کہ اُن لوگوں کے بعد میں جو آنے والے ہیں ان کے لئے نصیحت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈریں گے اور خوف کھائیں گے اور عطیہ عوفی نے کہا ہے کہ المتقین سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت مراد ہے۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اُن چیزوں کا ارتکاب نہ کرو جن کا یہودیوں نے ارتکاب کیا جیوں کے ذریعہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال مت کرلو۔ (وَبَذَا السَّانِدُ جَدِيدٌ)

یہود نے ایک اور بھی حیلہ کیا اور وہ یہ کہ ان پر چربی حرام کر دی گئی تھی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اُنہوں نے اچھی صورت میں بنا کر بیچ دیا۔ (بخاری و مسلم کافی مشکوٰۃ)

شرح حدیث نے اچھی صورت میں بنانے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ چربی کو اُنہوں نے پگھلا دیا اور اس میں کچھ ملا کر دوسرا کوئی نام رکھ کر اسکو بیچ دیا۔ اور اس کی قیمت کھا گئے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتخیر میں اس طرح کے حیلے رواج پائے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لوگ شراب کو حلال کر لیں گے عرض کیا یہ کیسے ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسکی حرمت واضح طور پر نازل فرمائی ہے آپ نے فرمایا کہ یسمنہا بغير اسمها فیستحلونها یعنی وہ شراب کا دوسرا نام رکھ لیں گے۔ اور اس طرح اس کو حلال کر لیں گے۔ (رواہ الدارمی مشکوٰۃ ص ۴۶۱)

چنانچہ آجکل ایسی باتیں سننے میں آ رہی ہیں شراب پیتے ہیں نام دوسرا رکھ لیا ہے۔ سود لیتے ہیں اس کا نام نفع رکھ لیا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے تدبیریں کر لیتے ہیں۔ تصویریں اور مورتیاں حلال کرنے کے لئے حیلے تراشتے ہیں۔ ڈاڑھی موٹنے کے جواز کے لئے جھتیں نکالتے ہیں۔ ایسے جیلوں اور بہانوں کی تفصیلات بہت ہیں۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَكْنِزُونَاهُ زُورًا

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے بیشک اللہ تم کو حکم فرماتا ہے کہ تم ایک بیل ذبح کر دو کہنے لگے کیا تو ہمارا مذاق بناتا ہے؟

قَالَ أَعُودُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ

موسیٰ نے کہا کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں وہ کہنے لگے کہ تو اپنے رب سے دعا کر ہمارے لئے بیان کر دے کہ وہ بیل کیسا ہو

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ فَافْعَلُوا مَا

موسیٰ نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسا بیل ہو جو بڑا نہ ہو اور بالکل جوان بھی نہ ہو ان دونوں کے درمیان ہو سو تم اس پر عمل کر لو جس کا

تو امر ہو ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْ نُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ

تم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ کہنے لگے کہ تو اپنے رب سے دعا کر ہمارے لئے بیان فرما دے کہ اس بیل کا رنگ کیسا ہو موسیٰ نے کہا کہ بیشک وہ فرماتا ہے کہ وہ تیز رنگ کا

صَفْرَاءٌ فَافْعَلُوا لَوْ نُهَا تَسْرُ الْظَّهِرِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ

پیلا بیل ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کرتا ہو وہ کہنے لگے کہ تو اپنے رب سے دعا کر ہمارے لئے بیان فرما دے کہ اس بیل کی پوری کیا حقیقت ہے؟

إِنَّ الْبَقَرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَهُتَدُونَ ۝ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا

بیشک بیلوں کے بارے میں ہم کو اشتباہ ہو رہا ہے اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پالیں گے موسیٰ نے کہا بیشک وہ فرماتا ہے کہ وہ

بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا الْآنَ جِئْتَ

ایسا بیل ہو جو گھس گھس نہ ہو گیا ہو۔ وہ نہ زمین کو بھاڑتا ہو اور نہ کھیتی کو سیراب کرتا ہو اس میں ذرا کوئی دھبہ نہ ہو وہ کہنے لگے کہ اب تم نے ٹھیک طرح بیان کیا ہے۔

بِالْحَقِّ فَذَبْحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۝

لہذا انہوں نے وہ بیل ذبح کر دیا اور حال یہ ہے کہ وہ ایسا کر نیوا لے نہ تھے

ذبح بقرہ کا قصہ یہودی کج بحشی

تفسیر: ان آیات میں ذبح بقرہ کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ بقرہ عربی زبان میں گائے اور بیل دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے بعض حضرات نے اس کا ترجمہ بیل کیا ہے اور ان کا فرمانا ہے کہ قصہ کے آخر میں یہ فرمایا ہے کہ وہ بقرہ ایسا ہو جو بیل جوتنے میں استعمال نہ کیا ہو اور کھیتی کی آبپاشی میں اسکو نہ لگایا گیا ہو۔ یہ کام چونکہ بیل ہی سے ہوتا ہے اس لئے بقرہ سے بیل مراد ہے دوسرے حضرات نے اس کا ترجمہ گائے سے کیا ہے۔ چونکہ بقرہ اسم جنس ہے اس لئے گائے کا ترجمہ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ وزن دار ہے۔ کیونکہ قرآن کے الفاظ سے اسکی تائید ہوتی ہے۔

یہ واقعہ کیوں پیش آیا؟ اس کے بارے میں قرآن مجید کی اگلی آیات سے معلوم ہو رہا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص مشغول ہو گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا لہذا قاتل کا پتہ چلانے کے لئے اللہ جل شانہ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا کہ ایک بیل

ذبح کرو اور اس بیل کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم میں مارو چنانچہ بڑی جنتوں کے بعد بنی اسرائیل نے ایک بیل ذبح کیا اور ذبح شدہ بیل کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم میں مار دیا۔ چنانچہ وہ مقتول زندہ ہو گیا۔ (اور اپنا قاتل بتا کر اسی وقت دوبارہ مر گیا)

واقعہ کی تفصیل تفسیر کی کتابوں میں کئی طرح سے لکھی ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا آدمی تھا۔ جس کی کوئی اولاد نہ تھی اور مالدار بہت تھا اور اس کے بھائی کے لڑکے تنگ دست تھے۔ اور اُن کو چچا کی میراث بھی پہنچتی تھی۔ یہ لوگ چچا کی موت کا انتظار کرتے تھے لیکن اسکی زندگی لمبی ہوتی چلی گئی۔ لہذا شیطان نے ان کو یہ سمجھایا کہ تم اپنے چچا کو قتل کر دو تم اس کے مال کے وارث بھی ہو جاؤ گے اور اسکی دیت (خون بہا) بھی حاصل کر لو گے جس جگہ کا یہ واقعہ ہے وہاں دو بستیاں تھیں۔ جب کوئی مقتول دونوں بستیوں کے درمیان پڑا ہوا ملتا تھا تو جس بستی سے قریب تر ہوتا اس پر دیت ڈال دی جاتی تھی شیطان نے اُن لوگوں کو سمجھایا کہ تم قتل کر کے دوسری بستی کے قریب ڈال دینا۔ جس میں تمہاری سکونت نہیں ہے۔ چنانچہ اُن لوگوں نے چچا کو رات میں قتل کر کے دوسری بستی کے قریب ڈال دیا پھر صبح ہوئی تو یہی قاتلین دعویدار ہو گئے اور اس بستی والوں پر دعویٰ کر دیا جس کے قریب نعش کو ڈال دیا تھا۔ اور اُن سے کہا کہ تمہاری بستی کے دروازے پر ہمارا چچا مقتول ملا ہے۔ ہم تم سے اسکی دیت ضرور لیکر چھوڑیں گے اس بستی کے لوگ قسم کھانے لگے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے نہیں قتل کیا اور نہ ہی ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے۔ ہم نے شام سے لیکر صبح تک اپنی بستی کا دروازہ ہی نہیں کھولا لہذا ہمارے ذمہ اس کے قتل کا الزام لگا دینا صحیح نہیں اور کوئی دیت لازم نہیں۔ مفسر سُدی نے واقعہ اس طرح بیان کیا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص بہت مالدار تھا۔ اس کی ایک لڑکی تھی اور اُس کے بھائی کا بیٹا تھا جو غریب تھا۔ اس نے اپنے چچا کو پیغام دیا کہ اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دو چچا نے انکار کیا تو وہ غصہ ہو گیا اور اس نے چچا کے قتل کا خیال دل میں جمایا اور اپنے دل میں کہا کہ چچا کو قتل بھی کرونگا اور اس کا مال بھی لوٹاؤ گا اور اسکی بیٹی سے نکاح بھی کروں گا اور اسکی دیت بھی کھا جاؤں گا۔ لہذا وہ چچا کے پاس آیا اور رات کو اپنے چچا کو ایک کاروباری ضرورت بتا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اور کسی جگہ جا کر قتل کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اس انداز میں باتیں کر رہا ہے کہ خدا جانے میرے چچا کہاں گئے؟ جس جگہ قتل کیا تھا وہاں پہنچا دیکھا کہ وہاں کے لوگ اُس کی نعش کے قریب جمع ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں کو اس نے پکڑ لیا اور کہا کہ تم نے میرے چچا کو قتل کیا ہے لہذا اسکی دیت ادا کرو۔ وہ دیت کا مطالبہ کر رہا تھا اور رو رہا تھا اور سر پر مٹی ڈال رہا تھا اور رو رہا تھا اور ہائے ہائے چچا کی آوازیں لگا رہا تھا۔

واقعہ کی صورت جو بھی ہو قاتل کا پتہ چلانے کے لئے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قاتل کا پتہ چلانے کے لئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو اور اس کا گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر مار دو۔ بات سننے کے ساتھ ہی اُن کو چاہئے تھا کہ کوئی بھی ایک بیل ذبح کر کے مقتول پر مار دیتے۔ لیکن اول تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو مذاق اور مخول بتایا کہنے لگے کہ کہاں بیل کا گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم کو مارنا اور کہاں مقتول کا زندہ ہو کر نام بتانا یہ بے جوڑ بات ہے آپ تو ہم لوگوں کا مذاق اڑا رہے ہیں ان جاہلوں نے یہ نہ سوچا کہ ہمیں اللہ کا نبی ایک بات بتا رہا ہے جو اللہ کی طرف سے ہے اس میں مذاق اور مخول کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ اپنی جہالت اور حماقت سے ایسی بات کہہ بیٹھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت ناگوار ہوا اور انہوں نے

فرمایا کہ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْخٰهِلِيْنَ۔ (کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں) ایک ادنیٰ مسلمان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اللہ کے حکم کو بخول اور ٹھٹھا مذاق بنائے۔ یہ تو جہالت کی بات ہے پھر اللہ کا نبی کیسے اللہ کی طرف کسی ایسے حکم کی طرف نسبت کر سکتا ہے جو مذاق اور بخول ہو۔ پھر جب بیل ذبح کرنے پر راضی ہو گئے تو طرح طرح کے سوالات کرتے گئے اور اُن سوالات کے ذریعہ بندشوں اور قیدوں میں بندھتے چلے گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر وہ کوئی بھی بقرہ ذبح کر دیتے تو ان کا کام چل جاتا لیکن انہوں نے سختی کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بے تکے سوالات کرتے رہے لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر حکم میں سختی فرمادی۔ وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں جو ہمیں یہ بتادے کہ وہ بیل کیسا ہے یعنی اس کی عمر کتنی ہو۔ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ وہ بوڑھا جانور بھی نہ ہو اور بالکل کم عمر کھڑا بھی نہ ہو۔ ان دونوں کا درمیانی عمر کا ہو اور فرمایا کہ جو تم کو حکم ہو رہا ہے اس کو گزر دو۔ لیکن ان لوگوں کو اُلٹی چڑھی ہوئی تھی پھر سوال اٹھایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اپنے رب سے ہمارے لئے یہ دعا کر دیجئے کہ وہ ہمیں اس کا رنگ بتادے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ایسا بیل ہو جس کا رنگ پیلا خالص گہرا تیز ہو جس سے دیکھنے والوں کی طبیعت خوش ہوتی ہو۔ اُن لوگوں نے پھر سوال اٹھایا کہ ہماری سمجھ میں تو پوری طرح بات نہیں آئی اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں خوب واضح طور پر بتادے کہ وہ بیل کیسا ہو بیل بہت سارے ہیں طرح طرح کے ہیں ہمیں اشکال ہو رہا ہے کہ کونسا بیل ذبح کریں اب کی مرتبہ بیان ہو جانے پر انشاء اللہ ہم ضرور راہ پا جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی انکو پوری طرح اُس بیل کا حال بیان نہ کیا جاتا جس کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ (در منثور میں اس کو حدیث مرفوع بتایا ہے) لیکن مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ بظاہر حضرت ابی ہریرہؓ کا کلام ہے۔

بہر حال تیسری بار جب انہوں نے سوال کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ وہ ایسا بیل نہ ہو جسے کام کاج میں استعمال کر کے نکما کر دیا گیا ہو یعنی اس نے نہ کھیتوں میں اُل چلایا ہو اور نہ آبپاشی کے لئے اُسے کنویں سے پانی نکالنے میں استعمال کیا گیا ہو۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اس کا جو رنگ بتایا گیا ہے پورا بیل اُسی رنگ کا ہو۔ اُس میں کسی قسم کے دوسرے رنگ کا نشان داغ دھبہ نہ ہو۔ اور وہ جانور جسمانی طور پر صحیح سالم ہو اُس کے اعضاء میں کمی اور غرابی نہ ہو مثلاً لنگڑا۔ کانا۔ اندھانہ ہو جب بیل کے حالات بیان ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہاں اب آپ نے پوری طرح ٹھیک اور واضح بات کی ہے۔ لہذا اب اُس قسم کا جانور تلاش کرنے لگے جیسا بیان کیا گیا تھا اور جو اُن کے سوالات کے جوابات کے بعد اپنی خاص صفات کے اعتبار سے متعین ہو چکا تھا۔ تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے (جو اسرائیلی روایت سے منقول ہے) کہ وہ جانور ان کو بہت زیادہ مہنگا ملا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ لوگ انہیں مخصوص صفات کا بیل تلاش کر رہے تھے اسی اثنا میں ایک شخص کے پاس سے گزرے جس کے پاس مذکورہ صفات کا بیل تھا اس سے کہا یہ ہمیں بیچ دے۔ یہ لوگ قیمت لگاتے رہے اور وہ قیمت بڑھاتا رہا حتیٰ کہ اس بیل کے وزن کا دس گنا سونا دینے پر معاملہ ہوا۔ چنانچہ وہ سونا اُس نے قیمت کے طور پر لے لیا یہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے۔ در منثور میں حضرت ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس بیل کی کھال دیناروں سے بھر کر دیئے پر سودا کیا۔ اور اس بیل کے مالک نے اس قدر دینار لیکر وہ بیل اُن کے حوالے کیا۔ بہر حال خدا خدا کر کے وہ لوگ ذبح کرنے پر

آمادہ ہوئے اور اُس بیل کو انہوں نے ذبح کر دیا حالانکہ ان کا ڈھنگ ایسا تھا کہ وہ یہ کام کرنے والے نہیں تھے۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَرَأْتُمُ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۶۸﴾ فَقُلْنَا

اور جب تم نے ایک جان قتل کر دیا پھر اس کے بارے میں ایک دوسرے پر ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس کو ظاہر فرمائے جس کو تم چھپا رہے ہو پس ہم نے حکم دیا

أَضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُخَيِّ اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۶۹﴾

کہ اس کا ایک حصہ اس میں مارو ایسے ہی اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے مردوں کو اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں تاکہ تم عقل سے کام لو

مردہ زندہ ہونے کا ایک واقعہ اور قصہ سابقہ کا تکرار

تفسیر: ان آیات میں سابقہ قصہ کا تتمہ بیان فرمایا ہے اور یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ذبح بقرہ کا حکم کیوں ہوا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ تم نے ایک خون کر دیا تھا اور اس خون کو ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے قاتل اقراری نہیں تھا اور ہمیں منظور تھا کہ اس کے قاتل کا لوگوں کو علم ہو جائے لہذا ہم نے یہ طریقہ بتایا کہ یہ جو بیل ذبح کیا ہے اس کا کوئی ٹکڑا مقتول کی لاش سے لگا دو۔ تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اُن لوگوں نے اُس بیل کا ایک ٹکڑا لیکر مقتول کے مونڈھوں کے درمیان لگا دیا چنانچہ وہ زندہ ہو گیا اس سے پوچھا کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے تو اُس نے کہا کہ مجھے میرے بھائی کے بیٹے نے قتل کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ میرا مال لے لے اور میری بیٹی سے نکاح کر لے۔ یہ بات بیان کر کے وہ شخص دوبارہ مر گیا۔ اور قصاص میں قاتل کو قتل کر دیا گیا۔

یہاں پر یہ سوال اٹھانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یوں بھی قدرت ہے کہ جس مردہ کو چاہے زندہ فرمائے پھر اس کے لئے بیل کا ذبح ہونا اور مقتول کو اس کے گوشت کا ٹکڑا مارا جانا کیوں مشروط کیا گیا؟ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو سمجھنا مخلوق کے بس کا کام نہیں۔ اور نہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تکوین اور تشریع میں جو حکمتیں ہیں اُن میں سے کوئی سمجھ میں آ جاتی ہے کبھی سمجھ میں نہیں آتی۔ مومن بندہ کا کام ماننا اور عمل کرنا ہے۔ ذبح بقرہ سے متعلق ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بنی اسرائیل کی حجت بازی اور کج روی کا حال عام لوگوں کو اور ان کے بعد میں آنیوالی نسلوں کو معلوم ہو جائے تاکہ وہ

ایسا نہ کریں۔ اس کے بعد اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا: كَذَلِكَ يُخَيِّ اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ

(ایسے ہی اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے مردوں کو اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں تاکہ تم عقل سے کام لو) موت کے بعد زندہ کرنا اور حساب و کتاب کے لئے قبروں سے اٹھایا جانا قرآن وحدیث میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ اس بات کے تسلیم کرنے سے بہت سے لوگوں کو انکار رہا ہے کہ موت کے بعد زندہ ہوں گے اُن کے اشکالات قرآن مجید میں دور کئے گئے ہیں اور بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کر کے دکھایا ہے اُن مواقع میں سے ایک موقع یہ بھی تھا کہ مقتول نے بحکم خدا زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا اور یہ واقعہ حاضرین کے سامنے ہوا سب نے دیکھ لیا کہ مردہ زندہ ہوا۔ اور تو اتار کے ساتھ یہ قصہ لوگوں تک پہنچ گیا۔ تو اب موت کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ عقلاً بھی یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مردوں کے زندہ کرنے پر قدرت ہے اور بعض مواقع میں حاضرین نے اپنی آنکھوں سے مردوں کو زندہ ہوتا دیکھا ہے۔ عقل کو کام میں لائیں تو انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

تَمَقَّسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فِي كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوئے سو وہ ایسے ہو گئے جیسے پتھر ہوں یا اُن سے بھی زیادہ سخت اور بلاشبہ بعض پتھر ایسے ہیں

لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَاءٌ يَشْقَىٰ فَيُغَرِّبُهُ مِنَ الْمَاءِ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَاءٌ مَهْبِطٌ

جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور بلاشبہ اُن میں بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں پھر اُن سے پانی نکلتا ہے اور بلاشبہ اُن میں بعض ایسے ہیں

مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں سے بے خبر نہیں ہیں جن کو تم کرتے ہو

یہودیوں کی قلبی قساوت کا تذکرہ

تفسیر: اس آیت کریمہ میں یہودیوں کے قلوب کی قساوت اور سختی بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارے دل پتھروں کی طرح سخت ہو گئے بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ اُن میں سختی آ گئی۔ دلائل قدرت بھی دیکھتے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوت بھی دیکھتے ہیں ان کے دلوں میں ذرا خدا کا خوف نہیں ہے اور حق قبول کرنے کے لئے ذرا بھی آمادہ نہیں۔ پتھروں میں تو یہ بات ہے کہ اُن میں سے بعض ایسے ہیں جن سے نہریں جاری ہوتی ہیں اور بعض پھٹ پڑتے ہیں تو اُن میں پانی نکل آتا ہے اور بعض اُن میں ایسے ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

پہلے ان کے دلوں کو سختی میں پتھروں سے تشبیہ دی جو اس اعتبار سے لوہے سے بھی سخت ہیں کہ لوہے کو بھٹی میں ڈالا جائے تو پکھل جاتا ہے لیکن کیسی ہی آگ ہو اس سے پتھر پکھلتا نہیں پھر فرمایا کہ تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کیونکہ بعض پتھروں سے تو نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور جب پھٹتے ہیں تو ان میں سے پانی نکل آتا ہے اگر تمہارے دل نرم ہوتے تو نا فرمانیوں کی وجہ سے خوب زیادہ روتے (یہ مثال ہے نہریں جاری ہونے کی) اور کچھ بھی نہیں تو تھوڑا بہت ہی روتے (یہ مثال ہے فیخرج منه الماء کی) اور آنکھوں سے آنسو نہ نکلتے تو کم سے کم دل ہی روتا (یہ مثال ہے یهبط من خشية الله کی) (من ابن کثیر) آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں جو کچھ کرتے ہو وہ سب کچھ جانتا ہے اس سب کی سزا پاؤ گے دنیا کی کچھ دن کی زندگی کے دھوکے میں نہ آؤ۔

اہل کتاب کے دلوں کی سختی کا قرآن مجید میں اور جگہ بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ سورہ مائدہ میں فرمایا: فَبِمَا نَقْضُ بَعْضُهُمْ ذِوَاعُهُمْ لِبَئْسَ الْأُمَّةَ قَالُوا بَلْ لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَتُ اللَّهِ لَكُنَّا مِنَ الْخَاسِرِينَ (پھر ان کے بیٹاق توڑنے کے باعث ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا اور ہم نے اُن کے دلوں کو سخت کر دیا)

امت محمدیہ کو حکم کہ قاسی القلب نہ بنیں

امت محمدیہ علی صاحبہ الصلوٰۃ والتحیہ کو حکم ہے کہ تم اہل کتاب کی طرح سخت دل مت بن جاؤ۔ سورہ حدید میں ارشاد ہے اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ (کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا

اُنکے دل اللہ کے لئے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اُس کے لئے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے قبل کتاب ملی تھی پھر اُن پر ایک زمانہ دراز گزر گیا پھر اُن کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی اُن میں سے فاسق ہیں) اپنے گناہوں کو یاد کرنا اور اللہ سے مغفرت چاہنا اور اللہ کے خوف سے رونا یہ کسی کو حاصل ہو جائے تو بہت بڑی نعمت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ڈر سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس ہو جائے (جس طرح دودھ تھنوں میں واپس نہیں جاتا اسی طرح یہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا) (الترغیب والترہیب) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ نجات کس چیز میں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھ تجھے نقصان نہ پہنچا دے اور تیرے گھر میں تیری گنجائش رہے (یعنی بلا ضرورت گھر سے باہر نہ جا) اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ (آخر جہ الترمذی فی ابواب الزہد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ چار چیزیں بد بختی کی ہیں (۱) آنکھوں کا جامد ہونا (یعنی ان سے آنسو نہ نکلنا) اور (۲) دل کا سخت ہونا (۳) لمبی لمبی آرزوئیں رکھنا (۴) اور دنیا کی حرص رکھنا۔ (الترغیب عن الزہر)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اے لوگو! روؤ اور رونا نہ آئے تو بھکف رونے کی کوشش کرو کیونکہ دوزخ والے دوزخ میں اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسو ان کے چہروں پر اس طرح جاری ہوں گے جیسے چھوٹی چھوٹی نہروں میں پانی جاری ہوتا ہے روتے روتے آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون بہنے لگیں گے جس سے آنکھوں میں زخم ہو جائیں گے اور اس قدر کثرت سے خون اور آنسو جمع ہو جائیں گے کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہو جائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن شرح السنۃ) اگر کوئی شخص قبر دوزخ اور حشر کے حالات کا مراقبہ کیا کرے تو آسانی سے سخت دلی دور ہو سکتی ہے۔ اور رونے کی شان پیدا ہو سکتی ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا دل سخت ہے آپ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کر اور مسکین کو کھانا کھلایا کر۔ (مشکوٰۃ)

کثرت ذکر سے دل نرم ہوتا ہے اور زیادہ بولنے سے سختی آتی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بات نہ کیا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے علاوہ بات کرنا دل کی سختی کا سبب ہے اور بلاشبہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے دور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

غیر ذی روح میں حیات ہے سب چیزیں اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتی ہیں

اس کی آیت میں پتھروں سے پانی نکلنا اور اُن سے نہریں جاری ہونا مذکور ہیں اور یہ ایسی بات ہے جو نظروں کے سامنے ہے دنیا میں چشمے ہیں جھرنے ہیں پہاڑوں سے پانی نکل رہے ہیں عموماً لوگ اسکو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اس بارے میں کسی کو تاہ عقل کو شبہ ہو سکتا ہے کہ اُن میں عقل و ادراک نہیں ہے پھر وہ کیسے ڈرتے ہیں اور ڈر کر گر پڑتے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ پتھروں میں اور دوسری جمادات میں ہمارے خیال میں ادراک اور شعور نہیں ہے کیونکہ وہ ہم سے بات نہیں کرتے اور ہمیں وہ احوال معلوم نہیں جو اُن پر گزرتے ہیں۔ اور ان کا اپنے خالق سے مخلوق اور مملوک اور عبادت گزار ہونے کا جو تعلق ہے انسان اس سے واقف نہیں ہے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب چیزوں میں ادراک ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ط وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ط إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا (تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں اُسکی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اسکی پاکی بیان نہ کرتی ہو۔ لیکن تم لوگ اُنکے پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں بلاشبہ وہ حلیم ہے غفور ہے) اور سورہ نور میں فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرِ صَلٰتٍ كُلِّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوَتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ه (کیا تجھ کو معلوم نہیں اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی اپنی تسبیح معلوم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ احادیث پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اُس سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے میں اُسے پہچانتا ہوں جن دنوں میں میری بعثت ہوئی وہ مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا ہم ایک دن بعض اطراف مکہ کی طرف نکلے جو بھی درخت یا پہاڑ آنحضرت ﷺ کے سامنے آتا تھا وہ السلام علیکم یا رسول اللہ کہتا تھا۔ (رواہ الترمذی فی ابواب المناقب وقال حسن غریب)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے سات یا نو کنکریاں لیں ان کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی یہاں تک کہ میں نے اُن کی ایسی آواز سنی جیسی شہد کی مکھیوں کی جھنجھناہٹ ہوتی ہے پھر آپ ﷺ نے اُن کو رکھ دیا تو ان کی گویائی ختم ہو گئی۔ پھر آپ نے ان کنکریوں کو حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی اُن کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو اُن کے ہاتھ میں بھی اُن کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو اُن کے ہاتھ میں بھی اُن کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور ہر مرتبہ میں نے شہد کی مکھیوں کی جیسی جھنجھناہٹ سنی۔ (جمع الفوائد فی ذکر کلام النبی امانات والجمادات)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ جب جنات بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر قرآن سننے لگے تو آنحضرت ﷺ کو کس نے بتایا کہ جنات حاضر ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہاں جو ایک درخت تھا اس نے آپ کو بتایا۔ (اللمحین کما فی جمع الفوائد)

اسطوانہ حنانہ کا قصہ تو مشہور و معروف ہی ہے کہ جب مسجد نبوی کے لئے منبر تیار کر دیا گیا تو آنحضرت سرور عالم ﷺ اس پر خطبہ دینے کے لئے تشریف فرما ہوئے اس سے پہلے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے یہ ستون کھجور کا تھا۔ جب آپ منبر پر تشریف لے گئے تو کھجور کا یہ تنا چیننے لگا جیسے بچہ چننا ہے آپ منبر سے اترے اور اس تنے کو چٹا لیا اور اس سے ایسی آواز نکلنے لگی جیسے بچہ کی آواز ہوتی ہے جب اُسے چُپ کیا جاتا ہے۔ یہ تنا جو اللہ کا ذکر سنا کرتا تھا اس سے محروم ہو جانے کے باعث بچہ کی طرح چیننے لگا۔ (رواہ البخاری ص ۵۰۶ ج ۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے خیر تشریف لے گئے تھے وہاں ایک یہودی عورت نے بکری کا ایک ہاتھ بھون کر پیش کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا اور آپ کے بعض صحابہ نے بھی اس میں سے کھایا پھر آپ نے فرمایا آپ لوگ ہاتھ اٹھالیں اور اُس یہودی عورت کو بلا کر فرمایا کہ تو نے بکری میں زہر ملایا ہے۔ وہ کہنے لگی آپ کو کس نے بتایا آپ نے فرمایا مجھے بکری کے اس ہاتھ نے بتایا جو میرے ہاتھ میں ہے۔ کہنے لگی ہاں واقعی میں نے زہر ملایا ہے۔ (جمع الفوائد عن ابی داؤد)

حصن حصین میں بحوالہ طبرانی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لیکر آواز دیتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ اے فلاں کیا تجھ پر کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا ذکر کیا ہو۔ وہ دوسرا پہاڑ جب جواب دیتا ہے کہ ہاں ایک شخص اللہ کا ذکر کرنے والا میرے اوپر گزرا ہے تو وہ سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے۔

ان سب روایات اور واقعات سے معلوم ہوا کہ ہم جن چیزوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں ادراک اور احساس و شعور نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ان کے اس احساس و ادراک کا پتہ نہیں ورنہ اُن میں احساس اور شعور ہے۔ وہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہتی ہیں اور اللہ کا ذکر سن کر خوش ہوتی ہیں۔ اور جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے تو ان کو بولنے کی قوت دے دی جاتی ہے۔ قال العارف الرومی :-

آب و باد و خال و آتش بندہ اند

بامن و تو مُردہ با حق زندہ اند

اَفَتَطْمَعُونَ اَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ

کیا تم لوگ یہ امید رکھتے ہو کہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور حال یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے رہے ہیں۔ پھر

يُخَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۸﴾

اس میں تحریف کرتے رہے ہیں۔ اس کے بعد کہ وہ اس کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے

یہودیوں میں عناد ہے ان سے ایمان قبول کرنے کی امید نہ رکھی جائے

تفسیر: اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کی یہ امید اور آرزو ختم فرمادی کہ یہودی ایمان لائیں گے۔ اور فرمایا کہ ان کے اسلاف کا یہ حال تھا کہ اللہ کا کلام سنتے تھے پھر جانتے بوجھتے اور سمجھتے ہوئے اس میں تحریف کر دیتے تھے اور یہ لوگ اُن پر اب تک کوئی تکیہ نہیں کرتے اور طریقہ کار کو غلط نہیں بتاتے بلکہ اُن سے محبت اور تعلق میں بہت آگے ہیں۔ اور جس طرح اُن لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ میں آیات و بیانات کا کھلا مشاہدہ کیا پھر بھی اپنے نبیوں کی تکذیب کی اور اللہ کے کلام کی تکذیب کی اسی طرح یہ لوگ بھی معجزات اور دلائل اور شواہد دیکھتے ہیں لیکن اُس سے منہ نہیں ہوتے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت شریفہ میں جو اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر اس میں تحریف کرنے کا ذکر ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس میں اس واقعہ کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سن لیا تھا لیکن جب قوم کے پاس واپس آئے تو انہوں نے اس کے خلاف بیان دیا جو وہاں سن کر آئے تھے۔ دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے توریت شریف کی تحریف کرنا مراد ہے۔ علماء یہود و شرقت لیکر

حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیتے تھے اگر کوئی شخص رشوت لے آیا تو اس کے مطابق مسئلہ بتا دیا۔ اور جو شخص کچھ بھی نہ لایا اس کو صحیح اور حق بات بتا دی۔ یہ لوگ جو ایسی حرکت کرتے تھے جانتے بوجھتے ہوئے کرتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ ہم گناہ کر رہے ہیں۔ پھر بھی اسکو کرتے چلے جاتے تھے۔ اس تحریف میں یہ بات بھی تھی کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات اور علامات جو تو ریت شریف میں بیان کی گئی تھیں اُن کو بدل دیا۔ اس میں وہ لوگ بھی مبتلا تھے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھے جو لوگ خود مبتلائے تحریف ہوں اور دوسروں کو ایمان لانے سے روک رہے ہوں وہ خود کیا ایمان لائیں گے؟

وَإِذَا الْقَوَالِيْنُ امْتَنَواْ ۖ وَإِذَا خَلَا بِعَضُوْهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوْا اتَّخَذُوْهُم بِسَاءِ

اور جب ملاقات کرتے ہیں اُن لوگوں سے جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے کے پاس نکلیں تو کہتے ہیں کیا تم ان لوگوں سے جانتے ہو جو

فَتَحٰ اللّٰهُ عَلٰیكُمْ لِيَاْجُزَّكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۙ ۝۱۷ اَوْ لَا يَعْلَمُوْنَ

اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ یہ لوگ ان کے ذریعے اللہ کے پاس حجت میں تم کو مغلوب کر دیں۔ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ہو؟ کیا یہ لوگ نہیں جانتے

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُّسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ۝۱۷

کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں

یہودیوں کی منافقت

تفسیر: جو عام منافقین کا طریقہ تھا کہ مسلمانوں کے سامنے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور تنہائیوں میں اپنے سرغٹوں سے کہتے تھے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اسی طرح یہودی منافق بھی مسلمانوں کے سامنے یہ ظاہر کر دیتے تھے کہ ہم ایمان لائے اور اسی ظاہر کرنے میں یہ بھی کہہ جاتے تھے کہ تو رات شریف میں ایسا ایسا لکھا ہے اور اس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارت اور آپ کی علامت اور صفات موجود ہیں اور ان علامات اور صفات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ واقعی اللہ کے بچے نبی اور رسول ہیں بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب اہل مدینہ (اوس اور خزرج) نے یہود مدینہ سے مشورہ کیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ہماری ملاقات ہوئی ہے اور ہم لوگ اُن پر ایمان لائے ہیں اور وہ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لا رہے ہیں اُن کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے تو سادہ دل یہودیوں نے کہہ دیا کہ ہاں اُن پر ایمان لاؤ وہ نبی ہیں۔ پھر جب تنہائیوں میں ایک دوسرے سے ملتے تو آپس میں کہتے کہ تم لوگ عجیب ہو مسلمانوں کے سامنے حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے ہو اور انکو یہ بھی بتاتے ہو کہ ان کا ذکر اور نعمت و صفت تو رات شریف میں موجود ہے یہ تو تم اپنے اوپر حجت قائم کر رہے ہو۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ پاک کے حضور میں تم پر حجت قائم کر دیں گے اور خود تم اپنے اقرار سے پکڑے جاؤ گے تم نے اُن سے تو کہا کہ واقعی نبی ہیں اور خود انکی نبوت کو نہ مانا تمہارا اقرار خود تم پر حجت ہوگا لہذا ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جو تمہارے خلاف حجت بنیں تم اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے خود اپنے اقرار کی چھری سے خود اپنے ذبح کا انتظام کر رہے ہو۔ (مختصر حاکم وغیرہ) یہ کسی بیوقوفی کی بات ہے کہ مسلمانوں پر حق ظاہر کر کے خود اس کے خلاف کرو گے تو قیامت کے دن مسلمان تم پر حجت قائم کریں گے اور دلیل سے مغلوب کر دیں گے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ مواخذہ کرنا تو اللہ تعالیٰ ہے وہ سب کچھ جانتا ہے

جودلوں میں ہے اُسے اس کا بھی پتہ ہے اور جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں وہ اس سے بھی باخبر ہے۔ اگر مسلمانوں سے حق کو چھپایا تو اللہ پاک کے حضور میں اس وجہ سے کفر کے عذاب سے کیونکر خلاصی ہوگی کہ ہم نے مسلمانوں کو صحیح بات نہ بتائی تھی جب شقاوت کسی کو گھیر لیتی ہے تو وہ جان بوجھ کر اسی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّونَ لَا يَعْلمُونَ الْكِتَابَ اِلَّا اَمَانِي وَإِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۱۶﴾

اور اُن میں ایسے لوگ ہیں جو اُن پڑھ ہیں کتاب کا علم نہیں رکھتے۔ سوائے آرزوؤں کے اور وہ لوگ صرف گمانوں میں پڑے ہوئے ہیں

یہودیوں کی جھوٹی آرزوئیں

تفسیر: اس آیت میں یہودی جاہل اُن پڑھ عوام کا تذکرہ فرمایا ہے یہ لوگ نہ تورات شریف پڑھ سکتے ہیں نہ اور کسی طرح کا علم رکھتے تھے البتہ جھوٹی آرزوؤں میں اُلجھے ہوئے تھے یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہمیں جنت میں ضرور جانا ہے اگر عذاب بھی ہوا تو تھوڑے سے دن دوزخ میں رہیں گے اور ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی نسل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب ہیں اسکی اولاد ہیں اور نبوت صرف ہمارے ہی اندر رہ سکتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور بہت سی جھوٹی آرزوؤں میں مبتلا تھے خیالات کی دنیا میں پڑے ہوئے تھے اور اپنی نجات اور اللہ کے ہاں محبوب ہونے کے خیالی پلاؤ پکار کھے تھے۔ ان کے خیال میں نہ اللہ کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کے جھٹلانے سے ان کے محبوب عند اللہ ہونے میں فرق آتا تھا اور نہ سود کھانے سے اُنکی دینداری کو بڑھ لگتا تھا نہ کسی طرح کے کسی بھی بُرے عمل سے ان کو آخرت کا فکر لاحق ہوتا تھا۔ اپنے بارے میں جو جھوٹی آرزوئیں لئے بیٹھے تھے اور جو خوش کن گمانوں کی دنیا بسائے ہوئے تھے اُسی میں مست تھے۔

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ

سو بڑی خرابی ہے اُن لوگوں کے لئے جو کتاب کو لکھتے ہیں اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں کہ یہ

اللّٰهُ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ

اللہ کی طرف سے جتنا کہ اس کے ذریعہ خرید لیں تھوڑی سی قیمت سبزی ہلاکت ہے اُن کے لئے بھلاں کے جو اُن کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور بڑی ہلاکت ہے اُن کے لئے

مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۱۷﴾

اُسکی وجہ سے جسے وہ کسب کرتے ہیں

علمائے یہود کا غلط مسائل بتانا اور رشوت لینا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہودی علماء کی بد عملی اور دھاندلی اور حب دنیا کی وجہ سے ان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے عوام جب علماء کے پاس جاتے تھے اور اُن سے مسائل معلوم کرتے تھے اور ساتھ ہی رشوت بھی دیتے تھے تو وہ لوگ مسائل کی رضا جوئی کے لئے اُسکی مرضی کے مطابق مسئلہ بتا دیتے تھے خود اپنے ہاتھ سے مسئلہ لکھ دیتے تھے اور عوام کو باور کراتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تورات شریف میں یوں ہی نازل ہوا ہے جو شخص رشوت نہ لاتا اُس کے لئے مسئلہ میں

اول بدل نہیں کرتے تھے۔ اُن کے علماء تحریف کتاب اللہ کے مجرم بھی تھے اور رشوت خوری کے گناہ میں بھی مبتلا تھے۔ اللہ جل شانہ نے اُن کا حال بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اُن کے لئے دونوں وجہ سے ہلاکت اور بربادی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کرنے کی وجہ سے بھی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ حرام مال کماتے ہیں اور باقی رہنے والی آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں حقیر دنیا کی کچھ نقدی لینے پر راضی ہیں۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اپنے عوام کو بھی اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صفت جو توریت شریف میں موجود پاتے تھے اُسے واضح طور پر بتاتے تو اس میں ممکن تھا کہ ظاہری دنیا میں کی ہو جاتی لیکن آخرت کے ثواب سے مالا مال ہو جاتے لیکن انہوں نے حقیر دنیا کو ترجیح دی۔ اور تھوڑے سے فانی کے مقابلہ میں آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور مستحق عذاب ہوئے۔ ان کے عوام میں اگرچہ بے پڑھے لوگ بھی تھے لیکن اتنا تو ہر عقلمند سمجھتا ہے کہ جو شخص پیسہ لے کر ایک بات بتاتا ہے اور جو پیسہ نہ دے اسے دوسری بات بتاتا ہے ایسا شخص کیسے اہل حق ہو سکتا ہے ایسے شخص پر دین میں اعتماد کرنا سراسر حماقت ہے جس میں سراسر ہلاکت ہے۔

وَقَالُوا لَنْ تَمْسَنَا السَّارُّ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَتُخَذُ تُعْمَدُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا

اور انہوں نے کہا کہ ہم کو ہرگز آگ نہ چھوئے گی مگر چند دن گنتی کے آپ فرمائیے کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے

فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَكُمْ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۷۰﴾

سو اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے خلاف نہ کرے گا یا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے

یہود کی جھوٹی خوش گمانی کہ دوزخ میں صرف چند دن کیلئے جائیں گے

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہودیوں کا ایک اور دعویٰ اور اسکی تردید مذکور ہے۔ یہودیوں کا یہ جھوٹا دعویٰ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت منسوخ نہیں ہوگی۔ اور اپنے بارے میں سمجھتے تھے کہ ہم اُسی شریعت پر قائم ہیں اور قائم رہیں گے لہذا ہمیں عذاب کیوں ہونے لگا۔ اور عذاب ہوگا تو صرف چالیس دن عذاب ہوگا یعنی جتنے دن ہمارے آباؤ اجداد نے چھڑے کی عبادت کی ہے اتنے ہی دن عذاب میں گرفتار ہوں گے اس کے بعد دوزخ سے نکل جائیں گے اور حضرت ابن عباسؓ سے یوں منقول ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ہر ہزار سال کے بدلہ ہم کو ایک دن دوزخ بھگتنا ہوگا۔ اور گئے پنے سات دن ہوں گے جو زیادہ نہیں ہیں۔ اُن کا یہ بھی خیال تھا کہ ہم کچھ دن دوزخ میں رہیں گے پھر ہم تو دوزخ سے نکل آئیں گے اور ہماری جگہ مسلمان دوزخ میں چلے جائیں گے۔ غر وہ خیبر کے موقع پر جب ایک یہودی عورت نے زہر ملا کر بکری کا گوشت حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا اس وقت آپ نے ان سے جو سوال و جواب کئے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ دوزخی کون ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم دوزخ میں تھوڑا وقت گزاریں گے پھر آپ لوگ اس میں ہمارے بعد داخل ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دور ہو جاؤ اللہ کی قسم ایسا کبھی نہ ہوگا کہ تم اس میں سے نکل جاؤ اور تمہارے بعد ہم اس میں چلے جائیں۔ مفسر ابن کثیر نے یہ روایات لکھی ہیں اور آخری بات جس میں خیبر کی گفتگو مذکور ہے اس کو بحوالہ مسند احمد و صحیح بخاری نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث ص ۸۶۰ ج ۲ پر مذکور ہے۔

پہلی آیت میں یہودیوں کی آرزوؤں اور خوش گمانیوں کا جو ذکر تھا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم دوزخ میں چند دن ہی جائیں گے۔ وہ یہ جانتے ہوئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں آپ پر ایمان نہ لائے اور یہ جانتے ہوئے کہ کسی نبی کو نہ ماننا کفر ہے اور کفر کی سزا دائی ہے طرح طرح کے جھوٹے دعوے کرتے تھے اور ان کے دعوے اور آرزوئیں سب خود ساختہ تھے جن کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی بے سند باتیں کرتے تھے اور انہیں باتوں میں مست تھے۔ اسی لئے اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا۔ قُلْ اتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا (الایہ)

کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے فرمادیں کہ یہ جو کچھ تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم صرف چند دن دوزخ میں رہیں گے اسکی تمہارے پاس کیا دلیل ہے کیا اللہ تعالیٰ سے تم نے کوئی عہد لیا ہے جس کی بنیاد پر تم ایسی باتیں کر رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے عہد کے خلاف نہیں فرماتا لیکن تم سے اس کا کوئی عہد نہیں ہے خود اپنے پاس سے اللہ کی طرف ان باتوں کی نسبت کرتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں۔ اپنی طرف سے اپنے بارے میں کوئی شخص کوئی بھی خیال اور گمان کر کے بیٹھ جائے اور اسی پر بھروسہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی کوئی سند اور دلیل نہ ہو تو اس کا گمان اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ کفر کی سزا بہر حال ملے گی خواہ کیسی خوش فہمی میں مبتلا ہو یہودیوں کی حماقت تو دیکھو کہ خود اپنے اقرار سے دوزخ میں جانے کو تیار ہیں (اگرچہ چند دن دوزخ میں رہنے کا اقرار ہے) لیکن حضرت خاتم النبیین سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں جبکہ یہ جانتے ہیں کہ دوزخ میں ایک سیکنڈ کا عذاب بھی بہت بڑا ہوگا جس کی برداشت کسی کو نہیں ہو سکتی۔ دنیا کی اس آگ کی ایک چنگاری تھوڑی سی دیر کے لئے ہاتھ پر لینے کو کوئی بھی شخص تیار نہیں اور دوزخ میں جانے کو بڑی ہمت اور حوصلے کیساتھ تیار ہیں۔ جبکہ دوزخ کی آگ کی گرمی دنیا کی آگ سے اُنہتر درجے زیادہ گرم ہے۔ (کمانی روایہ الصعبین)

جس طرح یہود جھوٹی آرزوؤں اور خود تراشیدہ ادھام و خیالات کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اسی طرح آج کل بہت سے فرقے ایسے ہیں جو اسلام کے دعویدار ہیں۔ لیکن کفریہ عقائد کے حامل ہیں مثلاً قرآن کی تحریف کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (العیاذ باللہ) ہمارے امام کے اندر خلل کیا ہے اور بہت سے لوگ جھوٹے نبی کی امت بنے ہوئے ہیں اور ان سب کو اپنی نجات کی خوش گمانی ہے حالانکہ یہ لوگ قرآنی تصریحات کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ بہت سے پیر فقیر جو بالکل بے عمل بلکہ بد عمل ہیں وہ صرف اس بنیاد پر اپنی نجات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ کسی بزرگ کی اولاد میں ہیں اپنی خوش گمان اور جھوٹی آرزو سے کچھ نہیں ہوتا نجات کے لئے عقیدہ اور عمل صحیح ہونا ضروری ہے جو قرآن وحدیث کے مطابق ہو بے سند آرزو اور بے سند خوش گمانی آخرت کی بربادی کا ذریعہ ہے۔ کسی کی نسل میں ہونے سے نجات نہ ہوگی۔ بنی اسرائیل بھی تو انبیاء کی اولاد ہیں پھر بھی دوزخی ہیں خوب سمجھ لیا جائے۔

دور حاضر کے کافروں کی خوش گمانی

جس طرح یہودی اپنے بارے میں خیالی دنیا اور خوش گمانی میں مبتلا ہیں اسی طرح دور حاضر کے مذاہب والے جو یہودیوں کے علاوہ ہیں وہ بھی اپنے بارے میں خوش گمانیوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے خود ساختہ عقائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس کوئی سند نہیں کہ وہ جس دین پر ہیں وہ ذریعہ نجات بنے گا۔ مشرکین اور بت پرست اپنی

مکتی اور نجات کا عقیدہ لئے پھرتے ہیں اور اللہ موحدین مسلمین کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انکی نجات نہ ہوگی۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ

ہاں جس نے گناہ کیا اور اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا تو ایسے لوگ دوزخ والے ہیں وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ جنت والے ہیں

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۴﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

اصحاب الجنتہ کون ہیں؟ اور اصحاب النار کون ہیں؟

تفسیر: ان دو آیتوں میں جنتی اور دوزخی ہونے کا ضابطہ بتایا ہے اور ساتھ ہی ایک دوسرے طریقہ سے یہودیوں

کے اس دعوے کی تردید بھی ہے جو اوپر کی آیت میں مذکور تھا۔ پہلی آیت میں یوں فرمایا کہ تمہارے پاس اپنے دعوے کی

دلیل نہیں اور اللہ کی طرف سے تمہارے پاس کوئی سند نہیں ہے۔ اور ان دو آیتوں میں جو ضابطہ جنت اور دوزخ کے داخلے کا

ذکر فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ تم لوگ ضابطہ کے مطابق ان لوگوں کے زمرہ میں آتے ہو جن کو ہمیشہ دائمی عذاب ہوگا۔

ارشاد فرمایا کہ تم یہ جو کہتے ہو کہ ہم دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے صرف چند دن عذاب ہوگا۔ تمہاری بات غلط ہے۔ تم

ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہو۔ ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص برائی کرے اور اُسکی برائی ہر طرف سے اُس کو گھیر لے کہ وہ کفر

اختیار کرے جو سب سے بڑی برائی ہے۔ تو وہ دوزخ والا ہے اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ تم لوگ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت

اور رسالت کے منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہو لہذا ضابطہ کے مطابق ہمیشہ دوزخ میں رہو گے۔ اور اہل جنت وہ لوگ ہیں جو

ایمان لائے جنہوں نے اللہ کے سب نبیوں کو مانا خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کو مانا اور

اعمال صالحہ انجام دیئے۔ یہ حضرات ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے مضبوط عہد لیا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو گے اور والدین کے ساتھ

وَدَى الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ

اور قرابت داروں اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور عام لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا

وَاتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۱۱۵﴾

اور زکوٰۃ دینا پھر تم نے روگردانی کی مگر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں نے اور تم اعراض کرنے والے ہو

بنی اسرائیل سے عہد و پیمان اور انکا انحراف

تفسیر: اس آیت شریفہ میں توریت شریف کے چند احکام مذکور ہیں بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے پختہ عہد لیا تھا کہ تم ان سب کاموں کو کرنا انہوں نے عہد کر لیا۔ لیکن ان میں سے تھوڑے سے آدمیوں کے علاوہ سب اس عہد سے پھر گئے اور عہد کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ اُن کے عہد سے پھر جانے کا ذکر فرمانے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ وانتم معوضون کہ اے یہود یو! تمہاری عادت اور مزاج ہی یہ ہے کہ حق سے اور قول و قرار سے اور اطاعت سے اعراض کیا کرتے ہو۔ اور خاص طور سے زمانہ نزول قرآن کے یہودیوں کو مخاطب فرمایا کہ تم بھی اپنے آباؤ اجداد کے طریقے پر ہو اور قبول حق سے اعراض کئے ہوئے ہو۔ آیت شریفہ میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے۔ اور پھر والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم فرمایا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا۔ ان چیزوں کا سابقہ امتوں کو بھی حکم تھا اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر تنبیہ وارد نہیں ہوئی۔ امت محمدیہ بھی ان سب چیزوں کی مامور ہے۔ سورہ نساء میں فرمایا کہ: (وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ) (اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قربات کے ساتھ بھی۔ اور یتیموں کے ساتھ بھی اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور قریب والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور کے پڑوسی کے ساتھ بھی اور برابر میں ساتھ بیٹھنے والے کے ساتھ بھی اور اُن کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں)

نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ سورہ بقرہ کے شروع ہی میں متقیوں کی صفات میں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ پھر سورہ بقرہ کے پانچویں رکوع میں اقامت الصلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم مذکور ہے اور اسی سورہ بقرہ کے تیرھویں رکوع میں بھی ان دونوں کا حکم فرمایا ہے اور بھی جگہ جگہ نماز اور زکوٰۃ کی اہمیت اور تاکید قرآن مجید میں مذکور ہے۔ یہ جو فرمایا وَفُتُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا اِس میں بہت عموم ہے اور یہ بہت سے احکام پر مشتمل ہے اول تو یہ فرمایا کہ لوگوں سے اچھی باتیں کہو اس عموم میں مومن کا فریک و بد سب قسم کے انسان آ گئے۔ پھر اچھی بات میں سب کچھ آ گیا نیکوں کی راہ بتانا برائی سے روکنا نصیحت میں نرمی اختیار کرنا گفتگو میں بڑوں کا ادب ملحوظ رکھنا اور مسئلہ صحیح بتانا اور صحیح بات کہنا کسی کو دھوکا نہ دینا۔ حقوق کی وصولیابی میں نرم کلمات استعمال کرنا اور اس طرح کے بہت سارے احکام پر یہ کلمہ مشتمل ہے۔ اِس میں یہودیوں سے یہ بھی مطالبہ ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی نعت اور صفت جو توریت میں مذکور ہے اُسے واضح طور پر ظاہر کریں۔ اور حق اور حقیقت کو نہ چھپائیں۔ مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ مذکورہ احکام کی پاسداری کریں۔ اور ان سے اعراض کر کے زور گردانی نہ کریں اور اَنْتُمْ مَّعْضُومُونَ کا مصداق نہ بنیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تَخْرُجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

اور جب ہم نے تم سے عہد کیا کہ تم آپس میں خونریزی نہ کرو گے اور ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نہ نکالو گے

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۚ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتَخْرُجُوْنَ

پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم انکی گواہی بھی دیتے ہو پھر تم وہ لوگ ہو جو قتل کرتے ہو اپنی جانوں کو اور نکالتے ہو

فَرِيقًا مِّنْكُمْ مَّن دِيَارِهِمْ تَظْهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدَاوَانِ وَإِن يَأْتِوكُمُ أُسْرَىٰ

انہوں میں سے ایک جماعت کو ان کے گھروں سے ان کے مقابلہ میں مدد کرتے ہو گناہ اور زیادتی کے ساتھ اور اگر وہ آجائیں تمہارے پاس قیدی ہونے کی حالت میں

تُغَدُّوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ

تو تم انکی جان کا بدلہ دیکر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا نکالنا تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے منکر ہوتے ہو۔

بِبَعْضٍ فَبِأَجْزَاءٍ مَّن يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ الْإِخْزَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ

سو کیا جزا ہے انکی جو تم میں سے ایسا کام کرے سوائے اس کے کہ دنیاوی زندگی میں رسوا ہو اور قیامت کے دن

الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ اُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا

سخت ترین عذاب میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝

جنہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلہ مول لے لیا سو نہ ہلکا کیا جائے گا اُن سے عذاب اور نہ انکی مدد کی جائے گی

یہودیوں کی ایک خاص خلاف ورزی کا تذکرہ

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں یہودیوں کے ایک اور عہد اور قول و قرار کا اور پھر اُن کی عہد شکنی کا تذکرہ فرمایا۔ زمانہ نزول قرآن کے وقت جو یہودی تھے ان کو اس قول و قرار اور قرار کا بھی پتہ تھا جو یہودیوں سے لیا گیا تھا اور اُن سے جو عہد شکنی اور خلاف ورزی سرزد ہوتی رہی تھی وہ بھی اُن کے علم میں تھی ان سے اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا اور ان کو عہد شکنی یاد دلائی۔ اور ان کی دنیا و آخرت کی سزا بھی بتائی اور ساتھ ہی ساتھ اس میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کی نبوت اور رسالت پر بھی دلیل قائم ہو گئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہمارے اس قول و قرار اور عہد اور اسکی خلاف ورزی کا علم آپ کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا ہے۔ سب کچھ جاننے کے باوجود آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

پہلے گزر چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ آباد تھے اور دونوں میں یمن سے آکر آباد ہو گئی تھیں ان میں سے ایک قبیلہ کا نام اوس تھا اور دوسرے کا نام خزرج تھا یہ دونوں قبیلے بے پرست تھے اور یہودیوں کے دونوں قبیلے اپنے کو دین سماوی پر سمجھتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی پابندی کا دم بھرتے تھے۔ اس زمانے میں عرب کا کچھ ایسا مزاج تھا کہ لڑائی کے بغیر گزارہ ہی نہ ہوتا تھا۔ جب اوس اور خزرج میں لڑائی ہوتی تھی تو بنو قریظہ اوس کی مدد کرتے تھے اور بنو نضیر خزرج کے حمایتی بن جاتے تھے اس میں جہاں اوس اور خزرج کے افراد مارے جاتے اور گھربار چھوڑنے پر مجبور ہوتے وہاں یہودیوں کے دونوں قبیلوں کے افراد بھی مارے جاتے تھے اور بہت سے افراد ترک وطن پر بھی مجبور ہو جاتے تھے۔

اور جب بنی نضیر اور بنی قریظہ کے کسی فرد کو دشمن قید کر لیتا تو اُس کے چھڑانے کے لئے ان کی دونوں جماعتیں پیسے خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جاتی تھیں جب اُن سے کوئی پوچھتا کہ تم اس کو کیوں چھڑا رہے ہو تمہاری حرکت سے تو وہ دشمن کے قبضے میں گیا ہے اور ترک وطن پر مجبور ہوا ہے۔ تو جواب دیتے تھے کہ ہم کو شریعت موسوی میں یہ حکم دیا گیا کہ جب کسی کو قیدی

دیکھو تو اُسے رہائی دلا دو۔ لہذا ہم اس حکم کی پابندی کرتے ہیں اس حکم پر عمل کرنے کو تیار تھے کہ قیدی کو رہائی دلا دیں۔ لیکن جس وجہ سے وہ گھر سے بے گھر ہوا اور دشمن کے جنگل میں پڑ کر قیدی ہوا اس کے اختیار کرنے یعنی اپنوں کے مقابلہ میں جنگ کر نیوالوں کی مدد سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ اُن سے کہا جاتا تھا کہ تم یہ کیا کرتے ہو تم خود ہی اپنوں کے مقابلہ میں مددگار بنے اور اُس قاتل کی وجہ سے تمہارا آدمی گرفتار ہو کر قیدی ہوا اب اس کے چھڑانے کو تیار ہو؟ اس کا جواب یہ دیتے تھے کہ چونکہ اُس اور خنزرج ہمارے حلیف ہیں اس لئے ان کی مدد کرنے پر مجبور ہیں۔ اللہ جل شانہ نے اس کو بیان فرمایا کہ: اَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ (کیا تم کتاب کے بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے)

کیا تو ریت شریف میں قیدی کے چھڑانے ہی کا حکم ہے اور کیا آپس کا قتل قتال اور ایک دوسرے کو جلا وطن کرنا تو ریت شریف میں ممنوع نہیں ہے؟ یعنی قتل و قاتل کی ممانعت پر تو عمل نہ کیا اور قیدی چھڑانے کے لئے پیسے خرچ کرنے کو تیار ہو گئے۔ حالانکہ اس کا قیدی ہونا قتل و قاتل کی بنیاد پر ہے۔ نہ قتل و قاتل کرتے نہ یہ قیدی ہو کر آتا۔ لہذا معاملہ شریعت موسوی کا نہ رہا بلکہ اپنی طبیعت کا رہا۔ جس حکم کو چاہا مانا اور جس حکم کو چاہا نہ مانا، جس حکم کو مانا اسے ایمان سے اور جس حکم کو نہ مانا اسے کفر سے تعبیر فرمایا اگر دل سے کسی حکم قطعی کا منکر ہو جائے تب تو کافر ہو ہی جاتا ہے اور اگر دل سے منکر نہ ہو لیکن عمل حکم کے خلاف ہو تو اس عمل کا کرنے والا گناہ کا مرتکب تو ہو ہی جاتا ہے جو منکروں اور کافروں کا طریقہ ہے۔

یہودیوں کی مذکورہ بالا بے عملی کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا کہ ایسے لوگوں کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں اُن کے لئے سخت عذاب ہے ہی۔ چنانچہ بنو نضیر مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل ہوئے مدینہ منورہ سے خیر کو نکال دیئے گئے اور پھر خیر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو نکال دیا اور بدر مارے پھرتے رہے۔ اور بنی قریظہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

آخر میں فرمایا کہ ان لوگوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلہ مول لے لیا سو آخرت میں ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ اور نہ ان کی کسی طرح کی کوئی مدد ہوگی۔ کوئی حامی مددگار طرف دار وکیل مختار موجود نہ ہوگا جو انکی کچھ مدد کر سکے۔

مسلمانوں کو تنبیہ جو پورے دین پر عمل کرنے کو تیار نہیں

جو حال یہودیوں کا تھا وہی آج مسلمانوں کا ہے۔ وہ بھی کتاب اللہ کے بعض حصے پر عمل کرتے ہیں اور بعض پر عمل نہیں کرتے جو لوگ بے عمل ہیں وہ تو درکنار جو لوگ بظاہر دین دار ہیں اُن کی دینداری بھی نماز روزہ اور دو چار کاموں تک محدود ہے۔ حرام ذریعہ سے مال کمانا اور حرام محکموں میں ملازمت کرنا رشوتیں دینا بیاہ شادی اور مرنے جینے میں غیر اسلامی طور پر طریق اختیار کرنا اس طرح کے امور میں دینداری کے دعویٰ دار بھی مبتلا ہیں۔ بہت سے لوگ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ حج بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن ان کے سامنے اسلامی تعزیرات حدود اور قصاص نافذ کرنے کی بات آتی ہے تو ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں اور اس کے نفاذ کے لئے ہاں کرنے کو تیار نہیں۔ حاکم اور محکوم دونوں ہی انکاری ہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۚ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُن کے بعد پورے رسول بھیجے اور دیئے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح دلائل

وَآيَاتِنَا ۚ يَرْوَاهُ الْقُدُسُ أَفَكُلُّكُمْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِمَّا لَا تُهْتَمُّ بِأَنفُسِكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ

اور اُن کی تائید کی ہم نے روح القدس کے ذریعہ کیا جب کسی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لایا جو تمہارے نفسوں کو گوارا نہ تھے تو تم نے تکبر کیا۔

فَقَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۱۱۷﴾

سوا یک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کرتے رہے ہو

یہودی بعض نبیوں کی صرف تکذیب کرتے تھے اور بعض کو قتل کر دیتے تھے

تفسیر: اس آیت شریفہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی (یعنی توریت شریف) اور اُن کے بعد بھی رسول بھیجتے رہے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے معجزات دیئے جو انکی نبوت اور رسالت پر واضح دلائل تھے۔ مُردوں کو زندہ کرنا، مٹی سے پرندہ کی صورت بنا کر اس میں پھونک دینا جس سے پرندہ ہو کر اڑ جانا، مادرِ زاد اندھے اور برص والے کو اچھا کر دینا اور غیب کی باتیں بتا دینا، اور روح القدس یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ انکی تائید کرنا۔ یہ سب امور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کے لئے واضح دلائل تھے۔ سورہ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: **وَلَا جِلَّ لَكُمْ بِغُضِّ الَّذِي حَرَمَ عَلَيْكُمْ وَجَنَّتْكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا** (یعنی میں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کرتا ہوں جو تم پر (توریت شریف میں) حرام کر دی گئی تھیں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے معجزہ لیکر آیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) بعض احکام انہوں نے ایسے بتائے جن سے توریت شریف کے بعض احکام منسوخ ہو گئے تو اس پر یہودی ان کے دشمن ہو گئے اُن سے حسد بھی کیا اور عناد پر بھی تل گئے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت ہی تکلیف دی اور اُن کے قتل کے درپے ہو گئے قتل تو نہ کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اوپر اٹھالیا لیکن ان سے پہلے دیگر انبیاء علیہم السلام کو قتل کر چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور تکذیب پر اس لئے آمادہ ہو گئے کہ جو احکام انہوں نے بتائے ان کے نفسوں کی خواہشوں کے خلاف تھے۔ اور انہوں نے نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ بہت سے نبیوں کو انہوں نے جھٹلایا۔ اور بہت سے نبیوں کو قتل بھی کیا۔ خدا جانے انہوں نے کتنے نبیوں کو قتل کیا اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے قتل اور تکذیب کے درپے یہودی اس لئے ہو جاتے تھے کہ جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتاتے تھے وہ ان کے نفسوں کو نہیں بھاتے تھے اور انکی طبیعت کے خلاف ہوتے تھے۔ لہذا وہ اُن کی تکذیب تو کرتے ہی تھے قتل بھی کر دیتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ قتل کا تذکرہ فرماتے ہوئے مضارع کا صیغہ تَقْتُلُونَ لایا گیا ہے۔ قتلتم صیغہ ماضی کا نہیں لایا گیا۔ اس میں اس پر دلالت ہے کہ آئندہ بھی تم سے ایسی حرکت سرزد ہوگی چنانچہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا اور خیبر میں بکری کے گوشت میں زہر ملا کر پیش کر دیا جسے آپ نے تناول فرمایا اور پھر موت کے قریب اس زہر کے اثر سے ایک رگ کٹ گئی جو موت کا سبب بنی جیسا کہ مشکوٰۃ ص ۵۴۸ میں مذکور ہے اس آیت شریفہ میں تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بھی انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں ان حضرات میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر تو قرآن مجید میں موجود ہے اور بعض حضرات کے اسماء گرامی قرآن مجید میں نہیں ہیں تفسیر کی بعض کتابوں میں لکھے ہیں۔ لیکن کسی صحیح روایت سے ان اسماء کا

ثبوت نہیں ملتا۔ تفسیر درمشور میں حضرت ابن عباسؓ سے بعض حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی نقل کئے ہیں۔ مثلاً شمویل حزقیل ہم اللہ کے سب نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اگرچہ سب کے نام سب کا زمانہ بعثت ہمیں معلوم نہیں اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم نے روح القدس کے ذریعہ عیسیٰ بن مریم کی تائید کی اس تائید سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں علامہ نسفی فرماتے ہیں کہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کو اُپر اٹھا لیا اور تفسیر جلالین میں ہے کہ حضرت جبریلؑ ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور حفاظت فرماتے تھے روح القدس قرآن وحدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کا لقب ہے سورۃ نحل میں فرمایا: قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ اور حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان کو دعادی۔ اللہم ایدہ بروح القدس (رواہ مسلم)

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کا اللہ نے ملعون قرار دیا سو بہت کم ایمان لاتے ہیں

یہودیوں کا کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں اور اسکی تردید

تفسیر: یہودی اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے تھے آپ کی سچائی کی علامات اور معجزات دیکھ کر بھی منحرف تھے اور اس گمراہی کو اپنے لئے کمال اور باعث فخر سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ایمان لایں والے نہیں ہیں ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور پردے پڑے ہوئے ہیں کسی کی بات ہمارے دلوں پر اثر نہیں کر سکتی اور اپنے دین کے علاوہ ہم کوئی دوسرا دین قبول نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ شانہ نے انکی تردید فرمائی کہ یہ بات کو سنتے اور سمجھتے ہیں اور حق بھی جانتے ہیں لیکن حق سے انکو تنفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انکو ملعون قرار دیدیا ہے لعنت اور پھٹکار میں گرفتار ہیں دلوں پر پردے اور غلاف کچھ نہیں کفر کی پھٹکار اور لعنت کے سبب ایمان سے محرومی ہے سورۃ مائدہ میں فرمایا کہ: بَلْ طَعَّ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انکے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر ماردی۔ غرض یہ ہے کہ کفر میں انکی چٹکی لعنت اور پھٹکار اور دلوں پر مہر لگ جانے کے سبب سے ہے جس پر وہ فخر کر رہے ہیں قبھم اللہ یہ جو فرمایا کہ بہت کم ایمان لاتے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی تھا لیکن تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کا جو حکم دیا گیا تھا جن میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی ہے اس سے منکر ہو گئے۔ ایک نبی کی تکذیب بھی کفر ہے تو ہذا سا ایمان آخرت میں کام نہیں دیگا۔ بعض مفسرین نے فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ کا یہ معنی بھی بتایا ہے کہ ان میں سے بہت کم لوگ ہو گئے جو ایمان لائیں گے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۖ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ

اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پہنچی وہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے اور حال یہ تھا کہ اس سے پہلے وہ کافروں

عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ تَاَعَرَفُوا ۖ وَكَفَرُوا بِهٖ ۖ فَلَعَنَ اللَّهُ عَلَى الْكَافِرِينَ ۖ بِئْسَمَا

کے مقابلہ میں نئی پالی طلب کرتے تھے پس جب چیز ان کے پاس آگئی جس کو پہچان لیا تو اس کے منکر ہو گئے۔ سو اللہ کی لعنت ہے کافروں پر یہی چیز ہے جس کو

اَشْتَرَوٰ بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنْزَلَ اِلَيْهِمْ فَضْلًا عَلٰی

اختیار کر کے اپنی جانوں کو خرید لیا یہ کہ کفر کریں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے اُنارا حد کرتے ہوئے اس بات پر کہ اللہ اپنے فضل سے

مَنْ يَّشْتَرِ مِنْ عِبَادَةٍ فَبَاءٌ وَغَضَبٌ عَلٰی غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۱۹﴾

اپنے بندوں میں جس پر چاہے نازل فرمائے سو وہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے اور کافروں کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنیوالا

یہودیوں نے جانتے بوجھتے ہوئے عناد اور ضد کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا

تفسیر: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودی اس لئے آ کر آباد ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت

ہوگی تو ہم اُن کا اتباع کریں گے۔ یہ لوگ اپنے کو موحد سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ہم دینِ سماوی کے حامل ہیں اُس

اور خزرج کے قبیلے بھی یمن سے آ کر مدینہ منورہ میں آباد ہوئے تھے یہ لوگ بت پرست مشرک تھے۔ یہودیوں سے ان

لوگوں کی جنگ ہوتی رہتی تھی اور یہودی اُن سے کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائیں گے انکی بعثت کا زمانہ

قریب آ چکا ہے۔ ہم اُن پر ایمان لا کر اُن کے ساتھ ہو کر تم سے جہاد کریں گے اور اس وقت تمہارا ناس کھودیں گے۔ اور قوم عادی کی

طرح تمہارا قتل عام کریں گے۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ یہودی یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ اس نبی کی بعثت فرما جس کے

مبعوث ہونے کا ہماری کتاب میں ذکر ہے تاکہ ہم اس کے ساتھ مل کر عرب کے مشرکوں کو قتل کریں۔ یہ لوگ نبی آخر الزماں

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نعت اور صفت جانتے تھے جو توریت شریف میں مذکور تھی آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوگئی اور

آپ مدینہ منورہ میں بھی تشریف لے آئے اور یہودیوں نے آپ کو اُن علامات اور صفات کے ذریعہ پہچان بھی لیا جو اُن کے

علم میں تھیں کہ یہ واقعی نبی آخر الزماں ہیں ہم جن کی انتظار میں تھے انہوں نے آپ کے معجزات بھی دیکھے اور سب کچھ

دیکھتے ہوئے آپ کی نبوت اور رسالت کے منکر ہو گئے۔ اُن کو اُس اور خزرج کے بعض افراد نے توجہ بھی دلائی اور کہا کہ

اے یہودیو! تم اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر دو تم ہی تو کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لا کر اور اُن کے ساتھ

مل کر تمہیں مغلوب اور مقہور کر دیں گے۔ لہذا اب تم حق کو قبول کرو نبی آخر الزماں پر ایمان لاؤ اور مسلمان ہو جاؤ اس پر انہوں نے کہا

کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں ہم جس کے انتظار میں تھے وہ تو ہم ہی میں سے ہوگا۔ عرب میں سے نہیں ہوگا۔ جانتے پہچانتے ہوئے منکر ہو

گئے اور یہ حسد اُن کو کھا گیا کہ نبی عرب میں سے کیوں آیا۔ اس آیت میں اُن کے اسی انکار اور حق سے انحراف کرنے کا تذکرہ ہے اور

اخیر میں یہ فرمایا ہے کہ کافروں پر اللہ کی لعنت ہے جو حق اور حقیقت کو جانتے ہیں پھر بھی اس کے ماننے سے منکر ہیں۔ (سنن ابن کثیر)

کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی صفت بیان کرتے ہوئے یہ جو فرمایا کہ مُصَلِّقٍ لِّمَا مَعَهُمْ یہ کہ یہ کتاب اس کتاب کی تصدیق کرنیوالی

ہے جس کو وہ اللہ کی کتاب مانتے ہیں (یعنی توریت شریف) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر یہ نبی اس نبی کے خلاف ہوتا جس پر توریت

نازل ہوئی اور یہ نبی اس کتاب کا کاث کرتا جو اللہ تعالیٰ نے اس نبی پر نازل کی تھی جس کو تم مانتے ہو تو انحراف اور مخالفت کی کوئی وجہ بھی ہوتی۔ وہ تو

سارے نبیوں پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کی ساری کتابوں کو ماننے کی دعوت دیتا ہے اس سے انحراف کرنا اس حسد میں کہ یہ عرب میں سے ہے سرایا

حماقت اور بیوقوفی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اس نے عرب میں سے نبی کیوں بھیجا اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا مستقل کفر ہے۔

اَنۡ يَّخْفَرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًاۙ مِّیۡنَ یَّہِیۡا کہ انہوں نے اپنی جانوں کو دوزخ کا مستحق اس لئے بنایا کہ انکو اللہ تعالیٰ کا اختیار فرمانے سے عناد ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے نبوت اور رسالت عطا کرے اور جس بندے پر چاہے اپنی کتاب اُتارے اُسے پورا پورا اختیار ہے اس میں کسی کو اعتراض کرنے کا اور یہ ضد کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں کو کیوں نبی بنایا اور فلاں کو نہیں بنایا؟ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے منکر ہو کر کافر ہوئے پھر اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر کے کافر ہوئے۔ اور اللہ کے رسول محمد رسول اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی کتاب قرآن کے منکر ہو کر کفر ہی کفر میں ترقی کرتے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے۔ لہذا آخرت میں ذلت کے عذاب میں گرفتار ہوں گے لفظ اِشْتَرَوْا کے بارے میں مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ بَاْعُوْا وِشْرُوْا بِحَسَبِ ظَنِّہُمْ، اور صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ اٰی باعوا، فالانفس بمنزلة المثلث، والكفر بمنزلة الثمن لان النفسهم الخبیثۃ لا تشتري بل تباع، وهو علی الاستعارۃ اٰی انہم اختاروا الکفر علی الایمان وبذلوا انفسہم فیہ۔ (یعنی انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچ دیا اور اُن کے عوض کفر کو بطور قیمت کے لے لیا اور یہ معنی لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اُن کے خبیث نفس خریداری کے قابل نہیں بیچنے ہی کے لائق ہیں۔ مطلب یہ ہے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا یعنی برباد کر دیا اور کفر کو بطور قیمت کے حاصل کر لیا)

یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم توریت کے علاوہ کسی کتاب کو نہیں مانتے اور اس پر اُن سے سوال

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہودیوں کا یہ قول ذکر فرمایا کہ ہم صرف توریت پر ایمان لاتے ہیں اس کے سوا کسی کتاب کو نہیں مانتے۔ ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ کہ جو کتاب ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کی ہے۔ وہ اس کتاب کی تصدیق کر نیوالی ہے جس پر وہ ایمان رکھنے کے مدعی ہیں۔ قرآن کو نہ ماننا توریت کے نہ ماننے کو مستلزم ہے۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں۔ لأنهم لما كفروا بما يوافق التوراة فقد كفروا بها۔

توریت شریف میں یہ ہرگز نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی قوم میں سے اللہ تعالیٰ نبی بھیجے تو اس کو مت ماننا اور توریت کے علاوہ اللہ کی کسی دوسری کتاب پر ایمان نہ لانا۔ یہ سب باتیں انکے ذاتی حسد کی وجہ سے ہیں۔ توریت شریف میں تو نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کی خبر دی ہے۔ جب نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت ہوگئی اور اُن کی علامات اور صفات سے یہود نے پہچان لیا کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں پھر ان سب کے باوجود آپ پر ایمان نہ لانا اور قرآن مجید کو نہ ماننا یہ توریت شریف کے ماننے سے انکاری ہونا ہے۔ کہہ رہے ہیں کہ ہمارا توریت پر ایمان ہے حالانکہ ان کا اس پر بھی ایمان نہیں۔

یہودیوں کی بری حرکتوں میں سے یہ بھی تھا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر دیتے تھے۔ آیت بالا میں فرمایا کہ اگر تم توریت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہو تو یہ بتاؤ کہ تم نے اللہ کے نبیوں کو قتل کرنے کا ارتکاب کیوں کیا نبی کا قتل کرنا تو توریت شریف کے قانون سے بھی کفر ہے۔ تمہارے آباؤ اجداد نے اس جرم کا ارتکاب کیا تم اُس سے راضی ہو اور اُن کو اپنا مقتدا مانتے ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ توریت شریف پر نہ تمہارا ایمان ہے اور نہ تمہارے باپ دادوں کا ایمان تھا۔

اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے وہ توریت کے احکام کی تبلیغ کرتے تھے اور انہوں نے توریت کے منسوخ ہونے کا اعلان بھی کیا۔ اے یہودیو! تم ان کو نبوت اور رسالت میں سچا بھی جانتے تھے۔ پھر بھی تم نے ان کو قتل کر دیا۔ حالانکہ وہ تمہاری قوم میں سے تھے۔ معلوم ہوا کہ تمہارا دین و ایمان شریعت موسیٰ کا اتباع نہیں ہے۔ بلکہ خواہشات نفس کا اتباع ہی تمہارا دین ہے۔

پھر فرمایا: وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ (الآیۃ) یعنی تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام بھی کھلی ہوئی اور واضح دلیلیں لیکر آئے جو تم نے خود یکھیں جس سے اُن کا رسول اللہ ہونا واضح ہو گیا اور انہوں نے پوری طرح توحید کی دعوت دی اور تم کو جم کر لا الہ الا اللہ کی تبلیغ کی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے لیکن جب وہ کوہ طور پر توریت شریف لینے چلے گئے تو تم لوگوں نے اُن کے بعد پھڑے کو معبود بنا لیا اور تمہارا یہ غیر اللہ کی پرستش کرنا سر اسر ظلم صریح تھا۔ راہ حق کے خلاف چلنا دلائل واضح اور آیات بینات سامنے ہوتے ہوئے منکر ہو جانا سر اسر ظلم ہے جو تمہاری پرانی عادت ہے تمہارے اسلاف کی حرکتیں تمہارے سامنے ہیں جن کا تم کو علم ہے لیکن ابھی تک اُن کو پیشوا بنائے ہوئے ہو اور انہیں کی راہ پر گامزن ہو۔ (من ابن کثیر)

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمِعُوا قُلُوبًا

اور جب ہم نے تم سے لیا پختہ عہد لیا اور بلند کر دیا تمہارے اوپر طور کوئے لے لو جو کچھ ہم نے تم کو دیا قوت کے ساتھ اور سن لو وہ کہنے لگے

وَلْتَجِدْهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعْطَرَ

اور یہ واقعی بات ہے کہ تم ان کو زندہ رہنے پر سب لوگوں سے زیادہ حریص پاؤ گے اور ان لوگوں سے بھی زیادہ جنہوں نے شرک کیا ان کا ایک ایک فرد یہ آرزو رکھتا ہے کہ اس کو

أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحٍ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعْطَرَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ

ہزار سال کی عمر دی جائے اور حال یہ ہے کہ اُسے یہ چیز عذاب سے بچانے والی نہیں ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہو جائے اور اللہ دیکھنے والا ہے اُن کاموں کو جن کو وہ کرتے ہیں

یہودیوں کو دعوت مباہلہ کہ موت کی تمنا کریں

تفسیر: یہودیوں کے دعویٰ اور آرزوؤں میں یہ بھی تھا کہ عالم آخرت کی خیر اور خوبی اور جنت کا داخلہ اور نعمتوں کا حصول یہ سب کچھ ہمارے لئے ہی خاص ہے۔ دوسرے کسی دین والے اور کسی بھی قوم اور نسل کے لوگ جنت میں نہ جائیں گے انکے اس خیالی جھوٹے دعوے اور جھوٹی آرزو کے پیش نظر انکو مباہلہ کی دعوت دی گئی کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو آ جاؤ ہم اور تم مل کر موت کی دعا کریں کہ دونوں فریق میں سے جو بھی جھوٹا ہو وہ ابھی فوراً مر جائے جب یہ بات سامنے آئی تو اس پر آمادہ نہ ہوئے اور راہ فرار اختیار کر لی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ وہ لوگ موت کی تمنا کرتے تو اُسی وقت مر جاتے۔ مفسر ابن جریر نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو اُسی وقت مر جاتے اور دوزخ میں اپنا اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتے اور مباہلہ کیلئے نکلتے تو واپس ہو کر نہ جاتے اور مال کچھ بھی نہ پاتے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ انہیں اپنا کفر اور بد اعمالیاں معلوم ہیں وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ سب مجرموں اور ظالموں کو جانتا ہی ہے۔ جو ہر ایک کو اس کا بدلہ دے دیگا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ کیا موت کی آرزو کر سکتے ہیں۔ یہ تو سب لوگوں سے زیادہ زندگی کی حرص رکھتے ہیں۔ جو لوگ مشرک ہیں اللہ کی کسی کتاب کو نہیں مانتے اُن سے بھی زیادہ دنیا میں رہنے اور جینے کے حریص ہیں۔ انکی خواہش ہے کہ کاش ہزار سال زندہ رہ جاتے اگر ہزار سال بھی زندہ رہ جائیں تو اسکی وجہ سے عذاب سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا بھی تو موت آ ہی جائے گی اور موت کے بعد وہی عذاب کا سامنا اور دوزخ کا داخلہ ہوگا۔ جو اہل کفر کے لئے طے شدہ ہے ابلیس کو ہزاروں سال کی زندگی دیدی گئی مگر انجام دوزخ ہی ہے۔ قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو تم ضرور اس سے ملاقات کرنا لے ہو پھر اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے جو غیب اور شہادۃ کو جانتا ہے پھر وہ تمہیں تمہارے کاموں کی خبر دے دے گا)

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اوپر جو آیت کی تفسیر بیان ہوئی کہ یہود کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی یہی تفسیر صحیح ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا نجران کے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی جو سورہ آل عمران میں مذکور ہے۔ (ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ) اس کے بعد ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے آیت کی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ دار آخرت تمہارے ہی لئے خاص ہے تو موت کی تمنا کرو تا کہ مرنے کے ساتھ ہی جنت میں چلے جاؤ اور دنیا کی تکلیفوں سے محفوظ و مامون ہو جاؤ۔ اس دوسری تفسیر میں مباہلہ کا ذکر نہیں بلکہ صرف آرزوئے موت کی دعوت

دی گئی۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیت کا یہ معنی لیکر اُن لوگوں پر حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اپنے دعویٰ میں سچا ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ موت کی تمنا بھی کرے کیونکہ وہ الٹ کر یہ کہہ سکتے تھے کہ اے مسلمانو! تم بھی تو اپنے بارے میں جنتی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہو تم بھی حالت صحت اور تندرستی میں موت کی تمنا نہیں کرتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ

سے پہلے ہے اور ہدایت ہے اور بشارت ہے ایمان والوں کے لئے۔ جو شخص دشمن ہو اللہ کا اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل کا

وَمِيكَائِيلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۝

اور میکائیل کا تو بے شک اللہ دشمن ہے کافروں کا

یہودیوں کا کفریہ قول کہ جبریل ہمارا دشمن ہے

تفسیر: یہودیوں کو جب معلوم ہوا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں تو کہنے لگے کہ جبریل تو ہمارا دشمن ہے کیونکہ وہ سخت احکام لاتا ہے۔ اور ہم اس کتاب کو نہیں مانتے جو جبریل کے ذریعہ نازل ہوئی ہے اور وہ عذاب بھی لاتا رہا ہے لہذا اگر میکائیل وحی لانیوالے ہوتے تو ہم محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کر لیتے کیونکہ وہ رحمت اور بارش لانیوالے ہیں۔ ایک مرتبہ یہودی حضور ﷺ سے باتیں پوچھ رہے تھے انہوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ آپ نے یہ باتیں بتادیں تو ہم آپ کا اتباع کر لیں گے جب آپ اُن کا جواب دیتے گئے تو انہوں نے بات نکالی کہ جبریل تو ہمارے دشمن ہیں اگر میکائیل آپ پر وحی لانیوالے ہوتے تو ہم مان لیتے (ابن کثیر ص ۱۲۰ ج ۱) اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو ہوا کرے (جبریل کا کوئی قصور نہیں وہ مامور من اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہی لیکر آتے ہیں) انہوں نے ہی آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے قرآن نازل کیا ہے اور یہ قرآن سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور اہل ایمان کو بشارت بھی دیتا ہے (جو شخص جبریل سے دشمنی کرتا ہے وہ حقیقۃً اللہ کا دشمن ہے کیونکہ جبریل کو اللہ تعالیٰ نے قاصد بنایا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعہ اپنے نبیوں پر بھیجا جبریل وہی لیکر آئے ان سے دشمنی کرنا اللہ سے دشمنی کرنا ہوا۔ جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو گا وہ کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے) یہودیوں کی یہ کیسے احمقانہ بات ہے کہ ہم اس کتاب کو نہیں مانتے جس کو جبریل لے کر آئے۔ اول تو وہ جو کچھ لیکر آئے اللہ کا کلام ہے سفیر اور قاصد کوئی بھی بھیجنے والے کو دیکھا جاتا ہے احکام بھیجنے والا اللہ جل شانہ ہے پھر اللہ کے احکام کو اس لئے نہ ماننا کہ جبریل لائے ہیں جب کہ وہ اللہ کے حکم سے لائے بہت بڑی حماقت اور شقاوت ہے۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ فرشتوں اور رسولوں کے عمومی ذکر کے بعد حضرت جبریل اور میکائیل کا جو خصوصی ذکر فرمایا اس سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ کے کسی رسول سے دشمنی رکھنا فرشتوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے یہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے

کہ جبریلؑ سے ہماری دشمنی ہے اور میکائیلؑ سے ہماری دشمنی نہیں ہے وہ غلط کہتا ہے۔ وہ درحقیقت میکائیل علیہ السلام کا بھی دشمن ہے کیونکہ ایک فرشتے سے دشمنی سب فرشتوں سے دشمنی کرنے کے درجہ میں ہے اور موجب کفر ہے۔ یہودیوں کا یہ کہنا کہ میکائیلؑ ہمارے دوست ہیں یہ غلط ہے جبریلؑ کا یا کسی بھی فرشتے کا دشمن ہونا سارے فرشتوں کا دشمن ہونا ہے اور اس میں اللہ کی دشمنی پوشیدہ ہے۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿۱۰﴾ وَأَكْلَمَا عَهْدًا وَعَهْدًا

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے آپ کی طرف واضح دلائل نازل کی ہیں۔ اور ان کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو حکم عدولی کرنے والے ہیں۔ کیا جب کبھی بھی انہوں نے کوئی عہد

بَيِّنَاتٍ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ بَلَّ أَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾

کیا اس عہد کو ان میں سے ایک جماعت نے بھیک دیا بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے

آیات بینات کا انکار فاسقوں ہی کا کام ہے

تفسیر: (تفسیر درمنثور میں ص ۹۳ ج ۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ابن صوری یا یہودی نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمدؐ کوئی ایسی چیز آپ نہیں لائے جسے ہم پہچانتے ہوں اور نہ آپ کے پاس ایسی کوئی کھلی ہوئی دلیل ہے جس کی وجہ سے ہم آپ کا اتباع کر لیں۔ اسکی تردید میں اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم نے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہاری طرف واضح آیات نازل فرمائی ہیں جو آیات بینات ہیں ان آیات میں یہودی کی پوشیدہ باتیں ان کے بھید اور راز بیان کرنا ان کے گزرے ہوئے اسلاف کے حالات بتانا اور انکی تحریفات کا پتہ دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر فرمایا اور اپنی کتاب میں نازل فرمایا۔ جو شخص انصاف پسند ہو حسد اور جلن کی وجہ سے اپنی جان کو ہلاک کرنے پر تزلزل نہ کیا ہو اس کے لئے یہ دلائل کافی اور روانی ہیں۔ لیکن اگر کسی کو حق اور حقیقت سے بغض اور عناد ہو اور حکم عدولی ہی جس کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہو اور فسق اسکی طبیعت میں رچ بس گیا ہو وہ وہی ان آیات بینات کا منکر ہو سکتا ہے۔

یہودیوں کی ایک جماعت ہر عہد کی خلاف ورزی کرتی رہی ہے

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت سرور عالم ﷺ نے یہودیوں کو تذکیر فرمائی اور جو ان سے بیٹھا اور قول و قرار لیا گیا تھا وہ ان کو یاد دلایا اور خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں جو ان سے عہد لیا گیا تھا اسکی یاد دہانی فرمائی تو وہ صاف منکر ہو گئے۔ ان میں ایک آدمی مالک بن سیف تھا اس نے کہا کہ اللہ کی قسم محمد ﷺ کے بارے میں ہم سے کوئی عہد نہیں لیا گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی أَوْ كَلَّمَا عَاهِدُوا عَهْدًا (الآیہ) یعنی یہ لوگ اس عہد سے منکر ہو رہے ہیں۔ اور حال ان کا یہ رہا ہے کہ جب کبھی بھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک جماعت نے اس کو بھیک دیا ان کا یہ مزاج ہے اور نقض عہد کی عادت ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ واؤ کے پہلے معطوف علیہ حذف ہے اور عبارت ہوں ہے۔ اکفروا بالآیت وکلموا عاہدوا وهو من عطف الفعل علی الفعل۔ روح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ انکی پرواہ نہ کریں۔ اور انکی مخالفت کو اپنے دل کا بوجھ نہ بنائیں ج ۱ ص ۳۳۵ آخر میں فرمایا بَلَّ أَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُونَ یعنی ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے بعض یہودی مسلمان ہو گئے تھے اس لئے یہ فرمایا کہ ان میں سے اکثر ایمان نہ لائیں گے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ

اور جب اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آیا جو تصدیق کرنے والا ہے اُس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے تو جن کو کتاب دی گئی تھی

أَوْتُوا الْكِتَابَ فَكُتِبَ اللَّهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَانَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اُن میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں ہیں

اہل کتاب نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہودیوں کی اس بات کا ذکر ہے کہ جب اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم المرتبہ رسول آیا یعنی حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ اور اس رسول نے اس کتاب کی تصدیق بھی کی جسے یہود مانتے تھے اور اُس کو اللہ کی کتاب جانتے تھے (یعنی توریت شریف) تو ان لوگوں نے دونوں کتابوں میں مطابقت ہوتے ہوئے اللہ کی کتاب توریت شریف کو پس پشت ڈال دیا۔ قرآن کو تو قبول کیا ہی نہیں اور توریت شریف کے بھی منحرف ہو گئے اور اس میں جو نبی اکرم ﷺ کی صفات بیان کی گئی تھیں۔ اُن کے اظہار کے بجائے اُن کو پوشیدہ کر لیا اور اس انداز سے منکر اور منحرف ہوئے کہ گویا وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ توریت اللہ کی کتاب ہے اور انہیں پتہ ہی نہیں ہے۔ کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل موجود ہیں (کذابی الروح ص ۳۳۶ ج ۱)

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكٍ سُلَيْمٍ ۖ وَمَا كَفَرُ سُلَيْمٍ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ

اور انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا جسے سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے تھے۔ اور نہیں کفر کیا سلیمان نے لیکن شیاطین نے

كَفَرُوا وَيَعْلَمُونَ النَّاسَ السَّحَرُ فَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ

کفر اختیار کیا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور انہوں نے اس کا بھی اتباع کیا جو نازل ہوا دو فرشتوں پر بابل میں۔ یہ دو فرشتے ہاروت

وَمَارُوتَ وَمَا يَعْلَمِينَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا مَحْنُ فِتْنَةٍ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ

اور ماروت تھے اور یہ دونوں نہیں سمجھتے تھے کسی کو جب تک یوں نہ کہہ دیتے کہ ہمارا وجود ایک فتنہ ہے لہذا تو کفر اختیار نہ کر پس یہ لوگ

مِنْهُمْ مَا يَفْتَرُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا يَذُنُّ

اُن سے وہ چیز سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کر دیتے تھے۔ اور وہ لوگ اس کے ذریعہ کسی کو کچھ بھی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر

اللَّهُ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۖ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ

اللہ کے حکم سے اور وہ لوگ وہ چیز سیکھتے ہیں جو اُن کو ضرر دینے والی ہے اور نفع دینے والی نہیں۔ اور البتہ تحقیق انہوں نے یہ بات جان لی کہ جس نے اس کو خریدا ہے اُس کے لئے آخرت میں

مِنْ خَلْقٍ وَلَيْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا

کوئی حصر نہیں۔ اور بے شک وہ بڑی چیز ہے جس کے ذریعہ انہوں نے اپنی جانوں کو بچ دیا۔ اگر وہ جانتے ہوتے اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے

لِكُتُوبَةٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّوْكَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکا ثواب بہتر تھا اگر وہ جانتے ہوتے۔

بابل میں جادو گروں کا زور اور یہود کا جادو کے پیچھے لگنا

جادوگری کا سلسلہ پرانا ہے۔ ہوتا تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ ہی سے ہے۔ اسباب جو بھی ہوں جادو بھی ایک سبب ہے جس سے احوال میں کچھ تغیر ہو جاتا ہے اور جس پر جادو کیا جائے اس کو تکلیف پہنچ جاتی ہے حضرت ہود علیہ السلام کو انکی امت کے لوگوں نے کہا: اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ (کہ تم تو انہیں لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہو) اور یہی بات حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ان کی امت کے افراد نے کہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادو گروں سے مقابلہ تو مشہور ہی ہے اور یہ جادوگری کا سلسلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ تک تھا اور اس کے بعد بھی رہا ایک یہودی نے حضرت سرور عالم ﷺ پر جادو کر دیا تھا جس کا ذکر بخاری شریف میں موجود ہے۔ (ص ۵۸۵ ج ۲) اور اب بھی جادو گرد دنیا میں موجود ہیں اور جادوگری دنیا میں رواج پائے ہوئے ہے۔ اول تو یہود کی شکایت فرمائی کہ اللہ کی کتاب انہوں نے پس پشت ڈال دی پھر فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے تھے یعنی جادو کرتے تھے اور اس میں مشغول رہتے تھے انہوں نے اس کا اتباع کیا۔ مفسرین نے اس طرح کے واقعات لکھے ہیں کہ عارضی طور پر چند دن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت جاتی رہی تھی اس زمانے میں شیاطین نے اُن کی کرسی کے نیچے جادو کی چیزیں دفن کر دی تھیں اور جب اُنکی وفات ہو گئی تو اُن کو کھود کر نکالا اور لوگوں میں مشہور کر دیا کہ سلیمان علیہ السلام نبی نہیں تھے بلکہ جادو کے زور پر حکومت چلاتے تھے علماء بنی اسرائیل نے تو اس بات کو نہیں مانا لیکن ان کے عوام نے اس بات کو مان لیا اور کہنے لگے کہ یہ جادو ہی سلیمان علیہ السلام کا علم ہے اور اس کے سیکھنے سکھانے میں لگ گئے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں کو چھوڑ بیٹھے جب حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ کے پیغمبروں میں سے تھے تو یہودیوں نے کہا کہ محمد ﷺ یہ کہتے ہیں کہ سلیمان ابن داؤد (علیہما السلام) نبی تھے حالانکہ وہ صرف ایک جادوگر تھے۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سحر سے برأت نازل فرمائی۔ اور صاف فرمایا: وَمَا كَفَرُوا سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا۔ (یعنی سلیمان نے کفر نہیں کیا لیکن شیاطین نے کفر اختیار کیا) شیاطین کا یہ مشغلہ تھا کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ (من القرطبی وابن کثیر)

ہاروت ماروت کے ذریعہ امتحان

ارشاد بانی ہے: وَمَا اَنْزَلْ عَلٰی الْمَلٰٓئِكِیْنَ بِبَابِلَ هٰزُوْتُ وَمَا زُوْتُ (یہود نے اس کا بھی اتباع کیا جو دونوں فرشتوں ہاروت و ماروت پر بابل شہر میں اتارا گیا)

کسی زمانہ میں جادو کا بہت چرچا تھا خاص کر شہر بابل میں جو عراق میں واقع ہے جادو کے اثرات کو دیکھ کر لوگ اس سے بہت متاثر ہوئے جادو گروں کو مقدس سمجھنے لگے۔ اللہ جل شانہ نے جادو کا ضرر اور اسکی مذمت ظاہر فرمانے کے لئے دو

فرشتوں کو بھیجا جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا تا کہ وہ سحر کی حقیقت واضح کریں اور معجزہ اور سحر میں فرق ظاہر ہو جائے اس میں لوگوں کا امتحان بھی مقصود تھا کہ دیکھا جائے کہ کون ایمان اور خیر کو اور کون کفر اور شر کو اختیار کرتا ہے۔ جب ان دونوں فرشتوں نے اپنا کام شروع کیا تو لوگ ان کے پاس آنے جانے لگے اور کہنے لگے کہ ہم کو بھی جادو کے اصول و فروع بتادیں۔ وہ دونوں فرشتے جب ان کو جادو کی کوئی چیز بتاتے تو پہلے یہ ظاہر کر دیتے تھے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے بندوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ ان چیزوں کو جان کر کون شخص اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے جو شر سے بچ جائے اور کون شخص اپنے دین کو برباد کرتا ہے اور اپنے لئے شر کو اختیار کرتا ہے۔ وہ فرشتے کہتے تھے کہ ہم تم کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر

۱۔ ومما يقضى منه العجب ما قلله الامام القرطبي ان هاروت و ماروت بدل من الشياطين على قراءة التشديد وما في (وما أنزل) نافية والمراد من الملكين جبرائيل و ميكائيل لأن اليهود زعموا أن الله تعالى أنزلهما بالسحر وفي الكلام تقديم و تاخير، والتقدير (وما كفر سليمان) (وما أنزل على الملكين) (ولكن الشياطين) (هاروت و ماروت) (كفرو ايعلمون الناس السحر) (ببابل) وعليه فالبدل إما بدل بعض من كل ونص عليهما بالذكر لتعريفهما، ولكونها رأسا في التعليم، أو بدل كل من كل إما بناء على أن الجمع يطلق على الاثنين أو على أنهما عبارتان عن قبيلتين من الشياطين لم يكن غيرهما بهذه الصفة، واعجب من قوله هذا قوله، وهذا أولى ما حملت عليه الآية من التاويل وأصح ما قيل فيها، ولا تلتفت إلى ما سواه، ولا يخفى لدى كل منصف أنه لا ينبغي لمؤمن حمل كلام الله تعالى. وهو في اعلى مراتب البلاغة والفصاحة على ما هو ادنى من ذلك، وما هو الامسح لكتاب الله تعالى عز شأنه وإبطاله عن شواهد (روح المعاني)

تم حاصل کرنا چاہتے ہو تو ابھی نیت سے حاصل کرو کہ شر سے محفوظ رہو گے، پھر اس نیت پر قائم رہنا، شر کے لئے معلوم نہ کرو اور اس کو شر میں استعمال نہ کرنا ورنہ اس میں لگ کر ایمان برباد کر لو گے جو شخص ان سے اس طرح کا عہد و پیمان کر لیتا تھا وہ اُسے جادو کے اصول و فروع بتا دیتے تھے اس کے بعد جو کوئی اپنے عہد پر قائم نہ رہتا اور اس جادو کو مخلوق کی ایذا رسانی کا ذریعہ بنالیتا تو وہ اس کا اپنا عمل تھا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

وهذا ان الملكان أنزل للتعليم (السحر) ابتلاء من الله تعالى للناس، فمن تعلم وعمل به كفر. ومن تعلم وتوقى عمله ثبت على الايمان، والله تعالى أن يمتحن عباده بما شاء كما امتحن قوم طالوت بالنهر و تميزا بينه وبين المعجزة حيث أنه كثر في ذلك الزمان، واطهر السحرة امورا غريبة وقع الشك بها في النبوة فبعث الله تعالى الملكين لتعليم أبواب السحر حتى يزيل الشبه ويميطا الأذى عن الطريق قيل كان ذلك في زمن أدریس عليه السلام (ومثله في تفسير ابن كثير)

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی عالم باعمل کے پاس جائے کہ مجھ کو فلسفہ قدیمہ یا جدیدہ پڑھا دیجئے تا کہ خود بھی شبہات سے محفوظ رہوں، اور مخالفین کو جواب دے سکوں اور اس عالم کو یہ احتمال ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو مثلاً دھوکہ دے کر پڑھ لے پھر خود بھی تقویت باطل میں اس کا استعمال کرنے لگے

اور اس احتمال کی وجہ سے اُسکو نصیحت کرے کہ ایسا مت کرنا اور وہ وعدہ کرے اور اس لئے اس کو پڑھا دیا جائے۔ لیکن پھر وہ شخص درحقیقت قصداً اُسی سوء استعمال محتمل میں مبتلا ہو جائے، سو ظاہر ہے کہ اس کے سوء استعمال سے اُس معلم پر کوئی ملامت یا قبح عائد نہیں ہو سکتا اسی طرح اس اطلاع سحر سے اُن فرشتوں پر کسی شبہہ و وسوسہ کی گنجائش نہیں۔ (بیان القرآن)

جادو کے بعض اثرات

پھر فرمایا: فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ۔ (یعنی وہ لوگ اُن دونوں فرشتوں سے وہ چیز سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ میاں بیوی میں جدائی کر دیتے تھے) اس سے معلوم ہوا کہ جادو کے اثر سے دو محبت والوں میں بغض پیدا ہو سکتا ہے اور میل محبت والوں میں جدائی ہو سکتی ہے۔ جادو کے ذریعہ اُس زمانہ کے لوگوں کیا کیا حرکتیں کرتے ہوں گے کیا کیا ایذائیں دیتے ہوں گے اُن میں سے صرف ایک ایسی چیز کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت ہی مغضوب اور شیطان کو بہت محبوب ہے اور وہ ہے میاں بیوی کے درمیان جدائی کر دینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر اپنی جماعتوں کو بھیجتا ہے اسکی جماعتوں کے افراد لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہیں ابلیس کا سب سے بڑا مقرب ان میں سے وہ ہوتا ہے جو فتنہ ڈالنے میں سب سے بڑا ہو (فتنوں میں مبتلا کر کے اس کے نمائندے اس کے پاس آتے رہتے ہیں اور اپنا اپنا کمال ظاہر کرتے ہیں) ان میں سے ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے ایسا ایسا کیا تو ابلیس کہتا ہے کہ تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر اُن میں سے ایک آتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کے پیچھے اتنا لگا کہ اس کے اور اُس کی بیوی کے درمیان میں نے جدائی کر دی اُس کی یہ بات سن کر ابلیس اُسے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں تو نے کام کیا ہے۔ حضرت اعمش (راوی حدیث) فرماتے ہیں کہ مجھے جہاں تک یاد ہے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ابلیس اس کو چٹا لیتا ہے جس نے میاں بیوی میں جدائی کرادی۔ (صحیح مسلم)

جادو کا اثر باذن اللہ ہوتا ہے

پھر فرمایا: وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (یہ لوگ جادو کے ذریعہ کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے) اس میں یہ بات واضح طور پر بتادی کہ جادو کے زور سے جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہی ہوتا ہے جو ظاہری اسباب لوگوں کے سامنے ہیں مثلاً آگ سے جل جانا اور چاقو چھری سے زخم ہو جانا اور بعض مشہور دواؤں کے کھانے سے اسہال ہو جانا اور روٹی سے پیٹ پھر جانا اور پانی سے سیراب ہو جانا اس طرح کی چیزیں چونکہ روزانہ مشاہدہ میں آتی ہیں اس لئے ان کو کچھ عجیب نہیں سمجھا جاتا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو آگ نہ جلانے (جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ سے کچھ اچھڑ نہیں کیا) اور اللہ تعالیٰ چاہے تو چھری سے کچھ بھی نہ کٹے (جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھری ذبح نہ کر سکی) اور اللہ تعالیٰ چاہے تو خوب زیادہ کھانے سے بھی پیٹ نہ بھرے (جیسا کہ جوع البقر کا مریض کھاتا ہی رہتا ہے اور اُس پر پیٹ نہیں بھرتا اور جیسا استقاء کا مریض پیتا ہی رہتا ہے مگر پیاس نہیں بجھتی) جادو کے ذریعہ جو کچھ ہوتا ہے اس لئے جادو کے اثر سے ظاہر ہوئی والی چیزوں کو لوگ تعجب سے دیکھتے ہیں اور کم علم اور کم فہم جادو گروں کے بہت زیادہ معتقد ہو جاتے ہیں اور بہت سے جاہل پیر تھوڑا بہت جادو یا مسمریزم کا کام سیکھ کر جاہلوں کو

معتقد بنانے کا کاروبار بھی کر لیتے ہیں جادو کا اثر بھی جیسی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو پھر جب اللہ چاہتا ہے تو جادو کٹ بھی جاتا ہے۔ جب جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے تو انہوں نے فرمایا۔ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَبَّطَلَهُ (تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو ہے بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو نیست و نابود کر دے گا) بڑے بڑے جادوگروں کا عمل سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کے ذریعہ ختم ہو جاتا ہے۔

جادو کے اسباب خفیہ

جادو کے پوشیدہ اسباب کئی طرح کے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ شیاطین سے مدد حاصل کرنے کے لئے انکو خوش کیا جاتا ہے اور اس کے لئے کبھی ایسے الفاظ کلمات پڑھے جاتے ہیں جو کفر و شرک کے کلمات ہوں اور جن میں شیاطین کی تعریف کی گئی ہو اور کبھی ستاروں کی عبادت کی جاتی ہے کبھی ایسے اعمال اختیار کئے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہیں مثلاً کسی کو ناحق قتل کر کے اُن کا خون استعمال کرنا یا جنابت کی حالت میں رہنا اور نجاست میں ملوث رہنا اسی لئے زیادہ کامیاب جادو اُن لوگوں کا ہوتا ہے جو گندے اور نجس رہتے ہیں۔ اور جو طہارت سے اور اللہ تعالیٰ کے نام سے دور بھاگتے ہیں اور ان کو خبیث کاموں کی عادت ہوتی ہے۔ جادوگر عورتیں حیض کے زمانہ میں جادو کرتی ہیں جو زیادہ مؤثر ہوتا ہے عموماً خبیث شیاطین جادوگروں کی مدد طلب کرنے سے کام کر دیتے ہیں دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ جادوگر کسی کی کرتب سے ایسا ہو گیا۔ جس طرح فرشتے ان حضرات کی مدد کرتے ہیں جو متقی ہوں اور طہارت اور پاکیزگی کو اختیار کرتے ہوں اور بدبو اور نجاست سے دور رہتے ہوں اللہ کے ذکر اور اعمال خیر میں لگے رہتے ہوں اسی طرح شیاطین ان لوگوں کے مددگار ہوتے ہیں جو قول اور فعل اور اعتقاد کے اعتبار سے خباثت اور نجاست میں شیاطین کی طرح ہوں۔ کیونکہ تعاون کے لئے تناسب ضروری ہے۔ (عن روح المعانی)

سحرہ فرعون کا عمل

مفسران کثیر نے ابو عبد اللہ رازی سے سحر کی آٹھ قسمیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے قوت خیالیہ کا اثر اور نظر بندی اور شعبہ اور دواؤں کا استعمال کرنا بھی ذکر کیا گیا ہے ان میں جو شعبہ اور ہاتھ کی صفائی یا قوت خیالیہ یا دواؤں کا استعمال ہے اس کو مجازاً جادو کہہ دیا گیا ہے نظر بندی کو بطور مثال ایسا سمجھ لیا جائے جیسے ریل میں بیٹھے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ زمین بھی ساتھ ساتھ جا رہی ہے جیسے پلیٹ فارم پر وہ گاڑی چل رہی ہو جس میں ہم بیٹھے ہیں تو نظر کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ برابر کی گاڑی چل رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جو جادوگر آئے تھے اُن کے بارے میں ارشاد ہے۔ يُخَيِّلُ آلِيهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهُمْ تَسْعٰی (کہ اُن کے جادو کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں یوں معلوم ہو رہا تھا کہ یہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں) یہ سورہ طہ میں ہے۔ اور سورہ اعراف میں ارشاد ہے۔ فَلَمَّا اَلْقَوْا سَحَرُوْا اَغْنَيْنَ النَّاسِ وَاسْتَزِفُّوْهُمُ اَھُمْ وَجَآءُ وَاَسْحَرُ عَظِيْمٌ۔ (کہ جب انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور اُن پر بہت غالب کر دی اور بڑا جادو لے کر آئے) اس سے صاف ظاہر ہے کہ جادوگروں نے اپنے جادو سے لوگوں کی نظر بندی کر دی تھی جس کے اثر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اُن لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ سمجھنے لگے۔ اور اُن کے دل میں تھوڑا سا خوف بھی آ گیا۔ سورہ طہ میں ہے کہ فَلَا وَجْهَ لِنَفْسِیْ خِیْفَۃٌ مُّوْسٰی

(موسیٰ نے اپنے جی میں خوف محسوس کیا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ۔ لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ وَآلَقَىٰ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدٌ سَاجِدٌ وَلَا يَفْلَحُ السَّاجِدُ حَيْثُ أَتَىٰ. (کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے یہ جو تمہارے ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دو انہوں نے جو کچھ کرتے ہیں اس کو تمہاری لاشی نگل جائے گی۔ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ صرف جادو کا کمر ہے۔ اور جادوگر جہاں بھی ہو کامیاب نہیں ہوتا)

معجزہ اور سحر میں فرق

جیسا کہ پہلے ہم نے عرض کیا کہ سحر کا اثر بھی اسباب کے تحت ہوتا ہے وہ اسباب عام لوگوں کے سامنے نہیں ہوتے۔ اور جادو گروں کو ان پوشیدہ اسباب کا پتہ ہوتا ہے۔ اب رہا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا معجزہ تو اس میں کوئی سبب ظاہر یا پوشیدہ نہیں ہوتا اس میں بلا واسطہ اللہ تعالیٰ شانہ کا فضل حقیقہ مؤثر ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کا ٹھنڈا ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کے لاشی مارنے سے سمندر کا پھٹ جانا اور پتھر سے چشموں کا بہہ جانا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مٹھی خاک پھینک دینے سے کافروں کی آنکھوں میں پہنچ جانا مبارک انگلیوں سے پانی کا جاری ہو جانا۔ اور تھوڑی چیز کا زیادہ ہو جانا۔ تھوڑے سے آٹے کی روٹیاں کئی سو آدمیوں کے لئے کافی ہو جانا وغیرہ وغیرہ یہ سب کسی سبب کے تحت نہیں تھا۔ ختم نبوت کے بعد ایک مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا کہ اب کوئی نبی نہیں آ سکتا ہر مدعی نبوت ساحر کے کرتبوں کی عقیدت سے اُسے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اور اُوپر جو معجزہ اور سحر کافرق ظاہر ہو گیا اس کے علاوہ دونوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ سحر گندے اور ناپاک لوگوں سے ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے نبی طاہرین اور صالحین بندے تھے۔ اس لئے بھی دونوں میں اشتباہ نہیں ہو سکتا۔ اور صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی جادوگر کو یہ طاقت نہیں دی کہ دریا کو پھاڑ دے یا مردوں کو زندہ کر دے یا جمادات سے بات کر دے۔ اور ان کے علاوہ بھی اُن میں سے کسی کو ایسی چیز پر قدرت نہیں دی جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات تھے۔ نیز صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض محققین نے سحر اور معجزہ کے درمیان یوں فرق بتایا ہے کہ معجزہ توحیدی کے ساتھ ہوتا تھا یعنی صاحب نبوت کے ہاتھ پر جو کوئی معجزہ ظاہر ہوا اسکی طرف سے نبوت کا دعویٰ ہوتا تھا اور جو معجزہ اس سے ظاہر ہوتا تھا وہ اس کے مقابلہ میں اس طرح کی چیز پیش کرنے کا چیلنج بھی کرتا تھا اور یہ صورت کسی جادوگر اور جھوٹے مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ یوں ہی رہی ہے (ص ۳۳۹ ج ۱)

اور اب تو محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ہی ختم ہے۔ بہتیرے جھوٹے مدعی نبوت پیدا ہوئے اگر کسی نے کوئی کرتب دکھایا بھی تو شعبہ تھا اور سب جھوٹے اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ جادوگر توحیدی یعنی چیلنج نہیں کر سکتے وہ تو مقابلہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور ایک جادوگر دوسرے جادوگر کا کاٹ کر دیتا ہے اور تمنا شاد کھانے والے جادوگروں کو دیکھا ہے کہ بائسری بجتے بجتے اسکی آواز ختم ہو جاتی ہے اور مجمع میں کھڑا ہوا دوسرا جادوگر اسکی آواز بند کر دیتا ہے۔ کسی نبی کے کسی معجزہ کے موافق کوئی کر کے نہیں دکھاسکا اور نہ اسکی کاٹ کر سکا۔ تاریخ اسکی شاہد ہے۔

کرامت اور سحر میں فرق

بہت سے اولیاء اللہ سے کرامت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ حسب تحقیق صوفیاء کرام اس کرامت سے تقرب الی اللہ میں اور رفیع درجات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اور بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ صاحب کرامت کو اپنی کرامت کا پتہ بھی نہیں

چلتا اس لئے محقق صوفیہ کے نزدیک کرامت کی کوئی اہمیت نہیں۔ شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ معجزہ اور سحر میں تو فرق ظاہر ہو گیا اب نبوت باقی بھی نہیں رہی تا کہ کسی کو دھوکہ ہو سکے لیکن اولیاء اللہ تو ہوتے ہیں اور ان سے کرامت کا صدور ہونا ممکن ہے۔ پھر کرامت اور جادو میں فرق ظاہر کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ سمجھ لینا چاہئے کہ کرامت اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں سے ظاہر ہوتی ہے جو عبادت میں اور ذکر اللہ میں اور اطاعت اور فرمانبرداری میں مشغول رہتے ہیں۔ پاک صاف ہوتے ہیں نجاست سے بچتے ہیں۔ جنابت ہو جانے پر جلدی غسل کر لیتے ہیں اور جادو ان لوگوں کا کام ہے جو گندے اور ناپاک ہوتے ہیں جنہیں اللہ کے نام سے پیر ہوتا ہے اور جو اللہ کی عبادت سے دور بھاگتے ہیں۔ نجاست اور خباثت اور جنابت میں متلوٹ اور متلبس رہنا ان کا مزاج بن چکا ہوتا ہے جو شخص یہ کہے کہ میں ولی صاحب کرامت ہوں اور ان کا حال وہ ہو جو شیاطین اور اس کے دوستوں کا ہوتا ہے یعنی طاعت و عبادت اور ذکر اللہ سے دور اور نجاست و جنابت اور خباثت سے بھرپور اس کے ولی ہونے کا خیال کسی مسلمان کو نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کے کرب کو کرامت کہا جاسکتا ہے۔

سحر فسق بھی ہے اور کفر بھی

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ سحر کے فسق یا کفر وغیرہ ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کے کلمات کفریہ ہوں مثل استعانت بہ شیاطین یا کو اکب وغیرہ تب تو کفر ہے خواہ اس سے کسی کو ضرر پہنچایا جائے یا نفع پہنچایا جائے۔ اور اگر کلمات مباحہ ہوں تو اگر کسی کو خلاف اذن شرعی کسی قسم کا ضرر پہنچایا جائے نہ اور کسی غرض ناجائز میں استعمال کیا جائے۔ تو اس کو عرف میں سحر نہیں کہتے بلکہ عمل یا عزمیت یا تعویذ گندہ کہتے ہیں۔ اور مباح ہے۔ البتہ نعت میں لفظ سحر اُسکو بھی شامل ہے کہ ہر تصرف عجیب کو کہا جاتا ہے۔ اور اگر کلمات مفہوم نہ ہوں تو وہ بوجہ احتمال کفر ہونے کے واجب الاحتراز ہے۔ اور یہی تفصیل ہے تمام تعویذ گندوں اور نقش وغیرہ میں کہ غیر مفہوم نہ ہوں اور غیر مشروع نہ ہوں اور غرض ناجائز میں استعمال نہ ہوں اتنی شرطوں سے جائز ہیں ورنہ ناجائز اور کفر عملی کا اطلاق ہر ناجائز پر صحیح ہے۔

پھر فرمایا: وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ (کہ وہ لوگ ایسی چیز سیکھتے تھے جو ان کو ضرر دینے والی تھی نفع دینے والی نہ تھی) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں جادو کی وجہ سے نقصان پہنچے گا۔ اگرچہ دنیا میں ذرا بہت نفع کمالیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ دنیا میں بھی ان کے لئے ضرر ہے کیونکہ جادو کا ضرر جادوگر کو پہنچ جاتا ہے۔ حکومت اسلام اس کو مزادے گی۔ اور جادوگری کی بدبختی اس کو لاحق ہوگی۔ اھ

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ماقبل پر معطوف ہے اور اس میں یہ بتایا ہے کہ جادو خالص شر ہے اور ضرر محض ہے ایسا نہیں کہ جیسی بعض ضرر والی چیزیں نفع بھی دے جاتی ہیں۔ (جیسے زہر کا کشتہ اور وہ دوا میں مفید ہو جاتا ہے) اس لئے کہ جادوگر جادو سیکھ کر جادوگری کی باتوں سے محفوظ رہنے کا ارادہ نہیں کرتا تا کہ فی الجملہ کوئی نفع محصور ہو سکے۔ اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ سیاق آیت سے یہ ظاہر ہے کہ وہ دونوں جہان میں غیر نافع ہے کیونکہ اس کا تعلق نہ امورِ معاش سے اور نہ معاد سے اور آیت میں جادو سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اھ

اگر کوئی شخص کبھی کوئی نفع جادو کے ذریعہ کسی مسلمان کو اس طرح کا پہنچا دے کہ مسلمانوں سے دفع ضرر کر دے تو گویا ایک

نفع ہے لیکن چونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے اور عام طور جادو گر بے دین ہوتے ہیں اس لئے عمومی طور پر جادو مطلقاً ضرر دینے والی چیز ہوئی۔ کوئی بھی جادو گر ایسا نہیں دیکھا گیا جس نے جادو کے زور پر دنیا جمع کر لی ہو جائیداد حاصل کر لی ہو یا حکومت پر قابض ہو گیا ہو۔ ان لوگوں کو ہمیشہ بد حالی میں دیکھا جاتا ہے دین اور اعمال دین سے اور طہارت اور ذکر و عبادت سے تو دور ہوتے ہیں ہیں دنیاوی اعتبار سے بھی میلے کچیلے اور پھٹے پرانے کپڑوں میں رہتے ہیں۔ تماشے دکھا کر یا لوگوں کے کہنے سے دوسروں پر جادو کر کے تھوڑے بہت پیسے وصول کرنے سے زندگی گزارتے ہیں اور چند پیسوں کے لئے دوسروں پر جادو کر دیتے ہیں انکی دنیا و آخرت کی تباہی نظروں کے سامنے ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرُوا مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (یعنی کتاب اللہ کو چھوڑ کر جو یہودی) جادو کے پیچھے لگے انہیں معلوم ہے کہ جس نے جادو حاصل کیا اور کتاب اللہ کو چھوڑا ان کا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ یہ سب جاننے کے باوجود انہوں نے جادو اختیار کر کے کفر قبول لیا) پھر فرمایا: وَلَيْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ کہ انہوں نے اپنی جانوں کو جو بیچ دیا یعنی جانوں کے بدلہ جادو اور کفر خرید لیا اور اپنی جانوں کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے محروم کر کے مبتلائے عذاب کر دیا۔ یہ بہت بُرا سودا کیا۔ اگر وہ اس کو جانتے تو ایسا نہ کرتے فی روح المعانی لو كانوا يعلمون ای مظلومیۃ الشراء المذكور لا متعوا عنه . وفي معالم التنزیل باعوا به أنفسهم (ای) حظ انفسهم حيث اختاروا السحر والكفر على الدين والحق۔

مفسرین نے اشکال کیا ہے کہ پہلے تو وَلَقَدْ عَلِمُوا فرمایا پھر لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ فرمایا اس میں بظاہر تعارض ہے۔ پھر اس کے دو تین جواب دیئے جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ اُن کا جاننا نہ جاننے کے درجہ میں ہے۔ جب ضرر جانتے ہوئے کسی چیز کو اختیار کیا اور ایمان سے منہ موڑا گویا کہ وہ جاننے کے باوجود نہیں جانتے۔ روح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے عتاب اور عذاب کو تو جانا لیکن اسکی حقیقت اور شدت کو نہ جانا گویا لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ کا مفعول محذوف ہے۔ پھر فرمایا: لَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَآتَقَوْا (الآیۃ) یعنی یہ لوگ اگر اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لاتے (جس میں خاتم النبیین محمد ﷺ پر ایمان لانا بھی شامل ہے) اور کفر و معاصی سے بچتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اسکی جزا دی جاتی۔ جو اس سے بہتر ہے جس کے بدلہ انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچا۔ اگر وہ جانتے ہوتے تو آخرت کے ثواب کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور خیر کی طرف بڑھتے۔ آخرت کا تھوڑا سا ثواب بھی فانی دنیا کے بہت بڑے نفع سے بھی بہت ہے۔ باقی اور فانی کا فرق خود سمجھ لینا چاہئے۔

جادو گر کی کیا سزا ہے اس کے بارے میں تفصیل ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول و مشہور ہے کہ جادو گر علی الاطلاق قتل کیا جائے۔ جب یہ معلوم ہو کہ جادو گر ہے اس کا یہ کہنا کہ میں اب سے جادو نہ کرونگا تو یہ کرتا ہوں قبول نہیں کیا جائے گا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حکملہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ جو سحر کفر ہے اس کا اختیار کرنے والا مرد مرتد ہو جانے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور جادو گر عورت قتل نہیں کی جائے گی اس لئے کہ مرتد کو قتل نہیں کیا جاتا (وہ ہمیشہ قید میں رہے گی الا ان تتوب) اور جو سحر فسق کے درجے میں ہو اس میں سحر کی وجہ سے قتل نہ ہوگا لیکن اگر کوئی ایسا کام ہو جس سے کسی انسان کی ہلاکت ہو گئی یا مریض ہو گیا یا میاں بیوی میں جدائی کرادی ہو تو زمین میں فساد کرنے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ اور اس صورت میں ساحر اور ساحرہ دونوں قتل کئے جائیں گے کیونکہ اسکی علت ارتداد نہیں بلکہ فساد فی الارض ہے اھ حضرت

جندب بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی کھیل کر رہا ہے اس نے ایک شخص کو ذبح کر دیا اور اُس کا سر جدا کر دیا پھر اُس کا سر واپس جوڑ دیا۔ لوگوں نے دیکھا تو چیخ اٹھے اور کہنے لگے کہ سبحان اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے حضرت جندب نے تلوار نکالی اور اس جادوگر کی گردن مار دی اور فرمایا اگر یہ سچا ہے تو اپنے نفس کو زندہ کرے۔ حضرت جندب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: یضرب ضربۃً فیکون امةً واحدةً کہ یہ ایک ایسی تلوار مارے گا جس کی وجہ سے یہ تہا ایک اُمت کے برابر درجہ پالے گا۔ (الاصابة فی تہذیب الصحابة ص ۲۵۰ ج ۱)

چونکہ اس جادوگر کے عمل سے لوگ متاثر ہو کر یوں سمجھ رہے تھے کہ یہ شخص مردوں کو زندہ کرتا ہے اس لئے رفع فساد کی وجہ سے اُس کا قتل ضروری ہوا۔

تفسیر قرطبی میں اس قصے کو اس طرح لکھا ہے کہ ولید بن عقبہ (امیر عراق) کے پاس ایک شخص رسی پر چل رہا تھا اور گدھے کے پیچھے سے اس کی دم میں داخل ہوتا تھا اور اس کے منہ سے نکل جاتا تھا۔ حضرت جندب نے اس کو قتل کر دیا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری اُمت میں وہ شخص ہوگا جس کو جندب کہا جائے گا وہ ایک مرتبہ ایسی تلوار مارے گا جس سے حق اور باطل کے درمیان تفریق کر دیگا۔ (ص ۲۷۲ ج ۲)

مسئلہ: اگر قرآن و حدیث کے کلمات ہی سے عمل کیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لئے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں۔ مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لئے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے۔ اگرچہ وظیفہ اسماء الہیہ یا آیات قرآنیہ کا ہودہ بھی حرام ہے۔ (معارف القرآن)

مسئلہ: تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر جنات و شیاطین سے استمداد ہو تو بجکم سحر ہیں اور حرام ہیں اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں معنی معلوم نہ ہوں اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

فائدہ: عام طور پر عوام میں ایک قصہ مشہور ہے جو ہاروت ماروت اور زہرہ کے بارے میں ہے کہ ان دونوں فرشتوں کو قوت شہوانیہ دے دی گئی تھی اور زمین میں اُتار دیئے گئے تھے اور وہ زمین میں آئے تو زہرہ سے شہوت والی مطلب براری کا ارادہ کیا اور اس کو آمادہ کرنے کی کوشش کی اس پر اس نے ان سے اسم اعظم پوچھ لیا جس کے ذریعہ وہ آسمان پر چلی گئی اور وہاں ستارہ بن گئی۔ ان دونوں فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا کا عذاب چاہتے ہو یا آخرت کا۔ تو انہوں نے دنیا کے عذاب کو آخرت کے عذاب پر ترجیح دی اور وہ بائبل کے کنوئیں میں اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں اور قیامت تک عذاب ہوگا۔ اس قصہ کو علامہ ابن جوزی نے دو طریق سے نقل کیا ہے۔ علامہ قرطبی اور صاحب روح المعانی نے بھی اس قصہ کی تردید کی ہے۔

قال القرطبی انه قول تدفعه الأصول فی الملائكة هم ائمة الله علی وحیہ وسفراته الی رسلہ لا یفعلون الله ما امرهم ویفعلون ما یؤمرون بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وهم بامرہ یعملون. یسبحون اللیل والنہار لا یفترون ہ وأما العقل فلا ینکر وقوع المعصیة من الملائكة وان یوجد منهم خلاف ما کلفوه ویخلق فیہم الشهوات اذ فی قدرة الله تعالیٰ کل موہوم ومن هذا خوف الانبیاء والاولیاء الفضلاء العلماء لکن وقوع هذا الجائر لا یدرک الا بالسمع ولم یصح. (ص ۵۲ ج ۲)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

قد انکرہ جماعة منهم القاضی عیاض، وذكر ان ما ذکرہ اهل الاخبار ونقلہ المفسرون فی قصة

ہاروت وماروت لم یردمنہ شیء لا سقیم ولا صحیح۔ عن رسول اللہ ﷺ، ولس هو شیء یوخذ بالقیاس، وذكر فی البحر أن جمیع ذلك لا یصح منه شیء، ولم یصح أن رسول اللہ ﷺ کان یلعن الزهرة۔ ولا ابن عمر رضی اللہ عنہما خلافا لمن رواہ وقال الامام الرازی بعد أن ذکر الروایة فی ذلك ان هذه الروایة فاسدة مردودة غیر مقبولة ونص الشهاب العراقي۔ علی أن من اعتقد فی ہاروت وماروت أنهما ملکین یعدبان علی خطیئتهما مع الزهرة فهو کافر باللہ تعالیٰ العظیم فان الملائکة معصومون (لَا یَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُونَ مَا یُؤْمَرُونَ۔ لَا یَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا یَسْتَحْسِرُونَ یَسْبَحُونَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُونَ) والزهرة کانت یوم خلق اللہ تعالیٰ السموات والارض والقول بأنها تمثلت لها فکان ما کان وردت إلی مکانها غیر معقول ولا مقبول۔ واعترض الامام السیوطی علی من أنکر القصة بأن الامام احمد و ابن حبان والبیہقی وغیرہم رووها مرفوعة وموقوفة علی علی و ابن عباس و ابن عمر و ابن مسعود رضی اللہ عنہم باسانید عديدة صحیحة یکادوالواقف علیها بصحتها لکثرتها وقوة مخرجیها وذهب بعض المحققین ان ماروی مروی حکایة لما قاله اليهود وهو باطل فی نفسه وبطلانه فی نفسه لا ینا فی صحة الروایة ولا یرد ما قاله الامام السیوطی علیہ انما یرد علی المنکرین بالکلیة۔ (ص ۳۴۱ ج ۱) اقوال صحة النذ لا تستلزم صحة الروایة فان من لوازم الصحة اشیاء أخر غیر صحة النذ ذکرها العلماء فی کتب الاصول، فلو صح بعض الاسانید علی راء الامام السیوطی لا يستلزم منه قبول الروایة۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۳۵﴾

اے ایمان والو! تم لفظ رَاعِنَا نہ کہو اور لفظ انظُرْنَا کہو اور سُوا اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے

رَاعِنَا کہنے کی ممانعت اور یہودی شرارت

تفسیر: یہودیوں کی بہت سی شرارتوں میں سے ایک یہ بات تھی کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو لفظ رَاعِنَا کہتے تھے۔ یہ عربی زبان کا لفظ بھی ہے اور عبرانی زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری رعایت کیجئے۔ اور عبرانی زبان میں یہ لفظ بددعا کے معنی میں ہے۔ یہ لوگ شرارت اور بددعا دینے کی نیت سے اس لفظ کو استعمال کرتے تھے تاکہ حضور اقدس ﷺ اور دوسرے سننے والے یہ سمجھیں کہ یہ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری رعایت فرمائیے اور ہماری طرف توجہ فرمائیے۔ اور اندر سے دل میں بُرے معنی کی نیت کرتے تھے۔ سورہ نساء میں فرمایا: وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِالسِّنِّهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ۔ مسلمان عربی زبان کے اعتبار سے رَاعِنَا یا مُحَمَّدٌ کہتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہودیوں کی زبان جانتے تھے انہوں نے محسوس کر لیا کہ یہودی رَاعِنَا یا مُحَمَّدٌ کہتے ہیں اور آپس میں ہتے ہیں۔ لہذا انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ آئندہ تم میں سے کسی نے یہ لفظ بولا تو گردن مار دوں گا۔ وہ کہنے لگے کہ تم لوگ بھی تو کہتے ہو اس پر یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی کہ اے مسلمانو! تم رَاعِنَا نہ کہو اس کی بجائے لفظ انظُرْنَا کہو اس کا معنی بھی وہی ہے کہ ہماری طرف دیکھئے اور

توجہ فرمائیے۔ لہذا وہ لفظ بولا جانے جس کے معنی میں دوسرے معنی کا اشتباہ نہ ہو سکے اور یہودی یہ نہ کہہ سکیں تم بھی لفظ رَاعِنًا بولتے ہو تو ہم نے بھی بول دیا۔ نیز مسلمانوں سے خطاب ہوا کہ تم بات کو سنو اور اشاعت کرو اور یہ بھی فرمایا کہ کافروں کے لئے عذاب الیم ہے وہ آخرت میں اپنی حرکتوں کی دردناک سزا پالیں گے۔ (عن معالم التریل ص ۱۰۲ ج ۱)

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اس حکم سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر اپنے کسی فعل مباح سے کسی کو گنجائش گناہ کرنے کی ملے تو وہ فعل خود اس کے حق میں مباح نہیں رہتا جیسے مثلاً عالم کے کسی فعل سے کوئی جاہل سند لے کر خلاف شرع کام کرنے لگے تو اگر وہ فعل ضروری نہ ہوگا تو خود اس عالم کے لئے بھی منع ہو جائے گا۔

لَا تَقُولُوا رَاعِنًا سَے استنباط احکام

اور ابوبکر جصاص احکام القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ جس لفظ میں احتمال خیر و شر دونوں کا ہو اس کا بولنا جائز نہیں جب تک کوئی ایسی چیز اس کے ساتھ نہ ملائی جائے جس سے وہ خیر ہی کے لئے متعین ہو جائے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کی ہنسی کرنا مذاق اڑانا ممنوع ہے۔ اور ہر وہ لفظ ممنوع ہے جس میں احتمال مذاق اڑانے کا ہو (چونکہ یہودی لفظ راعنا کہہ کر ہنستے تھے اور مذاق بناتے تھے اس لئے جصاص نے اس آیت کے ذیل میں یہ بات لکھی ہے)۔

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو کافروں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا قول میں بھی اور فعل میں بھی۔ اس کے بعد مسند احمد اور سنن ابی داؤد سے حدیث نقل کی ہے۔ من تشبه بقوم فهو منهم (کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہے) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ کافروں کے ساتھ ان کے اقوال اور افعال اور لباس اور تہوار اور عبادات وغیرہ میں مشابہت اختیار کرنا سخت ممنوع ہے۔ اور مشابہت کرنے والوں کے لئے تہدید اور وعید ہے۔

متعدد احادیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے کہ خطاب اور گفتگو میں اچھے الفاظ استعمال کئے جائیں اور ان الفاظ سے بچیں جو بُرے اور نامناسب معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی لئے کسی کو مالک الاطلاق یعنی شہنشاہ کہنے سے منع فرمایا (کیونکہ سب بادشاہوں کا بادشاہ اللہ تعالیٰ ہی ہے) ایک لڑکی کا نام عاصیہ (گنہگار) تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا نام جمیلہ رکھ دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام اور باندی کو عبیدنی اور امّتی نہ کہے۔ تم سب اللہ کے بندے اور تمہاری سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔ عبیدنی اور امّتی کی بجائے غلامی اور بخاریتی کہا جائے۔ (یہ سب احادیث مشکوٰۃ المصابیح باب الاسامی میں مذکور ہیں)

مَا يُؤْذِي الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے کہ نازل کی جائے تمہارے اوپر

خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر۔ اور اللہ تعالیٰ مخصوص فرمائے اپنی رحمت سے جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یہودیوں اور مشرکوں کو یہ گوارا نہیں کہ مسلمانوں پر کوئی خیر نازل ہو

تفسیر: جب مسلمان یہودیوں سے کہتے تھے کہ تم اسلام قبول کرو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے تھے کہ تم جس دین کی طرف نکلتے ہو ہمارے دین سے بہتر نہیں ہے اور ہماری خواہش ہے کہ تمہارا دین بہتر ہوتا تو ہم اس کا اتباع کر لیتے اگلی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتایا کہ اے مسلمانو! ان کو یہ پسند نہیں ہے تم کو کسی طرح کی خیر نصیب ہو یہودی تو اس حد میں مرے جا رہے ہیں کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے کیوں آیا اور حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں کیوں نہ ہوا اور مشرکین اس لئے ناراض ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین پیش فرمایا وہ ان کی خواہشوں کے خلاف ہے ان کو تحید پسند نہیں۔ اپنے بنائے ہوئے معبودوں سے محبت ہے۔ جب ان کی تردید کی جاتی ہے تو انہیں برا معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے یہود اور مشرکین کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تمہارے خیالات کا پابند نہیں وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دے وہ جسے چاہے نبوت سے سرفراز فرمائے اور جسے چاہے ہدایت دے۔ اس میں کسی کو اعتراض کرنے اور حسد کرنے کا کوئی حق نہیں۔ (من معالم العقول ص ۱۰۳ ج ۱ روح المعانی ص ۳۵۰ ج ۱)

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں اہل کتاب اور مشرکین کی سخت دشمنی کا ذکر فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان اور اہل کفر کے درمیان موڈت اور محبت بالکل منقطع ہو جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اس انعام کو بیان فرمایا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مومنین کو عطا فرمایا یعنی شریعت کاملہ عطا فرمائی مَنْ يَشَاءُ كَاعْمُوهُمُ خود آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قابعین سب کو شامل ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ ہر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ

چیز پر قادر ہے۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ کے لئے آسمان اور زمین کا ملک ہے اور تمہارے لئے

مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

اللہ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں

نسخ آیات کی حکمت

تفسیر: قرآن مجید کے بعض احکام اللہ تعالیٰ منسوخ فرمادیتے تھے کبھی ایک حکم دیا پھر اس سے منع فرمادیا اور اسکے خلاف حکم دیدیا۔ کبھی ایک حکم کے بجائے دوسرا حکم نازل فرمادیا اس کو دیکھ کر مشرکین نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج ایک بات کہتے ہیں اور کل کو اس سے رجوع کر لیتے ہیں اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہوتا تو اس میں منسوخیت والی بات کیوں ہوتی معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ محمد (ﷺ) اپنے بیان سے کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ سورہ نحل میں ان دشمنوں کی بات کی

اس طرح بیان فرمایا: وَإِذَا بَلَغْنَا آيَةَ مَكَانٍ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنْزِلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ (اور جب ہم کسی آیت کو ایک آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ نازل فرماتا ہے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ بس تو افتراء ہی کرنے والا ہے) اللہ جل شانہ نے اس آیت شریفہ میں ان کی جہالت والی بات کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔ منسوخ کرنے میں حکمت ہوتی ہے اور بندوں کا اس میں فائدہ ہوتا ہے۔ یا تو ان کے لئے دوسرا حکم انفع اور اسہل ہوتا ہے یا اس میں منفعت اور ثواب پہلی جیسی آیت کی طرح ہوتا ہے۔ سخت حکم کو آسان کر دیا گیا تو بندوں کے لئے یہ بھی بہتر ہے کہ اس میں عمل کے لئے آسانی ہوگئی اور اگر آسانی کی بجائے کوئی سخت حکم آ گیا تو یہ بھی بہتر ہے کیونکہ عمل جس قدر مشکل ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا۔

منسوخ ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ عبارت قرآنیہ باقی رہے اور اس کا حکم منسوخ ہو جائے اس کو منسوخ الحکم کہتے ہیں۔ جیسے عورت کے لئے شوہر کی وفات پر عدت ایک سال تک رکھی گئی تھی بعد میں چار مہینے دس دن کر دی گئی۔ اور جس آیت میں ایک سال کا ذکر ہے وہ بھی مصحف میں باقی ہے۔ (مَتَاعًا إِلَى الْخَوَلِ غَيْرِ اخْرَاج) اور نسخ کی ایک صورت یہ ہے کہ اسکی تلاوت منسوخ ہو جائے اور حکم باقی رہے۔ اس کو منسوخ التلاوہ کہتے ہیں۔ اسکی مثال میں آیت رجم کو پیش کیا جاتا ہے اور منسوخ کی ایک صورت یہ ہے کہ پہلا حکم منسوخ ہو جائے اور اسکی جگہ دوسرا حکم آ جائے جیسے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا منسوخ کیا گیا اور اس کی بجائے نماز میں استقبال کعبہ کا حکم ہوا اور جیسے پہلے اقارب کے لئے وصیت کرنا واجب تھا پھر وہ آیت میراث سے منسوخ ہوگئی۔ اور بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں امر اول منسوخ ہو گیا اور اسکی جگہ دوسرا حکم نافذ نہیں کیا گیا جیسے سورہ ممتحنہ میں إِذَا بَجَاءَ ثَمُ الْمُؤْمِنَاتِ مِنْهَا جَوَابٌ فَأَمْتَحِنُوهُنَّ منسوخ کر دیا گیا اور اس کے بجائے دوسرا حکم نازل نہیں ہوا۔ نَسَخَ کے ساتھ نَسَّهَا بھی فرمایا جس کا ترجمہ بھلا دینے کا ہے۔ بعض آیات ایسی تھیں جن کو بالکل ہی مصاحف سے اور ذہنوں سے بھلا دیا گیا تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سورہ احزاب سورہ بقرہ جیسی تھی۔ اس کا اکثر حصہ اٹھا لیا گیا نہ تلاوت باقی رہی نہ حکم باقی رہا در منثور ص ۱۰۵ ج ۱ میں ہے کہ حضرت سہل بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک رات کو ایک صحابی تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے انہیں ایک سورت یاد تھی انہوں نے اسے نماز میں پڑھنا چاہا تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے علاوہ وہ کچھ نہ پڑھ سکے اور اُس رات میں چند صحابہ کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا صبح کو جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سورت گزشتہ رات منسوخ ہوگئی جو لوگوں کے سینوں سے اور ہر اُس جگہ سے محو کر دی گئی جہاں لکھی ہوئی تھی۔

وَأَمَّا عَلَى قِرَاءَةِ نَسَّهَا فَبُتِحَ النُّونُ الْاَوَّلُ وَفُتِحَ السِّينُ مَهْمُوزًا فَمَعْنَاهُ تَوَخَّرَهَا فَلَا بُدَّ لَهَا أَوْ نَرَفَعُ

تَلَاوتِهَا وَتَوَخَّرَ حَكْمُهَا أَوْ تَوَخَّرَهَا وَنُتِرَ كَمَا فِي اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ فَلَا نَنْزِلَ۔ (سالم انجیل ص ۱۰۴ ج ۱)

پھر فرمایا کہ اے مخاطب کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسے حکم باقی رکھنے پر بھی قدرت ہے منسوخ کرنے پر بھی قدرت ہے ذہنوں سے بھلا دینے پر بھی قدرت ہے۔ وہ حکمت کے مطابق جو چاہے کرے جس حکم کو چاہے باقی رکھے جس کو چاہے منسوخ فرمائے۔ کسی کو کیا اعتراض ہے اگر کوئی اللہ پر اعتراض کرے گا تو اسکی سزا بھگت لے گا آسمان و زمین میں اس کی بادشاہت ہے جب وہ کافروں پر عذاب بھیجے گا ان کا کوئی یار اور مددگار اور دوست اور رشتہ دار اور کارساز نہیں ملے گا۔

قال ابن کثیر یرشد عباده تعالیٰ بهذا إلى أنه المتصرف فی خلقه بما یشاء فله الخلق والأمر وهو المتصرف فکما خلقهم کما یشاء یسعد من یشاء ویسقی من یشاء ویصحح من یشاء ویمرض من یشاء ویوفق من یشاء ویخلل من یشاء کذا لک یشاء یشاء یشاء فی عبادہ بما یشاء فیحل ما یشاء ویحرم ما یشاء ویبیح ما یشاء ویحظر ما یشاء وهو الذی یشاء یشاء یشاء لا معقب لحکمہ ولا یستل عما یفعل وهم یستلون ویختار عبادہ وطاعتهم لرسله بالنسخ فیامر بالشئ لما فیہ من المصلحة الّتی یعلمها تعالیٰ ثم ینهی عنه لما یعلمه تعالیٰ فالطاعة کل الطاعة فی امتثال أمره والتبایع رسله فی تصدیق ما أخبروا وامتثال ما أمروا وترك ما عنه زجروا.

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَتَّبِعِ

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے اور جو شخص ایمان کے بدلہ

الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۳۹﴾

کفر کو اختیار کرے سو وہ سیدھے راستہ سے ہٹک گیا۔

بے جا سوالات کی ممانعت

تفسیر: معالم التنزیل میں اس آیت شریفہ کے دو شان نزول لکھے ہیں اول تو یہ کہ یہودیوں نے یوں کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم آسمان سے اسی طرح پوری کتاب بیک وقت لا کر پیش کرو جیسے موسیٰ علیہ السلام تو ریت شریف لائے تھے اور دوسرا یہ کہ مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے یہاں تک کہ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے نہ لے آؤ ممکن ہے دونوں باتوں کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہو اللہ جل شانہ نے تعبیر فرمائی کہ ایسے سوالات نہ کرو جیسے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے سوالات کئے گئے بنی اسرائیل نے اُن سے کہا اِنَّا لِلّٰہ جَہوۃ کہ ہمیں اللہ پاک کو آ منے سامنے دکھاؤ دلائل واضح سامنے ہیں عقل مند کیلئے کافی ہیں بے شک سوالات کی کوئی ضرورت نہیں اور جن کو اعتراض ہی کرنا مقصود ہے وہ تو ہر فرماش پوری ہو جانے پر بھی ماننے والے نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو پوری کتاب بیک وقت لائے تھے پھر بھی ظالموں نے اُسے کہاں مانا؟ سورہ قصص میں ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ تَظْهَرَانِ وَقَالُوا إِنَّا بِكُلِّ كَافِرُونَ۔

(سوجب ہماری طرف سے اُن لوگوں کے پاس حق پہنچا تو کہنے لگے ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی تھی کیا جو کتاب موسیٰ کو ملی تھی اس سے قبل یہ لوگ اُس کے منکر نہیں ہوئے۔ ان لوگوں نے کہا یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور یوں بھی کہتے تھے کہ ہم تو ہر ایک کے منکر ہیں)

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا لہذا حج کرو اس پر ایک آدمی نے سوال کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے۔ اس پر آپ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ مسائل نے تین بار سوال کیا پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم اس کو نہیں کر سکتے تھے پھر فرمایا کہ میں جب تک تم کو چھوڑے رکھوں (یعنی کوئی حکم نہ بتاؤں) تم بھی مجھے چھوڑے رکھو (یعنی سوالات نہ کرو) کیونکہ تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ سوالات زیادہ کرتے تھے اور اپنے نبیوں کے خلاف چلتے تھے سو میں جب کسی چیز کا

حکم کروں تو جہاں تک ممکن ہو اس پر عمل کرو اور اگر میں کسی چیز سے منع کروں تو اُسے چھوڑ دو۔

ایک اور حدیث میں ہے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قیل قال اور کثرت سوال اور اضاحت المال کو ناپسندیدہ قرار دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۹ از بخاری و مسلم) آیت کا شان نزول خواہ وہی ہو جو معالم التنزیل سے نقل کیا گیا لیکن اس میں مسلمانوں کو بھی یہ نصیحت مل گئی کہ جو احکام ہیں اُن میں لگیں بے شک سوال نہ کریں۔ قیل وقال میں وقت ضائع نہ کریں اور ضرورت کی بات پوچھیں۔

وَذَكِّرْهُمْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لِيُذَكَّرُوا ۚ وَمَنْ بَعَدَ إِيمَانَكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ

اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ کاش تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹالیں

أَنفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ

اپنے دلوں کے حسد کے باعث بعد اس کے کہ اُن کے لئے حق ظاہر ہو گیا ہے سو تم معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ

بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۰ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَوَمَا

اپنا حکم بھیج دے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو کچھ

تَقَدَّرَ مَوْلَا أَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۱

پہلے سے بھیج دو گے اپنی جانوں کے لئے کوئی خیر اُسے اللہ کے پاس پالو گے بے شک اللہ اُن کاموں کا دیکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو

کفار چاہتے ہیں کہ تمہیں کافر بنالیں

تفسیر: یہودیوں کو یہ تو خوب واضح طریقے پر معلوم ہو گیا تھا کہ نبی عربی محمد رسول اللہ ﷺ واقعی اللہ کے نبی ہیں لیکن اُن کو حسد کھا لیا خود تو مسلمان ہوتے ہی نہ تھے (الاقلیلا منهم) اور طرح طرح کی کوششیں کرتے تھے کہ عرب بھی مسلمان نہ ہوں اور جو لوگ مسلمان ہو چکے انکو واپس کر لیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اُن کے قلبی ارادوں سے مطلع فرمایا تاکہ اُن سے بچتے رہیں اور اُن کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آئیں اور اُن کی جھوٹی ہمدردی کو کوئی حیثیت نہ دیں۔ چونکہ مسلمان اور یہودی ایک ہی شہر یعنی مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور اس وقت تک ظاہری اسباب کے اعتبار سے مسلمانوں کے غلبہ کی صورت ظاہر نہ ہوئی تھی اس لئے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم معاف اور درگزر کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے منجملہ اس قدرت کے یہ بھی ہے کہ وہ تم کو ان پر غلبہ دے دے چنانچہ اس کے بعد وہ دن آیا کہ قبیلہ بنی نضیر کو مسلمانوں نے خیبر کی طرف جلا وطن کر دیا اور یہودی کے دوسرے قبیلہ بنو قریظہ کے مرد قتل کئے گئے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ نمازیں قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور جو کچھ اپنی جانوں کے لئے کوئی بھلائی پہلے سے بھیج دو گے اُسے اللہ کے پاس پالو گے۔ اس میں اعمالِ صالحہ میں مشغول رہنے اور جانی و مالی عبادت ادا کرتے رہنے کا حکم دیا جیسا کہ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا میں

ضرر کا حکم دیا۔ صبر اور صلاۃ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں جیسا کہ **وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ** میں یہ بات واضح طور پر بتادی گئی ہے۔ اعمال صالحہ میں یہ بھی تاثیر ہے کہ دشمن پر غالب ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ دنیا میں بھی ان سے فلاح اور کامیابی حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ان کا بدل ملے گا یہاں سے جو کوئی خیر بھیجیں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع رہے گی وہاں جائیں گے تو پالیں گے۔ آخر میں فرمایا کہ **إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ** (اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتا ہے) ہر خیر و شر کا اُسے علم ہے۔ جو شخص خیر یا شر لے کر پہنچے اس کے مطابق جزا اور سزا کا مستحق ہوگا قال ابن کثیر وهذا الکلام وان کان قد خرج منحرج الخبر فان فيه وعداً ووعداً وأمرأً وزجراً وذلك انه علم القوم انه بصير بجمع اعمالهم ليجدوا في طاعته اذ كان ذلك مذخوراً لهم عنده حتى يثيبهم عليه.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص ایک کھجور کے برابر حلال کمائی سے صدقہ کر دے اور اللہ تعالیٰ حلال ہی کو قبول فرماتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما لیتا ہے پھر اسکی تربیت فرماتا ہے (یعنی اس کو بڑھاتا رہتا ہے) جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچہ کی تربیت کرتا رہتا ہے۔ (بڑھتے بڑھتے وہ بہت زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ پہاڑ کے برابر ہو جائے گا۔) (صحیح بخاری ص ۱۸۹ ج ۱) جب قیامت کے دن ثواب ملنے لگے گا تو کھجور کے برابر جو چیز دی تھی اُس کا ثواب اتنا زیادہ ملے گا جیسے اُس نے اللہ کی راہ میں پہاڑ خرچ کر دیا ہو۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا تِلْكَ آمَانَتُهُمْ قُلْ هَاتُوا

اور انہوں نے کہا کہ ہرگز کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا سوائے اس کے جو یہودی ہو یا نصرانی ہو یہ ان کی آرزوئیں ہیں آپ فرمادیجئے کہ لے آؤ

بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ

اپنی دلیل اگر تم سچے ہو ہاں جس نے اپنی ذات کو اللہ کی فرمانبرداری کے لئے جھکا دیا اور وہ محسن ہو تو اُس کے لئے

أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

اس کا اجر ہے اس کے رب کے پاس اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ یہ لوگ رنجیدہ ہوں گے۔

یہود و نصاریٰ کا قول کہ جنت میں ہم ہی جائیں گے اور اسکی تردید

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہود اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ ذکر فرمایا ہے کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے علاوہ ہرگز کوئی داخل نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے بارے میں یہ کہا کہ صرف ہم جنتی ہیں اور نصاریٰ نے اپنے بارے میں یہی کہا دونوں فریق باجود یکہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تحریف کر بیٹھے اور اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں شرک داخل کر دیا۔ اس سب کے باوجود دونوں جماعتوں کو یہ غرور تھا اور اب بھی ہے کہ صرف ہم ہی جنتی ہیں۔ کفر اختیار کریں پھر بھی جنتی ہوں یہ ان کی سر ایا جہالت حماقت اور سفاہت ہے۔ اور ان کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **تِلْكَ آمَانَتُهُمْ** کہ یہ اُگنی آرزوئیں ہیں۔ صرف آرزو سے کچھ نہیں ہوتا جب تک ایمان نہ ہو نجات نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا **قُلْ هَاتُوا**

بُرْهَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (آپ ان سے فرمادیجئے کہ تم اگر اپنی آرزوؤں میں سچے ہو تو اسکی دلیل پیش کرو) دعویٰ بلا دلیل بلا سند بلا حجت کیسے مانا جائے گا؟ یہود و نصاریٰ کو بڑا غرور تھا وہ سمجھتے تھے کہ ہم مقرران الہی ہیں سورۃ مائدہ میں ہے کہ انہوں نے کہا۔ نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَ اَحِبَّاءُہ (کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے محبوب ہیں) اولاد تو اسکی ہے ہی نہیں۔ یہ عقیدہ شرکیہ ہے کہ اسکی اولاد ہر شکر یہ عقیدہ رکھنے والا اور اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب اور مقرب کیسے ہو سکتا ہے؟ اپنی حماقت سے اور اپنے مذہبی پیشواؤں کے بہانے سے وہ یہی باطل خیال جمائے ہوئے ہیں کہ صرف ہماری ہی نجات ہوگی اور صرف ہم ہی جنتی ہیں یہودیوں کا دین تو خاندانی دین ہے وہ اپنے خاص خاندان کے باہر اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہی نہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اُن کے نزدیک ساری دنیائے انسانیت کے لئے اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا کوئی دین نہیں ہے صرف اپنے خیال سے اپنی نجات کا یقین کر بیٹھنا اور یہ سمجھ لینا کہ ہم ہی جنتی ہیں اور باقی سارے انسانوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ اُن کے لئے خالق و مالک کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں جسے اختیار کر کے وہ مستحق جنت ہیں۔ سر اسر خود فریبی ہے۔

نصاری سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے سمجھے جاتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ ہم جس دین پر ہیں وہ دین نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دے کر بھیجا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں یا یہ فرمایا ہو کہ میری اور میری والدہ کی عبادت کرو یا یہ فرمایا ہو کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور میرے قتل کے بعد جو شخص یہ عقیدہ رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو قتل کرا کر اُن سب لوگوں کے گناہوں کا کفارہ کر دیا جو اُن کو اللہ کا بیٹا مانیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ سب باتیں نصاریٰ کی خود تراشیدہ ہیں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے کوئی بات بھی نہیں فرمائی انہوں نے تو صرف اللہ کی عبادت کرنے کی تبلیغ کی اور نصاریٰ جو کچھ کہتے ہیں اُن کے پاس اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتائی ہیں۔ یہ باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد اُن کے جھوٹے ماننے والوں نے کئی سو سال کے بعد تجویز کیں کیونکہ اس میں تن آسانی ہے اور پورے گناہ کرتے ہوئے مغفرت اور نجات کی گارنٹی ہے اس لئے نصاریٰ نے ان باتوں کو بغیر تحقیق کے قبول کر رکھا ہے اتوار کے دن پادری کہہ دیتا ہے کہ میں نے اس ہفتہ کے سب گناہ معاف کر دیئے یہ کیسی خلاف عقل بات ہے کہ نافرمانی کی ہے خدا نے پاک کی اور معاف کر رہی ہے مخلوق۔ اور پادریوں کو گناہ کے معاف کرنے میں خداوند تعالیٰ کا نائب مانتے ہیں ان کو یہ نیابت کہاں سے ملی کس نے ان کو نائب بنایا؟ ہر عقلمند کے سامنے یہ سوالات آتے ہیں۔ یہ سب کچھ نصاریٰ کا اپنا بنایا ہوا دین ہے۔ اور اوپر سے اس دھوکہ اور آرزوؤں میں پڑے ہوئے ہیں کہ صرف ہماری ہی نجات ہوگی اور ہم ہی جنتی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ کوئی بات بلا دلیل قبول نہیں ہوتی اور دنیا میں سب اسی قانون پر چلتے ہیں۔ لیکن آخرت کے بارے میں جہاں دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پانے کی ضرورت ہوگی۔ صرف خوش فہمی اور گمان اور خیالات اور اوہام اور آرزوؤں پر اکتفاء کئے ہوئے ہیں۔ ہد اہم اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے علاوہ کفار کی دوسری قومیں بھی اپنی بارے میں خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں اور ان سب نے محض جھوٹی آرزوؤں کا سہارا لے رکھا ہے۔ نکلے پاس ان کے دین کے حق ہونے کی اور اس بات کی کہ ان کا دین یوم آخرت میں ذریعہ نجات بنے گا کوئی دلیل نہیں ہے اور مشرکوں کی بیوقوفی دیکھو کہ پیدا کیا اللہ نے اور کھانے کو وہی دیتا ہے اور انسانوں کی ضرورت کا سامان اسی نے پیدا فرمایا ہے لیکن پرستش اور پوجا اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی کرتے ہیں اور اس میں نجات سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ دے۔

عند اللہ جنتی کون ہے

یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کی تردید کرنے اور اُن سے دلیل طلب کرنے کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا: بَلٰی مَنْ اٰسَلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ (الآیۃ) یعنی دوسرے لوگ کیوں جنت میں داخل نہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ کا قانون تو یہ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو اور اپنی ذات کو اللہ کے احکام کی تعمیل میں جھکا دے اور وہ صفت احسان سے متصف بھی ہو تو اس کا اجر اُس کے رب کے پاس ضرور ملے گا۔ جو جنت کے داخلے کی صورت میں ہوگا۔ ان لوگوں کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ٹمگین ہونے کا کوئی موقع ہے۔ یہ عمومی قانون ہے جو بھی اس پر عمل کریگا داخلہ جنت کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کی قرابت رشتہ داری نہیں ہے اور نہ کوئی خواہ مخواہ محبوب اور مقرب بن جاتا ہے۔ ایمان پر دخول جنت کا مدار ہے۔

لفظ مُحْسِن لفظ احسان سے مشتق ہے جو حسن سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے اچھے طریقے سے کام کرنا اور عمرگی کے ساتھ انجام دینا اس میں احسان عقیدہ اور احسان عمل سب کچھ داخل ہے۔ بعض مفسرین نے محسن کا ترجمہ مخلص سے کیا ہے اصل بات یہ ہے کہ عقیدہ بھی صحیح ہونا لازم ہے اور عمل بھی صحیح ہونا ضروری ہے۔ جس کا عقیدہ رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے عقیدوں کے خلاف ہو وہ عقیدہ میں محسن نہیں ہے لہذا اسکی نجات نہیں ہے۔ اس نے اپنی ذات کو اللہ کے لئے نہیں جھکا یا وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی تکذیب کرتا ہے۔ لہذا مستحق نجات نہیں اور جس شخص کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے موافق نہیں ہے یا نیت میں اخلاص نہیں یعنی اللہ کی رضا مطلوب نہیں۔ اس کا وہ عمل مردود ہے۔ اللہ کی محبت کا دعویٰ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ ہو تو یہ دعویٰ جھوٹا ہے عقیدہ اور عمل دونوں میں اخلاص ضروری ہے منافق عقیدہ میں مخلص نہ تھے اور جو لوگ عقیدہ ٹھیک رکھتے ہیں لیکن عمل اللہ کی رضا کے لئے نہیں کرتے دکھاوے کیلئے اور دنیاوی جاہ و عزت حاصل کرنے کیلئے کرتے ہیں انکے عمل کا آخرت میں کوئی ثواب نہیں۔ سورہ کہف کے آخر میں فرمایا: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ اَحَدًا۔ سو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اُسے چاہئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔ کافروں اور مشرکوں میں جو لوگ کوئی عمل کرتے ہیں اگر ان میں اللہ کی رضا کو مقصود رکھتے ہوں تب بھی وہ معتبر نہیں اور آخرت میں اس کا کوئی ثواب نہیں۔ کیونکہ عقیدہ کے اعتبار سے گمراہ ہیں اور اللہ کے دین پر نہیں ہیں ان کے لئے سورہ فرقان میں فرمایا:

وَقَلِمَنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَلْيَعْمَلُوْا عَمَلًا مَّتَّوْرًا اور ہم اُن کے کاموں کی طرف جو وہ کر چکے تھے متوجہ رہے ہوں گے سو اُن کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار شاید کوئی شخص اپنی جہالت سے یہ سوال کرے کہ آیت میں مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہے پھر یہ شرط کہاں سے آگئی اس کا جواب یہ ہے کہ اَسْلَمَ وَجْهَهُ اور وَهُوَ مُحْسِنٌ سے ہی یہ قید ثابت ہوتی ہے اور دوسری آیات بھی پیش نظر رکھنا لازم ہے سورہ آل عمران کی آیت وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا قَالَنْ يُقْبَلْ مِنْهُ كُوْفٌ نَّظَرٌ رَّكِبٌ۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ

اور کہا یہود نے کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہودی

عَلَى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ

کسی چیز پر نہیں، حالانکہ وہ لوگ کتاب پڑھتے ہیں۔ ایسا ہی کہا اُن لوگوں نے جو نہیں جانتے انہیں کی سی بات

فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۳۲﴾

پس اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس بات میں جس میں وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں

یہود و نصاریٰ کا آپس میں نزاع اور انکی باتوں کی تردید

تفسیر: تفسیر درمنثور ص ۱۰۸ ج ۱ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل ہے کہ جب نجران کے نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہودیوں کے علماء بھی وہاں پہنچے دونوں فریقوں نے وہیں خدمت عالی میں حاضر ہوتے ہوئے آپس میں مباحثہ شروع کر دیا۔ یہودیوں میں ایک شخص رافع بن حریملہ تھا۔ اس نے نصاریٰ سے کہا کہ کسی چیز سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور نہ کبھی تھا۔ اس طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بھی انکار کیا اور انجیل کے کتاب اللہ ہونے کے بھی منکر ہوئے نصاریٰ کو مقابلہ میں جواب دینے کا جوش آیا تو ان میں سے ایک شخص نے یہودیوں سے کہا کہ تم کسی چیز پر نہیں ہو یعنی تمہارے دین کی کوئی اصلیت اور بنیاد نہیں۔ اللہ کے کسی نبی یا اللہ کی کسی کتاب سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور نہ کبھی تھا۔ اس طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر بیٹھے اور تورات شریف کے کتاب اللہ ہونے کے منکر ہو گئے۔ اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ اور دونوں جماعتوں کے دعوے ذکر کر کے فرمایا۔ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ (یعنی ہر فریق اللہ کی کتاب پڑھتا ہے) حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی رسالت کا علم ہوتے ہوئے انکی رسالت کے منکر ہو رہے ہیں۔ ہر فریق کو دوسرے فریق کے بارے میں معلوم ہے کہ باوجود تحریف کر لینے کے پھر بھی اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول سے ہر ایک کو انتساب ہے۔ گویا انتساب اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کو نجات دلانے والا نہیں لیکن فی الجملہ اس کا انکار بھی صحیح نہیں کہ اُن کے دین کی ابتداء اللہ کے کسی نبی یا کسی کتاب سے ہے۔

قال ابن كثير ولهذا قال تعالى وهم يتلون الكتاب اي وهم يعلمون شريعة التوراة والانجيل كل منهما كانت مشروعة في وقت ولكنهم تجاحدوا فيما بينهم عنادا وكفرا ومقاولة للفاسد بالفاسد .

پھر فرمایا كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ (یعنی ایسی ہی بات اُن لوگوں نے کہی جو نہیں جانتے) یعنی یہود و نصاریٰ کے علاوہ جو اُن سے پہلے امتیں گزری ہیں۔ وہ بھی ایسی ہی جہالت کی باتیں کرتی رہیں ہیں۔ کہ عناد اور تعصب کی وجہ سے حق کو جھٹلایا اور حقیقت واضح کو نہ مانا۔ اور اب مشرکین عرب کا یہی حال ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے منکر ہوئے حالانکہ آیات بینات اور دلائل واضحہ اُن کے سامنے ہیں۔ دلوں سے جانتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن مانتے نہیں۔ واختلف فيمن عني في قوله تعالى: الذين لا يعلمون، فقال عطاء ائم كانت قبل اليهود و النصارى وقال السدي هم العرب قالوا ليس محمد على شيء واختار ابن جرير أن الحمل الجميع اولي (سنن ابن کثیر ص ۱۵۵ ج ۱)

پھر فرمایا: فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن سب کو جمع

فرمائینگے اور عدل کیساتھ ان کے درمیان فیصلہ فرمائینگے۔ اور اس فیصلہ سے سب پر حق ظاہر ہو جائے گا۔ اور باطل کا پتہ چل جائیگا۔ سورہ سبائیں فرمایا: قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ (کہہ دیجئے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع فرمائے گا اور بڑا فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے)

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عملی فیصلہ فرمادیں گے۔ اور وہ عملی فیصلہ یہ ہوگا کہ اہل حق کو جنت میں اور اہل باطل کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ عملی فیصلہ کی قید اس لئے لگائی کہ قول اور برحانی فیصلہ تو عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ دنیا میں بھی ہو چکا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا
اور اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اس بات سے روکے کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لیا جائے اور اُن کی دیرانی کی کوشش کرے
أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُ لَّهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ
اُن لوگوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ اُن میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے اُن کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور اُن کے لئے
فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ
آخرت میں بڑا عذاب ہے

اللہ کی مسجدوں میں ذکر سے روکنا بہت بڑا ظلم ہے

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اُن لوگوں کو سب سے بڑا ظالم بتایا ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکیں اُن میں اللہ کا نام لینے اور اللہ کی عبادت کرنے سے منع کریں اور اُن کی دیرانی کی کوشش کریں اس کام کے کر نیوالے کون ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی؟ معالم التنزیل ص ۷۰ ج ۱ میں حضرت عطا اور عبدالرحمن بن زید سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ والوں نے آپ کو مقام حدیبیہ میں روک دیا اور عمرہ کے لئے مسجد حرام تک نہ پہنچنے دیا۔ مساجد کی آبادی یہ ہے کہ اُن میں وہ کام ہوتے رہیں جن کاموں کے لئے وہ بنائی گئی ہیں۔ نماز، تلاوت، ذکر، اعتکاف وغیرہ اور مسجد حرام کے آباد کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اُس میں طواف کیا جائے جو شخص ان کاموں سے روکے گا وہ انکی دیرانی کی کوشش کر نیوالا ہے۔ مشرکین مکہ اس وقت مسجد حرام کے متولی تھے لیکن کعبہ شریف میں انہوں نے بت رکھے ہوئے تھے ظاہری تعمیر کی دیکھ بھال ہی کو انہوں نے اسکی آبادی سمجھ لیا اور اس کی حقیقی تعمیر سے غافل تھے۔ توحید کے بجائے شرک کے کام کرتے تھے وہاں نمازیوں کو نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ اُن کے ظلم اور زیادتی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے پھر جب عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو عمرہ نہ کرنے دیا۔ مشرکین کو سمجھایا بھجایا گیا کہ عمرہ کر کے واپس ہو جائیں گے لیکن وہ ایک نہ مانے اور ضد پر اڑے رہے۔ بالآخر آپ صحابہ کے ساتھ واپس تشریف لے آئے اور آئندہ سال عمرہ کی قضا فرمائی یہ جو فرمایا۔ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ اس میں اس

صاحب بیان القرآن نے اُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَدْخُلُوْهَا اِلَّا خَائِفِيْنَ کا مطلب یہ لکھا ہے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت اور بے باک ہو کر ان مساجد میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا بلکہ جب جاتے تو نہایت عظمت و حرمت و ادب سے جاتے جب بے باک ہو کر اندر جانے تک کا استحقاق نہیں تو اسکی جنگ حرمت کا کب حق حاصل ہے۔ اسی کو ظلم فرمایا گیا اھ خلاصہ یہ نکلا کہ اس میں مساجد کا ادب بتایا گیا ہے یہ بات سیاق کلام سے دل کو زیادہ لگتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

پھر فرمایا: لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (کہ دنیا میں ان لوگوں کے لئے رسوائی ہے۔ اور آخرت میں وہ سب قومیں رسوا ہو گئی جنہوں نے مسجد حرام یا بیت المقدس میں اللہ کے ذکر و عبادت سے روکا اور اُن کی ویرانی کی کوشش کی دنیا میں یہ قومیں مغلوب بھی ہوئیں مسلمانوں کی محکوم بھی بنیں اور یہود و نصاریٰ جو یہ دینے پر مجبور ہوئے اور آخرت میں سب کافروں کو جو بڑا عذاب ہوگا۔ بار بار قرآن مجید میں اس کا ذکر ہو چکا ہے اور اس عذاب کی تفصیلات آیات اور احادیث میں مذکور ہیں)

وَاللّٰهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَايُنَبِّئُكُمْ اَنْتُمْ وَجْهَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاَسِعَ عَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اور اللہ ہی کے لئے ہے مشرق اور مغرب سو تم جس طرف بھی رخ کرو ادھر اللہ کا رخ ہے پیکر اللہ واسع ہے علیم ہے

جدھر رخ کرو ادھر اللہ کا رخ ہے

تفسیر: الباب العقول میں تین واقعات لکھے ہیں جن میں اس آیت کے سبب نزول کا ذکر ہے تینوں واقعات میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سفر میں تھے اندھیری رات میں (اور بعض روایات میں ہے کہ بادل کی وجہ سے) قبلہ کے بارے میں اشتباہ ہو گیا۔ ہر ایک نے اپنے غور و فکر کے مطابق جدھر قبلہ سمجھ میں آیا ادھر نماز پڑھی صبح ہوئی تو غلطی معلوم ہوئی آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے خاموشی اختیار فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی اُن میں سے ایک واقعہ سنن ترمذی (ابواب التفسیر میں بھی مذکور ہے)

جہت قبلہ کا قانون

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرق کا بھی مالک ہے اور مغرب کا بھی مالک ہے (بلکہ تمام جہات کا مالک ہے اس عموم میں جنوب اور شمال بھی آ گئے۔ کما قال تعالیٰ فَلَا اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ اِنَّا لَقَادِرُوْنَ لِهٰذَا سَے پورا اختیار ہے کہ جس جہت کو چاہے قبلہ قرار دیدے اور چونکہ معبود وہی ہے اور سب جہات اُسی کے مملوک اور مخلوق ہیں اس لئے وہ اپنی عبادت کے لئے جس رخ کا بھی حکم دے اور جس رخ پر بھی عبادت کرنے سے راضی ہو جائے عبادت گزاروں کے لئے وہی جہت قبلہ ہے۔ کسی کو اس میں اعتراض کا کیا حق ہے وہ کعبہ شریف کو قبلہ مقرر فرما دے تو اُسے پورا اختیار ہے اور بیت المقدس کو قبلہ بنادے تو اُسے پورا اختیار ہے ان دونوں کے علاوہ اور کسی رخ پر نماز پڑھنے کی اجازت دے دے تو بھی اُسے اختیار ہے۔

اللہ تعالیٰ تو اس سے بلند اور بالا ہے کہ اس کا جسم ہو یا وہ کسی جہت میں ہو جدھر بھی رخ کیا جائے ادھر اللہ کا رخ ہے۔ یعنی حکم خداوندی اور اذن خداوندی کے مطابق جدھر کو بھی نماز پڑھ لیں گے ادھر ہی وہ جہت ہوگی جس کی طرف تمہیں رخ

کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اسی طرف نماز پڑھنے میں اسکی رضا ہے (قال فی الروح ای فہناک جہتہ سبحانہ الی أمرتم بها ص ۷۵ ج ۱) وفی معالم التنزیل عن مجاہد فی ہذہ الآیۃ فثم وجہ اللہ فثم قبلۃ اللہ والوجہ والوجہۃ والجہۃ القبلة وقیل رضا اللہ تعالیٰ)

۱۔ قال القرطبی فی تفسیرہ اختلف الناس فی تاویل الوجہ المضاف إلی اللہ تعالیٰ فی القرآن والسنة فقال الحدائق ذلک راجع إلی الوجود والعبارة عنه بالوجہ من مجاز الکلام إذ کان الوجہ أظهر الاعضاء فی الشاهد وأجلها قدراً قال ابن عباس الوجہ عبارة عنه عز وجل كما قال ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام وقال بعض الائمة تلک صفة ثابتة بالسمع زائدة علی ما توجہ العقول من صفات القدیم تعالیٰ قال ابن عطیة وضعف أبوالمعالی ہذا القول وهو کذلک ضعیف وانما المراد وجودہ وقیل المراد بالوجہ هنا الجہۃ الی وجہنا إلیہا ای القبلة وقیل الوجہ المقصد وقیل المعنی وثم رضا اللہ وثوابہ كما قال تعالیٰ انما نطعمکم لوجہ اللہ ای لرضائہ وطلب ثوابہ ومنہ قوله ﷺ من بنی مسجداً یتغنی بہ وجہ اللہ بنی اللہ لہ مثلہ فی الجنة حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت سفر میں نفل نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے اور اپنی سواری پر نفل نماز پڑھ رہے تھے۔ سواری جدھر بھی متوجہ ہوتی آپ برابر نماز میں مشغول رہے (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ البقرۃ)

انس بن سیرین کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا جبکہ وہ شام سے آرہے تھے ہم نے دیکھا کہ مقام عین التمر میں اپنی سواری پر نماز پڑھ رہے ہیں اور رُخ قبلہ سے ہٹا ہوا ہے جو بائیں جانب کو ہے۔ میں نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں آپ قبلہ کے رُخ کے علاوہ دوسری طرف کو نماز پڑھ رہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں ایسا نہ کرتا یہ روایات صحیح مسلم میں مذکور ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا اِنَّ اللہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ یعنی وہ بندوں پر ان کے دین میں وسعت عطا فرماتا ہے اور ایسی کسی بات کا حکم نہیں دیتا جو انکی طاقت سے باہر ہو بعض حضرات نے فرمایا کہ واسع سے یہ مراد ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کے علم سے باہر ہو۔ جیسا کہ سورہ طہ میں فرمایا وَاسِعٌ کُلُّ شَیْءٍ عِلْمًا اور فراء کا قول یہ ہے کہ واسع بمعنی جواد اور بخشنے والا ہے جس کی عطا ہر ایک کو شامل ہے بعض مفسرین نے اس کا معنی واسع المغفرہ بتایا ہے یعنی کوئی بھی گناہ ایسا نہیں جس کا بخشا اس کے نزدیک مشکل ہو۔ (من القرطبی ص ۸۴ ج ۲)

روح المعانی ص ۳۶۵ ج ۱ میں ہے۔ (اِنَّ اللہَ وَاسِعٌ) ای محیط بالا شیاہ ملکا اور حمۃ فلہذا

وسع علیکم القبلة ولم یضیق علیکم (علیم) بمصالح العباد واعمالہم فی الاماکن

یعنی اللہ تعالیٰ مالکیت کے اعتبار سے یا رحمت کے اعتبار سے ہر چیز کو محیط ہے اسی لئے اس نے قبلہ کے بارے میں تم پر آسانی فرمادی۔ اور تنگی نہیں فرمائی اور وہ بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور جس جگہ بھی کوئی عمل کریں وہ اس سے باخبر ہے۔ اے لہذا وہ سب کو ثواب عطا فرمائے گا وہ قلوب کے احوال بھی جانتا ہے اگر کسی نے اندھیرے میں اپنے غورو

فکر کے مطابق قبلہ کی معینہ جہت کے خلاف نماز پڑھی لیکن پڑھی اللہ ہی کے لئے اس کا مقصد اطاعت ہی ہے بغاوت نہیں تو ثواب کا مستحق ہوگا اور اُسے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

قبلہ کے مسائل

مسئلہ: استقبال قبلہ نماز کی شرائط میں سے ہے غیر قبلہ کو نماز پڑھے تو نماز نہ ہوگی ہاں اگر کوئی شخص خائف ہے قوی دشمن اسے معینہ قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھنے دیتا تو جس طرف منہ کر کے پڑھ سکتا ہو اسی طرف پڑھ لے اس وقت یہی اس کا قبلہ ہے۔
مسئلہ: اگر کوئی ایک فرد یا جماعت کسی جگہ موجود ہوں اور قبلہ میں اشتباہ ہو جائے اور وہاں پر کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو ہر شخص اپنے اپنے طور پر خوب غور و فکر کرے۔ جس طرف دل ٹھکے ہر شخص اُس طرف کو نماز پڑھ لے۔ اگر غور و فکر کے بعد کسی طرف کو نماز پڑھنی شروع کی اور نماز کے اندر ہی پتہ چل گیا کہ قبلہ دوسری طرف کو ہے تو اسی طرف گھوم جائے۔ پھر سے نماز پڑھنا ضروری نہیں۔
مسئلہ: اگر نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہو کہ غلط رخ پر نماز پڑھی گئی تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: اندھیری رات میں کسی جگہ چند مسلمان موجود ہیں قبلہ کا علم نہیں ہے اُن میں سے ایک شخص امام بن گیا اور امام اور مقتدی سب نے اپنے اپنے غور و فکر سے ایک ایک جہت کو نماز پڑھ لی اور ہر ایک کی جہت مختلف تھی اور مقتدیوں کو یہ علم نہیں کہ امام کا رخ کدھر ہے تو یہ صحیح ہو جائے گی۔ ہاں اگر کسی کو یہ پتہ ہے کہ امام کا رخ فلاں جانب ہے۔ اور وہ رخ اس مقتدی کے نزدیک صحیح نہیں ہے تو اس مقتدی کی نماز نہ ہوگی کیونکہ وہ اپنے امام کو غلطی پر سمجھے ہوئے ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص امام سے آگے بڑھ گیا یعنی امام کے آگے کھڑا ہو گیا۔ اس طرح سے کہ امام کا چہرہ اُسکی پشت کی طرف ہو۔ تو بھی اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ (من الہدایہ باب شرط الصلاۃ)

مسئلہ: جو شخص آبادی سے باہر ہو اور جانور پر سوار ہو وہ چاہے کہ میں نفل نماز پڑھوں تو وہ بیٹھے بیٹھے اپنی سواری پر نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ سواری کا رخ قبلہ کی جانب نہ ہو جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اور بعض صحابہ کا عمل بحوالہ صحیح مسلم گزر چکا۔
مسئلہ: فرض نماز غیر قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھی جائے تو صحیح نہ ہوگی الا یہ کہ قبلہ معلوم نہ ہو اور کوئی بتانے والا نہ ہو تو اس صورت میں تحریر یعنی غور و فکر کر کے نماز پڑھ لے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

مسئلہ: ریل میں اور پانی کے جہاز میں نماز آسانی سے قبلہ رخ ہو کر پڑھی جاسکتی ہے۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا کہ فرض نماز بھی سفر میں بلا قبلہ پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور قبلہ کی طرف رخ کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے غیر قبلہ کو نماز پڑھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ صاحب سفر میں سب معاف ہے۔ یہ اُن کی غلطی ہے۔ اور اُن کا عمل فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے۔ انکی نماز نہیں ہوتی۔

حکمت تعیین قبلہ: کسی خاص جانب کو قبلہ قرار دینا بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے۔ اگر کسی خاص رخ پر نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا جاتا اور ہر شخص کو اختیار ہوتا کہ جدر کو چاہے رخ کر کے نماز پڑھ لے تو اس پر تشتمل اور انتشار کا مظاہرہ ہوتا اور ایک ہی جانب قبلہ معین ہو جانے سے تنظیم اور اتحاد کا جو عملی سبق مل رہا ہے وہ بھی نہ رہتا لہذا سارے عالم کا قبلہ ایک ہی چیز کو قرار دیا گیا۔ ہجرت کے بعد ایک سال سے کچھ اوپر بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی گئی پھر کعبہ شریف کو قبلہ قرار دیا گیا جیسا کہ دوسرے پارے

کے شروع میں قصہ بیان ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے بیت اللہ یا بیت المقدس جس کی طرف بھی حکم خداوندی کے مطابق نماز پڑھی گئی وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہے۔ کسی جہت یا کسی گھر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے اس جہت یا اس گھر کی عبادت نہیں ہوتی۔ اس سے بہت پرستوں کا یہ اعتراض ساقط ہو جاتا ہے کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں تو تم بھی تو کعبہ کو نماز پڑھتے ہو۔ کیونکہ مسلمان رخ کعبہ کرتے ہیں اور عبادت اللہ کی کرتے ہیں اور مشرکین بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں کہیں سے کہیں تک بھی یہ بات نہیں کہ ہم عبادت اللہ کی کر رہے ہیں اور بتوں کو بطور قبلہ سامنے رکھ رکھا ہے مگر مسلمانوں کی دیکھا دیکھی کہنے بھی لگیں تو یہ ان کی جھوٹی بات ہوگی۔

فائدہ: بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کے بعد کعبہ شریف میں قبلہ قرار دینے سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ بیت المقدس یا کعبہ شریف میں نماز پڑھنا قبلہ کے طور پر ہے (یعنی حکمت اور مصلحت کی وجہ سے ان میں سے اللہ تعالیٰ نے جس کو جب چاہا قبلہ قرار دے دیا) وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ چاروں جہات میں سے کوئی جہت قبلہ کے لئے معین اور مخصوص نہیں ہے۔ جب کعبہ شریف کو قبلہ قرار دے دیا گیا تو قبلہ کی کوئی جہت معین نہ رہی سارے عالم کے مسلمانوں کو کعبہ شریف کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے دیا گیا اور سب اس پر عمل کرتے ہیں تو چاروں جہات کی طرف نمازوں میں رخ ہو جاتا ہے اس سے فتم وجہ اللہ کا مفہوم پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ بَلْ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلٌّ لَّہٗ قَانِتُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور انہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے وہ اس سے پاک ہے بلکہ اسی کے لئے ہے جو کچھ سمانوں میں اور زمین میں ہے سب اسی کے لئے فرمانبردار ہیں۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فِیکُوْنُ ﴿۱۷﴾

وہ بلا مثال کے پیدا فرمانے والا ہے اور جب فیصلہ فرمائے کسی امر کا تو بس یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا پس ہو جاتا ہے

اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر نیوالوں کی گمراہی

تفسیر: اس آیت شریفہ میں مشرکین کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں پھر فوراً ہی سُبْحٰنَہٗ فرما کر انکی تردید کی اور خالق و مالک جل و علی کی تنزیہ بیان فرمائی اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنے کا شرکیہ عقیدہ یہود میں بھی رہا ہے۔ کیونکہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے تھے۔ اور نصرانیوں کے بارے میں تو سبھی جانتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں۔ سورہ توبہ میں ہے: وَقَالَتِ الْیَہُوْدُ عُزَیْرُ بْنُ اِبْنِ اللّٰہِ وَقَالَتِ النَّصَارَی الْمَسِیْحُ بْنُ اللّٰہِ اور مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: اَفَاَصْفَحْکُمْ رَبُّکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِکَہِ اِنَاثًا ط اِنْکُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا (کیا تمہارے رب نے تم کو تو بیٹیوں کے ساتھ خاص کیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا۔ بیشک تم بڑی بیجا بات کہتے ہو) اور سورہ زخرف میں فرمایا: وَجَعَلُوا الْمَلَائِکَہِ الَّذِیْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ط اَشْهَدُوْا خَلَقْنٰہُمْ سَوَکُتًا شَہَادَۃً لِّہُمْ وَیَسْتَلُوْنَ (اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں۔ عورت قرار دے رکھا ہے کیا ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کا یہ

دعویٰ لکھ لیا جائے گا اور ان سے باز پرس ہوگی) قرآن مجید میں جگہ جگہ اس عقیدہ کی تردید فرمائی اور سورۃ اخلاص میں واضح طور پر فرمایا ہے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (کہ اس نے نہ کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا اور کوئی بھی اس کے برابر نہیں) سورۃ انعام میں فرمایا: وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُصِفُونَ ۗ هَٰ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ اَنَّى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةً وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (اور لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے حالانکہ ان کو خدا نے پیدا کیا اور ان لوگوں نے اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں محض بلا سند تراش رکھی ہیں وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اللہ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی ساتھ والی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے) سورۃ طہ میں فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۗ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِذَا هَ تَكَاذُبُ السَّمَوَاتِ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا ۗ اَن دَعَا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ اَن يَتَّخِذَ وَلَدًا ۗ اِن كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اَتَى الرَّحْمَنَ عَبْدًا (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کی ہے۔ تم بہت زیادہ بڑی بات لے کر آئے۔ کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کے شایان شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو بندے بنے ہوئے حاضر ہوتے ہیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لئے ایسا کرنا درست نہ تھا اور اُس نے مجھے گالی دی حالانکہ اس کے لئے ایسا کرنا درست نہ تھا اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں (موت دے کر) دوبارہ اُسے زندہ نہ کرونگا جیسا کہ میں نے اُسے شروع میں پیدا کیا اور اُس کا گالی دینا یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہو گیا حالانکہ یہ بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ میں جنا گیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۴۴ ج ۲)

ان آیات سے اور حدیث شریف سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی زیادہ ناگوار ہے اور یہ بہت بڑا کفر ہے اور بہت بڑا شرک ہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا علم نہ ہو اور اُس کا مخلوق کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ نہ ہو تو اس شرک کی وجہ سے آسمان وزمین کے ٹکڑے ہو جائیں اور پہاڑ گر پڑیں۔

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حلیم نہیں

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تکلیف دینے والی باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے لوگ اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ وہ پھر بھی اُنکو عافیت دیتا ہے اور رزق عطا فرماتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۳ از بخاری و مسلم)

تکلیف تو جسم اور جان کو ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے۔ لیکن لوگوں کی باتیں ایسی ہیں جو

تکلیف دینے والی ہیں۔ اور ان سے اللہ تعالیٰ کو سخت ناگواری اور بیزاری ہے وہ پھر بھی زندہ رکھتا ہے رزق اور عافیت دیتا ہے اور عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔ اصحاب دنیا میں کسی ذرا سے صاحب اقتدار کو بھی کوئی ناگواری کی بات کہہ دی جائے تو وہ بہت جلدی سزا دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا۔ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَٱلْاَرْضِ کُلُّ لَّهٗ قٰلِنُوْنَ کہ جو بھی کچھ آسمانوں میں اور زمین میں موجود ہے۔ یہ سب اللہ کی مخلوق ہے اور مملوک ہے اور سب اس کے بندے ہیں اور سب اس کے فرمانبردار ہیں خالق اور مخلوق کے درمیان اور مالک اور مملوک کے درمیان اور عابد و معبود کے درمیان کبھی کوئی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ رشتہ کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے لہذا خالق تعالیٰ شلثہ کی کوئی اولاد ہونا ہی محال ہے اس کے لئے اولاد تجویز کرنا اس کے لئے عیب تجویز کرنا ہے۔ اور اسکی ذات کو محتاج بتانا ہے اور اس کے لئے برابر کا تجویز کرنا ہے اور وہ ان سب باتوں سے پاک ہے بلند و بالا ہے اس لئے حدیث شریف میں فرمایا کہ اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنا اس کو گالی دینا ہے یعنی اسکی ذات کو ایسی چیز سے متصف کرنا ہے جو اس کے لئے نقص اور عیب کی چیز ہے۔ پھر فرمایا۔ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْاَرْضِ۔ اَلَا یَعْنِی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بلا مثال پیدا فرمایا ہے آسمان اور زمین کا پہلے وجود نہ تھا خداوند قدوس نے ان کو بغیر مثال اور بغیر نمونہ کے پیدا فرمایا اور جو کچھ ان کے اندر ہے وہ بھی پیدا فرمایا اور نظام محکم کا ان کو پابند بنایا سب اس کے حکم تکوینی کے پابند ہیں وہ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ وہ فَعَالٌ لِّمَا یُرِیدُ ہے۔ وہ صفت انفعال سے متصف نہیں ہے اور جب کسی کے اولاد ہوتی ہے تو اس میں سے اولاد منفصل یعنی جدا ہوتی ہے۔ اور یہ سب ایا صفت انفعال ہے جس سے اللہ جل شلثہ منزہ اور پاک ہے اور برتر ہے۔ (من روح المعانی) پھر فرمایا: وَ اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فوراً دیتا ہے کہ ہو جا) پس اس کا وجود ہو جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کسی بھی چیز کے پیدا فرمانے کیلئے اسباب اور آلات کا محتاج نہیں ہے۔ کسی چیز کے وجود میں آنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی کافی ہے جس طرح اُسے اسباب اور آلات کی ضرورت نہیں اسی طرح معین اور مددگار کی بھی ضرورت نہیں اولاد کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کاموں میں کچھ مدد کرے یا باپ کی موت کے بعد اس کا قائم مقام ہو۔ اللہ تعالیٰ شلثہ ازلی اور ابدی ہے۔ اُسے کسی اولاد کی ضرورت نہیں جو اسکی جگہ قائم مقام ہو اور اسکی قدرت بھی کامل ہے محض اس کے ارادہ سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ کسی چیز کے پیدا فرمانے کے لئے اللہ جل شلثہ کن فرمادیتا ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ کلام حقیقت پر محمول ہے اور واقعہ اللہ تعالیٰ کلمہ کُن فرماتے ہیں جس سے اس چیز کا وجود ہو جاتا ہے جس کے وجود میں لانے کے لئے یہ کلمہ فرماتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ جو چیز ابھی موجود نہیں اس کو کیوں کر خطاب کیا جاتا ہے۔ اس اشکال کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ خطاب کرنے کے لئے اس چیز کا علم ہونا کافی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ لفظ کن سے لفظ کن مراد نہیں ہے بلکہ یہ مجاز ہے سرعۃ تکوین سے اور جلد سے جلد وجود میں آ جانے سے۔ قال صاحب الروح والامر محمول علی حقیقۃ کما ڈھب الیہ محققو ساداتنا الحنفیۃ واللہ تعالیٰ قد اجرئ سنۃ فی تکوین

ل فی روح المعانی اے ارادشیہ بقرینۃ قولہ تعالیٰ اِنَّمَا اَمْرہ اذا اراد شیئاً وجاء القضاء علی وجہہ ترجع کلہا الی اتمام الشیء قولاً أو فعلاً والطلاقۃ علی الارادۃ مجاز من استعمال اللفظ المسبب فی السبب فان الایجاد الذی ہوا تمام الشیء مسبب عن تعلق الارادۃ لانه یوجہہ۔

الاشیاء أن يكونها بهذه الكلمة وان لم يمتنع تكونها بغيرها. والمراد الكلام الازلي لا نه يستحيل قيام اللفظ المرتب بذاته تعالى وكثير من أهل السنة إلى أنه ليس المراد به حقيقة الامر والا مثال. وانما هو تمثيل لحصول ما تعلق به الارادة بلا مهلة بطاعة المأمور المطيع بلا توقف۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ

اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی دلیل ایسا ہی کہا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے

قَبْلَهُمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۱۵﴾

تھا انہی جیسی بات ان کے دل آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کے لئے دلائل بیان کر دی ہیں جو یقین لاتے ہیں

جاہلوں کی باتیں کہ اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا

تفسیر: حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ سامنے صریح دلائل اور معجزات ہوتے ہوئے اپنے نبیوں کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور اپنے پاس سے تجویز کر کے نبوت کی دلیلیں طلب کرتے تھے۔ انہیں میں سے ایک یہ مطالبہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود بات کرے تو ہم مانیں اور کہتے تھے کہ ہم جو معجزہ چاہتے ہیں وہ ہمارے سامنے آنا چاہئے۔ اس آیت میں بقول بعض مفسرین کے مشرکین عرب کا یہی سوال نقل فرمایا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اگر مشرکین عرب مراد ہوں تو ان کے بارے میں الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ جو فرمایا ہے اس میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ کیونکہ وہ عموماً ان پڑھ تھے اور کسی کتاب کے حامل بھی نہ تھے اور اگر یہود و نصاریٰ مراد ہوں ان کو لَا يَعْلَمُونَ (نہیں جانتے) اس لئے فرمایا کہ انہوں نے جانتے ہوئے انجان ہونے کا کام کیا پھر فرمایا: كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ۔ (یعنی ان سے پہلے جو لوگ تھے جنہوں نے کفر و عناد اور سرکشی پر کمر باندھی ہوئی تھی انہوں نے بھی اسی طرح کی باتیں کہی تھیں ان کے قلوب ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے) کفر و عناد اور سرکشی میں اور انکار حق میں یہ لوگ اور جو ان سے پہلے تھے ایک ہی جیسے ہو گئے۔

پھر فرمایا قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (بے شک ہم نے دلائل بیان کر دیئے ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں) تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کو معجزات دیئے گئے۔ وہ انکی نبوت اور رسالت ثابت کرنے کیلئے بالکل کافی وافی تھے۔ اور نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر بھی بڑے بڑے معجزات اور دلائل واضح سامنے آچکے ہیں۔ منکرین اور معاندین کو تو ماننا ہی نہیں ہے۔ جن کے دلوں میں اتنا جادو کا جذبہ ہے اور جو حق سامنے آنے کے بعد حق کو تسلیم کر لیتے ہیں اور حق کو حق جان کر مان لیتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں یہ دلائل انہیں کے لئے مفید ہوتے ہیں منکرین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ جو بھی کوئی معجزہ ان کے سامنے آیا اس کو جادو بتا دیا اور حق کو ٹھکرا دیا۔ جس کو سورت قمر میں یوں بیان فرمایا کہ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعَرِّضُوا وَنَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ (اور اگر معجزہ دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا) سورہ انعام میں فرمایا۔ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ

جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لِّیُؤْمِنُوا بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا یُؤْمِنُونَ (یعنی انہوں نے خوب زور دار قسمیں کھا کر کہا کہ اگر ہمارے پاس (ایسا) معجزہ آجائے (جس کی ہم فرمائش کرتے ہیں) تو ہم ضرور ضرور ایمان لے آئیں گے۔ آپ فرمادیجئے کہ سب نشانیاں اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں۔ پھر مسلمانوں سے خطاب فرمایا تم کو اسکی کیا خبر کہ نشانی فرمائش کے مطابق ظاہر ہو جائے تو یہ لوگ اُس وقت بھی ایمان نہ لائیں گے؟) اپنی طرف سے تجویز کر کے دلائل و معجزات طلب کرنا ایمان لانے کے لئے نہیں ہے بلکہ محض ضد اور عناد مقصود ہے اُسی پر ٹٹے ہوئے ہیں ایمان و یقین کا ارادہ ہی نہیں رکھتے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ﴿۱۵۴﴾

بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور دوزخ والوں کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے

تفسیر: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اور آپ کا عہدہ یہ ہے کہ آپ جنت کی بشارت دیں اور دوزخ سے ڈرائیں بشارت میں وہ اعمال بتانا داخل ہے۔ جو دخول جنت کا سبب ہیں جن میں سب سے بڑی چیز ایمان ہے اور ڈرانے کے مفہوم میں ان اعمال سے باخبر کرنا شامل ہے جو دوزخ میں لے جانے والے ہیں جن میں سب سے بڑی چیز کفر و شرک ہے اور یہ جو فرمایا کہ وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ۔ (کہ آپ سے دوزخ والوں کے بارے میں سوال نہ ہوگا) اس میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ جو لوگ مسلمان نہ ہوں آپ ان کے بارے میں پریشان نہ ہوں آپ اپنا کام کئے جائیں۔ اللہ کا کام پہنچائیں۔ حق کو واضح طور پر بیان فرمادیں۔ آگے ایمان کو قبول کرنا یا نہ کرنا مخاطبین کی ذمہ داری ہے۔ آپ سے کوئی سوال نہ ہوگا کہ کافروں نے اسلام کیوں قبول نہ کیا اور وہ دوزخ کے مستحق کیوں ہوئے زبردستی ایمان قبول کرنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ کا کام پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔ کما فی سورۃ الرعد فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ سورۃ غاشیہ میں فرمایا: وَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ (یعنی آپ حق کی یاد دہانی کرتے رہئے آپ تو مُذَكِّرٌ ہی ہیں (یاد دہانی کرنے والے آپ کو ان پر مسلط نہیں کیا گیا) اور سورۃ ق کے آخر میں فرمایا: نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَيْذٌ۔ (یعنی ہم اُن باتوں کو خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کر نیوالے نہیں ہیں سو آپ ان کو قرآن کے ذریعہ نصیحت فرماتے رہیں جو میری وعید سے ڈرتا ہے) قال صاحب الروح والآیۃ اعتراض لتسلیۃ الرسول ﷺ یضیق صدرہ لا صرارہم علی الکفرا (الی ان قال) ای ارسلناک غیر مسئول عن اصحاب الجحیم مالہم لم یؤمنوا بعد ان بلغت ما ارسلت بہ والزمت الحجۃ علیہم

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَىٰ

اور ہرگز راضی نہ ہوں گے آپ سے یہود اور نصاریٰ یہاں تک کہ آپ اُن کے دین کا اتباع کر لیں۔ آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت

اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَٰكِنَّ أَتَّبَعْتُ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لَا

جو ہے وہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے انکی خواہشوں کا اتباع کیا بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے

مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۵۵﴾

تو نہ ہوگا آپ کے لئے کوئی دلی اور مددگار جو اللہ سے بچا دے

یہود و نصاریٰ راضی نہیں ہو سکتے جب تک اُنکے دین کا اتباع نہ کیا جائے

تفسیر: تفسیر معالم التنزیل ص ۱۱۰ ج ۱ میں ہے کہ یہود و نصاریٰ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپس میں کچھ صلح کر لیں (یعنی بعض چیزوں میں آپ نیچے اتر جائیں اور کچھ ڈھیل دے دیں تو ہم آپ کا دین قبول کر لیں گے) اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ تفسیر قرطبی ص ۹۳ ج ۲ میں آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اے محمد ﷺ ان کا اپنے تجویز کردہ دلائل و معجزات کا مطالبہ اس لئے نہیں ہے کہ ان کے کہنے کے مطابق معجزات ظاہر ہو جائیں تو یہ واقعی ایمان لے آئیں گے ہتھیۃ بات یہ ہے کہ آپ ان کے سامنے وہ معجزات لے آئیں جن کا یہ سوال کرتے ہیں تب بھی آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ آپ اپنے دین اسلام کو چھوڑ دیں اور ان کا پورا پورا اتباع کر لیں۔ جب تک آپ ان کے دین کا اتباع نہ کریں گے یہ کبھی آپ سے راضی ہو نہ پائیں گے۔

پھر فرمایا: قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اس کے سوا کوئی ہدایت نہیں اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ غلط ہے مگر اسی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہے لوگوں نے اپنے اپنے طور پر اپنی خواہشوں سے مذاہب بنا لئے ہیں۔ ان کا دین اختیار کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر آپ نے انکی خواہشوں کا اتباع کیا جبکہ آپ کے پاس علم آچکا ہے آپ اللہ کی گرفت میں آ جائیں گے اور اس وقت اللہ کی گرفت سے بچا نہ پائیں گے اور مددگار نہ ہوگا۔

(کما فی سورۃ الرعد وَلَٰئِنْ أَتَّبَعْتُ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ خطاب یا تو حقیقتاً رسول اللہ ﷺ کو ہے اور یا بظاہر آپ کو خطاب کیا ہے اور مراد اس سے آپ کی اُمت ہے اگر پہلی صورت مراد لی جائے تب بھی اس میں اُمت کیلئے تادیب ہے کیونکہ اُمت کا مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ سے کہیں کم ہے پس جب دوسروں کی خواہشوں کے اتباع سے رسول اللہ ﷺ کا مواخذہ ہو سکتا ہے تو اگر اُمت ایسا کوئی کام کر لگی جس میں دوسروں کا اتباع ہو وہ کیونکر مواخذہ سے بچے گی۔

مومن کا کام ہے کہ صرف اپنے خالق اور مالک کو راضی رکھے اور اُسے راضی رکھنے کے ذیل میں جو راضی ہوتا ہو وہ راضی رہے جو ناراض ہوتا ہو وہ ناراض رہے کوئی اپنا ہویا پر ایسا خدا کو ناراض کر کے کسی دوسرے کو راضی کرنے کی کوشش ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے۔ آجکل ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں وہ اپنے اعمال اور لباس اور وضع قطع اور شکل و صورت میں یہود و نصاریٰ کا اتباع کئے ہوئے ہیں اور اُن لوگوں کے سامنے اپنے کو حقیر جانتے ہیں انہیں راضی رکھنے کے لئے داڑھی بھی مونڈتے ہیں۔ یورپین لباس بھی پہنتے ہیں عورتوں کو بھی بے پردہ پھراتے ہیں اور غیروں

سے ان کے مصافحہ کراتے ہیں۔ ٹائی لگانے کو کفر سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یہ دشمنان اسلام طعنے دیں گے۔ اور ہمیں اچھی نظر سے نہ دیکھیں گے۔ افسوس ہے کہ ان کو یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہو جائے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع چھوٹ جائے لیکن اہل کفر راضی رہیں اور عزت کی نظر سے دیکھیں چاہے آخرت میں گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے عذاب ہی جھگٹنا پڑے حالانکہ وہ لوگ کسی بھی طرح سے راضی نہیں ہو سکتے وہ تو اسی وقت راضی ہوں گے جب العیاذ باللہ دین اسلام کو چھوڑ کر ان کی ملت و مذہب کا اتباع کر لیا جائے۔

ہمیں کافروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ ہماری عزت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ ہم مومن موحد ہیں افضل الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں ان کا دامن ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یہ ہمارے لئے اتنا بڑا اجر ہے کہ اس سے بڑا اور فخر نہیں اور یہی ہماری سب کچھ عزت ہے۔ دشمنوں کے اتباع میں دنیا و آخرت کی ذلت ہی ذلت ہے۔ اور ہلاکت اور بربادی ہے۔ سورۃ نساء میں فرمایا۔ اَيُّتَقُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةُ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا (کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہو سو اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہے)

فائدہ: آیت شریفہ میں حتیٰ تَتَّبِعْ مِلَّتَهُمْ فرمایا حالانکہ ابتداء آیت میں یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں کا ذکر ہے اور ہر ایک کی ملت الگ الگ ہے۔ پھر بھی دشمنی کا صیغہ نہیں لایا گیا۔ اور یوں نہیں فرمایا کہ آپ سے یہود و نصاریٰ ہر گز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ انکی ملتوں کا اعتبار نہ کریں۔ اس سے علماء تفسیر نے یہ بات مستنبط کی ہے کہ کافر اگرچہ مذہبی اعتبار سے اختلاف رکھتے ہوں۔ لیکن کفر میں سب شریک ہیں اس لئے ان سب کی ملت بھی ایک ہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ملتیں دنیا میں دو ہیں ایک ملت ایمان اور ایک ملت کفر فقہاء نے اس سے میراث کے بعض مسائل ثابت کئے ہیں اور یہ بات تو سب پر واضح ہے کہ کافروں کی ساری جماعتیں اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں ایک ہی رہیں۔ اور سب کی یہ کوشش ہے کہ اسلام نہ پھیلے اور مسلمان دنیا میں عروج نہ پائیں۔ اسلام کے خلاف جو تدبیریں کرتے ہیں ان میں سبھی کافر مشورے یا مال سے یا دل سے شریک ہوتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ بعض وہ فرقے جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور عقائد کے اعتبار سے مسلمان نہیں ہیں وہ بھی اسلام دشمنی میں اور مسلمانوں کی حکومتوں کی تباہ کاری میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہیں۔

مسلمانوں کو تنبیہ: آیت بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کیلئے ایسی کوئی صورت نہیں کہ کافروں کے ساتھ اپنے دین میں کوئی ملامت اور مصالحت کر لیں۔ دین اسلام اللہ کا بھیجا ہوا دین ہے۔ بندوں کا تجویز کیا ہوا نہیں ہے۔ بندوں کو کوئی اختیار نہیں کہ کچھ اونچ کر کے دینی مسائل اور احکام میں رد و بدل کر کے دشمنوں کے ساتھ زندہ رہنے کیلئے کوئی راستہ نکالیں۔ دشمنان اسلام یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے دین کو بدل دیں کیونکہ ان کا دین ان کا اپنا ہی بنایا ہوا ہے۔ اپنی بنائی ہوئی چیز میں ادل بدل کر سکتے ہیں لیکن مسلمان جو اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے پابند ہیں وہ اپنے دین میں کوئی تبدیلی نہیں لاسکتے اگر چند جاہلوں نے مل کر کسی حکم کو بدل بھی دیا تو ان کا یہ عمل کافرانہ ہوگا۔ اور اسلام میں کوئی تبدیلی نہ آئیگی۔

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ انکی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ انکی تلاوت کا حق ہے۔ یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو شخص اس پر ایمان نہ لائے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۷﴾

سو یہ لوگ پوری طرح خسارہ میں ہیں

جن کو کتاب ملی ہے وہ اسکی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کا حق ہے

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اہل ایمان کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اسکی تلاوت کا حق ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ایسی تلاوت کرنا جیسا کہ تلاوت کا حق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی کتاب میں جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اُن پر عمل کریں اور جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اُن کو اختیار نہ کریں اور قرآن کو اسی طرح پڑھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، اس کے کلمات میں تحریف نہ کریں اور اس کے معانی میں کوئی تبدیلی نہ کریں۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس کے محکمات پر عمل کریں اور تشابہات پر ایمان لائیں اور جو کچھ اشکال پیش آئے اس کو اہل علم کے سپرد کریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو تلاوت کرتے وقت کسی رحمت الی آیت پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے ہیں اور جب کسی عذاب کی آیت پر پہنچتے ہیں تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ (ابن کثیر ص ۱۶۳-۱۶۴ ج ۱)

یہ جو فرمایا کہ اسی طرح تلاوت کریں جیسا کہ نازل ہوا اسی میں تجوید کے ساتھ پڑھنا بھی داخل ہے سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ عربی ایک مستقل زبان ہے جو ۲۹ حروف پر مشتمل ہے۔ حروف کے مخارج بھی ہیں اور صفات بھی ہیں۔ مخارج اور صفات کا خیال نہ کرنے سے ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے۔ جس سے معانی بھی بدل جاتے ہیں اور بعض مرتبہ نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ ضروری ہے کہ تلاوت کر نیوالے قرآن کو صحیح طریقہ پر مخارج و صفات کی رعایت کے ساتھ پڑھیں اور صحیح ادائیگی کے لئے اصحاب تجوید سے رجوع کریں۔ علامہ جزری فرماتے ہیں۔

والاخذ بالتجوید حتم لازم من لم یجود القرآن آثم

لانه به الاله انزلا وهکذا منه الینا وصلا

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُونَ یہ کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کی ایسی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں، معلوم ہوا کہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی تلاوت اُسی طرح کی جائے جیسا کہ اسکی تلاوت کا حق ہے اور یہ کہ اسکی لفظی یا معنوی تحریف کر نیوالے اس پر ایمان والے نہیں۔ آخر میں فرمایا کہ وَمَنْ یُخَفِّرْ بِهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ یعنی جو لوگ اللہ کی کتاب کے منکر ہیں۔ اس پر ایمان نہیں لاتے یہ لوگ بھرپور خسارہ اور نقصان میں ہیں انہوں نے کفر اختیار کیا اور ایمان کے قریب نہ آئے لہذا دوزخ کے عذاب کے مستحق ہوئے۔ اعاذنا اللہ منها۔

یٰۤاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوا النِّعْمَۃَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاِنِّیْ فَعَلْتُكُمْ عَلٰی

اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر انعام کیا اور اس بات کو بھی کہ میں نے تم کو جہانوں پر

الْعَالَمِينَ ﴿۱۷﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا

فضیلت دئی اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی شخص کسی جان کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہ کرے گا اور نہ کسی کی طرف سے جان کا کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ

تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۱۸﴾

کوئی شفاعت نفع دے گی اور نہ انکی مدد کی جائے گی

بنی اسرائیل کو نعمتوں کی مکرر یاد دہانی

تفسیر: یہ دونوں آیتیں سورہ بقرہ کے چھٹے رکوع کے شروع میں گزر چکی ہیں۔ دونوں آیتوں میں وہاں ایک طرح کی تمہید تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر بنی اسرائیل کو اپنے انعامات یاد دلائے تھے اور انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا تھا اس کے بعد تفصیلی طور پر بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا اور انکی حرکتوں اور بد عملیوں اور جھوٹی آرزوؤں کا اور پھڑے کی پرستش کرنے اور جادو کے پیچھے لگنے اور فرشتوں کو اپنا دشمن بنانے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دبی زبان سے راجعہ کہنے اور اسکے برے معنی مراد لینے کا اور بعض دیگر امور کا تفصیلی بیان ہوا۔ بیان کے ختم پر اب یہاں پھر انہیں دونوں آیتوں کو دہرایا جو تمہید شروع میں مذکور تھیں۔ البتہ دوسری آیت میں ذرا سا لفظی فرق ہے اولاً و آخراً انکو اجمالی طور پر اپنے انعامات یاد دلا کر ایمان اور اعمال صالحہ میں لگنے کی طرف متوجہ فرمایا اور قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرایا اگر انسان اللہ کی نعمتوں کو سامنے رکھے کہ اللہ نے مجھ پر کیا کیا انعامات فرمائے اور اپنے نفس کا محاسبہ بھی کرے کہ میں نے انکے مقابلے میں کیا کیا اور ساتھ ہی فکر آخرت بھی ہو تو ایسا شخص ایمان صالحہ سے دور نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہودی ایمان سے بھی گئے اور اعمال صالحہ سے بھی گئے۔

وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ

اور جب آزمایا ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ انہوں نے اُن کو پورا کیا ان کے رب نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا اللہ

ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۱۹﴾

میری اولاد میں سے ان کے رب نے فرمایا کہ میرا عہد ظالموں کو نہ ملے گا

حضرت ابراہیمؑ کا آزمائشوں میں پورا اترنا اور انکی امامت کا اعلان فرمانا

تفسیر: اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا پھر اس میں انکے پورا اترنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے اُن کو چند کلمات کے ذریعہ آزمایا۔

کلمات کی تشریح اور توضیح جن کے ذریعہ آزمایا گیا

ان کلمات سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کرام نے بہت کچھ لکھا ہے کلمات جمع ہے کلمۃ کی اور کلمہ لفظ مفرد با معنی کو کہا جاتا ہے اور کلام کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں کلمات سے احکام شرعیہ مراد ہیں جن کا ابراہیم

علیہ السلام کو مکلف بنایا گیا تھا۔ جو احکام ان کو دیئے گئے انہوں نے اُن کو پورا کیا اللہ تعالیٰ شانہ نے ان احکام کے انجام دینے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف فرمائی۔ یہاں فرمایا فَاتَّمَّهُنَّ اٰی قَامَ بَهَنَ كَلْهِنَ یعنی (جتنے بھی احکام) کا حکم دیا گیا اُن کو پورا فرمایا اور سورہ النجم میں فرمایا: وَابْرَاهِيْمَ الَّذِي وَفَّى (اور وہ ابراہیم جس نے احکام کی پوری بجا آوری کی) یہ کون سے احکام تھے جن کا حکم دیا گیا اور وہ اُن پر پوری طرح قائم رہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال نقل کئے۔ خود حضرت ابن عباسؓ ہی کے متعدد اقوال ہیں جو تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں ان کا ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو مناسک حج کا حکم دیا جس کو انہوں نے پورا فرمایا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ طہارت اور نظافت سے متعلق ان کو احکام دیئے تھے اور یہ دس احکام ہیں جن میں پانچ سر کے متعلق اور پانچ باقی جسم سے متعلق ہیں۔ جو سر سے متعلق تھے وہ یہ ہیں۔ (۱) مونچھیں کاٹنا (۲) کلی کرنا (۳) سانس کے ساتھ ناک میں پانی لیکر ناک صاف رکھنا جیسا کہ وضوء اور غسل میں کرتے ہیں۔ احادیث میں اس کو استسحاق سے تعبیر فرمایا ہے۔ (۴) مسواک کرنا (۵) سر کے بالوں میں مانگ لگانا۔ اور باقی جسم کے احکام یہ ہیں۔ (۶) ناخن کاٹنا (۷) ناف کے نیچے بال صاف کرنا (۸) ختنہ کرنا (۹) بظلوں کے بال اکھاڑنا (۱۰) پیشاب اور پاخانہ کر کے پانی سے استبراء کرنا۔ صحیح بخاری (ص ۴۳) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں مقام قدوم میں اپنی ختنہ کی، حضرت سعید بن المسیب سے منقول ہے کہ ابراہیم خلیل الرحمنؑ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مہمان کی مہمان نوازی کی۔ اور سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی مونچھیں تراشیں اور وہ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جن کے چہرے پر سفید بال نظر آئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب یہ کیا ہے؟ رب تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وقار ہے (یعنی متانت اور سنجیدگی کی چیز ہے) اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا وقار اور بڑھاپہ تجھے (مؤطا مالک) حضرت ابن عباسؓ سے تیسرا قول یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن احکام کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش فرمائی ان میں سے چھ چیزیں انسان کے اندر ہیں اور چار احکام حج کے متعلق ہیں جسم انسانی کے متعلق چھ عدد یہ ہیں۔ (۱) ناف کے نیچے بال صاف کرنا اور بظلوں کے بال اکھاڑنا (۲) ختنہ کرنا (۳) ناخن کاٹنا (۴) مونچھیں تراشنا (۵) مسواک کرنا (۶) جمعہ کے دن غسل کرنا اور باقی چار جو احکام حج سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں (۱) طواف کرنا (۲) صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا (۳) جمرات پر نکل کر یاں مارنا (۴) طواف زیارت کرنا۔ حضرت ابن عباسؓ سے چوتھا قول یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو جن چیزوں کا حکم دیا اور انہوں نے اُن کو پورا کیا وہ تیس چیزیں ہیں اُن میں سے دس سورہ براءت کی آیت الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالٰتِ (الی آخر الآیۃ) میں اور دس سورہ مؤمنون کے اول میں اور سورہ معارج (کے پہلے رکوع میں) اور دس سورہ احزاب کی آیت اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ میں مذکور ہیں۔ مکررات کو چھوڑ کر ان سب کا شمار اس طرح سے ہے۔ (۱) توبہ کرنا (۲) عبادت کرنا (۳) اللہ کی حمد کرنا (۴) روزہ رکھنا (۵) رکوع کرنا (۶) سجدہ کرنا (۷) امر بالمعروف کرنا (۸) نہی عن المنکر کی انجام دہی کرنا (۹) اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا۔ اس آیت میں نو چیزیں مذکور ہیں۔ لیکن مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ سورہ براءت میں دس ہیں۔ احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے وہ آیت بھی ساتھ ملائی ہوگی جو آیت مذکورہ سے پہلے ہے۔ یعنی اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنْ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ

لَهُمُ الْجَنَّةُ اس آیت میں قتال اور جہاد مذکور ہے اسکو ملا کر دس صفات ہو جاتی ہیں۔ سورۃ مومنوں میں یہ احکام مذکور ہیں۔
 (۱) نماز میں خشوع کرنا (۲) لغو سے اعراض کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) شرم کی جگہ کو حرام سے محفوظ رکھنا (۵) امانتوں کی نگہداشت رکھنا (۶) عہد کی پابندی کرنا (۷) نمازوں کی پابندی کرنا۔ یہ چیزیں سورۃ مومنوں کے پہلے رکوع میں مذکور ہیں۔ سورۃ معارج میں بھی ان چیزوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں یہ چیزیں زائد ہیں۔ (۸) اپنے مالوں میں مسائل اور محروم کا حصہ رکھنا (۹) اپنے رب کے عذاب سے ڈرنا (۱۰) گواہیوں کو ٹھیک ادا کرنا۔

سورۃ احزاب میں یہ چیزیں مذکور ہیں۔ (۱) اسلام کا کام کرنا (۲) دل سے مومن ہونا (۳) فرمانبرداری کرنا (۴) قول و عمل میں سچائی اختیار کرنا (۵) طاعات کی ادائیگی میں اور مصائب کے آنے پر صبر اختیار کرنا۔ (۶) خشوع اختیار کرنا (۷) مال خیرات کرنا (۸) روزہ رکھنا (۹) شرم کی جگہوں کی حفاظت کرنا۔ (۱۰) بہت زیادہ اللہ کا ذکر کرنا۔ یہ دس چیزیں لیکن اس میں بعض چیزیں وہ ہیں جو سورۃ مومنین کی آیت میں بھی مذکور ہیں۔ اور یہاں اگر خشوع سے مراد مطلق خشوع لیا جائے (نماز میں اور غیر نماز میں) جس کا معنی ہے قلب کا جھکاؤ ہونا تو اس سے خشوع فی الاعمال اور خشوع فی المعاملات بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ تکبر اختیار نہ کرے اور قلب و جوارح کو عناد سے اور ہر ایسی چیز سے بچائے جو قلب اور اعضاء جوارح کے جھکاؤ کے خلاف ہو۔ سورۃ براءت میں جو السَّائِحُونَ ہے اس کا ترجمہ بھی روزہ دار کا کیا گیا ہے۔ سورۃ احزاب میں بھی الصائمین مذکور ہے۔ لیکن حضرت عطار نے السَّائِحُونَ ہم طلبۃ العلم (کما فی معالم التنزیل) اگر ان میں سے کوئی معنی لیا جائے تو مستقل ایک صفت کا ذکر آ جاتا ہے اور تکرار ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پانچواں قول یہ منقول ہے کہ جن کلمات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلا فرمایا اور اُن کو آزمایا وہ یہ ہیں۔ (۱) اپنی قوم سے جدا ہو جانا اور اللہ کے لئے مفارقت اختیار کرنا (۲) نمرود سے اللہ کی توحید کے بارے میں مباحثہ کرنا اور جان کا خطرہ ہوتے ہوئے ایک جابر کے سامنے کلمہ حق کہہ دینا (۳) پھر آگ میں ڈالا جانا اور اس کے باوجود حق پر قائم رہنا (۴) اپنا وطن چھوڑ کر اللہ کے لئے ہجرت کرنا اور دوسری جگہ (ملک شام چلا جانا) (۵) اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی ضیافت کے لئے مامور ہو جانا اور اپنی جان و مال سے اس پر ثابت قدم رہنا (۶) بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہونا پھر اس کے لئے نہ صرف یہ کہ آمادہ ہو جانا بلکہ اس کے گلے پر چھرا پھیر دینا (انہوں نے تو چھری پھیر ہی دی) آگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوئی اور بیٹا ذبح نہ ہوا۔ یہ دوسری بات ہے (جب یہ سب کام کر گزرے اور امتحان میں پورے اتر گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَسْلِمَ (فرمانبردار ہو جاؤ) انہوں نے عرض کیا اَسْلَمْتُ رَبِّ الْعَالَمِينَ (میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں) مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ کے یہ اقوال نقل کئے ہیں ہم نے تشریح میں بعض روایات کا اضافہ کر دیا ہے۔ اور آیات مذکورہ میں جو احکام ہیں انکی تعداد میں جو کلام ہے وہ بھی ذکر کر دیا ہے۔ اس کے بعد مفسر ابن کثیر نے کلمات کی تفسیر میں حضرت حسن بصری کے اقوال نقل کئے ہیں پھر ابن عباسؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کلمات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اس آیت میں اور اس کے بعد والی آیات میں مذکور ہیں۔ حضرت مجاہد سے بھی ایسا ہی منقول ہے اس کے بعد حافظ ابن کثیر مفسر ابن جریر سے نقل فرماتے ہیں کہ کلمات کی تفسیر میں جتنے بھی اقوال ہیں۔ ان میں جو کچھ مذکور ہے کلمات سے یہ سب مراد ہوں یہ بھی جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے بعض چیزیں

مراد ہوں اور کسی بھی چیز کے بارے میں متعین طریقہ پر اُسی وقت یقین کیا جاسکتا ہے کہ جب کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث ہو یا اجماع امت ہو لیکن صحیح حدیث یا اجماع سے ان میں سے کوئی چیز کلمات کی تفسیر میں ثابت نہیں ہے۔ اس کے بعد ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت مجاہد نے جو کلمات کی تفسیر کی ہے وہ زیادہ ٹھیک معلوم ہوتی ہے، لیکن ابن کثیر فرماتے ہیں کہ تمام اقوال میں جو مذکور ہے ان سب کو مراد لینا زیادہ اقویٰ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت

اس کے بعد ارشاد ہے: قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا) علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو احکام دے کر آرمایا اور انہوں نے احکام کی پورے طور پر بجا آوری کردی تو بطور صلہ اور انعام اللہ تعالیٰ شانہ نے اُن کو لوگوں کا پیشوا بنادیا۔ اور جن احکام میں اُن کو مبتلا فرمایا تھا اُن کے پورا کروانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اعمال اور اخلاق کے اعتبار سے اُنکی پوری طرح تربیت ہو جائے تاکہ وہ امامت کے لائق ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس طرح پیشوا بنایا کہ اول تو ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا ان پر صحیفے نازل فرمائے اور پھر ان کی نسل اور ذریت میں امامت کو جاری فرمایا یعنی ان کے بعد جتنے بھی نبی آئے ہیں وہ سب انہیں کی نسل میں سے تھے اور سب اس بات کے مامور تھے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ملت کا اتباع کریں۔ حتیٰ کہ نبی عربی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی اُنکی نسل میں سے تھے اور انکو بھی حکم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کریں۔ کما قال تعالیٰ ثُمَّ اَوْحٰیْنَ اِلَیْکَ اَنْ اَتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰہِیْمَ حَنِیْفًا گو پوری طرح سے اُنکی ملت کے احکام اُن کے بعد آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کی ملت میں نہ تھے لیکن اکثر یا بعض احکام اُنکے بعد کے شرائع میں اُنکی ملت کے موافق اور مطابق تھے۔ یہ تقریر اس صورت میں ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام کی امامت دوامی لی جائے اور اگر یہ مطلب ہو کہ اپنے زمانے کے لوگوں کے پیشوا تھے تو یہ بھی بعید نہیں ہے۔ روح المعانی میں دونوں باتیں لکھی ہیں۔ لیکن امامت سے نبوت مراد لینے کی صورت میں کلمات کی تفسیر میں جو بعض باتیں بیان کی گئی ہیں وہ نہیں آسکتیں جب کہ پیشوا ہونے کا اظہار اتمام کلمات کے بعد مراد ہو کیونکہ لڑکے کا ذبح اور بعض دیگر امور جو کلمات کی تفسیر میں بیان ہوئے ہیں وہ نبوت کے بعد ہی ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ (ذکرہ فی الروح)

لیکن ان میں سے جو کوئی ظالم ہو گا وہ اس مرتبہ پر فائز نہیں ہو سکتا، مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں عہد سے مراد امامت ہے اور متعین طور پر اس سے نبوت مراد ہے اور ظالموں سے کافر مراد ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ظالم بھی ہوں گے اور ظالم کو نبوت نہیں مل سکتی اور نبوت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو نسل تعلق کی وجہ سے ملتی چلی جائے ورنہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہا اللہ تعالیٰ نے نبی بنادیا اور جب چاہا سلسلہ نبوت ختم فرمادیا۔ قال فی الروح وعبر عنها بالعہد للامانة الى انہا امانة الله تعالیٰ وعہدہ الذی لا یقوم بہ الا من شاء الله تعالیٰ من عبادہ واثّر النیل علی الجعل ايماء الى ان امامة الانبياء من ذریتہ علیہم السلام لیست بجعل مستقل بل هی حاصلۃ فی ضمن امامتہ تنال کلا منہم فی وقتہ المقدر لہ۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاَتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّیٰ

اور جب ہم نے بنایا خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن اور بنا لو مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ

وَعٰہِدُنَا اِلٰی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِیَ لِلطَّٰلِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ

اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک کرو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع

وَالرَّکْعَ السَّجُوْدِ

اور سجدہ کرنے والوں کے لئے

کعبہ شریف کو مرجع اور جائے امن بنایا

تفسیر: حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے وطن سے ہجرت فرما کر ملک شام چلے گئے تھے انکی ایک بیوی حضرت سارہ تھی اور اس سے جو اولاد تھی وہ سب وہیں رہتے تھے۔ دوسری بیوی حضرت ہاجرہ تھی جن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے ان کو اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو بحکم خدا آپ مکہ معظمہ میں چھوڑ گئے جو اس وقت سنسان اور چٹیل میدان تھے جس کا واقعہ ان شاء اللہ سورہ ابراہیم کی تفسیر کے ذیل میں بیان ہوگا۔ جب اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے ذبح کرنے کا حکم ہوا جس کی بجائے آدری میں کامیاب ہو گئے۔ نیز دونوں کو کعبہ شریف بنانے کا حکم ہوا۔ دونوں باپ بیٹوں نے مل کر کعبہ بنایا جس کا ذکر ابھی آ رہا ہے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) اس آیت شریفہ میں کعبہ شریف کو اول تو مَثَابَۃً فرمایا جو ثَابٌ یَقُوْبُ سے ظرف کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے لوٹنے کی جگہ حضرت ابن عباسؓ اور متعدد تابعین سے مروی ہے کہ اسکو مشابہ اس لئے فرمایا کہ لوگ بار بار اس کی طرف آتے ہیں طواف کرتے ہیں اور اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں پھر واپس آتے ہیں اسکی حاضری دینے سے طواف کرنے سے دل نہیں بھرتا۔ دنیا کے مختلف شہروں کے لوگ اس کی طرف بار بار رجوع کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ قنادرہؓ اور عطاء خراسانی نے اس کا ترجمہ ”مجمع“ سے کیا یعنی جمع ہونے کی جگہ مآل اس کا بھی وہی ہے جو دوسرے حضرات نے فرمایا۔ کیونکہ جب ہر طرف لوگ آتے ہیں تو وہاں جمع ہونے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے پھر فرمایا وَاَمْنًا (کہ ہم نے کعبہ شریف کو امن کی جگہ بنایا) سورہ آل عمران میں فرمایا۔ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا (اور جو شخص اس میں داخل ہوگا امن والا ہوگا) حضرت ابراہیم علیہ السلام بانی کعبہ ہی کے وقت سے کعبہ شریف کی حرمت ذہنوں میں چلی آ رہی ہے۔ درمیان میں مشرکین بھی کعبہ شریف کے متولی رہے ہیں اور وہ بھی اسکی عظمت اور حرمت کے قائل تھے اور سارے عرب میں یہ بات مشہور تھی کہ یہ امن کی جگہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ آپس میں لڑتے رہتے تھے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر غارت گری کر دیتا تھا اور جنگ کرنا ان کا ضروری مشغلہ تھا لیکن مکہ معظمہ کے رہنے والوں میں کوئی قبیلہ حملہ آور نہیں ہوتا تھا۔ اللہ جل شانہ نے سورہ عنکبوت میں اہل مکہ پر اپنا انعام ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَنَحْفَظُ النَّاسَ مِنْ حَوْلِہِم

أَفَالْبَاطِلُ يُؤْمِنُونَ وَبِعِصْمَةِ اللَّهِ يُكْفَرُونَ (کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے بنادیا حرم کو امن کی جگہ اور انکے گرد و پیش میں لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے یہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں) چونکہ حرم مکہ امن کی جگہ قرار دے دی گئی۔ اس لئے اس میں قتل و قتل جائز نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ تم میں سے کسی کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ مکہ میں ہتھیار ساتھ لئے پھرے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے پہلے کسی کیلئے اس میں قتل کرنا حلال قرار نہیں دیا گیا اور میرے لئے حلال نہیں کیا گیا مگر دن کے تھوڑے سے حصہ میں پس مکہ معظمہ حرام ہے (یعنی اسکی حرمت برابر قائم ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کیلئے اس کی حرمت باقی رکھی ہے۔ (بخاری)

یہ جو آپ نے فرمایا کہ میرے لئے اس میں تھوڑی دیر کے لئے قتل حلال کیا گیا اس سے فتح مکہ کا دن مراد ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص حرم کے باہر حل میں کسی کو قتل کر کے حرم میں پناہ لے لے تو اس کو حرم میں قتل نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ اٹھا بیٹھا نہ جائے خرید و فروخت نہ کی جائے کھانے پینے کو کچھ نہ دیا جائے تاکہ مجبور ہو کر حرم سے باہر آ جائے پھر اُسے خارج حرم حل میں قتل کر دیا جائے (رُوح المعانی) حرم مکہ میں جیسا کہ قتل و قتل جائز نہیں ہے اسی طرح سے اس میں شکار کرنا۔ شکار کے جانوروں کو بھگانا دوڑانا بھی ممنوع ہے۔ حرم مکہ سے گھاس اور درخت کا ٹٹا اور وہاں کے کانٹے کا ٹٹا بھی ممنوع ہے جس کی تصریح بخاری و مسلم کی احادیث میں موجود ہے۔ اور کتب فقہ میں تفصیل لکھی ہے۔ پھر

فرمایا: وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُضَلًّى (اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لو) مقام ابراہیم سے کیا مراد ہے اس بارے میں متعدد اقوال مشہور ہیں اور معتد قول یہ ہے جسے عام مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ (اور احادیث شریفہ سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ) اس سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ شریف تعمیر فرماتے تھے یہ پتھر زینہ کا کام دیتا تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام انہیں اور چونہ وغیرہ دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے لیکر تعمیر فرماتے تھے۔ جب کعبہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو جس جانب کعبہ شریف کا دروازہ ہے اس طرف دیوار سے ملا ہوا اُس کو چھوڑ دیا۔ ساہا سال وہ وہیں تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اُسی جگہ رہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی وہیں تھا پھر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے وہاں سے ہٹا کر اس جگہ رکھ دیا جہاں اب ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ سیلاب آ گیا تھا جو اس کو بہا کر لے گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے لیکر وہاں رکھ دیا جہاں اب حضرات صحابہ کے سامنے اسکی جگہ بدلی کسی نے کوئی نکیر نہیں کی اور ساری اُمت نے اس کا ایک جگہ ہونا تسلیم کر لیا جہاں حضرت عمرؓ نے رکھ دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین میں سے ہیں جن کے طریقے پر چلنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ (علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين) اور ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا: اقتلوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (رواہ الترمذی) (یعنی میرے بعد ان کا اتباع کرنا جو میرے بعد ہوں گے یعنی ابو بکر و عمر) اور اسکو پہلی جگہ سے ہٹانے میں حکمت بھی ہے کیونکہ اب طواف کریں والوں اور طواف کی رکعتیں پڑھنے والوں کی زیادہ کثرت ہے اگر اپنی جگہ ہوتا اور طواف کرنے والے اسی کے پیچھے طواف کی رکعتیں پڑھتے تو طواف کرنے والوں کو کعبہ شریف کے قریب سے گزرنے کا راستہ نہ ملتا۔ ایک زمانہ تک مقام ابراہیم ایک چار دیواری کے اندر تھا جو

مسقف تھی اور قفل پڑا رہتا تھا۔ موجودہ حکومت نے وہ مسقف عمارت ختم کر کے مقام ابراہیم کو بلوری شیشہ میں رکھ دیا ہے۔ باہر سے مقام ابراہیم دکھائی دیتا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشانات صاف نظر آتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے (ص ۳۹۵ ج ۱) کہ چبۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور قرآن مجید کے یہ الفاظ تلاوت فرمائے **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّی** اور وہاں دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ مقام ابراہیم کو اپنے اور کعبہ شریف کے درمیان کر لیا۔ ان دو رکعتوں میں سورہ **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** اور سورہ **قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ** پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیتے تو اچھا تھا تو اس پر آیت **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّی** نازل ہوئی (صحیح بخاری) طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھنا واجب ہے۔ انکو مسجد حرام میں کسی بھی جگہ پڑھ سکتے ہیں لیکن مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا افضل ہے۔

بیت اللہ کو پاک کرنے کا حکم

پھر فرمایا: **وَعَهْدَنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهْرًا بَيْنَیْ لِلطَّائِفِیْنَ وَالْعَاكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ** (اور ہم نے حکم بھیجا ابراہیم اور اسماعیل کی طرف کہ پاک کرو میرے گھر کو طواف کرنے والوں کیلئے اور وہاں کے مقیمین کے لئے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کیلئے) اس میں کعبہ شریف کو پاک رکھنے کا حکم ہے اور کعبہ شریف کے ساتھ مسجد حرام کے پاک رکھنے کا بھی حکم ہو گیا کیونکہ طواف اور نماز کی ادائیگی اس میں ہوتی ہے۔ اور پاک کرنے میں سب کچھ داخل ہے۔ باطنی ناپاکی شرک و کفر اور بُت پرستی ہے اور گندی باتوں سے جھوٹ سے فریب سے بد عملی سے اور ظاہری ناپاکی سے اسے پاک رکھیں۔ طواف ایک ایسی عبادت ہے جو صرف مسجد حرام ہی میں ہو سکتی ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے۔ آیت شریفہ میں جو لفظ **الْعَاكِفِیْنَ** آیا ہے اسکے بارے میں حضرت سعد بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مکہ معظمہ کے رہنے والے مراد ہیں اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو دوسرے شہروں سے آتے ہیں اور مسجد حرام میں قیام کر لیتے ہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم جب بھی مسجد حرام میں بیٹھ گئے تو عاکفین میں شمار ہو گئے۔ اور اس کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو مسجد حرام میں اعکاف کریں۔ کیونکہ لفظ **عُكُوفُ** اُن پر بھی صادق آتا ہے۔ اور **الرُّكَّعِ السُّجُودِ** (رکوع اور سجدہ کرنے والے) سے نمازی مراد ہیں۔ مسجد حرام میں جس قدر بھی طواف اور نماز کا اہتمام ہو سکے غنیمت جانے ان دونوں کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

طواف کا ثواب

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اس گھر کا طواف کرتے ہوئے سات چکر لگائے اور ٹھیک طرح سے شمار کیا اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہوگا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ طواف کرنے والا جو بھی قدم رکھے گا اور اٹھائے گا تو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ معاف فرمادیں گے اور ایک نیکی اس کے اعمال نامہ میں لکھ دیں گے۔

مسجد حرام میں نماز کا ثواب

مسجد حرام میں نماز پڑھنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں ایک

نماز دوسری نمازوں کے مقابلہ میں ہزار نمازوں سے افضل ہے مگر مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے (کیونکہ اس کا ثواب مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے زیادہ ہے) مسجد حرام میں ایک نماز دوسری نمازوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔
(رواہ احمد وابن ماجہ باسنادین صحیحین کافی الترغیب للتحفظ المجدری ص ۲۱۴ ج ۲)

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ

اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا دے اس شہر کو امن والا اور رزق دے یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں سے جو

أَمِنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمْتِعْهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ

ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو کفر اختیار کریگا سو میں اسے تھوڑا سا نفع پہنچاؤں گا۔ پھر اسے دوزخ

إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَيَبْئِسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۶﴾

کے عذاب کی طرف جبرا پہنچاؤں گا۔ اور وہ بری جگہ ہے

اہل مکہ کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لئے اللہ جل شانہ سے درخواست کی کہ اس کو امن والا شہر بنا دیجئے۔ اللہ جل شانہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس کو ”بلد امین“ قرار دیا جس کے متعلق بعض احکام گذشتہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی کہ اس شہر کے رہنے والوں کو جو بھی ان میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو رزق دیا جائے جو طرح طرح کے پھلوں سے ہو۔ چونکہ انہوں نے پہلے لَا يَنْفَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ کا اعلان سن لیا تھا اس لئے دعا میں اہل ایمان کی تخصیص کر دی اور عرض کیا پھلوں کا انعام اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو دیا جائے چونکہ اللہ تعالیٰ دنیا سبھی کو دیتے ہیں اور رزق دنیاوی مومن اور کافر سبھی کو ملتا ہے اس لئے اللہ پاک کی طرف سے اعلان ہوا کہ رزق تو سبھی کو ملے گا اس میں ایمان والوں کی تخصیص نہیں ہے مومن اور کافر سبھی کھائیں گے لیکن آخرت کا رزق صرف مومنین کے لئے مخصوص ہے کافروں کو بھی دنیا میں رزق ملتا رہے گا۔ جتنی جس کی زندگی ہوگی اتنے دن دنیا میں اپنا رزق کھا سکے گا۔ اور دنیا میں جتنی بھی بڑی زندگی ہو آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی سی ہی ہے۔ اہل کفر دنیا میں کھالی لیں گے دنیا سے نفع اٹھالیں گے لیکن آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں وہاں اُن کو دوزخ جانے کے لئے مجبور ہونا پڑے گا۔ اور دوزخ کے عذاب سے انہیں کسی بھی طرح اور کبھی بھی کوئی چھٹکارا نہ ملے گا۔ اور دوزخ بہت بُری عذاب کی جگہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں جب تک اللہ نے چاہا اہل ایمان رہے اور مکہ معظمہ میں بستے رہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ پھر اہل مکہ مشرک ہو گئے۔ کعبہ شریف تک میں انہوں نے بت رکھ لئے اور لات و عزیٰ اور منات کی پوجا کرنے لگے۔ اگر ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہو جاتی کہ جو اہل ایمان ہیں انہیں رزق ملے تو اہل مکہ نے جب کفر اختیار کیا تھا اُسی وقت سے پھلوں سے محروم ہو جاتے لیکن اللہ جل شانہ نے اہل مکہ کو ہمیشہ رزق دیا مومنوں کو بھی اور کافروں کو بھی۔

مَنَّا سَكَنًا وَتُبَّ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶﴾

ہمارے حج کے احکام اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تویی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا کعبہ شریف تعمیر کرنا

تفسیر: کعبہ شریف پہلے فرشتوں نے پھر حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا پھر عرصہ دراز کے بعد جب طوفانِ نوح کی وجہ سے اسکی دیواریں سمار ہو گئیں اور عمارت کا ظاہری پتہ تک نہ رہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبہ شریف کی بنیادیں اٹھائیں اور کعبہ بنایا (کما ذکرہ الازرقی) چونکہ جگہ معلوم نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو متعین کر کے اس کی جگہ بتادی گئی جس کا ذکر سورہ حج کی آیت کریمہ **وَإِذْ يُوَئِّدَانَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ** میں فرمایا ہے۔ بنائے ابراہیم میں حطیم کا حکم کعبہ شریف میں داخل تھا قریش مکہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے جب کعبہ شریف بنایا۔ تو ان کے پاس خرچہ پورا نہ ہونے کی وجہ سے کعبہ شریف کا کچھ حصہ باہر چھوڑ دیا جسے حطیم کہا جاتا ہے اس حصہ میں میزابِ رحمت کا پانی گرتا ہے اور نصف قد کے برابر دیواریں بنی ہوئی ہیں اس پر چھت نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تیری قوم کے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں تو میں کعبہ شریف کو توڑ دیتا اور اسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر بنادیتا اور اس کا دروازہ زمین پر کر دیتا اور حجرِ یعنی حطیم کو اس میں داخل کر دیتا دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس لئے دو دروازے بنادیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کعبہ شریف اُسی حال میں رہنے دیا جس طرح قریش مکہ نے بنایا تھا پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے قواعدِ ابراہیمیہ پر بنادیا تھا اور حطیم کو کعبہ شریف میں داخل کر دیا تھا اور دروازے بنادیئے تھے ایک داخل ہونے کا ایک خارج ہونے کا اور بالکل زمین کے برابر کر دیا تھا اندر جانے کے لئے زمین کی ضرورت نہ تھی پھر حجاج بن یوسف نے اُسی طرح بنادیا جیسا قریش نے بنایا تھا حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حجاج کے بعد ہارون الرشید بادشاہ نے پوچھا کہ ہم پھر سے اُسی طرح بنادیں جیسا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بنایا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ اے امیر المومنین اس کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنائیے جو بھی آئے گا اسے توڑا کرے گا۔ اور بنایا کرے گا۔ اس طرح سے لوگوں کے دلوں سے اسکی ہیبت جاتی رہے گی (ذکرہ النووی فی شرح مسلم ص ۴۲۹ ج ۱) صحیح بخاری ص ۴۷۶ ج ۱ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کے حکم کی فرمانبرداری کیجئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میری مدد کرنا عرض کیا کہ میں آپ کی مدد کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں ایک گھر بناؤ اور ایک اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا اس کے بعد دونوں نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھانا شروع کیں۔ حضرت اسماعیلؑ پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیمؑ تعمیر کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ جب دیواریں اونچی ہو گئیں تو یہ پتھر (یعنی مقامِ ابراہیم) لے آئے جس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے۔ یہ پتھر زینہ کا کام دیتا تھا حضرت اسماعیلؑ ان کو پتھر دیتے تھے

اور دونوں یہ دعا کرتے جاتے تھے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ بات کس قدر ذہن میں بٹھانے کے لائق ہے کہ اللہ کے دو پیارے اللہ کے دونوں پیغمبر خلیل اللہ اور نوح اللہ علیہما السلام اللہ کا گھر اللہ کے حکم سے بنا رہے ہیں۔ اُن کے اخلاص میں ذرا بھی شبہ نہیں پھر بھی وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم نے قبول فرمائے اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کیسا ہی مخلص ہو اور کیسا ہی عمل صالح کرے اُسے اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہنا چاہئے اس بات سے ڈرتا رہے کہ کہیں خود پسندی اور عجب نفس میں مبتلا نہ ہو جائے درحقیقت اہل اخلاص کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کام کرتے جاتے ہیں اور ڈرتے جاتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل قبول ہوتا ہے۔ یا نہیں۔؟ کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ہ (مفسر ابن کثیر ص ۷۵ ج ۱) نے بحوالہ ابن ابی حاتم و ہیثم بن الورد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے آیت یَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ (الآیۃ) پڑھی پھر رونے لگے اور کہنے لگے کہ اے رحمن کے دوست آپ بیت الرحمن کی بنیادیں اٹھا رہے ہیں اور اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ قبول نہ ہو حضرت ابراہیم واسلعل علیہما السلام نے کعبہ شریف بناتے ہوئے یہ دعا بھی کی کہ اے ہمارے رب تو ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک اُمت بنادے جو تیری فرمانبردار ہو اس میں اوّل تو وہی خوف و خشیت والی بات کا مظاہرہ کیا کہ مسلم اور فرمانبردار ہوتے ہوئے بھی اپنے بارے میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا فرمانبردار ہی رکھے مومن کو چاہئے کہ ڈرتا رہے اور ایمان و اسلام کی دولت کے لئے اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکر گزار رہے اور اس کو محض اللہ کی توفیق سمجھتے اور اس نعمت کے بقا اور دوام کی دعا کرتا رہے۔

اُمت مسلمہ کے لئے دعاء اور اسکی قبولیت:

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اپنی ذریت میں سے اُمت مسلمہ کے پیدا ہونے کی دعا بھی کی مفسرین نے فرمایا ہے کہ چونکہ ارشاد خداوندی لَا یَنَالُ عَهْدُ الظَّالِمِینَ سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اُن کی ساری ذریت مومن نہ ہوگی اس لئے انہوں نے یوں عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہماری ذریت میں سے اُمت مسلمہ بنا دینا بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ اس سے عرب مراد ہیں جو حضرت اسلعل اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اولاد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن بندوں کو اپنے دین و ایمان کی فکر رکھتے ہوئے اپنی نسل اور ذریت کے دین ایمان کے لئے بھی فکر مند ہونا چاہئے اور یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ ہماری نسل میں موحدین، مومنین، متقین باقی رہیں۔ سورۃ فرقان میں مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِینَ إِمَامًا (اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا پیشوا بنا دے) اور سورۃ تحریم میں فرمایا ہے۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (اے ایمان والو بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے) اہل و عیال کے دین و ایمان کے لئے دعاء بھی کرنا چاہئے اور فکر بھی کرنا چاہئے۔

مناسک حج جاننے کے لئے دعاء

کعبہ شریف بناتے ہوئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسلعل علیہما السلام نے یہ دعا بھی کی کہ اے اللہ ہمیں مناسک

یعنی احکام حج سکھا دے تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف کی تعمیر مکمل کر دی تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور اُن کے ہاتھ پکڑ کر صفا اور مردہ پر لے گئے کہ یہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں پھر اُن کو مٹی لے گئے پھر مزدلفہ میں لے گئے اور فرمایا یہ امشعر الحرام ہے۔ پھر اُن کو عرفات میں لے گئے اور اُن کو احکام حج سکھا دیئے۔ جب عرفات میں لے گئے تو پوچھا کہ میں نے جو کچھ تم کو بتایا ہے تم نے پہچان لیا اور تین بار پوچھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں پہچان لیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت جبریل علیہ السلام نے حج کا طریقہ اور حج کے احکام بتائے انہوں نے حج کا اعلان عام کر دیا جس کا ذکر سورہ حج میں ان الفاظ میں ہے وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ (اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو) ان کے بعد موحّدین برابر حج کرتے رہے اور ان کے حجوں میں توحید کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ جب ان ہی کی نسل اور ذریت میں مشرکین پیدا ہو گئے اور وہی کعبہ شریف کے متولی بنے تو ان لوگوں نے حج میں شرک کی آمیزش کر دی اور حج کے احکام بدل دیئے حج کا مہینہ بھی بدل دیتے تھے۔ عرفات ہی میں نہیں جاتے تھے۔ مزدلفہ سے واپس آ جاتے تھے۔ بیت اللہ شریف کا ننگے طواف کرتے تھے جب حضور اقدس ﷺ نے مکہ فتح کیا اور مکہ سے مشرکین کا تسلط ختم ہوا تو آپ نے اعلان کروادیا کہ آئندہ کوئی شخص بیت اللہ کا ننگے طواف نہ کرے اور کوئی مشرک حج نہ کرے۔ پھر آپ نے ۹ھ میں حج کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں اور اُس میں پوری طرح حج کے احکام سکھائے اور بتائے اور حکم فرمایا کہ خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ (یعنی تم مجھ سے احکام حج سیکھ لو) اور فرمایا: قِفُوا عَلَىٰ مَشَاعِرِكُمْ فَاَنْتُمْ عَلَىٰ ارْثٍ مِنْ اَرْثِ اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ (کہ تم لوگ انہیں جگہوں میں وقوف کرو جو ہر انبی جگہیں معروف ہیں کیونکہ تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی میراث پر ہو)۔ (رواہ الترمذی وأبو داؤد والنسائی وابن ماجہ کما فی مشکوٰۃ ص ۲۲۸)

جس کسی کو بھی حج یا عمرہ کرنا ہو اُس کو لازم ہے کہ حج اور عمرہ کے احکام معلوم کرے۔ افسوس ہے کہ بہت سے لوگ حج اور عمرہ کے لئے چل دیتے ہیں اور ذرا بھی انکے احکام معلوم نہیں کرتے تلبیہ تک نہیں جانتے فرائض و واجبات تک چھوڑ دیتے ہیں اور جب کوئی عالم بتانے لگتا ہے تو اس کا بتانا ناگوار ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من الجہل والسفاهہ والحمق والضلالۃ۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

اے ہمارے رب اور بھیج دے اُن میں ایک رسول اُن میں سے جو تلاوت کرے اُن پر تیری آیات اور سکھائے اُن کو کتاب اور حکمت

وَيُزَكِّهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اور اُن کا تزکیہ کرے بے شک تو ہی عزیز ہے حکیم ہے

اہل مکہ میں سے ایک رسول بھیجنے کی درخواست اور اسکی مقبولیت

تفسیر: اس آیت میں بھی حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل علیہما السلام کی دعا کا تذکرہ ہے کعبہ شریف بناتے ہوئے جو دعائیں ان دونوں حضرات نے کی تھیں ان میں سے ایک یہ دعا بھی ہے کہ اے ہمارے رب ان میں سے ایک رسول مبعوث فرما اس رسول سے خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں جو عربی بھی تھے اور کئی بھی اور حضرت ابراہیم و

حضرت اسماعیل علیہما السلام دونوں کی نسل میں سے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے سب انہی کی نسل میں سے تھے۔ اور حضرت سرور عالم خاتم النبیین ﷺ کے علاوہ سب بنی اسحاق تھے اور صرف آپ ہی بنی اسماعیل میں سے ہیں۔ مفسر ابن کثیر نے (ص ۱۸۴ ج ۱) مسند امام احمد سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا ابتدائی تذکرہ اولاً کیسے شروع ہوا آپ نے فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میری والدہ نے جو خواب دیکھا کہ اُن کے اندر ایک نور نکلا ہے جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا۔ میں اس خواب کا مظہر ہوں یہ حدیث صاحب مشکوٰۃ نے بھی ص ۵۱۳ شرح السنہ سے نقل کیا ہے اس میں یوں ہے کہ میں اپنی والدہ کے خواب کا مظہر ہوں جنہوں نے وضع حمل کے وقت دیکھا تھا اُن کے لئے ایک نور روشن ہوا جس سے شام کے گل روشن ہو گئے۔ حدیث نقل کر کے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مطلب یہ کہ سب سے پہلے جنہوں نے میرا تذکرہ کیا اور لوگوں میں مجھے مشہور کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ تذکرہ دعا کی صورت میں تھا۔ ذکر مشہور ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے جو آخری نبی تھے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہوں نے آپ کا نام لیکر بشارت دی۔ اور بنی اسرائیل کو خطاب کر کے فرمایا: يَا بَنِي إِسْرَٰئِيلَ إِنِّي رَسُوْلُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلِ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اِسْمُهُ اَحْمَدُ (کہ اے بنی اسرائیل بلاشبہ میں تمہاری طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسول ہوں۔ میرے سامنے جو توراہ ہے اسکی تصدیق کرنے والا ہوں۔ اور ایک ایسے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہوگا) زمانہ حمل میں آپ کی والدہ نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا جس کی وجہ سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ انہوں نے اپنا خواب اپنی قوم کو سنایا۔ جو لوگوں میں مشہور ہو گیا اور یہ آپ کی تشریف آوری کے لئے ایک بہت بڑی تمہید تھی۔ آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری نبی مبعوث فرمایا جن کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی اور عیسیٰ علیہ السلام نے جن کی بشارت دی تھی۔ آپ کا نام احمد بھی ہے اور محمد بھی۔ آپ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت ختم فرمادی اور سارے عالم کے انسانوں کے لئے رہتی دنیا تک آپ کو نبی اور رسول بنا کر بھیج دیا اور سورۃ احزاب میں آپ کے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرمادیا۔ اور آپ نے لَا نَبِيَّ بَعْدِي (میرے بعد کوئی نبی نہیں) اور ختم ہی النبیین (مجھ پر نبیوں کی آمد ختم ہوگئی) اور اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ (بلاشبہ نبوت ختم ہوگئی اب میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ نبی ہے) (سنن ترمذی)

اعلان فرمایا:- آپ کی نبوت اور رسالت عامہ کا اعلان فرمانے کے لئے سورۃ اعراف میں یوں ارشاد فرمایا: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُوْلُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (آپ فرمادیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسول ہوں)۔

جس رسول کے آنے کی دعا کی اسکی صفات

حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اپنی نسل میں سے جس رسول کے مبعوث ہونے کے لئے دعا کی تھی اسکی صفات میں يَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ اور یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاَوْزِیْهِمْ فرمایا تھا۔ سورۃ آل عمران (ع ۱۸) میں بھی آپ کی یہ صفات مذکور ہیں اور سورۃ جمعہ میں بھی آپ کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہ کام اللہ تعالیٰ نے آپ کے سپرد فرمائے تھے۔ آپ نے ان کو پوری طرح سے انجام دیا۔

تلاوت کتاب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بحث میں سورۃ بقرہ میں اول تو یہ فرمایا کہ **يَتْلُوا عَلَيْهِمْ** آیاتہ کہ وہ نبی لوگوں کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام بھی ہے اور اللہ کی کتاب بھی اس کے الفاظ کا پڑھنا پڑھانا اور سننا اور سننا تلاوت کرنا صحیح طریقہ پر ادا کرنا بھی مطلوب اور مقصود ہے۔ بہت سے جاہل جو تلاوت کا انکار کرتے ہیں اور بچوں کو قرآن مجید حفظ کرانے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رننے سے کیا فائدہ؟ یہ لوگ کلام الہی کا مرتبہ اور مقام نہیں سمجھتے دشمنوں کی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید کو لوگوں کے آپس کے خطوط پر اور انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں پر قیاس کرتے ہیں۔ اور اپنی جہالت سے یوں کہتے ہیں کہ قرآن کے معانی اور مفہیم کا سمجھنا کافی ہے۔ اس کا پڑھنا اور یاد کرنا ضروری نہیں (العیاذ باللہ) یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ قرآن مجید کے الفاظ کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔ صحیفوں پر اعتماد کئے بغیر سینوں میں یاد رکھنا لازم ہے تاکہ اگر مطبوعہ مصاحف (العیاذ باللہ) معدوم ہو جائیں تب بھی قرآن شریف اپنی تمام قراءتوں کے ساتھ محفوظ رہ سکے۔

تلاوت قرآن کے فضائل

نیز قرآن مجید کی تلاوت میں بہت بڑا ثواب ہے سمجھ کر پڑھے یا بے سمجھے پڑھے تلاوت پر اجر عظیم ملتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جسے قرآن نے میرے ذکر سے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول کر لیا میں اُسے اُس سے افضل عطیہ دوں گا جو مانگنے والوں کو دوں گا۔ اور کلام اللہ کی فضیلت دوسرے تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ کی فضیلت اس کی مخلوق پر ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی کتاب سے ایک حرف پڑھا اس کے بدلہ میں ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس گنی ہو کر ملتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الہم ایک حرف ہے (بلکہ) الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (صرف الہم کا تلفظ کرنے سے تیس نیکیاں مل جائیں گی) (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح) معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کو طوطے کی طرح رننے سے تشبیہ دینا سخت گمراہی ہے۔ جس کی تلاوت کرنے سے ہر حرف پر ایک نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی کی دس نیکیاں بن جاتی ہوں اُسکی تلاوت طوطے کی طرح رننی لگانے کے برابر کیسے ہوئی۔ درحقیقت قرآن کی تلاوت مستقل کام ہے اس کے الفاظ کو محفوظ رکھنا مستقل ذمہ داری ہے اور اسکی تفسیر کو صحابہ اور تابعین کے طریقے پر محفوظ رکھنا اور بیان کرنا مستقل کام ہے۔ اور اس کے معانی مفہیم کو سمجھنا اور اس سے احکام کا استنباط کرنا مستقل عمل ہے۔ یہ سب چیزیں ضروری ہیں امت انکی مکلف ہے۔

جو لوگ اس پر زور دیتے ہیں کہ الفاظ کے پڑھنے اور یاد رکھنے کی ضرورت نہیں یہ لوگ نصاریٰ اور یہود سے بھی عبرت نہیں لیتے ان لوگوں نے اپنی کتابوں کے الفاظ کو محفوظ نہ رکھا تو اپنی کتابوں سے محروم ہو گئے۔ ان کی کتابوں کے ترجمے تو دنیا کی زبان میں ملتے ہیں مگر اصل کتاب مفقود ہے۔ ترجمہ صحیح ہے یا غلط اُس کے میلان کے لئے ان کے پاس اصل کتاب نہیں ہے اور یہیں سے اُن کے یہاں تحریف کا راستہ بھی کھل آیا۔ جب اصل کتاب موجود نہیں تو جس کا جو جی چاہے ترجمہ کر سکتا ہے۔

مسجد نبوی (ﷺ) میں ایک صاحب سے احقر کی ملاقات ہوئی اور انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے بچہ کو قرآن مجید

حفظ کرنے میں لگایا ہے لیکن میرے ایک استاد آئے تھے انہوں نے کہا کہ اب قرآن حفظ کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ قرآن مجید کمپیوٹر میں آ گیا ہے۔ احقر نے اُن سے کہا کہ تراویح میں قرآن مجید سنانے کے لئے کیا کمپیوٹر محرابوں میں رکھ دیا جائے گا؟ اور دنیا بھر کے دیہات میں ایک ایک گاؤں میں پانچ چھ سات مسجدیں ہیں کیا گاؤں والے ہر مسجد کے لئے کمپیوٹر خریدیں گے اور کمپیوٹر رکھنے کے لئے اپنے دیہاتی آدمیوں کو سکھانے والوں کے پاس بھیجیں گے؟ حفظ کی ضرورت صرف اس لئے نہیں ہے کہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ فلاں آیت کس سورت میں ہے اور پوری آیت کس طرح سے ہے۔ قرآن کا تلاوت کرنا اور سننا اور سنانا اپنی زبان اور کانوں کو اس میں مشغول رکھنا بہت بڑا عمل صالح ہے جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ قرآن مجید اور حدیث شریف کو نہیں جانتے اور ایمانی تقاضوں سے ناواقف ہوتے ہیں وہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی باتوں سے متاثر ہو کر الفاظ قرآنیہ سے محروم ہونے کا سبق دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکو ایمان کی سمجھ دے اور اہل شرکے شر سے بچائے۔

کتاب اور حکمت کی تعلیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا کام ذکر کرتے ہوئے وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فریضہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی کتاب کی تعلیم دیں۔ کتاب اللہ کے الفاظ بھی سکھائیں اور معانی بھی سمجھائیں۔ عربی زبان جاننا قرآن کے سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ قرآن کی تفسیر وہی معتبر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی اور سورہ حضرات صحابہ کرام نے سیکھی پھر اُن سے تابعین اور تبع تابعین اور سلف صالحین سے ہوتے ہوئے اُمت تک پہنچی۔ سورہ نحل میں فرمایا: وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ بیان کریں جو انکی طرف تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا) آج کل بہت سے لوگ ایسے ہیں جو تھوڑی بہت عربی جان کر قرآن شریف کے معانی اور مفاہیم اپنی طرف سے بتانے لگے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تفسیر سے بے نیاز ہو کر گمراہ ہو رہے ہیں اور گمراہ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی جہالت اور گمراہی سے کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کا خط ہے۔ جو مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور رسول کی حیثیت محض ایک ڈاکے کی ہے۔ ڈاکے کا کام خط پہنچا دینا ہے۔ خط پڑھ کر سنانا۔ سمجھنا اس کا کام نہیں۔ قرآن مجید نے تو اپنے بارے میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ یہ اللہ کا خط ہے جو مخلوق کی طرف آیا ہے اس کو خود ہی سمجھ لینا اور اس کے لانے والے سے مت سمجھنا بلکہ قرآن نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں کتاب و حکمت کی تعلیم دینا بتایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درمیان سے نکال کر قرآن سمجھنا کفر کی دعوت اور اشاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ اُمت مرحومہ کو ان لوگوں کے فریب سے محفوظ فرمائے۔

آیت شریفہ میں الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ دو لفظ مذکور ہیں اور دونوں کی تعلیم دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کے فرائض میں شمار فرمایا ہے مفسر بغوی معالم التنزیل (ص ۱۱۶ ج ۱) میں لکھتے ہیں کہ الْكِتَابَ سے قرآن مجید مراد ہے اور الْحِكْمَةُ سے مجاہد کی تفسیر کے مطابق فہم القرآن مراد ہے اور بعض حضرات نے اس سے احکام قضا مراد لئے ہیں۔ اور بعض حضرات نے حکمت کی تفسیر العلم والعمل سے کی ہے۔ صاحب روح المعانی نے بعض مفسرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

الحکمة سے کتاب اللہ کے حقائق و دقائق اور وہ سب چیزیں مراد ہیں جن پر قرآن مجید مشتمل ہے۔ اس صورت میں تعلیم کتاب سے مراد اُس کے الفاظ سمجھنا اور اسکی کیفیت ادایان کرنا مراد ہے اور تعلیم الحکمة سے اس کا معانی اور اسرار اور جو کچھ اس میں ہے اس سے واقف کرنا مراد ہے اور بعض حضرات نے حکمت کی تفسیروں کی ہے۔ مآ تکمل بہ النفوس من المعارف والاحکام یعنی وہ تمام معارف اور احکام جن سے نفوس کی تکمیل ہوتی ہے حکمت سے وہ سب مراد ہیں۔ درحقیقت حکمت کے جو معانی حضرات مفسرین نے بتائے ہیں وہ ایک دوسرے کے معارض اور منافی نہیں ہیں مجموعی حیثیت سے اُن سب کو مراد لیا جاسکتا ہے۔

تزکیہ نفوس: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا فرض منصبی وَ يُزَكِّيهِمْ بیان فرمایا لفظ يُزَكِّيہ کی تزکیہ سے مضارع کا صیغہ ہے۔ تزکیہ لغت میں پاک صاف کرنے کو کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف کتاب اللہ کا پڑھانا اور سمجھانا دینا ہی نہیں دیا بلکہ نفوس کا تزکیہ بھی آپ کے فرض منصبی میں داخل تھا۔ يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةُ میں تخلیۃ النفوس بالقضائل اور یزکیہم میں تخلیۃ النفوس عن الرذائل کا ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو توحید خداوندی سے آراستہ کیا اور کفر اور شرک کی نجاست سے پاک کیا۔ ایمان اور یقین دیا۔ شک سے بچایا۔ گناہوں کی گندگی سے دور کیا۔ نفوس کے رذائل دور کئے۔ اخلاق عالیہ اور اعمال صالحہ بتائے اور عمل کر کے دکھایا۔ گناہوں کی تفصیل بتائی ان کے اثرات ظاہرہ باطنہ دنیویہ و اخرویہ سے باخبر فرمایا۔ نیکیوں کی تفصیل فہرست بتائی اور اُن کے منافع دنیویہ و اخرویہ سے مطلع فرمایا حسد، بغی، کینہ، تکبر، حرص، لالچ، محبت جاہ کی مذمت فرمائی۔ حب فی اللہ اور تواضع اور فروتنی، صلہ رحمی، سخاوت، ضعیف کی مدد، بڑوں کی خدمت، یتیم کیساتھ رحمہ، تقویٰ، اخلاص، اکرام اہل ایمان، نرمی، حسن الجوار، غصہ پی جانا وغیرہ وغیرہ کی تعلیم دی۔ انسان کو انسان بنایا حیوانیت اور بہیمیت سے بچایا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ بعثت لا تمم حسن الاخلاق (کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں) (رواہ الکافی الموطا)

نفوس کا تزکیہ صرف زبانی طور پر بتا دینے سے نہیں ہو جاتا اس کے لئے صحبت کی ضرورت ہوتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کے لئے انسانوں ہی میں سے انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے تاکہ وہ عملی طور پر ان کا تزکیہ کر سکیں اور تاکہ انکی صحبت سے انسانوں کے نفوس خیر کی طرف پلٹ سکیں اور اعمال صالحہ کے خوگر ہو جائیں اور نفوس کی شرارتوں کو سمجھ سکیں اور اُن سے بچ سکیں سورہ توبہ میں ارشاد ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اس آیت شریفہ میں سچوں کے ساتھ ہونے کی تعلیم فرمائی ہے جو لوگ اپنے اخلاص اور عمل میں سچے ہیں ان کے ساتھ رہنے سے طبیعت اعمال صالحہ کی طرف راغب ہوتی ہے اور نفس و شیطان کی مکاریوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے پھر ان کا توڑ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ جس کسی کی صحبت اختیار کرے پہلے دیکھ لے کہ وہ قبیح سنت ہے یا نہیں؟ اس میں فکر آخرت کتنی ہے؟ اور حب دنیا اور جلب زر کے لئے تو مرشد بن کر نہیں بیٹھا، جس کسی کو قبیح سنت اور آخرت کا فکر مند پائے اس کی صحبت اٹھائے مال و جاہ کا حریص مصلح اور مرشد نہیں ہو سکتا اس کی صحبت میں رہنا زیر قاتل ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبْ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَا فِي الدُّنْيَا

اور ملت ابراہیم سے وہی روگردانی کریگا جس نے اپنے نفس کو احمق بنایا، اور بے شک ہم نے اُن کو منتخب کر لیا دنیا میں

وَأَنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ

اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں جب فرمایا اُن کے رب نے کہ فرمانبردار ہو جا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب

الْعَالَمِينَ ۝

العالمین کا فرمانبردار ہوں۔

ملت ابراہیمی سے وہی اعراض کرے گا جو احمق ہو

تفسیر: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ملت میں توحید الہی پر جینے اور مرنے کا حکم ہے اور شرک سے بیزاری ہے۔ ظاہری باطنی نظافت اور طہارت ہے، مہمانی ہے، قربانی ہے، اللہ کی عبادت ہے اور فرمانبرداری ہے۔ انابت الی اللہ ہے صحیح انسانیت کی تعلیم ہے اُن کی ملت کا اتباع کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا۔ سورہ نحل میں ارشاد ہے۔

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ (پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کیجئے جو باطل دینوں کو چھوڑ کر حق ہی کی راہ پر چلنے والے تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عمل اتمام کلمات اور اُن کو لوگوں کا پیشوا بنانے کے اعلان اور ان کے کعبہ بنانے اور قبولیت کی دعائیں کرنے اور اپنی نسل میں سے نبی آخر الزماں کی بعثت کی دعائیں گننے کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد ہو رہا ہے کہ ملت ابراہیمی سے وہی شخص بے رغبت ہو سکتا ہے اور اُن کی ملت سے وہی روگردانی کر سکتا ہے جو عقل سے کوراہو اور جس نے اپنے نفس کو بالکل ہی احمق بنا دیا ہو کوئی سلیم الفطرت عقل مند انسان اُن کی ملت سے انکاری نہیں ہو سکتا۔

ملت ابراہیم اس وقت ملت محمدیہ میں منحصر ہے اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے داعی ہیں۔ جو لوگ اس سے بیزار ہیں وہ لوگ مشرک بُت پرست، بے حیا، بے شرم، بد اخلاق، بد اعمال، دھوکے باز اور زمین میں فساد کرنے والے اور قوموں کو لڑانے والے ہیں اور جس قدر بھی دنیاوی قبائح اور خراب کام ہیں سب انہیں لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو ملت ابراہیم سے ہٹے ہوئے ہیں گو کفر و ایمان والے مسلمانوں میں بھی معاصی ہیں لیکن اول تو انہیں گناہ سمجھتے ہوئے کرتے ہیں اور دوسرے تو بہ کرتے رہتے ہیں اور ہر حال میں گناہ بھی حماقت ہی سے ہوتا ہے جیسا کہ سورہ نساء میں فرمایا اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ (الآیہ) مسلمین اہل المعاصی کی حماقت ان لوگوں کی حماقت سے بہت زیادہ کم ہے جو کفر و شرک پر جتے ہوئے ہیں اور ملت ابراہیمی کو قبول کرنے کو بالکل تیار نہیں ہیں۔

یہ بتانے کے بعد کہ ابراہیم کی ملت سے وہی روگردانی کریگا جس نے اپنی جان کو بے وقوف بنا دیا ہو یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو دنیا میں چن لیا اور برگزیدہ بنا لیا۔ دنیا میں انکی فضیلت اور برتری سب پر ظاہر ہے سب قومیں اُن کی فضیلت کی قائل ہیں اور اُن کے بعد جو بھی کوئی نبی آیا ہے انہیں کی نسل اور ذریت میں سے آیا ہے اور سب ان کو مانتے ہیں اور اُن سے عقیدت رکھتے ہیں۔ اُن کو دشمن نے آگ میں ڈالا اللہ تعالیٰ نے وہ آگ اُن کے لئے گلزار بنا دی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سے کعبہ تعمیر کرایا اس وقت سے لے کر آج تک کعبہ شریف کا حج ہوتا ہے۔ اور اُن کو جو مناسک حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتائے

تھے۔ اُن پر برابر عمل ہو رہا ہے۔ انہوں نے جو بیٹے کی قربانی کی تھی اس قربانی کے اتباع میں کروڑوں قربانیاں ہر سال پورے عالم میں ہوتی ہیں۔ درود ابراہیمی میں اُن کا ذکر ہے اُمّت محمدیہ جس کا نام انہوں نے مسلمان رکھا تھا (کمافی سورۃ الحج) وہ اُن کی ملت کی اتباع کر نیوالی ہے اور اُن کی یادگار ہے۔ پھر فرمایا: وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لِمَنِ الصَّالِحِينَ (آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوں گے) ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ وہ ثابت قدم صاحب استقامت اور خیر اور صلاح سے متصف ہو نیوالوں میں شمار ہوں گے۔ وہاں بھی اُن کی رفعت ہوگی جیسا کہ دنیا میں انکی فضیلت مشہور و معروف ہوئی۔ صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں۔ أَيُّ الْمَشْهُودِ لَهُم بِالْثَبَاتِ عَلَى الْإِسْقَامَةِ وَالْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ اسْ كَعْبَدْتُمْ فَرَمَاتِهِ هِيَ۔ وَذَلِكَ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى دَلِيلٌ مَبِينٌ لِكُونَ الرَّاعِبِ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ سَفِيهَا إِذَا لَصِطْفَاءِ وَالْعَزْ فِي الدُّنْيَا غَايَةِ الْمَطَالِبِ الدُّنْيَوِيَّةِ وَالصَّلَاحِ جَامِعٌ لِلْكَمَالَاتِ الْآخِرِيَّةِ وَلَا مَقْصِدٌ لِلْإِنْسَانِ الْغَيْرِ السَّفِيهِ سَوَى خَيْرِ الدَّارِينَ۔

یعنی ان کی خیر و صلاح اور ثبات علی الاستقامت میں اس امر کی واضح دلیل ہے کہ جو شخص ملت ابراہیمی سے منحرف ہو وہ واقعی بیوقوف ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ بننا اور معزز ہونا دُنیاوی مطلوبات کا آخری مقام ہے اور صلاح کمالات آخریہ کو جامع ہے۔ اور سمجھ دار آدمی کے لئے دونوں جہاں کی خیر سے بڑھ کر کوئی مقصد نہیں (نا سمجھ یعنی بیوقوف ہی ان مقاصد عالیہ سے منحرف ہو سکتا ہے)

اسلام کا معنی اور مفہوم

پھر فرمایا: إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمَ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (یعنی جب ان کے رب نے ان سے کہا کہ فرمانبردار ہو جا تو انہوں نے عرض کیا میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں)

لفظ اسلام کا مادہ سین۔ لام۔ میم ہے۔ جب یہ مادہ باب افعال میں مستعمل ہوتا ہے تو حکم ماننے فرمانبرداری کرنے اور حکم کے سامنے جھک جانے اور ظاہر و باطن سے فرمانبردار ہو جانے پر دلالت کرتا ہے اس کا صیغہ اسم فاعل مُسْلِم ہے۔ جس کی جمع مسلمون اور مسلمین ہے۔ اللہ جل شانہ خالق اور مالک ہیں سب اس کے بندے ہیں۔ بندہ اپنے خالق کا فرمانبردار ہو اس سے بڑھ کر اسکی کوئی سعادت نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کعبہ شریف بناتے ہوئے یہ دعا کرتے جا رہے تھے۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ (کہ اے ہمارے پروردگار تو ہم کو اُن لوگوں سے بنادے جو تیرے فرمانبردار ہیں) اور ساتھ ہی یہ بھی دعا کی وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ (کہ ہماری ذریت میں سے بھی ایک اُمّت مسلمہ بنادے) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے فرمایا کہ اپنے رب کے مطیع اور فرمانبردار ہو جاؤ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنے رب کا فرمانبردار ہوں۔ فرمانبردار تو وہ تھے ہی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہنے کے لئے حکم ہوا اور انہوں نے ہمیشہ فرمانبردار رہنے کا اقرار کیا اور یہ بتا دیا کہ میں ہمیشہ کے لئے اپنے رب کا فرمانبردار ہوں لفظ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ کہہ کر یہ بات ظاہر کر دی کہ چونکہ وہ رب العالمین ہے اس لئے اسکی اطاعت اور فرمانبرداری لازم ہی لازم ہے جو اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کریگا وہ اپنے مخلوق ہونے کا فرض منصبی ادا کریگا۔ سورۃ انعام میں فرمایا۔

قُلْ إِنِّي أَمُرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي

عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ . سورۃ آل عمران میں فرمایا۔ اَفَغَيَّرَ دِينَ اللّٰهِ يَتَّبِعُونَ وَلَوْ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَاَلَيْهِ يَرْجَعُونَ (کیا اللہ کے دین کے سوا دوسرا دین چاہتے ہیں حالانکہ اس کے لئے سب فرمانبرداری کے ساتھ جھکے ہوئے ہیں جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور سب اُس کی طرف لوٹیں گے) ساری مخلوق پر لازم ہے کہ اپنے خالق و مالک کی اطاعت کریں۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام امتحانات میں کامیاب ہوئے ہر مرحلہ سے گزرتے گئے۔ اور اطاعت و فرمانبرداری ہی کو اختیار کئے رہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بخت کا یہ مقصد تھا کہ وہ سارے انسانوں کو اللہ تعالیٰ شانہ کی فرمانبرداری کی طرف بلائیں۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین اسلام تھا۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانیں اور شرک سے بیزار ہوں اور احکام الہیہ کی تعمیل کریں اور ہر طرح سے فرمانبردار ہوں۔ گو احکام فرعیہ میں اختلاف بھی رہا۔ لیکن اصول میں سب متحد اور متفق تھے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الانبیاء اخوة من عائلات و امہاتہم شتی و دینہم واحد (رواہ البخاری و مسلم کانی المغلوۃ ص ۵۰۹)

اُن کی اپنی اپنی زبانوں میں اس دین کیلئے جو بھی لفظ اختیار کیا گیا ہو ہمارے رسول حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عربی تھے اور ان پر کتاب بھی عربی میں نازل ہوئی اس لئے لفظی اور معنوی طور پر اُن کے دین کا نام اسلام ہی ہے اور یہ لفظ جہاں فرمانبرداری کے معنی دیتا ہے وہاں اپنے مادہ کے اعتبار سے اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ حقیقی سلامتی دین اسلام ہی میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو جو اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تھا اُس میں تحریر فرمایا تھا۔ اَسْلِمْتُ تَسْلِمًا يُوَدِّعُكَ اللّٰهُ اَجْوَدَ مَوَدِّعٍ (تو اسلام قبول کر سلامت رہے گا اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائے گا) (صحیح بخاری ص ۱۵۷)

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے جو امت مسلمہ کے لئے دعا کی اُسی قبولیت کا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و التحیۃ وجود میں آگئی اور اس امت کے اعیان و اشخاص و افراد کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ”مسلمین“ رکھ دیا تھا (حيث قال في دعائه امة مسلمة لك)

سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا نام اسلام ہے دعوت بھی فرمانبرداری کی ہے۔ یہی دین اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا۔ اور میں نے اسلام کو دین کے اعتبار سے تمہارے لئے پسند کر لیا) اور فرمایا: اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (کہ بلاشبہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے) اور فرمایا: وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اور جو اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے قبول نہ ہوگا۔ اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا)

(پس مسلمانوں کا دین لفظاً و معنی سر اپا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری ہے۔ زندگی کے آخری لمحات تک فرمانبردار رہنے کا حکم ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور جزا اسلام کے اور کسی حالت میں مت مرنا معلوم ہو گیا کہ مسلمان کا کام بس یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے۔ بغیر چوں چہ اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل پیرا ہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے کیونکہ رسول اللہ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے (مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ) بہت سے لوگ اپنے دعویٰ میں تو مسلمان ہیں لیکن دل سے مسلمان نہیں۔ وہ اپنی عقل سے اسلام کی

باتوں کو رد کرتے ہیں اور دشمنان اسلام کی صحبتوں سے متاثر ہو کر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اسلام کو اپنے نظریات کے تابع بنانا چاہتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ حقائق ایمانیہ کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام والے نہیں (اگرچہ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں) ایسے لوگ ملت ابراہیمہ سے منحرف ہیں۔

دین اسلام کے علاوہ ہر دین مردود ہے

شاید کوئی نا سمجھ یہ اعتراض کرے کہ جب خالق و مالک کی فرمانبرداری ہی مطلوب ہے تو دین اسلام قبول کرنے کی ضرورت کیا ہے جس دین پر بھی کوئی شخص ہو اور اس دین میں رہتے ہوئے (اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے تو مقصود حاصل ہو گیا اور وہ مستحق نجات ہو گا اس جاہلانہ سوال کا جواب یہ ہے کہ خالق و مالک نے اُسی کو فرمانبردار قرار دیا ہے جو اُس کے بھیجے ہوئے دین کے مطابق اس کی فرمانبرداری کرے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے زمانہ میں آتے رہے ان پر ایمان لانا فرض تھا اور ان کی کتابوں اور صحیفوں پر بھی ایمان لانا فرض تھا اور قیامت پر ایمان لانا بھی اُن تفصیلات کے ساتھ فرض تھا جو انہوں نے بتائیں اللہ کے کسی نبی سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری اللہ کے یہاں معتبر نہیں ہے۔ کسی بھی نبی کا انکار اور اللہ کی کسی کتاب کا انکار کفر ہے کفر سب سے بڑی نافرمانی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کوئی عبادت اور کوئی فرمانبرداری معتبر نہیں سب سے آخر میں خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ پر اور آپ کی لائی ہوئی کتاب پر ایمان لانا ہر انسان پر فرض ہے جو شخص آپ کے لائے ہوئے دین سے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب سے اور آپ کی نبوت اور رسالت سے منحرف ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کا باغی اور نافرمان ہو گا۔ لہذا اس کی نجات کا کوئی راستہ نہیں۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں۔ اس بارے میں آیات قرآنیہ ہم گذشتہ صفحہ پر پیش کر چکے ہیں۔

اسلام کے علاوہ دنیا میں جتنے مذاہب ہیں۔ کفر تو ان سبھی میں ہے اور اُن میں اکثر مشرکین میں اور بہت بڑی بھاری تعداد میں وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ یہ سب کیسے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو سکتے ہیں؟ پھر ان لوگوں میں بے شرمی بے حیائی، سود خوری رشوت ستانی اور زنا کاری اس قدر پھیلی ہوئی ہے کہ یہ کسی بھی طرح فرمانبرداری کے دائرہ میں نہیں آ سکتے ہندوؤں اور بدھستوں کے پیشوا تو لنگوٹی باندھے ہوئے عام مخلوق کے سامنے آ جاتے ہیں یورپ اور امریکہ کے لوگ اور اُن کی تقلید کرنے والے جہاں کہیں بھی ہیں حتیٰ کہ ان کے مذہبی مقتدا اور سیاسی زعماء باعمالی اور بدکرداری میں لٹ پٹ ہیں۔ ان لوگوں کو خداوند قدوس کی فرمانبرداری سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ جس قوم میں زنا کاری عام ہو اور اُن کے عقیدہ میں اتوار کے دن چرچ میں پوپ کے معاف کر دینے سے گناہ معاف ہو جاتے ہوں اور چھوٹے پوپ کے گناہ بڑا پوپ معاف کر دیتا ہو وہ خداوند قدوس کے حکم کے فرمانبردار نہیں ہو سکتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اور انجیل شریف کی تحریف کی اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے بلکہ آپ کی ذات گرامی پر اعتراضات کئے اور کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ ایسے لوگ خداوند قدوس کے نافرمان اور سرپا نافرمان ہیں ان میں جو کوئی شخص راہب ہے اور اپنے خیال میں خداوند قدوس کی عبادت کرتا ہے اس کی رہبانیت اور عبادت سب بیکار ہے اور ضائع ہے، بھسم ہے اور اکھ کا ڈھیر ہے۔

وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ بَنِيهِ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ فَلَا

اور ملت ابراہیمہ کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی اے میرے بیٹے! شک اللہ نے منتخب فرمایا ہے تمہارے لئے اس دین کو

تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۷۸﴾ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتَ إِذْ قَالَ

سو ہرگز مت مرنے کا اس حالت میں کہ تم دین اسلام پر ہو۔ کیا تم حاضر تھے جس وقت آنے لگی یعقوب کو موت جبکہ انہوں نے اپنے بیٹوں

لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَاللَّهُ إِلَهُكُمُ وَإِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ

سے کہا کہ کس کی عبادت کرو گے میرے بعد انہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ دادوں ابراہیمؑ اسماعیلؑ

وَإِسْحَاقَ إِلَهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۷۹﴾

اور اسحق کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں

ملت ابراہیمی کی وصیت

تفسیر: یعنی ملت ابراہیمیہ کی وصیت کی ابراہیم علیہ السلام نے اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے اپنے بیٹوں کو۔ اور انہوں نے فرمایا کہ اے بیٹو! تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمیہ کو منتخب فرما دیا ہے۔ جس میں اخلاص ہے اور احکام الہیہ کا انقیاد ہے اور سراپا فرمانبرداری ہے۔ اس دین کو کبھی بھی مت چھوڑنا، مرتے وقت تک اور زندگی کے آخری لمحات تک اسی پر قائم رہنا کہ تم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو۔ علامہ واحدی اسباب النزول میں لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یعقوبؑ نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی تھی کہ تم یہودیت پر قائم رہنا اُن کی اس بات کی تردید میں آیت بالا نازل ہوئی کہ تم لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف یہ بات کیسے منسوب کرتے ہو کہ انہوں نے موت کے وقت یہودیت کی وصیت کی تھی کیا تم اُن کی موت کے وقت ان کے پاس موجود تھے؟ اُن کی موت کے سینکڑوں سال بعد تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی جن کے دین کو تم یہودیت سے تعبیر کرتے ہو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کو بھی صدیاں گزر گئیں۔

اب تم یہ کہہ رہے ہو کہ یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی وصیت کی تھی تمہارے پاس تمہارے دعویٰ کی نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی گواہ ہے اور یہودیت ان کے زمانہ میں تھی بھی نہیں پھر انہوں نے بیٹوں کو کیسے اسکی وصیت کر دی؟ انہوں نے تو توحید کی وصیت کی جس پر ملت ابراہیمیہ مشتمل ہے اور جو ملت ابراہیمیہ کا رکن اعظم ہے اُن کے بیٹے سراپا مطیع اور فرمانبردار تھے اور توحید خالص اُن کا دین تھا جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو ان سب نے جواب میں کہا کہ ہم اسی ذات پاک کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود اور آپ کے باپ دادوں یعنی ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحقؑ علیہم السلام کا معبود ہے۔ اور معبود صرف وہی ایک ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں اور طاعت گزار ہیں اور ہم اسی دین پر ہیں گے اور مریں گے درحقیقت جب عصبیت جاہلیہ کسی فرد یا قوم یا جماعت کے دلوں میں جگہ پکڑ لے تو حق اور ناحق کی قیاس ہو جاتی ہے اور ہمیسے لوگ صرف اپنے نفسانی عقائد و اعمال کے پیچھے چلے جاتے ہیں اور فکر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کہاں ابراہیمؑ اسماعیلؑ اور اسحقؑ علیہم السلام کا دین جو توحید الہی پر مشتمل تھا اور جس میں سراپا خداوند قدوس کی فرمانبرداری تھی اور کہاں یہودیوں کا وہ دین جس پر وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جس میں حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں ابن اللہ

ہونے کا عقیدہ بھی تھا اور جس میں حق کا چھپانا بھی تھا اور جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور توریت شریف کی تحریف اور رشوت خوری اور سود خوری تھی جو آج تک بھی یہودیوں کے اندر باقی ہے۔

فائدہ: (۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے اسمعیل اور دوسرے اسحاق تھے اور یعقوب اسحاق کے بیٹے تھے۔ اسمعیل یعقوب کے والدین تھے پھر بھی انکے آباء کے عموم میں شامل فرمایا مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ چچا پر بھی باپ کا اطلاق کرنا جائز ہے۔ تفسیر روح المعانی میں مصنف ابن ابی شیبہ سے حدیث مرفوعہ نقل کی ہے۔ واحفظو نی فی العباس فانہ بقیۃ آبائی (ص ۱۳۵ ج ۱) کہ تم عباس کے بارے میں میرے تعلقات کی حفاظت کرو کیونکہ وہ میرے آباء کا بقیہ ہیں۔

فائدہ: (۲) حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی وصیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو جہاں اپنے دین کے لئے فکر مند ہونا ضروری ہے۔ وہاں یہ بھی لازم ہے کہ اپنی اولاد اور آنے والی نسلوں کے لئے اس بات کا فکر مند ہو کہ وہ توحید پر قائم رہیں اور دین اسلام پر جمیں۔ اور ہمیشہ اللہ کے فرمانبردار رہیں برخلاف اس کے اپنی اولاد کو ایسے ممالک میں بھیجنا یا لے جانا جہاں وہ دین خداوندی پر باقی نہ رہ سکیں یا ایسی درگاہوں میں ان کو علم پڑھانا جہاں وہ اپنے دین کو کھو بیٹھیں یہ ان کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے۔ جو لوگ اپنے نماز روزے کا خیال کرتے ہیں اور اولاد کو کفر و فسق و فجور کے ماحول میں دھکیل دیتے ہیں اور وہ اس ماحول کو ان کے لئے تقدم اور ترقی سمجھتے ہیں وہ بڑے ظالم ہیں۔

تِلْكَ أُمَمٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا

وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی ان کے لئے وہ ہے جو انہوں نے عمل کیا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے عمل کیا اور تم سے اس چیز کا سوال نہ ہوگا

يَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾

جو وہ کیا کرتے تھے

یہودیوں کے اس غرور کا جواب کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں

تفسیر: یہودیوں کو اس بات پر بہت غرور تھا اور اب بھی ہے کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں اور ان کے نسل اور نسب میں ہونے کی وجہ سے ہم عذاب سے بچ جائیں گے اس آیت میں صاف صاف اس بات کی تصریح فرمادی کہ وہ حضرات اپنے اپنے عقائد اور اعمال لیکر دنیا سے چلے گئے انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کے ساتھ ہے ان کے اعمال صالحانہ کے کام آئیں گے اور تم نے جو کچھ کیا وہ تمہارے ساتھ ہیں ان کے اعمال میں سے کوئی حصہ تمہیں نہ ملے گا دوسروں کے اعمال کی وجہ سے خواہ مخواہ آس لگائے بیٹھے ہو جبکہ یہ آس اور اُمید قانون خداوندی کے خلاف ہے۔ تم اپنے عقائد اور اعمال اور کفر و ایمان کو دیکھو تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہو انجیل اور قرآن کو نہیں مانتے پھر بھی نجات کی اُمید لگائے ہوئے ہو۔ یہ بہت بڑی جہالت ہے وہ حضرات سابقین جن سے تم انتساب رکھتے ہو ان کے اعمال کی تم سے پوچھ تک نہ ہوگی اور نہ ان کا ذکر تمہارے سامنے آئے گا ان کے اعمال کا تمہیں نفع پہنچنا تو دور کی بات ہے۔ اُمّت محمد علی صاحبھا الصلوٰۃ والتحیہ میں بھی بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو سید زادے پیر زادے ہونے پر گھمنڈ کئے

ہوئے ہیں تارک فرائض ہیں۔ مرتکب منہیات و محرمات ہیں بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں لیکن وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم کسی کی نسل اور نسب میں ہونے کی وجہ سے بخش دیئے جائیں گے اور بہت سے جعلی جھوٹے دنیا دار پیروں نے اپنے عوام کو یہ دھوکہ دے رکھا ہے۔ کہ تم ہمارے جھنڈے کے نیچے ہو گے جس نے ہم سے بیعت کر لی اس وہ بخشا بخشایا ہے یہ سب فریب ہے مگر اہی ہے قرآن وحدیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔ (صحیح بخاری) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو اور اپنے اعزہ واقرباء کو یکا رسب کو حق کی دعوت دی اور عمومی اور خصوصی خطاب فرمایا اس خطاب میں یہ بھی تھا کہ اے عباس بن عبدالمطلب میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا اور اے صفیہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا اور فاطمہ بنت محمد ﷺ تم میرے مال سے جو چاہو سوال کرو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ اپنا دین و ایمان اور عمل صالح اللہ کے ہاں کام آئے گا۔ جو مومن نہ ہوگا اس کو میری رشتہ داری کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ جب آنحضرت ﷺ نے اپنی رشتہ داری کے بارے میں ایسا فرمادیا تو دوسروں کی کیا مجال ہے کہ وہ نسب کی بنیاد پر بخشے جانے کی امید رکھیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: من بطاہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ یعنی جس کا عمل دیر لگائے گا اُس کا نسب جلدی کر کے آگے نہیں بڑھا دے گا۔ ص ۳۳۵

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ

اور انہوں نے کہا کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تم ہدایت پا جاؤ گے آپ فرمائیے بلکہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جو پوری طرح حق ہی کی طرف تھے

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ قُولُوا أَمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ

اور مشرکین میں سے نہ تھے تم لوگ کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر بھی جو اس نے نازل کیا ہماری طرف اور اس پر جو نازل کیا گیا ابراہیم

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ

اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب پر اور ان کی اولاد پر اور اُس پر بھی جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو کچھ عطا کیا گیا دیگر

النَّبِيِّنَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نَفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝

انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں

اللہ کے تمام نبیوں اور تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم

تفسیر: تفسیر درمنثور میں بحوالہ ابن اسحاق وابن جریر وغیرہما حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن صور یا عور

(یہودی) نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ہدایت صرف وہی ہے جس پر ہم ہیں لہذا تم ہمارا اتباع کرو۔ ہدایت پا جاؤ گے۔ اور نصلائی

نے بھی اسی طرح کی بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے آیت وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا (الایۃ) نازل فرمائی۔ (ص ۱۱۴ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے دین کو ہدایت بتایا اور اسکی دعوت دی اور نصلائی نے اپنے دین کو ہدایت بتایا

اور اسکی دعوت دی اللہ جل شانہ نے انکی تردید فرمائی کہ تم ہدایت پر نہیں ہو تم اپنے اپنے دین کو چھوڑ دو اور ابراہیم حنیف کے

دین کو اختیار کرو جس کے داعی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے دین کا عالم اور شارح اور داعی آپ کے سوا کوئی نہیں ہے اُن کے دین میں تو حید ہے حق پر استقامت ہے۔ قربانی ہے ایثار ہے۔ اخلاص ہے اور تم میں سے کوئی بھی ملت ابراہیمی کا شیع نہیں ہے۔ دین حق میں اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرض ہے کہ اسکی ساری کتابوں اور اس کے سارے نبیوں پر ایمان لایا جائے اور ایمان لانے میں کوئی تفریق نہ کی جائے۔ اگر کسی ایک نبی کو بھی نبی نہ مانا تو سب کی تکذیب لازم آئے گی۔ اس صورت میں ہدایت پر ہونے کا دعویٰ غلط ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو نہیں مانا اور یہود و نصاریٰ دونوں قوموں نے حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کا انکار کیا قرآن کو نہیں مانا پھر ہدایت پر کیسے ہو سکتے ہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خصوصی وصف لفظ حنیفاً میں بیان فرمایا اور یہ قرآن مجید میں کئی جگہ ان کے حق میں استعمال ہوا ہے اس کا مادہ ح۔ ن۔ ف ہے امام راغب لکھتے ہیں: الحنف هو الميل عن الضلال الى الاستقامة والحنيف هو المائل الى ذلك (ص ۱۲۳) یعنی حنف یہ ہے کہ گمراہی سے ہٹنے ہوئے حق پر استقامت ہو۔ اور حنیف وہ ہے جس میں یہ صفت پائی جائے۔ تفسیر درمنثور ص ۱۴۰ ج ۱ میں مسند احمد اور الادب المفرد (المختاری) سے نقل کیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کو کون سا دین پسند ہے؟ آپ نے فرمایا الحنیفیۃ السمحۃ یعنی وہ دین اللہ کو محبوب ہے جس میں باطل سے بچتے ہوئے حق کو اپنایا گیا ہو اور جس پر عمل کرنے میں دشواری نہیں ہے (اس سے دین اسلام مراد ہے)

حنیفاً کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری صفت بیان فرمائی یعنی وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اُن کی یہ صفت دوسری آیات میں بھی ان الفاظ میں مذکور ہے۔ اس میں صاف اور واضح طور پر بتا دیا کہ ابراہیم علیہ السلام مشرک نہیں تھے۔ جو بھی کوئی جماعت یا فرد مشرک ہو گا وہ دین ابراہیم پر نہیں ہو سکتا مشرکین مکہ بھی اس بات کے مدعی تھے کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں۔ اُن کے اندر فتنہ کرنا حج کرنا اور مہمان نوازی کرنا باقی تھا۔ لیکن ساتھ ہی مشرک بھی تھے۔ حج کے تبلیہ میں بھی شرک کے الفاظ بڑھار کھے تھے اور کعبہ شریف میں بُت بھر رکھے تھے اور یہود و نصاریٰ نے بھی شرک اختیار کر رکھا ہے۔ حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو خدا کا بیٹا بناتے ہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ ملت ابراہیم کا اتباع کرو اور اُن کی ملت میں سب سے پہلی بنیادی بات یہ ہے کہ تو حید کے اقرار ہی ہوں اور شرک کے انکاری ہوں۔

مذکورہ بالا آیت میں لفظ الاسباط جو آیا ہے یہ سبط کی جمع ہے اس سے حضرت اسحق علیہ السلام کی اولاد مراد ہے۔ ان میں سب تو نبی نہیں تھے لیکن ایک بڑی تعداد میں اُن میں انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے اسی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِذْ جَعَلْ فِیْکُمْ اَنْبِیَاءَ وَجَعَلْکُمْ مِّلَّوْکَا وَاتَّخَذَ مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ مِّنْ الْعَالَمِیْنَ (ذکرہ حکایہ عن موسیٰ علیہ السلام فی سورۃ المائدہ)

مفسرین لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد بجز سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے بھی نبی آئے سب انہی کی اولاد میں سے تھے اور وہ حضرت اسحق کے بیٹے تھے (صلوات اللہ علیہم اجمعین) امت محمدیہ اللہ اللہ کے تمام نبیوں پر اور اسکی ساری کتابوں پر ایمان رکھتی ہے سب کا ادب سے نام لیتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی عصیت نہیں ہے۔ باوجودیکہ یہ یہود و نصاریٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے جا باتیں کرتے ہیں لیکن مسلمان کبھی بھی اُلٹ کر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی شان میں کوئی ناروا کلمہ نہ کہتے ہیں اور نہ کہہ سکتے ہیں اگر ایسا کریں گے تو ان کا ایمان جاتا رہے گا۔

فَإِنْ أَمْنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ

سو اگر وہ ایمان لے آئیں ان چیزوں پر جن پر تم ایمان لائے تو وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو بس وہ مخالفت ہی میں لگے ہوئے ہیں۔

فَسَبِّحْهُمْ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ط

پس عنقریب اللہ آپ کی طرف سے اُن کے لئے کافی ہوگا اور وہ سب سے علیم ہے

اگر دشمنان دین اسلام نہ لائیں تو وہ مخالفت ہی پر تلے ہوئے ہیں

تفسیر: اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے اور حضور اقدس ﷺ کو تسلی بھی ہے ارشاد ہے کہ اپنے اپنے دین کو ہدایت پر بتانے والے اگر اسی طرح کے مومن ہو جائیں جس طرح کے تم مومن ہو اور اُن سب چیزوں پر ایمان لائیں جن پر تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ اعراض کریں اور اس ایمان سے روگردانی کریں جو اللہ کے نزدیک معتبر ہے اور جسے تم پیش کرتے ہو تو سمجھ لو کہ ان کو خواہ مخواہ کی ضد ہے حق قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں اور انہوں نے حق کی مخالفت پر کمر باندھی ہوئی ہے تھوڑا سا موقع ان کو مل رہا ہے اے نبی اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری طرف سے کفایت فرمائے گا اور اُن کے شر اور مکروکید سے مستقل طریقہ پر تمہیں چھٹکارا اور خلاصی دے گا۔ وہ ذلیل ہوں گے خوار ہوں گے دنیا و آخرت کی سزا میں مبتلا ہوں گے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے وہ ان کی سب باتیں سنتا ہے اور علیم بھی ہے جو اُن کی سب باتوں کو جانتا ہے۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عِبْدُونَ ط

ہم کو اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور وہ کون ہے جس کا رنگ دینا اللہ تعالیٰ کے رنگ دینے سے اچھا ہو اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں

ہم کو اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے

تفسیر: علامہ واحدی نے اسباب النزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نصاریٰ کا یہ طریقہ تھا کہ جب اُن کا کوئی پچہ سات دن کا ہو جاتا تھا تو اُسے پانی میں رنگ دیتے تھے اور اس بات کو معمولی کہتے تھے۔ مقصد اُن کا یہ تھا کہ اس طرح سے اُسے پاک کر دیں۔ اور (چونکہ ختنہ نہیں کرتے تھے) اس لئے کہتے تھے کہ یہ عمل ختنہ کی جگہ ہے جس سے طہارت حاصل ہوگئی جب یہ کام کر لیتے تھے تو سمجھتے تھے کہ اب پکا نھرانی ہو گیا۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور بتادیا کہ صحیح رنگ وہی ہے جس رنگ میں اللہ نے اپنے مومن بندوں کو رنگ دیا۔ اصل رنگ ایمان کا رنگ ہے اور اعمال صالحہ کا رنگ اور اللہ کے علاوہ وہ کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ کے رنگ دینے کی حالت سے اچھی ہو۔ حاصل یہ ہے کہ مومن بندے اعلان کر دیں کہ ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان رچا دیا اور اعمال صالحہ سے ہم کو آراستہ فرما دیا۔ ایمان اور اعمال صالحہ

لے ترجمہ علی ان "مثل" زائدة كما في تفسير الجلالين ۱۲ قال صاحب معالم التنزيل اي بما أعتقتم به وكذلك كان يقرء ما ابن عباس والمثل صلة كقوله تعالى ليس كمثله شيء اي ليس هو كشيء وقيل معناه فان آمنوا بجميع ما أعتقتم به اي اتوا بايمان كما يمانهمكم و توحيد كتوحيدكم وقيل معناه فان آمنو مثل ما أعتقتم والباء زائدة

پر ہم کو جو استقامت بخشی ہے ہمارا رنگ یہی ہے اور ہم اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ہم ایمان اور اعمال صالحہ کے رنگ کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں اس سے اچھا کوئی رنگ نہیں اللہ نے ہمیں رنگ دیا ہے اور ہم اسی رنگ میں خوش ہیں۔ ہم اللہ کی توحید پر جیتے اور مرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار اور مطیع ہیں۔ صاحب تفسیر جلالین فرماتے ہیں: صبغة الله مصلو مؤکد بائنا ونصبه بفعل مقلد أى صبغنا الله والمراد بها دينه الذى فطر الناس عليها لظهور أثره على صاحبه كالصبغ۔

نصرانی معمودی کے نام کے پانی میں رنگنے سے اپنے بچوں کو اپنے باطل خیال میں پاک کرتے تھے اور اب بھی جس کو نصرانی بناتے ہیں بسمیہ دیتے ہیں اور خاص پانی میں نہلاتے ہیں کفر کے ساتھ باطن پاک ہو ہی نہیں سکتا ظاہری پانی تطہیر باطن کا کام دینے والا نہیں ہے۔ آیت شریفہ میں مؤمنین کو ایمان پر استقامت کا حکم بھی ہو گیا اور نصاریٰ کی تردید بھی ہو گئی۔

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ

آپ فرمائیے کیا تم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لئے ہیں تمہارے لئے ہیں تمہارے لئے ہیں تمہارے لئے ہیں

وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿۱۸﴾

اور ہم اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص والے ہیں

اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے

تفسیر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ یہود و نصاریٰ سے فرمادیں کہ تم ہم سے اللہ کے دین کے بارے میں جو جھگڑا کرتے ہو اور کہتے ہو کہ جو دین اللہ کو پسند ہے وہ یہودیت اور نصرانیت ہے۔ تمہارا یہ کہنا اور اپنے خیال کے مطابق جنت میں داخل ہونے کے خواب دیکھنا غلط ہے۔ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سب کو اُسے راضی کرنے کیلئے فکر مند ہونا لازم ہے اور اُس نے جس دین اور جس ملت کو جس زمانہ میں ذریعہ نجات بنا دیا اُسی کو اختیار کرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے عرب میں سے ایک نبی کو چن لیا۔ اس نبی پر ایمان لانا فرض ہے تم ایمان نہیں لاتے اور ہم سے جھگڑتے ہو۔ ہم سے جھگڑنا فضول ہے ہمیں اپنے ایمان اور اعمال حسنہ کا اجر ملے گا تمہیں تمہارے کفر اور تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کے اوامر کی مخالفت کی سزا ملے گی۔ ہم تو اللہ کیلئے مخلص ہیں اپنے اعمال کے ذریعہ صرف اُسی کی رضا چاہتے ہیں۔

قال صاحب الروح قل اتحاجونا تجريد الخطاب للنبي ﷺ لما ان المأمور به من الوظائف الخاصة به عليه الصلوة والسلام والهمزة للاحتكار فى الله أى فى دينه وتدعون ان دينه الحق اليهودية والنصرانية وتبنون دخول الجنة والاهتداء عليهما وقيل: المراد فى شان الله تعالى واصطفائه نبيا من العرب دونكم بناء على ان الخطاب لاهل الكتاب وسوق النظم يقتضى ان تفسر المحاجة بما يخص بهم والمحاجة فى الدين ليست كذلك (الى آخر ما قال)

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ

کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد

كَانُوا هُودًا أَوْ نَصْرَىٰ قُلْ أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ آپ فرمادیجئے کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے چھپایا

شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸۴﴾

اُس گواہی کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے پاس موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کا مول سے بے خبر نہیں ہے جنہیں تم کرتے ہو

یہود و نصاریٰ کے اس قول کی تردید کہ ابراہیمؑ
اور اسمعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ یہودی یا نصرانی تھے

تفسیر: یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اُن کی اولاد جن کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ یہ حضرات نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ یہ حضرات ملت ابراہیمی پر تھے یہودیت اور نصرانیت اور توریت اور انجیل اُن کے بعد نازل ہوئی ہیں جن سے تم اپنا جوڑ لگاتے ہو پھر ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بیٹے اور پوتے یہودیت اور نصرانیت اور توریت پر کیسے ہو سکتے ہیں تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ تعالیٰ کو زیادہ علم ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا عالم ہے اُسی کو صحیح علم ہے تم جہاں حضرت ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کے اسباط کے بارے میں غلط بات کہتے ہو اور ان کو یہودیت اور نصرانیت پر بتلاتے ہو وہاں اس شہادت اور گواہی کو بھی چھپاتے ہو جو اللہ کی طرف ہے تمہارے پاس پہنچی۔ اور وہ شہادت یہ ہے کہ ابراہیمؑ علیہ السلام حنیف تھے موحد تھے مشرک نہیں تھے۔ یہودی اور نصرانی نہیں تھے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا۔

قَالَ تَعَالَىٰ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَحْجُونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ هَٰ أَأَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ حَاجِبْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تَحْجُونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ هَٰ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ هَٰ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُسْتَرْكِينَ (اے اہل کتاب کیوں حجت کرتے ہو ابراہیم کے بارے میں حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد کیا پھر سمجھتے نہیں ہو۔ ہاں تم ایسے ہو کہ ایسی بات میں توجہ نہ کر رہی چکے تھے جس سے تم کو کسی قدر توفیق تھی سو ایسی باتوں میں کیوں حجت کرتے ہو جس سے تم کو اصلاً واقفیت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن طریق مستقیم والے صاحب اسلام تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے)

آیت شریفہ کے عموم میں جہاں اس شہادت کے چھپانے کو بڑا ظلم بتایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تھی وہاں یہودیوں کی اس بد باطنی کی طرف بھی اشارہ ہے جس کی وجہ سے اُن لوگوں نے اس گواہی کو چھپا رکھا تھا جو تورات اور انجیل میں حضرت رسول کریم ﷺ کی بعثت اور نبوت و رسالت کے بارے میں موجود تھی۔

قال في الروح (ص ۴۰۰ ج ۱) وفي اطلاق الشهادة مع ان المراد بها ماتقدم من الشهادة

المعينة تعريض بكتماهم شهادة الله تعالى لنبه محمد ﷺ في التوراة والانجيل

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ

وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی ان کے لئے وہ ہے جو انہوں نے عمل کیا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے عمل کیا اور تم سے اُس چیز کا سوال نہ ہوگا

عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۸۵﴾

جو وہ کرتے تھے۔

نسب و غرور کرنے والوں کو تنبیہ

تفسیر: یہ آیت مکرر ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہود کو دوبارہ متنبہ فرمایا ان کی طبیعتوں میں جو باپ دادوں پر فخر کرنا اور نسب پر بھروسہ کرنا مستحکم تھا اس کے نافع نہ ہونے پر دوبارہ بطور تاکید کے تنبیہ فرمائی اور بتا دیا کہ اللہ تمہیں تمہارے اعمال پر جزا دے گا اور تمہارے باپ دادوں کا عمل تمہیں کچھ نفع نہ دے گا اور قیامت کے دن تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تمہارے باپ دادے کیا عمل کرتے تھے (یعنی ان کے اعمال کا بالکل ذکر نہ ہوگا) بلکہ تم سے تمہارے اعمال کا سوال ہوگا اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ یہ آیت پہلے جو گزری ہے وہاں اہل کتاب کو خطاب تھا۔ اور یہاں اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو تنبیہ ہے کہ تم لوگ یہود کی اقتداء نہ کرنا اور ان کی طرح سے آباؤ اجداد پر فخر نہ کرنا اور اپنے ذاتی اعمال کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔



سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَن قِبَلِهِمُ الَّذِينَ كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ

عقرب کہیں گے بیوقوف لوگ کس چیز نے پھیر دیا اُن کو اُن کے اُس قبلہ سے جس پر وہ تھے۔ آپ فرمادیجئے اللہ ہی کے لئے

الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

مشرق اور مغرب ہے۔ وہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے سیدھے راستہ کی طرف

تحویل قبلہ پر بیوقوفوں کا اعتراض اور اُن کا جواب

تفسیر: تفسیر درمنثور (ص ۱۴۱ ج ۱) میں بحوالہ ترمذی و نسائی وغیرہم حضرت برادر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی اور آپ کا دل چاہتا تھا کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھیں۔ آپ آسمان کی طرف منہ اٹھاتے تھے (اور وحی کا انتظار کرتے تھے کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہو جائے) اللہ جل شانہ نے آیت **قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ** (الایۃ) نازل فرمائی اور کعبہ شریف کی طرف نماز میں رُخ کرنے کا حکم فرمادیا اس پر بیوقوفوں نے یعنی یہودیوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ کسی چیز نے اس قبلہ سے ان کا رُخ پھیر دیا۔ جس پر یہ تھے (یعنی بیت المقدس کی طرف رُخ کرنا چھوڑ کر کعبہ شریف کی طرف رُخ کرنا کیوں شروع کیا) اللہ تعالیٰ نے (اس کے جواب میں) **قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** نازل فرمائی۔ تفسیر (درمنثور) میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جو حکم قرآنی منسوخ ہوا وہ قبلہ کی منسوخیت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ منورہ تشریف لائے) تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے جو یہود کا قبلہ تھا۔ سترہ مہینے تک آپ نے اس طرف نماز پڑھی۔ تاکہ یہود ایمان لے آئیں اور آپ کا اتباع کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی آیت **وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تَوَلَّوْا فَوَجْهَ اللَّهِ أَوَّلُ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ** (الح) نازل فرمائی۔

جب کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا گیا تو یہودیوں نے باتیں بنانا اور اعتراض کرنا شروع کیا اور کہنے لگے کہ (حضرت) محمد (ﷺ) اور اُن کے اصحاب کو کس چیز نے اُس قبلہ سے پھیر دیا جس کی طرف اب تک نماز پڑھتے رہے۔ اللہ جل شانہ کی طرف سے ارشاد ہوا۔ اے نبی آپ فرمادیں اللہ ہی کے لئے مشرق و مغرب ہے اُسے اختیار ہے اپنے عبادت کرنے والوں کو جس طرف چاہے نماز پڑھنے کا حکم دیدے۔ کسی کو خداوند قدوس پراعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔ مومن بندے اللہ کے قانون پر چلتے ہیں وہ اُسی کے پابند ہیں۔ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو ادھر نماز پڑھنے لگے۔ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو اُسے قبلہ بنا لیا۔ قبلہ بدلنے کا اعتراض کرنا مسلمانوں پر اعتراض نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پراعتراض ہے۔ مقصد اللہ کی عبادت اور اطاعت ہے۔ کسی جہت یا کسی جانب کا رُخ کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور اسی لئے اعتراض کرنے والوں کو بے وقوف بتایا وہ یہ نہیں سمجھ رہے کہ ہمارا اعتراض کس پر ہو رہا ہے۔ معترض اندھا تو ہوتا ہی ہے اُسے یہ ہوش نہیں ہوتا کہ میری بات کہاں لگے گی اور میرا اعتراض کہاں پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلنا ہی صراطِ مستقیم کو اختیار کرنا ہے۔ اللہ کا

ہر فرمان حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اُس نے اپنی حکمت کے موافق بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔ پھر حکمت ہی کے مطابق اپنے بندوں کا رخ کعبہ شریف کی طرف پھیر دیا اس نے اپنے بندوں کو ہدایت دی اور ہدایت کے لئے چن لیا۔ ہدایت یافتہ بندے حکم کے پابند ہیں۔ بے چوں و چرا حکم پر عمل کرتے ہیں۔ دشمنان اسلام صراطِ مستقیم سے دور ہیں اور اللہ کے حکم اور اسکی حکمت پر معترض ہیں۔ ایسے معترضین کا بے وقوف ہونا ظاہر ہے۔ قال صاحب الروح (ص ۳ ج ۲) کأنه قيل ان التولية المذكورة هداية يخصص الله تعالى بها من يشاء ويختار من عباده. وقد خصنا بها فله الحمد.

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ

اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنادی جو اعتدال والی ہے تاکہ تم ہو جاؤ لوگوں پر گواہ اور ہو جائے رسول

عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

تم پر گواہ

امت محمدیہ ساری امتوں سے افضل ہے

تفسیر: ابھی قبلہ کا مضمون باقی ہے۔ درمیان میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی فضیلت بیان فرمادی۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تمہارا قبلہ سب قبلوں سے افضل بنا دیا اسی طرح ہم نے تم کو اعتدال والی امت بنادی اور ساری امتوں سے افضل امت بنادی۔ اس امت کی فضیلت کا ظہور میدانِ حشر میں اس طرح سے ہوگا کہ یہ امت تمام امتوں کے بارے میں گواہی دے گی اور رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے کہ ہاں میری امت عدل ہے۔ ثقہ ہے اس کی گواہی معتبر ہے۔

دوسری امتوں کے مقابلہ میں اس امت کی گواہی اور اس پر فیصلہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور اُن سے سوال ہوگا کیا تم نے تبلیغ کی وہ عرض کریں گے یارب میں نے واقعہ تبلیغ کی تھی۔ اُن کی امت سے سوال ہوگا کہ بولو انہوں نے تم کو احکام پہنچائے؟ وہ کہیں گے نہیں۔ ہمارے پاس تو کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے دعوے کی تصدیق کے لئے گواہی دینے والے کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کے امتی ہیں۔ یہاں تک بیان فرمانے کے بعد آنحضرت سیدنا عالم علیہ السلام نے اپنی امت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی اُس کے بعد آنحضرت سیدنا عالم علیہ السلام نے آیت ذیل تلاوت فرمائی۔ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنادی ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم دوسری امتوں کے لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو اور تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ گواہ بنیں)

یہ بخاری شریف کی روایت ہے (ص ۶۳۵ ج ۲) اور مسند احمد وغیرہ کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام

کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتیں بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے کہ واقعی ہم نے تبلیغ کی تھی۔ اس پر ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے تو وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی امت سے سوال ہوگا کہ اس بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امت کو تبلیغ کی۔ (درمنثور)

آیت کا عموم لِنَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ بھی اس کو چاہتا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں کے مقابلہ میں بھی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ گواہی دے گی۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ جب امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ دوسری امتوں کے بارے میں گواہی دے گی کہ ان کے نبیوں (علیہم السلام) نے ان کو تبلیغ کی ہے تو سیدنا حضرت محمد ﷺ کو لایا جائے گا اور آپ سے آپ کی امت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیا آپ کی امت عادل ہے گواہی دینے کے لائق ہے؟ آپ پر آپ ان کا تزکیہ فرمائیں گے اور گواہی دیں گے کہ واقعی میری امت عدل ہے۔ گواہی کے لائق ہے اس کی گواہی معتبر ہے۔ (ص ۵ ج ۲) بلاشبہ اس امت کا بڑا مرتبہ ہے اور بڑی فضیلت ہے جس کا میدان حشر میں تمام اولین و آخرین کے سامنے ظہور ہوگا۔ یہ امت خیر الامم ہے اس کو افضل الانبیاء کی امت میں ہونے کا شرف حاصل ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سب کتابوں میں سے افضل کتاب عطا فرمائی جو اللہ کی کتاب ہی نہیں اللہ کا کلام بھی ہے۔ جو چھوٹے بچوں تک کے سینوں میں محفوظ ہے اور صغیر و کبیر سب کے در و زباں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تمام بنی آدم سے منتخب فرمایا۔ سورۃ حج میں ارشاد ہے۔ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ط هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ ط هُوَ سَمَّكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے اُس نے تم کو منتخب فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو اللہ نے تمہارا لقب مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ تمہارے لئے رسول گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو)

امت محمدیہ کی آپس میں گواہی پر بخشش کے فیصلے

اس امت کی فضیلتوں میں یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس کی گواہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے اُن کی گواہی سے دوسری امتوں کے خلاف فیصلہ ہوگا۔ اور آپس میں بھی ان کی گواہی معتبر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ کچھ لوگ ایک جنازے کو لے کر گزرے تو حاضرین نے اس جنازہ کے بارے میں اچھے کلمات کئے اور اس کی تحریف کی۔ آپ نے فرمایا وَجَبَتْ پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے تو حاضرین نے بُرائی کے ساتھ اس کا ذکر کیا آپ ﷺ نے اس پر بھی وَجَبَتْ فرمایا۔ حضرت عمر نے عرض کیا وَجَبَتْ کا کیا مطلب ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اُس کے بارے میں تم نے خیر کے کلمات کہے لہذا اس کیلئے جنت واجب ہوگئی اور اس کے بارے میں تم نے شر کے الفاظ استعمال کئے اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی۔ اتم فُھد آء اللہ فی الارض۔ یعنی تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ (صحیح بخاری) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کیلئے چار آدمی خیر کی گواہی دے دیں اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ ہم نے عرض کیا کہ اگر دو شخص گواہی دے دیں؟ آپ نے فرمایا دو کا بھی یہی حکم ہے پھر ہم نے ایک کی گواہی کے بارے میں دریافت نہیں کیا۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۳ ج ۱) تفسیر درمنثور (ص ۱۳۵ ج ۱) میں بحوالہ مسند احمد و سنن ابن ماجہ وغیرہ حضرت ابوہریرہ ثقفی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب ایسا ہوگا کہ تم اپنے اچھے لوگوں کو بڑے لوگوں سے ممتاز کر سکو گے۔ اور جان سکو گے کہ کون کیسا ہے۔ حضرات صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اچھا ذکر ہونے سے اور بُرا ذکر ہونے سے (یعنی جسے مسلمان اچھا کہیں وہ اچھا ہے اور جسے بُرا کہیں وہ بُرا ہے) تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ اھ۔ گواہی دینے کے اس بڑے مرتبہ سے وہ لوگ محروم ہوں گے جو لعنت کے الفاظ زیادہ نکالتے ہیں۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ شہید ہوں گے نہ شفیع ہوں گے۔ (یعنی قیامت کے دن یہ لوگ نہ گواہی دینے کے اہل ہوں گے اور نہ سفارش کرنے کے لائق ہوں گے۔)

امت محمدیہ کا اعتدال اور لفظ وَسَطَا کی تشریح

امت محمدیہ کی تعریف میں اُمَّةٌ وَسَطًا فرمایا لفظ وسط کا معنی بہترین بھی کیا گیا ہے اور عدول بھی کیا گیا ہے عدول کی جمع ہے عدل اس کو کہتے ہیں جو ثقہ ہو۔ منصف ہو اور اس کی گواہی معتبر ہو۔ اوصاف عالیہ سے متصف ہو۔ خیر کی صفات کو جامع ہو برائیوں سے دور ہو اور بعض حضرات نے اس کا معنی معتدل کا بھی لیا ہے یعنی یہ امت ہر اعتبار سے اعتدال پر ہے اس کے اخلاق اور اعمال سب میں اعتدال ہے افراط و تفریط سے بری ہے۔ نہ عبادت سے غفلت ہے نہ راہبوں کی طرح دنیا کو چھوڑ کر پہاڑوں میں رہنا ہے۔ ساری رات نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ نفس اور بیوی اور مہمان کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دی گئی۔ روزانہ روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا۔ نہ فضول خرچی ہے نہ بخل بلکہ درمیانی راہ ہے جس کا نام جود ہے۔ اسی طرح نہ بزدلی نہ ضرورت سے زیادہ بہادری جس سے لوگوں پر ظلم ہو جائے بلکہ ان کے درمیان شجاعت ہے ظالم بھی نہیں اور مظلوم رہنے کو بھی تیار نہیں نہ عورتوں کو سردار بنایا گیا نہ ان کی مظلومیت روار کھی گئی۔ نہ ہر فعل حلال قرار دیا گیا نہ ہر چیز کا کھانا جائز کیا گیا بلکہ حلال حرام کی تفصیلات بتائی گئی۔ ضرر دینے والی اور خبیث چیزوں کے کھانے سے منع کر دیا گیا، جن سے اخلاق و اجسام پر بُرا اثر پڑے طیب اور حلال چیزوں کے کھانے کی اجازت دی گئی۔ انسانیت کو اونچا کیا گیا۔ بھیمیت سے بچایا گیا بریت سے دور رکھا گیا۔ حد یہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ عین میدان جنگ کے موقع پر عمل کرنے کے لئے بھی ایسے احکام صادر فرمائے جن میں اعتدال ہی اعتدال ہے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا گیا مُکْلہ کرنے یعنی دشمن کے ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹنے سے منع فرمایا۔ معاشی نظام میں زکوٰۃ فرض کی گئی۔ نقلی صدقات کا بھی حکم دیا گیا۔ میراث کے احکام جاری کئے گئے تاکہ دولت ایک جگہ سمٹ کر نہ رہ جائے۔ جان کا بدلہ قصاص مقرر کیا گیا لیکن خطا میں دیت رکھی گئی۔ اور

قصاص واجب ہونے کی صورت میں اولیاء مقتول کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو قصاص لے لیں۔ چاہیں دیت لے لیں۔ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں عام ابواب پر نظر کی جائے تو احکام میں سراسر اعتدال ہی نظر آتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى

اور جس قبلہ پر آپ تھے ہم نے مقرر نہیں کیا مگر اس لئے کہ ہم جان لیں کون اتباع کرتا ہے رسول کا اس سے ممتاز ہو کر جو پیچھے پلٹ جاتا ہے

عَقْبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ

اپنے اٹے پاؤں اور بے شک یہ قبلہ بدلنا بھاری بات ہے مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے ہدایت دی اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ضائع کرے

إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالْكَافِرِينَ لَكَرُوفٌ رَجِيمٌ ۝

تمہارے ایمان کو۔ بیشک اللہ لوگوں کے ساتھ بڑا مشفق مہربان ہے

تحويل قبلہ امتحان کے لئے ہے

تفسیر: اُمت محمدیہ کی فضیلت ظاہر فرما کر پھر قبلہ کے موضوع سے متعلق باقی بیان شروع ہوتا ہے۔ بیت المقدس کی طرف جو سولہ سترہ مہینے تک نمازیں پڑھی گئیں پھر کعبہ شریف کی طرف نمازیں رخ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے پہلے قبلہ کی بجائے دوسرے قبلہ کی طرف رخ کرنے کا جو حکم دیا اس میں یہ حکمت ہے کہ ہم جان لیں کہ رسول کا اتباع کون کرتا ہے اور تبدیل قبلہ کی وجہ سے کون اٹے پاؤں لوٹتا ہے۔ اور اتباع رسول سے روگردانی کرتا ہے۔ مومن بندوں کا مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت ہے۔ جدھر منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہو گیا وہی جہت قبلہ ہے۔ فرمانبردار بندوں کے لئے حق تعالیٰ شانہ کے احکام ماننے میں ذرا بھی کوئی جھجک نہیں ہوتی اور نہ ان کے نزدیک چوں چرا کا موقع ہوتا ہے۔

زبان تازہ کر دن باقرار تو نینگیتختن علت از کار تو

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قبلہ بدلنے میں یہی حکمت تھی کہ ہم جان لیں یعنی علم اُزلی کا ظہور ہو جائے کہ کون ہمارے رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون منکر اور منحرف ہو جاتا ہے۔ اور اٹے پاؤں چلا جاتا ہے۔ جب قبلہ بدلنے کا حکم ہوا تو بعض ضعیف الایمان ایمان سے پھر گئے۔ اور انہوں نے کہا کہ کبھی ادھر نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے اور کبھی ادھر (اس کو بہانہ بنا کر مرتد ہو گئے) (تھلہ فی الدر المنثور عن ابن جریر ج ۶ ص ۱۴۶)

اللہ تعالیٰ کو سب اختیار ہے بندوں کو جو چاہے حکم دے لیکن جاہلوں بیوقوفوں اور منافقوں اور یہودیوں کے نزدیک قبلہ بدلنا بہت بڑی چیز ہوگئی۔ ان کے نفوس پر یہ امر بہت شاق گزرا۔ اور اسے ہدف طعن و تشنیع اور محل اعتراض بنا لیا اور مومنین کے لئے اس میں کوئی اشکال اور اعتراض کی بات ہی نہیں ہے۔ فرمانبردار یوں بھی خوش ہے اور یوں بھی راضی۔ وہ تو پابند حکم ہے اُسے فرمانبرداری کے سوا اور کچھ مطلوب نہیں۔

قال صاحب الروح ص ۶ ج ۲ وان كانت لكبيرة اى شاقة ثقيلة والضمير لمادل عليه قوله تعالى وما جعلنا (الخ) من الجملة او التولية او الردة او التحويلة او الصيرورة او المتابعة او القبلة وفائدة اعتبار التانيث على بعض الوجوه الدلالة على ان هذا الرد والتحويل بوقوعه مرة واحدة وقوله الا على الذين

ہدی اللہ ای سر الاحکام الشرعیۃ المبنیۃ علی الحکم والمصالح اجمالا او تفصیلا والمراد بہم (من يتبع الرسول) من الثابتین علی الایمان الغیر المتزلزلین المنقلبین علی اعقابہم (۱۵ بحذف)

قبلہ اولیٰ کی طرف جو نمازیں پڑھی گئیں اُن کا ثواب ضائع نہیں:

پھر فرمایا: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ اِيْمَانَكُمْ (اور اللہ نہیں ہے کہ ضائع کرے تمہارے ایمان کو) تفسیر درمنثور میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بحوالہ سنن ترمذی و معجم طبرانی و مستدرک حاکم حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں کعبہ شریف کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا تو حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے (اور قبلہ بدلنے سے پہلے وفات پا گئے) اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو ضائع فرمادے۔ اس آیت میں نماز کو ایمان فرمایا اس سے نماز کا مرتبہ معلوم ہو گیا۔ بعض روایات میں نماز کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسلام میں نماز کا مرتبہ ایسا ہے جیسے انسان کے جسم میں سر کا مرتبہ ہے۔ (الترغیب ص ۳۶۶ ج ۱)

سر موجود ہے تو جسم کی بھی حیثیت ہے جسم سے سر کٹ گیا تو کچھ بھی نہ رہا۔ آیت کے اخیر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ بِالْاَنۡفَاسِ لَوۡدُءٌ وَّ قَتَرٌ رَّحِيۡمٌ (کہ بے شک اللہ لوگوں کے ساتھ بڑا مشفق اور مہربان ہے) اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہے حاکم بھی ہے۔ وہ حکمت کے مطابق ان کاموں کا جو لوگوں کو حکم دیتا ہے جن میں بندوں کا بھلا اور نفع ہوتا ہے ہر حکم میں ان کے ساتھ رافت اور رحمت کا معاملہ ہے۔ جو نمازیں حکم کے مطابق پڑھ لی گئیں ان کے ضائع ہونے کا وہم و گمان صحیح نہیں۔ وہ عمل صحیح کو ضائع نہیں فرماتا جو حکم کے مطابق انجام دیا گیا ہو لفظ رحمت اور رافت دونوں ہی مہربانی کے معنی میں آتے ہیں لیکن رافت میں رحمت سے زیادہ مبالغہ ہے۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰیہَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

ہم دیکھ رہے ہیں آپ کا آسمان کی طرف بار بار منہ اٹھانا پس ہم آپ کو ضرور متوجہ کریں گے ایسے قبلہ کی طرف جس سے آپ راضی ہوں گے سو آپ پھیر دیجئے

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرَہٗٓ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ

اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف اور جہاں کہیں بھی تم لوگ ہو سو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف متوجہ کیا کرو اور بلاشبہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی۔

لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّہِمۡ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹۱﴾

وہ ضرور جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ حکم حق ہے ان کے رب کی طرف سے ہے لہذا غافل نہیں بن جائیں گے ان سے جن کو تم کہتے ہو

کعبہ شریف کی طرف رخ کر نیک حکم اور آنحضرت ﷺ کو شدت سے اس کا انتظار

تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے سلام پھیر کر آسمان کی طرف (اس انتظار میں) منہ اٹھاتے کہ کعبہ شریف قبلہ مقرر کیا جائے۔ لہذا آیت قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ نازل ہوئی۔ علامہ واحدی (اسباب نزول ص ۳۹) میں لکھتے ہیں کہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود کے قبلہ سے ہٹا کر تیرے لئے کوئی دوسرا قبلہ مقرر فرمادے اور مقصد یہ تھا کہ کعبہ شریف مقرر ہو جائے کیونکہ وہ قبلہ ابراہیمیہ ہے۔ حضرت جبریلؑ نے عرض کیا کہ میں بھی تو آپ کی طرح ایک بندہ ہوں کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ وہ آپ کو قبلہ ابراہیمی کی طرف رخ کرنے کا حکم فرمادے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام اُپر چڑھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اس اُمید میں آسمان کی طرف نظر فرماتے رہے کہ جبریل آپ کی خواہش کے مطابق حکم خداوندی لے کر نازل ہوں۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے اور یہ سولہ یا سترہ مہینے تک رہا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا گیا۔ اور کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ اور عمومی طور پر سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو (مکہ یا مدینہ میں یا بیت المقدس میں یا دنیا کے کسی گوشہ میں) مسجد حرام ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔

جہت قبلہ سے تھوڑا سا انحراف مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے

مسجد حرام اس مسجد کا نام ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے۔ اس پر ساری اُمت کا اتفاق ہے کہ کعبہ شریف ہی قبلہ ہے۔ چونکہ کعبہ شریف مسجد حرام کے اندر ہے اس لئے مسجد حرام کی طرف رخ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ خاص کعبہ ہی کی طرف ہر دور اور قریب کے نمازی کو رخ کرنا لازم نہیں بلکہ مسجد حرام کی طرف منہ کرنے سے نماز ہو جائے گی۔ جو لوگ مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں چونکہ عین کعبہ کی طرف رخ کرنا اُن کی قدرت سے باہر ہے اس لئے آسانی اور رفعِ حرج کے لئے مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ لیکن جو شخص مسجد حرام میں موجود ہے اس کے لئے لازم ہے کہ عین کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۵۹ ج ۲) میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کعبہ شریف مسجد حرام والوں کا قبلہ ہے اور مسجد حرام اہل حرم کا قبلہ ہے اور حرم شرقاً و غرباً میری تمام اُمت کے لئے قبلہ ہے زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں فقہانے لکھا ہے کہ جس جہت پر کعبہ شریف ہو اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔ تھوڑا سا انحراف مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔ جب کوئی شخص جہت کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہوا اور کعبہ شریف سے دائیں یا بائیں جانب ۴۵ درجے کے اندر انحراف ہو گیا تو نماز ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں جو شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فرمایا ہے اس سے حضرات فقہاء نے یہ استنباط کیا کہ کعبہ شریف کے رخ پر نماز پڑھنا کافی ہے۔ اگرچہ تھوڑا سا انحراف ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مابین المشرق و المغرب قبلہ (رواہ الترمذی) فرما کر یہ بتا دیا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان جو جہت ہے اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔ یہ آپ کے اہل مدینہ کے لئے فرمایا کیونکہ کعبہ شریف مدینہ منورہ سے جنوب کی طرف واقع ہے۔ اور وہاں سے جہت جنوب مشرق اور مغرب کے درمیان پڑتی ہے۔ پورے عالم میں بسنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے استقبال کے بارے میں یہ بہت آسانی دی گئی ہے کہ وہ جہت قبلہ کی طرف نماز پڑھ لیں۔ تھوڑا سا انحراف ہو جائے۔ تب بھی نماز ہو جائے گی۔ احکام شرعیہ کو اللہ جل شانہ نے اس قدر آسان رکھا ہے کہ ہر گاؤں جنگل اور پہاڑ اور جزیرہ میں بسنے والے

مسلمان احکام شریعت پر عمل کر سکتے ہیں۔ اوقات نماز طلوع وغروب کے مشاہدہ سے سمجھ لیتے ہیں۔ اسی طرح حسابات اور ریاضی اور ہیئت اور آلات رصدیہ کے احتیاج کے بغیر کسی تکلف کے اپنا قبلہ مقرر کر سکتے ہیں یعنی جہت کعبہ کی طرف نماز پڑھ سکتے ہیں جس میں کافی وسعت ہے۔ ہاں مسجدیں بناتے وقت خوب محقق کر کے قبلہ مقرر کرنا افضل ہے۔

کعبہ شریف کو قبلہ بنانے میں حکمت

اللہ جل شانہ کی ذات پاک سمت اور جہت سے بالا اور برتر ہے مشارق اور مغارب سب اس کی ملکیت ہیں۔ اسی لئے قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فرمایا۔ تاہم نماز میں اجتماع اور وحدت کے لئے تمام دنیا کے تمام انسانوں کا رخ کسی ایک جہت کی طرف ہونا ضروری ہے۔ لہذا کعبہ شریف کو آخر میں قبلہ نماز مقرر فرما دیا گیا۔ اور کعبہ شریف چونکہ اول حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا اور وہ سب سے پہلے پیغمبر تھے اور تمام انسانوں کے باپ تھے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا جن کو ان کے بعد آنے والی تمام قومیں مانتی ہیں۔ اس لئے کعبہ شریف کو ہمیشہ کے لئے قبلہ قرار دیا گیا۔ اس سے تمام مسلمانوں کی وحدت اجتماع فی الصلوٰۃ حاصل ہوگئی۔ اگر انسانوں پر اس کا فیصلہ چھوڑا جاتا تو بہت سے اختلافات رونما ہوتے اور کسی طرح سے وحدت حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ کعبہ شریف کو قبلہ صلوٰۃ مقرر کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ چاروں جہات میں ہر جہت نماز کے لئے مقرر ہوگئی۔ ہر جہت والے اس رخ پر نماز پڑھتے ہیں جس رخ پر ان کے علاقہ کے اعتبار سے کعبہ شریف واقع ہے۔ اب نمازیں مشرق کو بھی ہو رہی ہیں اور مغرب کو بھی اور جنوب و شمال کو بھی اس میں لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اور اٰیْمَنَّا تَوَلَّوْا فَنُحْمَ وَجْهَ اللّٰهِ۔ کا پورا پورا مظاہرہ ہے۔ پھر آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا: وَاِنَّ الَّذِیْنَ اَوْفَوْا الْكِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اِنَّهٗ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّہُمْ (جن لوگوں کو کتاب دی گئی یعنی یہود و نصاریٰ ان کو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ قبلہ کا بدلنا اور کعبہ شریف کو قبلہ قرار دینا بالکل صحیح ہے اور حق ہے اور ان کے رب کی طرف سے ہے)

لیکن وہ ضد اور عناد کی وجہ سے معترض ہو رہے ہیں اور حق کی تکذیب کر رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی ہیں جن کی بشارت انکی کتابوں میں موجود ہے اور وہ باطل کا حکم نہیں دیتے۔ (روح المعانی)۔ آخر میں ارشاد فرمایا: وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اعمال سے اور ان کی حرکتوں سے غافل نہیں ہے۔ اُسے سب کچھ معلوم ہے۔ یہ لوگ اپنے کفر اور اعمال بد کی سزا پائیں گے۔

وَلٰیۡنَ اٰتٰیۡتَ الَّذِیۡنَ اَوْفَوْا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰیۡۃٍ تَاۡتِیۡعُوۡا قَبۡلَکَؕ وَاَنْتَ بِتَابِعِ قَبۡلَتَہُمۡ

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی اگر آپ ان کے پاس تمام لیلیں لے آئیں تب بھی آپ کے قبلہ کا اتباع نہ کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں

وَمَا بَعْضُہُمْ بِتَابِعِ قَبۡلَۃِ بَعْضٍ وَلٰۤیۡنَ اَتَّبَعْتَ اَہۡوَاءَہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَاۡءَکَ مِنَ

اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں۔ اور البتہ اگر آپ نے اس کے بعد کما آپ کے پاس علم آچکا ہے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو

الْعِلۡمَ اِنَّکَ اِذَا لَمِۡنَ الظَّٰلِمِیۡنَ

بے شک آپ اس وقت یقیناً ظلم کرنے والوں میں سے ہوں گے

یہود و نصاریٰ کی ضد اور عناد کا مزید تذکرہ

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہود و نصاریٰ کے عناد اور ضد کو مزید واضح کر کے بیان فرمایا اور صاف طور پر بتا دیا کہ ان لوگوں سے قبول حق کی کوئی اُمید نہیں۔ انہوں نے جو آپ کے قبلہ کو قبول نہیں کیا تو یہ کسی دلیل کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہ لوگ صرف مخالفت اور عناد اور مکابرہ پر تلے ہوئے ہیں آپ دلیلیں پیش کر دیں انہیں آپ کی موافقت کرنا نہیں ہے۔ نہ وہ آپ کے قبلہ کا اتباع کریں گے اور نہ ہی آپ ان کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں اہل کتاب نے دھوکہ دینے کے لئے کہا تھا۔ یا محمد ﷺ غداً لی قبلتنا نو من بک و نتبعک۔ (کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے قبلہ کی طرف واپس آ جاؤ۔ ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور تمہارے قبلہ کا اتباع کر لیں گے) اللہ تعالیٰ نے دونوں طرف کی اُمید کو ختم فرمادیا کہ نہ وہ آپ کے قبلہ کا اتباع کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ یہود کا قبلہ بیت المقدس ہے۔ اور نصاریٰ نے اپنا قبلہ جہت مشرق کو تجویز کر لیا تھا۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السماء تک کبھی بھی مشرق کی طرف نماز نہیں پڑھی ان کا قبلہ وہی تھا جو بنی اسرائیل کا قبلہ تھا یعنی بیت المقدس۔ (روح المعانی)

پھر یہ فرمایا: وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ۔ (کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے نہیں ہیں) صاحب روح المعانی (ص ۱۲ ج ۲) لکھتے ہیں کہ اس میں یہود و نصاریٰ کے الحاد اور تصلب فی الہویٰ کو بیان فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُنکی یہ مخالفت اور عناد صرف آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے خود آپس میں بھی اُنکی مخالفت اور عناد کا یہ یہی حال ہے۔ آخر میں فرمایا: وَلَئِنْ أَتَبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَا لَمَنْ الظَّالِمِينَ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس اللہ کی طرف سے علم آ گیا۔ اور یہ یقین ہے کہ یہ صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں۔ انہیں حق قبول کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ لہذا بالفرض اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کر لیا تو آپ اُن لوگوں میں شمار ہو جائیں گے جو ظلم کرنے والے اور حق کو چھوڑ کر ناحق کی طرف جانے والے ہیں۔ اس طرز بیان میں اتباع ہوئی سے بچنے کی بہت زیادہ تاکید ہے اور یہ بتایا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہونا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اتباع ہوئی اور ارتکاب گناہ ظالموں کا شیوہ ہے۔ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر ظلم سے محفوظ اور معصوم ہیں۔ (روح المعانی ص ۱۲ ج ۱)

الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور بلاشبہ اُن میں سے ایک فریق ایسا ہے

لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝

جو ضرور حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں

اہل کتاب رسول اللہ (ﷺ) کو پہچانتے ہیں اور حق چھپاتے ہیں

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اہل کتاب کا مزید عناد اور تردید بیان فرمایا کہ اہل کتاب صرف قبلہ کے بارے میں ہی عناد پر قائم نہیں بلکہ وہ تو نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت ہی کے منکر ہیں اور اُن کا یہ انکار خالص عناد پر مبنی ہے۔ وہ اپنی کتابوں میں آپ کی صفات جلیلہ اور آپ کی تشریف آوری کی بشارت عظیمہ پڑھتے رہے ہیں اور وہ نعت اور صفات خوب اچھی طرح واضح طور پر دیکھ کر آپ کی نبوت کو اس طرح پہچان گئے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں کہ یہ اے بیٹے ہیں اور اپنے بیٹوں کو پہچاننے میں اُن کو ذرا شک و شبہ نہیں ہے (تفسیر درمنثور) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو یہود کے علماء میں سے تھے) آنحضرت سرور عالم ﷺ کو انہوں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں انہوں نے اسلام قبول کیا اور کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کو پہچانا کہ یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں مجھے اپنے بیٹے کے پہچاننے سے زیادہ یقینی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ کیوں کر؟ انہوں نے کہا کہ میں بالکل یقین کر کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں لیکن میں اس طرح کی گواہی اپنے بیٹے کے بارے میں نہیں دے سکتا کیونکہ میں نہیں جانتا کہ عورتیں (مردوں کے پیچھے) کیا کرتی ہیں ممکن ہے میری بیوی نے خیانت کی ہو اور میں جسے اپنا بیٹا کہہ رہا ہوں وہ میرا بیٹا نہ ہو۔ (اسباب النزول للواحدی ص ۴۰ درمنثور ص ۱۴۷ ج ۱)

پھر فرمایا کہ بلاشبہ اہل کتاب میں ایک گروہ ایسا ہے جو حق کو چھپاتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ جانتے بھی ہیں کہ یہ حق ہے۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم حق کو چھپا رہے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ حق چھپانے کا وبال اور عذاب بہت زیادہ ہے۔ آخر میں فرمایا کہ یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے لہذا آپ ہرگز شک کرنیوالوں میں سے نہ ہو جائیں۔ صاحب روح البیان ج ۲ لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حق اپنی جگہ ثابت اور تحقیق ہے اور ظاہر و باہر ہے اس میں کسی کو کچھ بھی شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ صیغہ نبی کا ہے لیکن مقصود اخبار ہے۔ حق میں شک کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔

وَلِكُلِّ وُجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيُّهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ

اور ہر جماعت کے لئے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ اپنا رخ کرنے والے ہیں۔ لہذا تم ایک کاموں کی طرف آگے بڑھو جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تعالیٰ تم سب کو لے آئے گا۔

جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۶﴾

بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہر ملت کا قبلہ الگ ہے

تفسیر: اس میں لکل کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ ای لکل اہل ملۃ او جماعۃ من المسلمین والیہود والنصارى یعنی ہر مذہب اور ملت اور جماعت کا عبادتوں میں اپنا رخ الگ ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ خواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کر دیا گیا ہو۔ خواہ لوگوں نے کوئی جہت اپنے طور پر مقرر کر لی ہو پھر اگر نبی اکرم خاتم الانبیاء ﷺ کے لئے

قبلہ برا ہی مقرر کر دیا گیا جو دوسروں کے قبلہ سے مختلف ہے تو اس میں اعتراض اور تعجب کی کیا وجہ ہے۔ اور یہ معنی بھی لیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کا رخ مختلف بلاد و امصار اور مختلف آفاق و اطراف میں مختلف ہوتا ہے۔ چار جہات (مشرق مغرب جنوب شمال) میں سے کوئی جہت بھی مسلمانوں کا قبلہ نہیں ہے بلکہ ان کا قبلہ کعبہ ہے اور کعبہ شریف کو رخ کرنے سے مختلف علاقوں کے لوگ مختلف جہات کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ رخ سب کا کعبہ شریف ہی کی طرف ہے کوئی مشرق کو رخ کئے ہوئے ہیں۔ کوئی مغرب کی طرف نماز پڑھتا ہے کسی کا قبلہ جنوب اور کسی کا قبلہ شمال کی طرف ہے۔ اولکل قوم من المسلمین جہۃ و جانب من الکعبۃ یصلی الیہا جنوبیۃ او شمالیۃ او شرقیۃ او غربیۃ۔ (روح المعانی) پھر فرمایا: فَاسْتَقْبُوا الْخَيْرَاتِ اے مومنو! اُن کاموں کی طرف آگے بڑھو اور پہل کرو جن میں دارین میں سعادت حاصل ہو قبلہ کا استقبال بھی امر خداوندی کے مطابق کرو اور اُس کے سوا دیگر احکام الہیہ پر بھی بڑھ چڑھ کر عمل کرو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الخیرات سے نمازیں مراد ہیں جب نماز کا وقت مامور بہ ہو جائے تو نماز کی طرف لپکنے اور آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

پھر فرمایا: اَیْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمْ اللّٰهُ جَمِیْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو جس خطہ زمین میں ہو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی جزا دینے کے لئے تم سب کو جمع فرمائے گا۔ فرمانبرداری اور اعمال صالحہ کی اچھی جزا ملے گی اور بُرے کاموں کی سزا ملے گی۔ لہذا فرصت کو غنیمت جانیں اور موت اور حشر نشر سے غافل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر چیز پر قدرت ہے۔ زندگی بخشا موت دینا جمع کرنا جزا دینا سب اُس کے لئے آسان ہے۔

یہ جو فرمایا کہ ”ہر جماعت کا الگ الگ قبلہ ہے پس تم نیک کاموں کی طرف سبقت کرو“ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ مسلمان کا کام فضول، بحثوں میں الجھنا نہیں جب یہ معلوم ہو گیا کہ اہل کتاب تمہارے قبلہ کی طرف رخ کر نیوا لے نہیں اور تم ان کے قبلہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تو اب بحث بلا ضرورت ہے اور فضول ہے اور وقت کا ضائع کرنا ہے ان بحثوں کو چھوڑ کر اپنے اصلی کام میں لگیں یعنی خیر کے کاموں کی طرف سبقت کریں جو آخرت میں اجر و ثواب کا ذریعہ ہیں اور فَاسْتَقْبُوا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب بھی کبھی خیر کا موقع مل جائے تو فوراً اُس کی طرف بڑھنا اور لپکنا چاہئے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ

اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں۔ اور بلاشبہ یہ ضرور حق ہے آپ کے رب کی طرف سے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

اور اللہ غافل نہیں اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں اپنا چہرہ مسجد

الحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لَعَلَّكُمْ تُحْسِنُوْنَ

حرام کی طرف پھیر دیجئے۔ اور جہاں کہیں بھی تم ہو سوائے چہرے اُس کی طرف پھیر لو تا کہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔ سوائے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَحْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ وَلَآ اَتِمُّنَّ غَمَّتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

اُن کے جنہوں نے اُن میں سے ظلم کیا۔ لہذا تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو تا کہ میں پوری کر دوں تم پر اپنی نعمت اور تا کہ تم ہدایت پر رہو

دنیا میں جہاں بھی ہوں مسجد حرام کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ جس جگہ سے بھی کہیں سفر میں باہر نکلیں نماز میں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور فرمایا کہ یہ حکم حق ہے آپ کے رب کی طرف سے ہے۔ اللہ سب کاموں کو دیکھتا ہے کسی کے عمل سے غافل نہیں۔ پھر مذکورہ بالا حکم کا دوبارہ اعادہ فرمایا اور ساتھ ہی عامۃ المسلمین کو بھی خطاب فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہوں نمازوں میں اپنے چہرے مسجد حرام کی طرف کر لیا کرو۔ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ سے لیکر لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تک فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تین مرتبہ ہے اور وَخِيتُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرَهُ دوبارہ ہے۔ تحویل قبلہ کا مسئلہ چونکہ بہت اہم بن گیا تھا۔ مخالفوں کا اعتراض اور شور و شغب کی وجہ سے بعض کچے مسلمان بھی متاثر ہو گئے تھے اور اُن میں سے بعض مُرتد بھی ہو گئے تھے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ اس لئے تاکید کے طور پر بار بار مسجد حرام کی طرف استقبال کرنے کا حکم فرمایا گیا اور درمیان میں الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ اور لِلْحَقِّ مِنْ رَبِّكَ لایا گیا۔ اور بعض حضرات نے یوں بھی کہا ہے کہ پہلے حالتِ حضر کا بھر حالتِ سفر کا حکم بیان فرمایا کہ سفر میں بھی مسجد حرام ہی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں اور مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ دوبارہ ذکر فرمایا تاکہ خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ سفر قریب کا ہو یا بعید کا مشرق کا ہو یا مغرب کا جنوب کا ہو یا شمال کا۔ ہر حالت میں مسجد حرام ہی کی طرف نماز پڑھنا ہوگا۔

قبلہ بدلنے پر یہودیوں کی حجت ختم ہو گئی:

آخر میں یہ فرمایا: إِنَّمَا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ۔ اس کے بارے میں مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ کی علت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ شریف کی طرف رُخ پھیر دینے میں یہودیوں کی حجت ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اُن کا یہ اعتراض تھا کہ تو ریت شریف میں تو یہ مذکور ہے کہ نبی آخر الزماں کا قبلہ کعبہ شریف ہوگا لیکن یہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور دوسری بات وہ یہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین کا انکار کرتے ہیں لیکن ہمارے قبلہ کا اتباع کرتے ہیں یہودیوں کے یہ دونوں اعتراض کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم ملنے سے ختم ہو گئے۔ اور مشرکین جو یہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملتِ ابراہیمی کا اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اُنکے قبلہ کے علاوہ دوسرا قبلہ اختیار کئے ہوئے ہیں تحویل قبلہ سے ان کا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ النَّاسُ کا عموم یہود اور مشرکین دونوں کو شامل ہے۔

پھر فرمایا: إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ یعنی کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دینے سے لوگوں کی حجت ختم ہو گئی اور اب کسی کا اعتراض باقی نہیں رہا سوائے ان لوگوں کے جو ظالم ہیں جنہوں نے عناد پر ہی کمر باندھ رکھی ہے۔ اور جنہیں حق قبول کرنا ہی نہیں۔ مثلاً یہودی معاند یوں کہیں گے کہ انہوں نے کعبہ کو قبلہ اس لئے اختیار کر لیا کہ اپنی قوم کے دین کی طرف مائل ہو گئے اور وطن کی محبت نے ان کو کعبہ کو قبلہ بنانے پر آمادہ کر لیا۔ یا یوں کہیں گے کہ ان کو اس وقت یہ خیال آ گیا کہ اپنے باپ داداؤں کا قبلہ اختیار کر لیں ممکن ہے کہ پھر ہمارے قبلہ کی طرف واپس آ جائیں۔ معترض اور معاند کا مزہ تو کبھی بند نہیں ہو سکتا وہ تو کٹ جیتی کرتا ہی رہتا ہے۔ پھر فرمایا: فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي (کہ تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو) جو حکم کعبہ شریف کو رُخ کرنے کا ہوا ہے اسکی تعمیل کرو اور معترضین اور معاندین کی کسی بات کا کوئی خیال نہ کرو ان سے نہ ڈرو کیونکہ ان کے طعنے اور

اعتراضات تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے مجھ سے ڈرو میرے امر کی مخالفت نہ کرو۔

آخر میں فرمایا: وَلَا تَمْنُنْ عَلَیْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ یہ محذوف کی علت ہے یعنی و امر تکم لا تمامی النعمۃ علیکم و ارادتی اہتداء کم یعنی میں نے تم کو تحویل قبلہ کا حکم دیا ہے جو اس لئے ہے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں اور تاکہ تم ہدایت پر مضبوطی کے ساتھ جے رہو۔ (کل من البیہاوی)

کَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ

جیسا کہ ہم نے بھیجا تمہارے اندر ایک رسول جو تم میں سے ہے وہ تلاوت کرتا ہے تم پر ہماری آیات اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے اور تم کو کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكَلَامَ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ فَادْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي

اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تم کو وہ چیزیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ سو تم مجھ کو یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو

وَلَا تَكْفُرُونِ ۝

اور میری ناشکری نہ کرو

اہل ایمان کے لئے تکمیل نعمت

تفسیر: یہ ماقبل سے متعلق ہے ای ولا تم نعمتی علیکم فی امر القبلۃ اوفی الاخرۃ کما اتممتھا بارسال رسول منکم یعنی ہم نے تم کو کعبہ شریف کی طرف نمازوں میں رخ کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ تم پر اپنی نعمت قبلہ کے بارے میں اور آخرت میں پوری کروں جیسا کہ میں نے اپنی نعمت تم پر اس طرح بھی پوری کی ہے کہ تمہارے اندر تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے۔ جو ہماری آیتیں پڑھ کر تم کو سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے تم ظاہری باطنی برائی اور خرابی سے پاک ہو جاؤ گے۔ وہ تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ وہ باتیں بتاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے۔ جن کے جاننے کا راستہ وحی الہی کے علاوہ بالکل نہیں ہے۔ ہم نے اپنا رسول بھیجا اس پر وحی بھیجی اور وحی کے ذریعہ تم کو بہت کچھ بتایا اور سمجھایا لہذا تم میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

فَادْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ کی تفسیر

مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ فاذکرونی باطاعتی اذکروکم بالثواب یعنی تم مجھے فرمانبرداری کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں ثواب دے کر یاد کروں گا۔ دل سے زبان سے اللہ کو یاد کرنا یہ بھی یاد ہے اور فرمانبرداری اور اطاعت میں لگنا یہ بھی یاد ہے۔ اللہ کے خوف سے گناہوں کو چھوڑ دینا یہ بھی یاد ہے محققین نے فرمایا ہے۔ کل مطیع لله فهو ذاکر۔ یعنی ہر وہ شخص جو اللہ کی فرمانبرداری میں مشغول ہو وہ ذاکر ہے۔ زبان سے یاد کرنے کی بھی بہت زیادہ فضیلت ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کریں (صحیح بخاری عن ابی ہریرۃ) اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ آنحضرت

سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے سوا کر اس نے مجھے تنہائی میں یاد کیا تو میں بھی اُسے تنہا یاد کروں گا اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں بھی اُسے جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اسکی جماعت سے بہتر ہے۔ (یعنی عالم بالا کے درباری فرشتوں کے سامنے)۔ (صحیح بخاری الضائع ابی ہریرہ)

ذکر اللہ کے فضائل: احادیث شریفہ میں تسبیح تہلیل اور تکبیر میں مشغول ہونے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں یوں کہوں کہ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلِلَّهِ الْكِبْرُ توبہ مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن چیزوں پر آفتاب طلوع ہوا۔ (صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا کلام (ذکر کے لئے) سب سے زیادہ افضل ہے۔ آپ نے فرمایا جو اللہ نے اپنے فرشتوں کے لئے منتخب فرمایا یعنی سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ۔ (رواہ مسلم ص ۳۵۱ ج ۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے یوں کہا سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ اس کے لئے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگا دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الدعوات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں (قیامت کے دن) ترازو میں بھاری ہوں گے اور رحمن کو محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ۔ (صحیح بخاری آخری حدیث)

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کی باتیں تو بہت ہیں آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس میں لگا رہوں آپ نے فرمایا لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مَن ذَكَرَ اللَّهَ یعنی تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے۔ (رواہ الترمذی وحسنہ)

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چل رہا تھا اور دل میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کہ اے عبد اللہ بن قیس (یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا نام ہے) کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا وہ خزانہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ہے (صحیح مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھ کر اس کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اُن کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اُن پر رحمت چھا جاتی ہے اور اُن پر اطمینان کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے درباریوں میں یاد فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲)

شکر کی فضیلت اور اہمیت:

ذکر کا حکم فرمانے کے بعد شکر کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (یعنی میرا شکر کرو اور میری ناسکری نہ کرو) ذکر کے ساتھ شکر ادا کرنا بھی لازم ہے۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جن کا شمار بھی بندوں کی قدرت سے باہر ہے۔ اُن نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ہے شکر میں یہ سب کچھ آ جاتا ہے کہ نعمتوں کا اقرار کریں۔ قول اور فعل سے نعمتوں کا اظہار کریں۔ نعمتوں کی قدر دانی کریں۔ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں اور نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور

اطاعت میں خرچ کریں۔ نعمتوں کا منکر ہونا ان کی نافرمانی کرنا ان کو گناہوں میں خرچ کرنا ناشکری ہے۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ نعمتیں اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے اور ان نعمتوں کا استعمال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اور نفس و شیطان کی فرمانبرداری میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو سبھی استعمال کرتے ہیں لیکن شکر گزار بندے کم ہیں جیسا کہ سورہ سبأ میں فرمایا۔
 وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ شکر بہت بڑی چیز ہے اس کی وجہ سے نعمتیں باقی بھی رہتی ہیں اور نعمتوں میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ اور ناشکری پر نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔ سورت ابراہیم (ع ۱) میں فرمایا۔ وَإِذْ تَأَذَّنُ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (اور جب تمہارے رب نے اعلان فرمایا کہ البتہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ضرور ضرور اور زیادہ دوں گا۔ اور اگر ناشکری کرو گے۔ تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے)

انسان کے مزاج میں ناشکری غالب ہے۔ سورہ زخرف میں فرمایا کہ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ (بلاشبہ انسان کھانا شکر ہے اور سورہ ابراہیم میں فرمایا) وَإِنَّا كُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعْلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ (اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سب چیزوں میں سے دیا جن کا تم نے سوال کیا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہ کر سکو گے۔ بلاشبہ انسان بڑا ظالم ہے (اور) بڑا شکر ہے)۔

بندوں کا یہی کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں اسکی نعمتوں کو یاد کریں۔ جب انہیں استعمال کریں تو اللہ کی حمد و ثنائیں مشغول ہوں۔ حدیث شریف کی کتابوں میں جو دعائیں وارد ہوئیں۔ ان میں نعمتوں پر بار بار اللہ کی حمد کا اعادہ کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ الحمد رأس الشکر ہے ما شکر اللہ عبد لا یحمدہ (یعنی اللہ کی حمد کرنا اصل شکر ہے جو بندہ اللہ کی حمد بیان نہیں کرتا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔) (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی المسکوٰۃ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے

صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد مانگنے کا حکم

تفسیر: اس سے پہلی آیت میں ذکر اور شکر کا حکم فرمایا اور اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ لفظ صبر کا لغوی معنی رُکنے اور ٹھہر جانے کا ہے۔ شریعت میں یہ لفظ تین معنی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اول اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت و فرمانبرداری پر لگائے رہنا دوم اپنے نفس کو گناہوں سے روک کر رکھنا سوم آفات اور مصائب پر جو تکلیف ہو اُسے سہ جانا اور اس طرح گزر جانا کہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر پر راضی ہو اور اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہ کرے اور دکھ تکلیف اور مصیبت پر ثواب کا امیدوار رہے عام لوگ صبر صرف تیسرے معنی ہی کے لئے استعمال کرتے ہیں پہلے دو معنی کی طرف اُن کا ذہن نہیں جاتا حالانکہ یہ تینوں صورتیں صبر کا جوہر ہیں اور صبر کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اور تینوں میں مشترک امر وہی ایک بات ہے یعنی نفس کو دبانے اور ہر اُس بات سے روکنا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔ جو شخص بھی صبر کے ان تینوں طریقوں کو اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نصرتیں اس پر نازل ہوں گی۔ سورہ زمر میں ارشاد فرمایا۔ إِنَّمَا يُوفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ کہ صابروں کو پورا پورا اجر بغیر حساب کے دیا جائیگا۔

صبر کی فضیلت اور اہمیت: درحقیقت صبر اور شکر مومن کی زندگی کے لئے (جو ایک رواں دواں سیارہ کے مشابہ ہے) پیسے ہیں اور مومن کی کوئی چیز ضائع نہیں ہے۔ آرام و راحت ہونے میں ہوں یا دکھ تکلیف ہو اور کلفتیں ہوں ہر حال میں اُس کے لئے نفع ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا معاملہ عجیب ہے۔ اسکی ہر حالت خیر ہے۔ اور یہ مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اگر مومن کو خوش کرنے والی حالت پہنچ گئی تو اس نے شکر کیا جو اس کے لئے بہتر ہوا اور اگر اس کو تکلیف دینے والی حالت پہنچ گئی تو اس نے صبر کیا یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوا۔ (رواہ مسلم) صحیح بخاری (ص ۹۵۸ ج ۲) میں ہے کہ وَلَنْ تَعْطُوا عَطَاءَ خَيْرٍ وَاَوْسَعٍ مِنَ الصَّبْرِ۔ (یعنی تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر سے بہتر اور وسیع کوئی عطاء نہیں دی گئی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں عطا کر دی گئیں اُسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی۔ (۱) شکر گزار دل (۲) ذکر کرنے والی زبان (۳) مصیبت پر صبر کرنے والا بدن (۴) ایسی بیوی جو اپنی جان کے بارے میں اور شوہر کے مال کے بارے میں شوہر کی خیانت نہ کرے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ ص ۲۸۳)

صبر میں تھوڑی سی تکلیف تو ہوتی ہے مگر اس کے بعد نعمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ کچھ ملتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ تکلیفیں تو سبھی کو پہنچتی ہیں۔ مومن ہو یا کافر نیک ہو یا بد۔ فرق اتنا ہے کہ جو لوگ صبر کر لیتے ہیں وہ ثواب بھی لے لیتے ہیں اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد۔ رحمت اور نصرت کے دروازے بھی ان کے لئے کھل جاتے ہیں۔ جو لوگ صبر نہیں کرتے وادیا کرتے ہیں پیچھے چلاتے ہیں۔ اللہ پر اعتراض کرتے ہیں اور اسکی قضا اور قدر پر راضی نہیں ہوتے تکلیف بھی اٹھاتے ہیں اور ثواب سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ اور اللہ پر اعتراض کر کے کافر ہو جاتے ہیں۔ اور درحقیقت اصل مصیبت زدہ وہی لوگ ہیں جو ثواب سے بھی محروم رہتے ہیں۔ وَاِنَّمَا الْمَصَابِ مِنْ حَرَمِ الثَّوَابِ (رواہ البیہقی فی دلائل النبوة)

جس نے اپنی تکلیف پر صبر کر کے ثواب لے لیا آخرت میں درجات بلند کروائے۔ اسکی تکلیف کوئی تکلیف نہیں ہے کیونکہ اُسے اس تکلیف کی قیمت مل گئی۔ دنیا میں دیکھتے ہیں کہ مہینہ بھر ملازمت کی ڈیوٹی انجام دینے کے لئے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ مزدور دن بھر دھوپ میں کام کرتے ہیں لیکن چونکہ ان سب کا معاوضہ مل جاتا ہے اس لئے یہ تکلیف خوشی سے برداشت کر لیتے ہیں اور اس کو تکلیف سمجھا ہی نہیں جاتا۔

دفع مصائب کیلئے نماز: صبر کے ساتھ نماز کا تذکرہ بھی فرمایا اور نماز کے ذریعہ بھی مدد حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔ نماز بھی اللہ کی مدد اور نصرت لانے کے لئے بہت بڑی چیز ہے۔ اور ہر طرح کی پریشانیاں دور کرنے کے لئے اکسیر ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی مشکل پیش آ جاتی تھی تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

نماز فرض کا تو بہر حال اہتمام ہوتا ہی تھا۔ مشکلات سے نکلنے کے لئے اور حاجات پوری کرانے کے لئے آنحضرت سرور عالم ﷺ خصوصیت کے ساتھ نفل نماز میں مشغول ہو جاتے تھے صلوٰۃ الحاجۃ، صلوٰۃ الاستخارہ، صلوٰۃ التوبہ، صلوٰۃ الاستسقاء (بارش طلب کرنے کی نماز) یہ سب رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں۔ جو اللہ کی رحمت اور نصرت طلب کرنے کے لئے مشروع کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ کی بعض روایات آیت کریمہ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کے ذیل

میں گزر چکی ہے لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ کوئی مصیبت آ جائے دنیا بھر کی تدبیریں کرتے ہیں اور مخلوق سے مدد چاہتے ہیں لیکن صبر اور صلوٰۃ کو مدد حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بناتے بلکہ اس کے برعکس بے صبری کرتے ہیں اور تھوڑے بہت چند افراد جو نمازیں پڑھتے ہیں وہ فرض نمازیں بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ نفل نمازوں میں لگنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور جن گناہوں میں مبتلا تھے۔ ان سب گناہوں میں بھی لگے رہتے ہیں۔ پھر رحمت اور نصرت کیسے ملے؟ آخر میں فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ** کہ اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔ صابروں کے لئے یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہے۔ اگر حکومت کا کوئی معمولی درجہ کا آدمی بھی یقین دلا دے کہ فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں تو اس سے بڑی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ طبیعت میں بڑا اطمینان ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ جل شانہ نے جو وعدہ فرمایا کہ میں صبر والوں کے ساتھ ہوں اس وعدہ پر عموماً لوگ یقین نہیں رکھتے اور صبر کے موقع میں بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ درحقیقت مومن کو کسی بھی جگہ ناکام ہونے اور گھبرانے کا کوئی موقع نہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر و شکر میں اور صبر و صلوٰۃ میں لگا رہے پھر اس کے لئے کامیابی ہی کامیابی ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۱۰۱﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں اُن کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا ادراک نہیں کرتے

شہداء کے فضائل

تفسیر: علامہ واحدی اسباب النزول میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت بدر میں شہید ہو جانے والے مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن میں آٹھ حضرات انصار میں سے اور چھ حضرات مہاجرین میں سے تھے۔ شہید ہو جانے والوں کے بارے میں بعض لوگوں نے یوں کہا کہ فلاں مر گیا اور دنیا کی لذت اور نعمت اس سے فوت ہو گئی تو آیات بالا کا نزول ہوا۔ اللہ کے دین کے پھیلانے اور حق کے آگے بڑھنے میں جو لوگ آڑے آتے ہیں اُن سے نبٹنے کے لئے جہاد اور قتال کرنا پڑتا ہے جب جہاد کرتے ہیں تو ضروری نہیں کہ سب کافر ہی مقتول ہوں اس میں بہت سے مسلمان بھی مقتول ہو جاتے ہیں ان مقتول مسلمانوں کو شہداء کا معزز خطاب دیا گیا ہے۔ شہیدوں کے بڑے مرتبے ہیں۔ اُن سے بلند درجات کے وعدے ہیں ان کی برزخی زندگی بھی دوسروں سے ممتاز ہے اسی لئے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اُن پر موت طاری ہوئی ہے لیکن برزخی زندگی میں اُن کو امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ تم لوگ انکی اس حیات کا ادراک نہیں کر سکتے۔ سورۃ آل عمران میں شہداء کے بارے میں ارشاد فرمایا: **وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ** (اور ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں اللہ نے جو کچھ ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا اس پر خوش ہیں)

حیات برزخیہ میں سب سے زیادہ قوی تر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ہے۔ اُن کے اجسام کوز میں نہیں

۱۔ فی روح المعانی ای ارادشیاً بقریۃ قوله تعالیٰ 'إنما امره اذا ارادشیاً وجاء القضاء علی وجوه ترجع کلها إلی اتمام الشیء قولاً أو فعلاً والطلاقه علی الارادة مجاز من استعمال اللفظ المسبب فی السبب فان الایجاد الذی هو اتمام الشیء مسبب عن تعلق الارادة لانه یوجبه.

کھاتی۔ حدیث شریف میں ہے۔

ان اللہ حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبياء (رواہ ابو داؤد) اور ان کی حیات برزخہ اس قدر ممتاز ہے کہ اس کے ظاہری آثار احکام دنیا بھی بعض امور میں ظاہر ہیں مثلاً انکی میراث کا تقسیم نہ ہونا اور ازواج مطہرات کا انکی وفات کے بعد دوسروں سے نکاح جائز نہ ہونا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ممتاز اور قوی تر حیات برزخہ کے بعد شہداء کی حیات کا درجہ ہے۔ جس کا آیت بالا میں اور سورہ آل عمران کی آیت مذکورہ میں تذکرہ ہے۔ ان کے بعد دوسرے لوگوں کی حیات ہے جس کے ذریعہ قبر میں عذاب ہوتا ہے یا آرام ملتا ہے ان کی تفصیلات احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔ شہید چونکہ اپنا جان و مال لے کر حاضر ہو جاتا ہے اور اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ اس لئے اُس کا اللہ کے یہاں بہت بڑا مرتبہ ہے ان کا جو وہاں اکرام ہوتا ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ دنیاوی زندگی اس کے سامنے بچ در بچ ہے۔

حضرت مسروق تابعی نے بیان فرمایا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ وَلَا تَخْسِنَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالًا بَلْ أَمْوَالُهُمْ يُرْزَقُونَ (الآیۃ) کے بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شہداء کی روحمیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں اُن کے لئے قندیل ہیں جو عرش کے نیچے لٹکے ہوئے ہیں یہ پرندے جنت میں جہاں چاہتے ہیں چلتے پھرتے ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں آ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان سے فرمایا کہ تم کچھ خواہش رکھتے ہو انہوں نے کہا ہم کیا خواہش کریں۔ (اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ) ہم جنت میں جہاں چاہیں پھرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے تین مرتبہ ان سے یہی سوال فرمایا جب انہوں نے دیکھا کہ سوال ہوتا ہی رہے گا کچھ نہ کچھ جواب دینا ہی ہے تو عرض کیا اے رب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحمیں دوبارہ جسموں میں واپس کر دی جائیں تاکہ ہم پھر تیری راہ میں مقتول ہو جائیں۔ جب انہوں نے کسی اور حاجت کا سوال نہ کیا (اور وہاں سے واپسی کا قانون نہیں ہے) تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ وفات پا جاتا ہے جس کے لئے اللہ کے پاس خیر ہو (یعنی عذاب سے نجات ہو اور وہاں کی نعمتوں سے متمتع ہو رہا ہو) اُسے یہ خوشی نہیں ہوتی کہ دنیا میں واپس آ جائے۔ اگر چہ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اُسے مل جائے سوائے شہید کے شہید کو اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ دنیا میں دوبارہ آ جائے اور پھر اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے کیونکہ وہ (وہاں پہنچ کر) شہادت کی فضیلت دیکھ لیتا ہے۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ضرور میری یہ خواہش ہے۔ کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ (بخاری)

نبوت کا مرتبہ تو ہر مرتبہ سے فائق ہے اور برتر ہے پھر بھی آنحضرت ﷺ نے اللہ کی راہ میں بار بار شہید ہونے کی تمنا ظاہر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں بار بار قتل ہونے اور زندہ ہونے کی تمنا پوری نہ فرمائی لیکن آپ کو درجہ شہادت اس طرح سے عطا فرما دیا کہ غزوہ خیبر میں جو ایک یہودی عورت نے بکری کے بھنے ہوئے دست میں زہر ملا کر دے دیا تھا۔ اُس کا اثر وقتی طور پر رک گیا تھا لیکن وفات کے وقت اس نے اثر کیا اور وہ آپ کی وفات کا ذریعہ بن گیا۔

حقوق العباد کے علاوہ شہید کا سب کچھ معاف ہے

شہید کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا لیکن فی سبیل اللہ قتل ہو جانے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے یُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبِ الْاَلَدَيْنِ (کہ شہید کا ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ قرض کے علاوہ) (صحیح مسلم) جہاد میں اخلاص کی ضرورت:

شہادت کا درجہ ملنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ صرف اللہ کی رضا کے لئے دشمنان دین سے جنگ کی ہو اور اُس میں مقتول ہو اور اللہ کی بات اُنچی کرنے کے لئے لڑا ہو۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص غنیمت کے لئے جنگ کرتا ہے ایک شخص اپنی شہرت کے لئے لڑتا ہے اور ایک شخص اس لئے لڑا ہے کہ بہادری میں اس کا مقام اور مرتبہ مشہور ہو جائے۔ سوان میں اللہ کی راہ میں کون سا ہے آپ نے فرمایا جو اس لئے جنگ کرے کہ اللہ کی بات بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بہادری ظاہر کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے اور ایک شخص (قوم یا وطن) کی حمیت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے اور ایک شخص ریاکاری کے لئے جنگ کرتا ہے۔ سوان میں اللہ کی راہ میں کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو اس لئے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کی بات بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (صحیح مسلم) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی شخص کو اللہ کی راہ میں زخم پہنچ جائے اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اُس کی راہ میں کس کو زخم پہنچا تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اُس کے زخم سے خون جاری ہوگا۔ رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔ (صحیح ص ۱۳۳ ج ۲)

اس میں یہ جو فرمایا کہ ”اللہ ہی کو معلوم ہے جو اللہ کی راہ میں زخمی ہوا“۔ اس میں اُسی اخلاص کی طرف اشارہ ہے جس کی ہر عبادت میں ضرورت ہے۔ بندے ظاہری اعمال تو دیکھتے ہیں لیکن اصل معاملہ اللہ سے ہے اگر اللہ کے نزدیک اُس کی نیت یہ ہے کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے تو عمل کا ثواب ملتا ہے اور وہ فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں جن کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور اگر کسی عمل سے ریا اور شہرت مقصود ہو تو اس سے ثواب کیا ملتا۔ وہ تو آخرت میں وبال بن جائے گا۔ اور آخرت میں دوزخ میں داخل کرانے کا ذریعہ ہوگا۔

وطنی اور قومی جنگ میں قتل ہونے والے شہید نہیں ہیں:

آج کل بھی دنیا میں جنگ و جدال اور قتل و قاتل جاری ہے لوگ برابر مر رہے ہیں قتل ہو رہے ہیں۔ لیکن عموماً قومی، وطنی، لسانی، صوبائی، عصبت کی وجہ سے لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ اللہ کی رضا کا کہیں سے کہیں تک بھی خیال نہیں۔ پھر ان لڑائیوں میں جو کوئی مارا جاتا ہے اس کو شہید بھی کہتے ہیں حالانکہ شہید وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید ہو۔ اور اب تو شہید وطن اور شہید قوم کے الفاظ بھی زبانوں پر جاری ہیں اور صحیفوں، جُریدوں میں آ رہے ہیں۔ حد یہ ہے کہ کافروں اور لحدوں کے لئے شہید کا لفظ استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ سب جہالت اور الحاد اور بے دینی کی باتیں ہیں۔ حفظنا اللہ من الضلال۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ

اور ضرور ضرور ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے اور کچھ بھوک سے اور کچھ مالوں میں اور جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے

وَالشَّمْرِ تَوْبِشٍ الصَّابِرِينَ ۚ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ

اور خوشخبری سنا دیجئے صبر کرنے والوں کو جن کی صفت یہ ہے کہ جب پہنچے ان کو کوئی مصیبت تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی

وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۚ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ

کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف عام رحمتیں ہیں اور خاص رحمت بھی ہے اور یہ وہ لوگ

الْمُهْتَدُونَ ﴿۲۰۵﴾

ہیں۔ جو ہدایت پانے والے ہیں

مختلف طریقوں سے آزمائش ہوگی

تفسیر: یہ دنیا دار الہیاء اور دار الامتحان ہے۔ موت اور حیات کی تخلیق ہی ابتلاء اور امتحان کے لئے ہے۔ جیسا کہ

سورۃ ملک میں فرمایا: تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں پورا ملک ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جس نے پیدا فرمایا موت کو اور زندگی کو۔ تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں کون عمل کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔)

سورۃ محمد (ﷺ) میں فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ

(اور البتہ ہم تم کو ضرور جانچیں گے تاکہ معلوم کر لیں جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور جو صبر کریں والے ہیں۔ اور تاکہ

ہم جان لیں تمہاری خبریں)۔

مذکورہ بالا آیت میں بھی ابتلاء و امتحان کا تذکرہ فرمایا اور لام تاکید اور نون ثقیلہ کے ساتھ مؤکد کر کے فرمایا کہ ہم تم کو

ضرور ضرور جانچ میں ڈالیں گے اور امتحان کریں گے۔ کبھی خوف ہوگا۔ کبھی بھوک سے دوچار ہو گئے مال کم ہوگا۔ جانیں بھی

کم ہوں گی۔ اعزاء و اقرباء اولاد اور احفاد فوت ہوں گے پھلوں میں کمی ہوگی اس میں تمام امہات المصاب کا تذکرہ آ گیا

دنیا میں دشمنوں کا خوف قحط سالی سیلاب اور زلزلے تجارتوں میں نقصان۔ مکانات کا گر جانا۔ اموال کا چوری ہونا۔ کہیں

دُفن کر کے بھول جانا۔ رکھے ہوئے مالوں کا تلف ہو جانا۔ کارخانوں کا بند ہو جانا۔ مشینوں کا خراب ہو جانا۔ بجلی کا بند ہو

جانا۔ اعزاء و اقرباء اور احباب کی موتیں ہونا۔ وبائی امراض کا پھیل جانا۔ باغوں میں پھل کم آنا یا بہت زیادہ پھل آ کر آندھی

سے گر جانا۔ کھیتوں میں کیڑا لگ جانا۔ ٹنڈی آ جانا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب امور کی طرف اشارہ ہو گیا۔

مومن بندے صبر سے کام لیتے ہیں جس طرح کی بھی کوئی مصیبت درپیش ہو اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں

اور اللہ کی قضاء و قدر پر راضی رہتے ہیں اور ثواب کی امید رکھتے ہیں۔ جو مصیبتیں درپیش ہوتی ہیں۔ وہ گناہوں کی سزا کے طور

پر بھی پیش آتی ہیں اور کفارہ سینات کے لئے بھی ہوتی ہیں۔ امتحان کے لئے بھی ہوتی ہیں اور رفع درجات کے لئے بھی۔ قرآن مجید سے اور احادیث شریفہ سے یہ باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں۔

مومن بندوں کو مصائب کا فائدہ:

سورہ نساء میں فرمایا: مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ (جو شخص بھی کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا) تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں یہ بات نقل کی گئی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کیا اب کامیابی کی صورت ہے۔ جبکہ ہر بدی کا بدلہ ملنا ضروری ہے آپ نے فرمایا اے ابو بکر اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ کیا تم مریض نہیں ہوتے ہو یا تمہیں تکلیف نہیں پہنچتی، کیا تم رنجیدہ نہیں ہوتے، کیا تم کو کوئی مصیبت درپیش نہیں ہوتی عرض کیا ہاں یہ چیزیں تو پیش آتی ہیں۔ آپ نے فرمایا ان چیزوں کے ذریعہ گناہوں کا بدلہ ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے ابو بکر تم اور تمہارے اصحاب مومنین دنیا میں گناہوں کا بدلہ پالیں گے یہاں تک کہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کریں گے کہ کوئی گناہ باقی نہ ہوگا۔ لیکن دوسرے لوگ (یعنی کافر) ان کے سب گناہ جمع کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ان سب کی سزا ان کو قیامت کے دن ملے گی۔ (ابن کثیر)

سورہ شوریٰ میں فرمایا: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ آيَاتِكُمْ وَيعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ (اور جو کوئی مصیبت تم کو پہنچی سو وہ بدلہ ہے اس کا جو کمایا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور اللہ معاف فرمادیتا ہے بہت سے گناہ) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی بندے کو کوئی تھوڑی یا زیادہ تکلیف پہنچتی ہے وہ گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں وہ بہت زیادہ ہے۔ پھر آپ نے آیت کریمہ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ آيَاتِكُمْ وَيعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ تلاوت فرمائی۔ (رواہ الترمذی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اُسے تکلیف میں مبتلا فرمادیتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۸۴۳)

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی درجہ مقرر کر دیا گیا جس درجہ میں وہ اپنے عمل کی وجہ سے نہ پہنچ سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو جسم یا مال میں یا اولاد میں (تکلیفوں کیساتھ) مبتلا فرمادیتے ہیں پھر اس پر اس کو صبر دے دیتے ہیں یہاں تک کہ اُسے اُسی درجہ میں پہنچا دیتے ہیں جو پہلے سے اُس کے لئے طے فرمادیا تھا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و ترمذی و مشکوٰۃ ص ۱۳۷)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو جو بھی کوئی تکلیف، مرض، فکر، رنج، اذیت، غم پہنچ جائے یہاں تک کہ اگر کائنات بھی لگ جائے تو اللہ تعالیٰ شائد اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرمادیتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۸۴۳ جلد ۲)

ام السائب ایک صحابیہ تھیں۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے وہ کپکپا رہی تھیں آپ نے فرمایا کیا بات ہے کیوں کپکپا رہی ہو؟ انہوں نے کہا اس کا اُہو بخار چڑھ گیا۔ آپ نے فرمایا بخار کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ بنی آدم

کی خطاؤں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے بھی لوہے کے میل پکیل کو ختم کر دیتی ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دنیا ہی میں سزا دے دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہوں کی سزا کو روک رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو قیامت کے دن پوری سزا دے دیں گے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الزہد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن مرد اور مومن عورت کو جان مال اور اولاد میں برابر تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کریگا کہ اس کا کوئی گناہ بھی باقی نہ رہا ہوگا۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الزہد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس سی بھی مسلمان کے تین بچے فوت ہو گئے ہوں جو بالغ نہیں ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ ان بچوں پر رحمت فرمانے کی وجہ سے اس مسلمان کو (یعنی ان کے والد کو) جنت میں داخل فرما دیں گے۔ (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ عورتیں جمع ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے وعظ و نصیحت کی باتیں فرمائیں اور یہ بھی فرمایا کہ جس کسی کے تین بچے فوت ہو گئے وہ اس کے لئے دوزخ سے بچانے کے لئے آڑ بن جائیں گے ایک عورت نے کہا کہ اگر کسی کے دو بچے فوت ہوئے ہوں تو آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کے دو بچے فوت ہوئے ہوں تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (بخاری)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو مسلمان (میاں بیوی) جن کے تین بچے فوت ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرما دے گا اپنی رحمت کے فضل سے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر دو بچے فوت ہوئے ہوں؟ فرمایا دو کا بھی یہی حکم ہے عرض کیا اگر ایک بچہ فوت ہوا ہو۔ فرمایا ایک کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ بلاشبہ ادھورا بچہ اپنی ماں کو اپنی ناف کے ذریعہ کھینچتا ہوا لے جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ اگر اسکی ماں نے اس کی موت پر ثواب کی پختہ امید رکھی ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۱۵۳)

مومن بندوں کے لئے تکالیف اور مصائب کوئی گھبرانے اور پریشان ہونے کی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ تو اس کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ فانی دنیا میں تھوڑی بہت تکلیفیں پہنچ گئیں اور آخرت کے مواخذہ سے بچ گیا اور وہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہو گیا تو اس کے حق میں یہ سراسر بہتر ہی بہتر ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ مصیبت اور تکلیف دور ہونے کی دعا نہ کرے کیونکہ دعا بھی سنت ہے۔ اور ہمیشہ اللہ سے عافیت کا سوال کرے۔ مصیبت، تکلیف اور مرض کا سوال بھی نہ کرے آجائے تو صبر کرے۔

صابرین کی ایک خاص صفت

یہ فرمانے کے بعد کہ ہم تم کو ضرور ضرور آزمائیں گے۔ صابرین کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (صبر کرنے والوں کو بشارت دے دو) پھر انکی صفت بیان فرمائی۔ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (و ایسے لوگ ہیں کہ جب انکو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ انا للہ و انا الیہ راجعون) کہتے ہیں۔ یہ کلمہ بہت سے

حقائق کو اپنے اندر سمجھ گئے ہوئے اور اس میں بہت بڑی تسلی ہے۔ اس میں اول تو زبان اور دل سے اس بات کا اقرار ہے کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں جب ہم اللہ ہی کے بندے ہیں۔ اسکی مخلوق ہیں اس کی مملوک ہیں تو ہمیں پوری طرح اپنے خالق و مالک کے فیصلے پر راضی ہونا ضروری ہے۔ ہم بھی اللہ ہی کے ہیں اور جو جان و مال اس نے لے لیا وہ بھی اللہ ہی کا ہے اس نے جو کچھ کیا اپنی مخلوق اور مملوک میں تصرف کیا۔ کسی کو بولنے اعتراض کرنے دل اور زبان سے ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ایک صاحبزادی کا بچہ جان کنی کے عالم میں تھا۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں خبر بھیجی اور تشریف لانے کی گزارش کی۔ آپ نے اُن کو سلام کہلایا اور فرمایا: اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلٌّ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی فَلْتَضَبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ (کہ بلاشبہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ اس نے لیا اور اُسی کے لئے ہے جو اس نے عطا فرمایا اور ہر ایک کی اُس کے نزدیک اجل مقرر ہے۔ لہذا صبر کرو اور اللہ سے ثواب کی امید رکھو۔ بخاری)

دوسرے اس بات کا اعلان اور اقرار ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچیں گے تو ہم کو ہر ضائع اور فوت شدہ چیز کا ثواب مل جائے گا۔ اور یہ ثواب دنیا کی حقیر چیزوں سے کہیں اعلیٰ و افضل ہے جن کے چلے جانے پر رنج ہوتا ہے۔ اپنے اعزہ و اقرباء آل و اولاد جو فوت ہو گئے ان سے بھی عارضی جدائی ہے۔ جہاں وہ گئے وہیں ہم کو جانا ہے۔ وہاں دارالنعیم میں ان شاء اللہ تعالیٰ اُن سے ملاقاتیں ہو جائیں گی۔

سنن ترمذی میں ہے کہ جب بندہ کا کوئی بچہ فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ تم نے میرے بندہ کے بچے کو قبض کر لیا وہ کہتے ہیں کہ ہاں! پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے اس کے دل کے پھل کو قبض کر لیا وہ کہتے ہیں کہ ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے کیا کہا۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ اس نے آپ کی تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ پڑھا اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اُس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مسلمان مرد یا عورت کو جو بھی کوئی تکلیف پہنچ جائے۔ اور اس کو بعد میں یاد کرے اگرچہ اس کو عرصہ دراز گزر چکا ہو۔ اور اُس وقت پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو پھر اُسی جیسا اجر عطا فرماتے ہیں جیسا کہ اُس دن عطا فرمایا تھا جس دن اُس کو مصیبت پہنچی تھی۔ (رواہ احمد و البیہقی فی شعب الایمان کما فی المسکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی جوتی کا تمہ ٹوٹ جائے تب بھی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھے۔ کیونکہ یہ بھی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے۔ (رواہ المسکوٰۃ عن شعب الایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھا تو اللہ تعالیٰ اُسکی مصیبت کی تلافی فرمادیں گے اور اسکی آخرت اچھی کریں گے اور اسے ضائع شدہ چیز کے بدلہ اچھی چیز عطا فرمائیں گے۔ (در منثور)

صَلَوَاتُ مِنْ رَبِّہُمْ وَرَحْمَۃٌ : صابرین کی صفت بیان فرمانے کے بعد (کہ جب اُن کو مصیبت پہنچتی ہے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ کہتے ہیں) ان کے لئے جو بشارت ہے اس کا ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ اُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ

صَلَوَاتٍ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةً وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُحْتَدُونَ.

لفظ صَلَوَاتٍ صَلَوة کی جمع ہے صَلَوة رحمت کو کہتے ہیں۔ اور صَلَوَات کے ساتھ لفظ رحمت بھی مذکور ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ لفظ رحمت بطور تاکید کے لایا گیا ہے۔ و کثر الرحمة لما اختلف اللفظ تاکيد او اشباعا للمعنى (قرطبی) مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لفظ صَلَوة کی نسبت ہو تو اس سے تزکیہ اور مغفرت مراد ہوتی ہے اور اس کو جمع لانے میں اسکی کثرت پر اور اسکی مختلف انواع پر تنبیہ فرمائی اور رحمت سے مراد لطف اور احسان ہے۔ (ص ۱۷۱ ج ۱) بعض حضرات نے فرمایا کہ صَلَوة سے عام مہربانیاں اور رحمت سے خاص رحمت مراد ہے۔ رحمتوں کا انعام ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُحْتَدُونَ کہ صابرین جو مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی قضا پر دل اور زبان سے رضامندی ظاہر کر کے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ پڑھ کر حق اور ثواب کی راہ پانے والے ہیں۔ (بیضاوی ص ۱۸۸ ج ۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صابرین کے لئے صَلَوَات اور رحمت کے وعدہ کے ساتھ ہی جو اُن کو ہدایت یافتہ بنایا اور اُن کی شان میں الْمُحْتَدُونَ فرمایا۔ یہ زائد چیز بھی بہت عمدہ ہے۔ رحمتوں کا وعدہ بھی اور ہدایت پر ہونے کا اعلان بھی یہ سب کچھ ہی نفع ہے اور خیر ہی خیر ہے۔

صبر سے متعلق چند فوائد

فائدہ: (۱) اس دنیا کا یہ مزاج ہے کہ ذکھ تکلیف کا ہر ایک کو سامان کرنا پڑتا ہے۔ اور نہ آرام ہمیشہ رہتا ہے اور نہ تکلیف ہمیشہ رہتی ہے۔ مومن بندے صبر اور شکر کو اختیار کرتے ہیں۔ جو لوگ صبر نہیں کرتے اجر سے محروم ہوتے ہیں۔ شدہ شدہ کچھ دن کے بعد ان کو بھی صبر آ ہی جاتا ہے اور مصیبت کو بھول جاتے ہیں لیکن اس صبر کا کوئی اعتبار نہیں اجر و ثواب اور فضیلت اسی صبر کے متعلق ہے جو عین مصیبت کے وقت ہو۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم اگر تو صدمہ اولیٰ کے وقت صبر کرے اور ثواب کی امید باندھے تو میں تیرے لئے جنت کے علاوہ کسی دوسرے ثواب سے راضی نہ ہوں گا۔ (یعنی تیرے صبر اور احتساب کا بدلہ جنت ہی ہے) (رواہ ابن ماجہ) (صحیح بخاری ص ۱۷۱ ج ۱) اور (صحیح مسلم) میں ایک قصہ لکھا ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عورت پر گزر رہا وہ ایک قبر کے پاس رو رہی تھی آپ نے اس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر اس عورت نے آپ کو پہچانا نہیں کہنے لگی کہ ہٹو مجھے چھوڑ دو کیونکہ تمہیں وہ مصیبت نہیں پہنچی ہے جو مجھے پہنچی ہے۔ (اگر تمہیں ایسی مصیبت پہنچتی تو پہتہ چلتا کیسی مصیبت ہے اس کے بعد آپ تشریف لے گئے) اس عورت سے کسی نے کہا کہ (تجھے معلوم ہے کس کو تو نے بے ڈھنگا جواب دیا ہے) آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ سن کر وہ عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی دروازہ پر پہنچی تو وہاں دربان (چوکیدار) نہ پائے (حالانکہ اس کو خیال تھا کہ آپ بہت ثقات باٹ سے رہتے ہوں گے اور آپ کے دروازہ پر بادشاہوں کی طرح دربان ہوں گے یہ دیکھ کر حیرت میں رہ گئی کہ سید الخالق صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی سادہ زندگی ہے) کہنے لگی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کو پہچانی نہیں (اس لئے ایسا جواب دیا) آپ نے فرمایا اصلی صبر وہی ہے جو تازہ تازہ مصیبت کے موقع پر نہو (کیونکہ وقت گزر جانے پر خود ہی صبر آ جاتا ہے)۔

اس حدیث میں اسی خاص نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قرآن وحدیث میں جو صبر کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ اُس سے وہ صبر مراد ہے جو عین مصیبت اور تکلیف کے وقت ہونیانیا حادثہ ہے ابھی ابھی کسی کی موت ہوئی ہے یا رقم کھو گئی ہے دل رنجیدہ ہے اس وقت اگر ہم نے صبر کر لیا تو اس صبر کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ بلکہ حقیقت میں صبر ہی وہ ہے جو دل دکھا ہوا ہونے کے وقت ہو کیونکہ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے مصیبت کا احساس طبعی طور پر کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ کچھ دن کے بعد تکلیف کا بالکل احساس نہیں رہتا۔ وقت گزر جانے پر جب مصیبت بھول بھلیاں ہو گئی تو یہ نہ صبر ہے اور نہ اسکی کوئی فضیلت ہے اس میں مومن کا فربس برابر ہیں۔ جس صبر پر مومن سے اجر کا وعدہ ہے اس سے وہی صبر مراد ہے جو اس وقت ہو جب کہ رنج تازہ ہو دل بے چین ہو طبیعت بے قرار ہو۔ بُرے بُرے دوسو سے آ رہے ہوں۔ زبان اللہ پاک پر اعتراض کرنے کے لئے کھلنا چاہتی ہو۔ نفس خلاف شرع کاموں پر ابھارتا ہو۔ ایسی حالت میں صبر کرنا باعث اجر ہے۔

فائدہ: (۲) کسی کی موت پر دل کا رنجیدہ ہونا یا آنکھوں سے آنسو آ جانا۔ یا زبان سے رنج اور تکلیف کا اظہار کر دینا یہ بے صبری نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں (ص ۴۷ ج ۱) ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی جانکشی کے وقت تشریف لائے اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (عام لوگ تو بچوں کی موت پر روتے ہی ہیں) بھلا آپ بھی رونے لگے آپ نے فرمایا یہ طبعی رحمت ہے (جو اللہ پاک نے دل میں رکھی ہے) پھر فرمایا کہ بے شک آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل غم زدہ ہے اور زبان سے ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو پھر فرمایا اے ابراہیم تمہاری جدائی سے ہم کون رنج ہے۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسوؤں اور دل کے رنج پر عذاب نہیں دیتا لیکن وہ زبان کی وجہ سے عذاب دیتا ہے یا رحم فرماتا ہے۔ یعنی زبان سے بُرے کلمات کہنے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے پر گرفت اور عذاب ہے۔ اور اگر یوں کہا کہ میں اللہ کی قضا اور قدر پر راضی ہوں اس نے جو کچھ کیا بہتر ہے تو اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔

فائدہ: (۳) جس طرح زبان سے بُرے کلمات نکالنا ممنوع ہے اور بے صبری ہے اسی طرح عمل سے کوئی ایسی حرکت کرنا جو صبر کے خلاف ہے یا غیر مسلموں کا طریقہ ہے اس کو اختیار کرنا بھی سخت ممنوع ہے۔ لوگوں کی عادت ہے کہ مصیبت دُکھ تکلیف کے وقت خاص کر جب کوئی بچہ فوت ہو جائے اپنے چہرے پر ٹمانچے مارتے ہیں۔ دیوار پر سر دے کر مارتے ہیں گریبان پھاڑتے ہیں جاہلانہ الفاظ زبان سے نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا ہی بچہ رہ گیا تھا اُسے اللہ نے موت دی۔ یہ سب جہالت ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا کفر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے جو زخاروں پر ٹمانچے مارے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی دُہائی دے۔ (صحیح مسلم)

بعض علاقوں میں مرنے والے کے سوگ میں بال منڈوا دیتے ہیں اور خاص کر عورتیں تو بہت ہی چیختی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس سے بری ہوں جو (کسی کی موت پر) سر مونڈے آوازیں بلند کرے اور کپڑے پھاڑے۔ (صحیح مسلم) عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ عزیزوں کی موت پر چیختی ہیں اور چلاتی ہیں۔ گھر سے باہر آوازیں جاتی ہیں اور برس چھ مہینے تک جو بھی کوئی مہمان آئے اُس کے سامنے زبردستی کارونا لے کر بیٹھ جاتی ہیں اور نوحہ کرنا ان کی ایک خاص عادت ہے۔ میت کو خطاب کر کے کہتے ہیں اے میرے پیارے اے میرے جوان اے بیٹا تو کہاں گیا۔ مجھے تو کس پر چھوڑے تو ایسا تھا ویسا تھا۔ اور اس طرح کی

بہت سی باتیں پکار پکار کر بیان کرتی ہیں اور رونہا بیٹنا مہینوں تک کے لئے اُن کا مشغلہ بن جاتا ہے۔ باوجود منع کرنے کے اور شرعی ممانعت کے جاننے کے نوحہ کرتی رہتی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے لعن اللہ النافحة والمسمعة کہ اللہ کی لعنت ہو نوحہ کرنے والی پر اور اس کا نوحہ سننے والی پر (رواہ ابوداؤد) حضور اقدس ﷺ نے نوحہ کرنے والی پر لعنت فرمائی اور ساتھ ہی نوحہ سننے والی پر بھی (کیونکہ نوحہ کرنے والی کا نوحہ سننے کے لئے جو عورتیں جمع ہوں وہ بھی نوحہ کا سبب بنتی ہیں۔ عموماً نوحہ کرنے والی عورت تنہائی میں نوحہ نہیں کرتی) (صحیح مسلم ص ۳۰۳) میں ہے کہ نوحہ کرنے والی موت سے پہلے توبہ نہ کرے گی تو قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس کے بدن میں ایک کرۂ قطر ان کا ہوگا اور ایک کرۂ ٹھکلی کا ہوگا۔

عرب میں قطران ایک درخت کا پانی ہوتا تھا جس کو کھلی والے بدن پر لگاتے تھے اسکی خاصیت تیزاب جیسی تھی اس سے کھلی جل جاتی تھی اور کھلی جل کر آرام ہو جاتا نوحہ کرنے والی کے جسم پر قیامت کے دن اول تو کھلی مسلط کی جائے گی۔ دنیا میں رواج ہے کہ جب کسی کو ایگزیمیا اور دادا چھا ہو جاتا ہے تو اس پر تیزاب لگا دیتے ہیں۔ اس سے جو تکلیف ہوتی ہے بیان سے باہر ہے اور یہ تکلیف دنیا میں ہوتی ہے آخرت کی تکلیف دنیا کی تکلیفوں سے کہیں زیادہ ہے (العیاذ باللہ) پھر دنیا میں جو تیزاب لگاتے ہو اُس سے ایگزیمیا اور دادا چھا ہو جاتا ہے لیکن آخرت میں چونکہ عذاب دینا مقصود ہوگا۔ اس لئے قطران لگا ہوا ہونے سے کھلی نہیں جائے گی بلکہ اور شدید تکلیف ہوتی رہے گی۔

فائدہ: (۴) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے ساتھ ایک اور دُعا بھی حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جس کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچ جائے اور وہ اللہ جل شانہ کے فرمان کے مطابق اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھے اور ساتھ ہی یہ بھی پڑھے: اللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلِفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْہَا۔ (اے اللہ میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور اس کا بدلہ مجھے اس سے بہتر عنایت فرما)۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔ جب ابو سلمہ کی وفات ہو گئی تو میں نے (دل میں) کہا کہ ابو سلمہ سے بہتر کون سا مسلمان ہوگا؟ اس کا گھر انہ پہلا گھر انہ ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ پھر بھی میں نے مذکورہ دُعا پڑھ لی لہذا مجھے اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہ کے بدلہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی عطا فرمادی۔ (یعنی آپ سے نکاح ہو گیا) اور آپ ابو سلمہ سے بہتر ہیں۔ (صحیح مسلم)

فائدہ: (۵) یہاں تک جو متعدد احادیث کا ترجمہ لکھا گیا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے دنیاوی تکالیف اور مصائب امراض و آلام سب نعمت ہیں ان کے ذریعہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ درجات بلند ہوتے ہیں اور گناہوں کا کفارہ ہو جانے کی وجہ سے برزخ اور روز قیامت کے عذاب سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ مومن بندوں پر لازم ہے کہ صبر و شکر کے ساتھ ہر حال کو برداشت کرتے چلیں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی بہت زیادہ پختہ امید رکھیں اور یقین جانیں کہ ہمارے لئے صحت و عافیت بھی خیر ہے اور دکھ تکلیف بھی بہتر ہے۔ اصل تکلیف تو کافر کی تکلیف ہے اُسے تکلیف بھی پہنچی اور ثواب بھی نہ ملا۔ مومن کی تکلیف تکلیف نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مصیبت و تکلیف اور مرض کی دعاء کیا کریں یا شفاء کی دعاء نہ لگیں۔ کیونکہ جس طرح صبر میں ثواب ہے شکر میں بھی ثواب ہے۔ سوال تو عافیت ہی کا کریں اور کرتے رہیں اور تکلیف پہنچ جائے تو صبر کریں۔

فائدہ: (۶) بہت سے لوگ جو آرام و راحت اور دکھ تکلیف کی حکمت اور اس بارے میں قانون الہی کو نہیں جانتے

بہت سی بے نیکی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ جہان کی ساری مصیبتیں مسلمانوں پر ہی آپڑی ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ کافروں کو محلات اور قصور اور مسلمانوں کو صرف وعدہ حور کبھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غیروں کو خوب نوازا ہے اور انہوں کو فقر و فاقہ اور دوسری مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ جاہل اتنی بات نہیں جانتے کہ اپنا ہونے ہی کی وجہ سے تو مسلمانوں کو تکلیفوں میں مبتلا فرمایا جاتا ہے تاکہ ان کے گناہ معاف ہوں۔ درجات بلند ہوں۔ اور آخرت میں گناہوں پر سزا نہ ہو اور حقیقت یہ بہت بڑی مہربانی ہے کہ دنیا کی تھوڑی بہت تکلیف میں مبتلا فرما کر آخرت کے شدید عذاب سے بچا دیا جاتا ہے اور کافروں کو چونکہ آخرت میں کوئی نعمت نہیں ملتی۔ کوئی آرام نصیب نہیں ہونا بلکہ ان کے لئے صرف عذاب ہی عذاب ہے۔ اس لئے ان کو دنیا زیادہ دے دی جاتی ہے اور ان پر مصیبتیں کم آتی ہیں۔ اگر کسی کافر نے خدمت خلق وغیرہ کا کوئی کام کیا تو اس کا عوض اس دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں اُسے ذرا سی بھی خیر اور معمولی سا بھی آرام نہ ملے گا۔ اور آبادیاد تک دوزخ میں رہے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ چٹائی اور آپ کے جسم کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے۔ چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے مبارک پہلوں میں نشان ڈال دیے ہیں۔ آپ ایسے تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے ہیں جو چمڑے کا ہے۔ جس کے اندر گھجور کی چھال بھری ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ اللہ سے دعا کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کو خوب مال دیدے۔ کیونکہ فارس اور روم میں لوگوں کو وسعت دی گئی ہے اور وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابن خطاب کیا تم (ابھی تک) اسی (سوچ بچار) میں پڑے ہو (تمہیں معلوم نہیں) کہ ان لوگوں کو عمدہ چیزیں اس دنیا میں دے دی گئی ہیں (آخرت میں اُن کو کچھ نہیں ملنا) ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا کیا تم اُس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لئے دنیا اور ہمارے لئے آخرت ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

لَهُ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرٌ إِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ

کہ ان دونوں کے درمیان آنا جانا کرے اور جو شخص خوشی سے کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ قدر دان ہے جاننے والا ہے

حج و عمرہ میں صفا و مرہ کے درمیان سعی کر نیکی مشروعیت اور اس کی ابتداء

تفسیر: شعائر شیعرة کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں صفا اور مرہ مکہ معظمہ میں دو پہاڑیاں ہیں جو کعبہ شریف سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہیں ان میں صفا بہ نسبت مرہ کے کعبہ شریف سے زیادہ قریب ہے حج اور عمرہ میں سات مرتبہ ان دونوں پر آنا جانا ہوتا ہے۔ اس کو سعی کہا جاتا ہے یہ حج اور عمرہ دونوں میں واجب ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے صفا اور مرہ کو شعائر اللہ میں سے فرمایا جس کا معنی یہ ہے کہ یہ دونوں اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ان کے درمیان سعی کی جاتی ہے جو مناسک حج میں سے ہے اور حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ہے اس اعتبار سے دین اسلام میں ان دونوں کی بڑی اہمیت ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان آنے جانے کی ابتداء کس طرح ہوئی اس کا واقعہ حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری ص ۴۷ ج ۱ میں اس طرح نقل کیا ہے کہ بحکم خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی باجہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کو مکہ معظمہ میں چھوڑ کر تشریف لے گئے (جو اس وقت چٹیل میدان تھا) انکے پاس ایک تھیلہ میں کچھ کھجوریں اور مشکیزہ میں پانی رکھ دیا۔ جب واپس ہونے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ انکے پیچھے ہوئیں۔ اور کہنے لگیں کہ اے ابراہیم ہمیں یہاں چھوڑ کر آپ کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں نہ کوئی انسان ہے نہ اور کوئی چیز ہے کئی بار انہوں نے یہی سوال کیا وہ سوال کر رہی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی طرف توجہ نہیں فرما رہے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے سوال کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں وہ کہنے لگیں بس تو اللہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اپنے بچہ اسماعیل کو دودھ پلاتی رہیں اور جو پانی موجود تھا اس میں سے پیتی رہیں مشکیزہ میں جو پانی تھا جب وہ ختم ہو گیا تو خود بھی پیاسی ہو گئیں اور بچہ بھی پیاسا ہو گیا۔ وہ بچہ کوڑھتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ جب اسکی حالت نہ دیکھی جاسکی تو صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں تاکہ بچہ پر نظر نہ پڑے۔ صفا پر کھڑے ہو کر نظر ڈالی کہ کوئی شخص نظر آتا ہے یا نہیں وہاں کوئی نظر نہ آیا تو صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلیں درمیان میں نشیب تھا وہاں پہنچیں تو تیزی کے ساتھ دوڑ کر گزریں۔ مروہ پر پہنچ کر پھر نظریں ڈالیں کہ کوئی شخص نظر آتا ہے یا نہیں وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ سات مرتبہ ایسا ہی کیا (کبھی صفا پر جاتیں کبھی مروہ پر) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں تک پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا کہ اسی وجہ سے لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں (یعنی یہ سعی کی ابتداء ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کے عمل کو حج و عمرہ کی عبادت کا جزو بنادیا) جب آخری مرتبہ مروہ پر تھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی آواز سکر اپنے نفس کو خطاب کر کے کہنے لگیں کہ مطمئن ہو جا۔ اس کے بعد انہوں نے کان لگایا تو پھر آواز سنی آواز سن کر کہنے لگیں (کہ اے بولنے والے) تو نے آواز تو سنادی اگر تیرے پاس کوئی مدد کی صورت ہے تو ہماری مدد کر دے اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ جس جگہ زمزم ہے وہاں فرشتہ نے اپنی ایڑی سے تھوڑی سی زمین گریدی۔ یہاں تک کہ زمین پر پانی ظاہر ہو گیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے وہاں حوض کی صورت بنانی شروع کر دی اور اس میں سے اپنے مشکیزہ میں پانی بھر لیا۔ مشکیزہ میں بھرنے کے بعد بھی پانی جوش مار رہا تھا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رحم فرمائے اسماعیل کی والدہ پر اگر وہ زم زم کو (اپنے حال پر) چھوڑ دیتیں تو زمزم (زمین پر) جاری ہونے والا چشمہ ہوتا۔ اب انہوں نے اس میں سے پانی پیا اور بچہ کو دودھ پلایا۔ اور فرشتے نے ان سے کہا کہ تم ضائع ہونے سے نہیں ڈرنا کیونکہ یہاں بیت اللہ ہے جسے یہ لڑکا اور اس کا والد دونوں مل کر تعمیر کریں گے۔ فرشتہ نے یہ بھی کہا بلاشبہ اللہ انہوں کو ضائع نہیں فرماتا۔ (اس کے بعد بخاری شریف میں وہاں بنی جرہم کے آباد ہونے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اسی قبیلہ میں شادی ہونے کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تشریف لانے کا اور کعبہ شریف تعمیر کرنے کا ذکر ہے) اللہ تعالیٰ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا صفا مروہ کے درمیان آنا جانا ایسا پسند آیا کہ حج عمرہ کر نیوالوں کے لئے اس کو احکام حج عمرہ میں داخل فرما دیا۔ اللہ کی راہ میں قربانی والوں کی عجیب شان ہوتی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں صفا مروہ کی سعی

صحیح بخاری ص ۲۴۶ ج ۲ میں حضرت عاصم بن سلیمان سے نقل کیا ہے کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صفا مروہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ اُن پر آنے جانے کو جاہلیت کے کاموں میں سے سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ہم ان پر جانے سے رُک گئے اللہ تعالیٰ نے آیت ان الصفا والمروة الاية نازل فرمائی (صحیح مسلم) میں اس

بارے میں متعدد روایات درج ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں انصار منات کے لئے احرام باندھتے تھے (جو ایک مشہور و معروف بت تھا) جب اس کے لئے احرام باندھتے تو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کو حلال نہیں سمجھتے تھے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لئے آئے تو انہوں نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہ بیان فرما کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ اس کا حج پورا نہیں کرے گا جس نے صفا مروہ کے درمیان سعی نہ کی (صحیح بخاری) میں ابو بکر بن عبد الرحمن کا بیان نقل کیا ہے میں نے متعدد اہل علم سے سنا ہے کہ عام طور پر زمانہ جاہلیت میں لوگ صفا مروہ کی سعی کیا کرتے تھے۔ سوائے ان لوگوں کے جن حضرت عائشہؓ نے ذکر فرمایا (کہ جو لوگ منات کے لئے احرام باندھتے تھے وہ صفا مروہ پر آنے جانے سے بچتے تھے) جب قرآن مجید میں طواف بیت اللہ کا حکم آیا (جو سورہ حج میں ہے) اور صفا مروہ کا ذکر نہیں آیا تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم صفا مروہ پر آیا جایا کرتے تھے اور یہ جاہلیت کے زمانہ کی بات تھی۔

اللہ تعالیٰ نے طواف کے بارے میں حکم نازل فرمایا ہے اور صفا مروہ کا ذکر نہیں فرمایا تو کیا اس بات میں کچھ حرج ہے کہ ہم صفا مروہ پر آنا جائز کریں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اِنِّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةُ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ (آخر تک) نازل فرمائی۔ اس کے بعد ابو بکر بن عبد الرحمن نے فرمایا کہ آیت بالا دونوں فریقین کے بارے میں نازل ہوئی جو لوگ زمانہ جاہلیت میں صفا مروہ پر نہیں جاتے تھے ان کے بارے میں بھی اور جو لوگ زمانہ جاہلیت میں صفا مروہ پر جاتے تھے پھر زمانہ اسلام میں جانے کو پسند نہ کیا ان کے بارے میں بھی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس بارے میں لمبی بحث کی ہے اور روایات میں تطبیق دینے کی کوشش فرمائی ہے۔ نسائی نے نقل کیا ہے کہ صفا اور مروہ پر تانبہ کے دو بت تھے۔ ایک کا نام اساف اور دوسرے کا نام ناکلہ تھا مشرکین (حج یا عمرہ میں صفا مروہ پر جاتے تھے تو ان کو ہاتھ لگاتے تھے) حضرت شعبی سے منقول ہے کہ ایک بت صفا پر تھا جس کا نام اساف تھا اور ایک بت مروہ پر تھا جس کا نام ناکلہ کہا جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو ان دونوں کو پھینک دیا گیا اب مسلمان کہنے لگے کہ صفا مروہ پر آنا جائز جاہلیت والوں کا کام ہے جو اپنے بتوں کی وجہ سے ان پر آتے جاتے تھے لہذا ان دونوں کے درمیان سعی کرنے سے رک گئے اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حضرت عائشہؓ کا علمی جواب

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا۔ اس میں لفظ لَا جُنَاحَ سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص صفا مروہ کی سعی نہ کرے تو کچھ حرج نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے میری بہن کے بیٹے اگر بات اس طرح ہوتی جیسے تم کہہ رہے ہو تو آیت کے الفاظ یوں ہوتے لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطُوفَ بِهِمَا (یعنی اس پر کوئی گناہ نہیں جو صفا مروہ پر آنا جائز نہ کرے) آیت میں تو یوں ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں جو صفا مروہ پر آنا جائز نہ کرے پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جو صفا مروہ پر جانے سے رک گئے تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ اب صفا مروہ پر جائیں یا نہ جائیں تو اس پر یہ آیت اِنِّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةُ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ (صفا مروہ پر

جانے میں کچھ حرج نہیں ہے) پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ صفامروہ کی سعی کو رسول اللہ ﷺ نے مشروع فرمایا ہے۔ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان دونوں کے درمیان سعی چھوڑ دے۔ (صحیح بخاری)

سعی کے مسائل

مسئلہ: صفامروہ کی سعی طواف کے بغیر معتبر نہیں ہے۔ حج کی سعی طواف قدم کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور طواف زیارت کے بعد بھی اور طواف زیارت کے بعد سعی کرنا افضل ہے۔ البتہ جس کا حج قرآن ہوا سے طواف قدم کے بعد کرنا افضل ہے۔
مسئلہ: پہلے زمانہ میں صفامروہ کے درمیان ایک جگہ نشیب تھا۔ حضرت اسماعیل کی والدہ وہاں سے دوڑ کر گزری تھیں اس لئے حج و عمرہ میں سعی کرنے والے بھی اس جگہ دوڑ کر گزرتے ہیں۔ اب نشیب نہیں ہے زمین برابر ہموار ہے اوپر چھت پڑی ہوئی ہے اس جگہ کی نشانی کے لئے ہرے ستون بنادیئے گئے ہیں۔ ایک ہرے ستون سے دوسرے ہرے ستون تک دوڑ کر چلنا مسنون ہے۔

مسئلہ: سعی کے صرف سات چکر ہیں۔ صفا سے مروہ تک ایک چکر اور مروہ سے صفا تک دوسرا چکر ہوتا ہے اسی طرح سات چکر پورے کئے جائیں صفا سے شروع کر کے مروہ پر سعی ختم کی جائے۔
مسئلہ: سعی خود کرنا واجب ہے اس میں نیابت نہیں ہو سکتی۔ (الایہ کہ کوئی شخص احرام سے پہلے بے ہوش ہو جائے تو دوسرا شخص اسکی طرف سے احرام باندھ لے اور مکہ معظمہ پہنچ کر اسکی طرف سے طواف قدم اور سعی کرے تو یہ صحیح ہے بشرطیکہ اس سے پہلے اسے ہوش نہ آیا ہو)

مسئلہ: سعی پیدل کرنا لازم ہے اگر کسی نے بلا عذر سواری پر سعی کی اور پھر اعادہ نہیں کیا یعنی دوبارہ نہیں کی تو دم واجب ہوگا۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص سعی چھوڑ کر مکہ معظمہ سے چلا گیا تو اسکی طحانی کے لئے ایک دم واجب ہوگا۔

مسئلہ: ہرے ستونوں کے درمیان تیزی سے چلنا صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں (کیونکہ انکی طرف سے ان کی جنس کی ایک عورت یہ کام کر چکی اور اسی کے عمل کی توبہ نقل ہے جو حج اور عمرہ کا جزو بنادی گئی ہے)
آیت کے اخیر میں فرمایا: وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ۔ کہ جو بھی شخص کوئی اچھا کام اپنی خوشی سے کر دے (جو اس پر فرض واجب نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ثواب دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کی قدر دانی فرماتے ہیں اور جو شخص کوئی عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اسکی پوری طرح خبر ہے۔ خیر و شر کا کوئی ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں ان چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں جو واضح چیزیں ہیں اور ہدایت کی باتیں ہیں بعد اس کے کہ ہم نے اس کو لوگوں کے لئے

فِي الْكِتَابِ أَوَّلِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ۖ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا

کتاب میں بیان کیا۔ چھپانے والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور ان پر لعنت بھیجتے ہیں لعنت کرنے والے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی

وَيَتَنَبَّأُوا وَلِيكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

اور یہ بیان کیا سو یہ لوگ ہیں جن کی توبہ قبول کروں گا اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا ہوں۔ رحیم ہوں

حق چھپانے والوں کی سزا

تفسیر: علامہ واحدی نے اسباب النزول میں لکھا ہے کہ یہ آیت علماء اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے آیت رجم کو چھپایا اور آنحضرت ﷺ کی صفات کو (جو تورات شریف میں پڑھتے آئے تھے) پوشیدہ رکھا۔ تفسیر درمنثور میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور بعض دیگر انصار نے بعض علماء یہود سے توریت کی بعض باتیں دریافت کیں تو انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی نیز درمنثور میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوالعالیہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اہل کتاب کا ذکر ہے جنہوں نے حسد کی وجہ سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کی نعت کا کتمان کیا (یعنی اس بات کو بھی چھپایا کہ توریت شریف میں آپ کی بعثت کا ذکر ہے اور آپ کی نعت اور صفت جو توریت شریف میں مذکور تھی اس کو بھی پوشیدہ رکھا) حالانکہ وہ یہ سب کچھ اپنے پاس لکھا ہوا پاتے تھے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر جو کھلی کھلی آیات واضحہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں جن میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ بھی تھا۔ اس کو اہل کتاب نے چھپایا اور پوشیدہ رکھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اَلْهٰذِیْ عَطْفَہِ الْبَیِّنَاتِ پر اور اس سے عمومی طور پر ہدایت کی سب چیزیں مراد ہیں۔ جن میں حضرت خاتم النبیین پر ایمان لانا اور آپ کا اتباع کرنا بھی شامل ہے۔ اور آیات اگرچہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئیں لیکن ان کا حکم سب کے لئے عام ہے یعنی علم دین کا چھپانا ہر جاننے والے کیلئے گناہ ہے۔ (ص ۲۶-۲۷ ج ۲)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اگر دو آیتیں نہ ہوتیں (جن میں علم چھپانے کی وعید مذکور ہے) تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا پھر انہوں نے مذکورہ بالا آیات تلاوت فرمائیں اور سنن ابن ماجہ ص ۲۳ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کوئی ایسا علم چھپایا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دینی معاملہ میں نفع پہنچاتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس کے منہ میں آگ کی لگام لگائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ آیات بینات اور ہدایت کے چھپانے والوں کے بارے میں فرمایا: **أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ** (کہ اللہ تعالیٰ اُن پر لعنت فرماتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں) لعنت کا معنی ہے رحمت سے دور کر دینا اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور فرماتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی ان کے لئے بد دعا کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوں۔ تفسیر درمنثور (ص ۱۶۲ ج ۱) میں حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ لعنت کرنے والوں سے جنات اور انسان اور زمین پر چلنے والے تمام جاندار مراد ہیں پھر فرمایا: **إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا** (الایہ) یعنی جن لوگوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور بیان کر دیا تو میں ان کی توبہ قبول کر لوں گا۔

حق چھپانے اور گمراہ کرنے والوں کی توبہ کی شرائط

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: **إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا** ای رجعوا من الکتمان أو عنه وعن سائر ما یجب أن یتاب عنه۔ (یعنی وہ لوگ لعنت سے بچ جائیں گے جنہوں نے علم کے چھپانے سے اور ہر اُس عمل سے توبہ کی جس سے توبہ کرنا لازم ہے) پھر فرمایا **وَأَصْلَحُوا** اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: اصلحوا ما افسدوا بالتدارک فیما

یتعلق بحقوق الحق والخلق ومن ذلك ان يصلحوا قومهم بالارشاد الى الاسلام بعد الاضلال وان يزيلوا الكلام المعروف ويكتبوا مكانه ما كانوا ازالوه عند التحريف۔ یعنی توبہ کرنے کے ساتھ اصلاح بھی کریں جو فساد کیا تھا اس کو دور کریں حق کے چھپانے کی وجہ سے خالق جل مجدہ اور مخلوق کے جو حقوق تلف ہوئے تھے ان کا تدارک کریں اور جن لوگوں کو گمراہ کیا تھا ان کو اسلام قبول کرنے کی طرف دعوت دیں اور بتادیں کہ ہم نے تم کو حق سے روکا تھا حق یہ ہے کہ جو ہم اب کہہ رہے ہیں اور اللہ کی کتاب میں جو کچھ تحریف کی تھی اس کو درست کر دیں۔ غلط کو ہٹا دیں اور صحیح کو اس کے قائم مقام کر دیں۔ پھر فرمایا: وَيَتُوبُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى اسکی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ اى اظهر واما بينه الله تعالى للناس معانيه (یعنی اللہ تعالیٰ شانہ نے جو کچھ بیان فرمایا تھا اور انہوں نے اس کو چھپا دیا تھا اب اس کو خوب واضح طور پر بیان کریں)۔

نیز صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: وبهذه الامرين تتم التوبة۔ یعنی جن لوگوں نے حق کو چھپایا فساد کیا لوگوں کو گمراہی پر ڈالا ان کی توبہ اسی وقت پوری ہوگی جب وہ اصلاح بھی کریں اور بیان بھی کریں۔ ان کے قول و فعل سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں اور عوام و خواص میں جو گمراہی پھیلی اسکی تلافی کریں جو حقوق تلف ہوئے ہیں ان کا تدارک کریں۔ یہ بات بہت اہم ہے جسکی طرف لوگوں کی بہت کم توجہ ہوتی ہے۔ بہت سے آزاد خیال لوگ جو اہل حق کو چھوڑ کر خود رومجہد اور مجتہد دین جاتے ہیں اور مصنف اور مضمون نگار ہونے کے زعم میں زور قلم دکھاتے ہیں ایسے لوگ اہل سنت والجماعت سے ہٹ کر اپنی راہ نکالتے ہیں اور اسی کی اشاعت کرتے ہیں یہ لوگ اگر توبہ کرنے لگیں تو صرف تنہائی میں توبہ کرنا کافی نہیں ہے ان لوگوں پر لازم ہے کہ صاف صاف اعلان کریں اور عوام کو بتائیں کہ فلاں فلاں عقیدہ یا عمل کو جو ہم نے اہل السنۃ والجماعت کے مسلک کے خلاف تبلیغ و اشاعت کی ہے وہ غلط ہے۔ آجکل فتنوں کا دور ہے۔ بہت سے لوگ صریح کفر اختیار کر لیتے ہیں اور اس کی تبلیغ و اشاعت بھی کرتے رہتے ہیں۔ پھر جب توبہ کرتے ہیں تو چونکے سے توبہ کر کے گھر میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ قَاتِبُوا وَاَصْلَحُوا وَيَتُوبُوا تینوں پر عمل کریں۔

فائدہ اولی: جہاں علم دین کو چھپانا گناہ ہے۔ وہاں یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ جو شخص واقعی عالم ہو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے واقف ہو حلال حرام کا علم رکھتا ہو مسائل سے پوری طرح واقف ہو مسئلہ بتانے فتویٰ دینے کا مقام اسی شخص کا ہے۔ غلط مسئلہ بتانے کا وبال بھی بہت زیادہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ سَلَّ مِنْ عِلْمٍ عِلْمِهِ ثُمَّ كَتَمَهُ أَجْمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلُجَامٍ مِنْ نَارٍ (کہ جس شخص سے علم کی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا تھا پھر اس نے اس کو چھپایا تو قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی) (سنن الترمذی ابواب العلم)

اس میں لفظ علمجہ جو زیادہ فرمایا ہے یہ اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ جو شخص جانتا ہو بتانے کی ذمہ داری اسی کی ہے بے علم اگر دینی بات بتانے کی جرأت کرے گا تو گمراہی کے گڑھے میں گرے گا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! جسے علم کی کوئی چیز معلوم ہو تو وہ اسے بتا دے اور جسے معلوم ہونے ہو تو واللہ اعلم کہہ دے (یعنی اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے) اس لئے کہ یہ بھی علم کی بات ہے کہ جو کچھ نہ جانتا ہو اس کے بارے میں اللہ اعلم کہہ دے اور خواہ مخواہ اپنے پاس سے نہ بتا دے اور بتکلف عالم نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے۔ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ (آپ فرمادیجئے کہ میں تم سے اس پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں)

اسی لئے علماء نے فرمایا کہ لا ادری نصف العلم (یعنی یہ کہہ دینا کہ میں نہیں جانتا یہ آدھا علم ہے) بہت سے ناقص العلم آدمیوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اُن کے ہاں لا ادری کا خانہ ہی نہیں ہے ہر بات بتانے کو تیار ہیں اور علم بڑھے بغیر دینی کتابیں لکھتے ہیں غلط مسائل جمع کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا کہ جب کسی اچھے علم والے ماہر مفتی سے کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو وہ ابھی غور ہی کر رہا ہے لیکن پاس کے بیٹھنے والے جاہلوں نے بتا کر بات ختم بھی کر دی۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ دینی ذمہ داری اور آخرت کے مواخذہ کا احساس نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ اَجْرُ عَمَلٍ عَلَى الْفَتْيَا اَجْرُ عَمَلٍ عَلَى النَّارِ (یعنی تم میں جو شخص فتویٰ دینے میں زیادہ جری ہے وہ دوزخ میں جانے پر زیادہ جرات کرنے والا ہے) (سنن الداری)۔

درحقیقت قرآن کے معنی بتانا یا حدیث کی روایت کرنا یا مسئلہ بتانا بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ حضرت محمد بن المنکدر نے فرمایا کہ بلاشبہ عالم (جو علم کی باتیں بتاتا ہو) وہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بن جاتا ہے۔ اب اس ذمہ داری سے نکلنے کا راستہ سوچے (سنن الداری) نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ انکل سے اور پھر پور علم کے بغیر باتیں نہ بتائے اور جو کوئی بات معلوم نہ ہو صاف کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو کوئی فتویٰ دیا گیا۔ جو علم اور تحقیق کے بغیر تھا تو اس کا گناہ اُسی پر ہے جس نے اُسے فتویٰ دیا۔ (سنن داری) و (سنن ابوداؤد)۔
اول تو مسئلہ خوب تحقیق کے بعد بتائیں پھر بھی اگر غلطی ہو جائے تو اپنی غلطی کا اعلان کریں اور جسے فتویٰ دیا ہو اُسے تلاش کریں اور بتائیں کہ ہم سے غلطی رہ گئی صحیح مسئلہ یہ ہے۔

فائدہ ثانیہ: علم کی باتوں کو چھپانا گناہ ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے معلوم ہوا لیکن بتانے والے کو یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ سائل جو کچھ پوچھ رہا ہے وہ اس کے جواب کو سمجھنے کا اہل ہے بھی یا نہیں۔ اور اگر سمجھ بھی لے تو اس سے مطلب کیا نکالے گا اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگی تو وہ اس کو سمجھ پائیں گے یا نہیں اور کسی فتنہ میں نہ پڑ جائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو وہ باتیں بتاؤ جو جانتے پہچانتے ہوں (ان کی عقل و فہم سے اُوچی باتیں کرو گے تو وہ اللہ و رسول کی تکذیب کریں گے) کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اُس کے رسول کی تکذیب کی جائے (بخاری) حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يَشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ (کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اس نے شرک نہ کیا ہو تو جنت میں داخل ہوگا) انہوں نے عرض کیا لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دے دوں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں مجھے ڈر ہے کہ لوگ (اسی پر) بھروسہ کر بیٹھیں گے (اور اعمال چھوڑ دیں گے) (صحیح بخاری)۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اِنَّ الَّذِي يَفْتِي النَّاسَ فِي كُلِّ مَا يُسْتَفْتَى لِمَجْنُونٍ۔ (جو شخص لوگوں کے ہر استفتاء کا جواب دے وہ دیوانہ ہے) (سنن داری و رواہ الطبرانی فی الکبیر کما فی جمع القوائد)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَآمَنُوْا وَهُُمْ قُلُوْبًاۙ اَوْ لِيْكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے سو یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور

اَجْمَعِيْنَ ۚ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَاَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝

تمام لوگوں کی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی

کفر پر مرنے والوں پر لعنت اور عذاب

تفسیر: اس آیت شریفہ میں کفر پر مرنے والوں کی سزا کا ذکر ہے آیت کا عموم ان یہود کو بھی شامل ہے جو کفر پر جے رہے اور دوسروں کو بھی کفر پر جمائے رہے۔ حضور اقدس ﷺ کی نعت اور صفت کو چھپایا اور حق کو قبول نہ کیا اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیا اور یہود کے علاوہ دوسرے تمام کفار نصاریٰ مشرکین منکرین خدا منکرین رسالت انبیاء علیہم السلام اور منکرین عقائد اسلامیہ اور منکرین ضروریات دین اور ختم نبوت کے منکر اور تمام ملاحدہ اور زنادقہ اور وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا پھر کافر ہو گئے ان سب کو آیت کا عموم شامل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تمام کافر جو کفر پر مرجائیں اُن سب پر اللہ کی لعنت ہے اور سب فرشتوں کی اور سب انسانوں کی گزشتہ آیت کی تفسیر میں بتا دیا گیا ہے کہ لعنت خدا کے پاک کی رحمت سے دوری کو کہتے ہیں۔ سب سے بڑی دوری یہ ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جائے کافروں کے لئے یہ سب سے بڑی لعنت ہے اس کے لئے خَالِدِیْنَ فِیْہَا فرمایا۔ حضرت ابو العالیہ نے اسکی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا خالدا لہن فی جہنم فی اللعنة یعنی وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل ہوں گے اور لعنت میں رہیں گے۔ (درمنثور)

شاید کسی کے ذہن میں یہ خیال وارد ہو کہ کافر تو ایک دوسرے پر لعنت نہیں کرتے۔ پھر ان لوگوں کی لعنت کیسے ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس دنیا میں لعنت نہیں کرتے مگر آخرت میں سب ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ سورہ عنکبوت میں ہے۔ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیَمَةِ یُکْفَرُ بَعْضُکُمْ بِبَعْضٍ وَیَلْعَنُ بَعْضُکُمْ بَعْضًا وَمَا النَّارُ وَمَا لَکُمْ مِّنْ نَّاصِرِیْنَ (یعنی پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے سے برگشتہ ہو جاؤ گے۔ اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا۔ اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا)۔

سورہ اعراف میں ہے: کُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَعْنَتْ اُخْتَهَا حَتّٰی اِذَا رَكَعُوْا فِیْہَا جَمِیْعًا قَالَتْ اُخْرَاهُمْ لَاوْلَاهُمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ اَصْلَوْنَا فَالِیْہُمْ عَذَابٌ اَضْعَافًا مِّنَ النَّارِ (جب بھی کوئی جماعت دوزخ میں داخل ہوگی تو وہ دوسری جماعت پر لعنت بھیجے گی۔ یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں ایک دوسرے کو پالیں گے تو بعد والے پہلے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہذا ان کو آگ کا دو گنا عذاب دے)۔

اور سورہ احزاب میں فرمایا: وَقَالُوا رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُتِبَ عَلَیْنَا نَا فَاصْلُوْنَا السَّبِیْلَ رَبَّنَا اِنھُمْ ضَعِیْفِیْنَ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْتُمْ لَعْنًا كَبِیْرًا (اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی سوانہوں نے ہم کو راہ سے بھٹکا دیا اے ہمارے رب اُن کو دہری سزا دیجئے اور ان پر بڑی لعنت فرما۔ تفسیر درمنثور میں ہے کہ حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کافر کھڑا کر دیا جائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ پھر اس کے فرشتے لعنت کریں گے۔ پھر تمام انسان اس پر لعنت بھیجیں گے)

پھر فرمایا: لَا یُخَفِّفُ عَنْھُمْ الْعَذَابُ یعنی ان لوگوں سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا سورہ نمل میں فرمایا: الَّذِیْنَ كَفَرُوا وَصَلُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَذَنَّاھُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یُفْسِدُوْنَ (یعنی جو لوگ کفر کرتے تھے اللہ کی راہ سے روکتے تھے اُن کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری سزا بمقابلہ اُن کے فساد کے بڑھا دیں گے)۔

سورہ زخرف میں فرمایا: اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ لَا يُفْتَرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ (بلاشبہ مجرمین جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ اُن سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اس میں نادمید ہو کر پڑے رہیں گے)۔

سورہ مومن میں فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ اذْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ قَالُوْا اَوْ لَمْ تَكُنْ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوْا بَلٰى قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (اور جو لوگ دوزخ میں ہوں گے جہنم کے داروغہاؤں سے کہیں گے کہ اپنے رب سے تم دعا کرو ایک دن ہمارا عذاب ہلکا فرما دے وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلے کھلے دلائل لے کر نہ آئے تھے وہ کہیں گے ہاں آئے تو تھے۔ داروغہ کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا نہیں ہے مگر بے اثر)۔

آخر میں فرمایا: وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (اور اُن کو مہلت نہ دی جائے گی) مہلت اُسے دی جاتی ہے جسے اپیل کرنے کا موقع دیا جائے۔ کافروں کو بہر حال دائمی عذاب میں رہنا ہے کسی طرح کی اُن کو کوئی مہلت نہیں دی جائے گی نہ اُن کو کسی طرح کی معذرت خواہی کی اجازت دی جائے گی۔ سورہٴ مرسلات میں فرمایا: هٰذَا يَوْمٌ لَا يَنْطَقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَرِضُوْنَ وَيَنْتَظِرُوْنَ لِلْمُكْذِبِيْنَ (یہ دن ہے جس میں وہ نہ بولیں گے اور نہ اُن کو اجازت دی جائے گی کہ عذر پیش کریں۔ ہلاکت ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے)۔

لعنت کرنے سے متعلقہ مسائل

مسئلہ: عام طور سے یوں تو کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت اور ظالموں پر اللہ کی لعنت لیکن کسی خاص شخص کو مقرر کر کے یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ ملعون ہے خواہ مومن ہو یا کافر ہو خاص طور پر معین کر کے صرف اُسی شخص پر لعنت بھیج سکتے ہیں جس کا کفر پر مرنا یقینی ہو جیسے فرعون۔ ابولہب۔ ابوجہل وغیرہم جو شخص اسی دنیا میں موجود ہے اور حالت کفر میں ہے اس کو بھی متعین طریقہ پر ملعون کہنا جائز نہیں کیونکہ یہ یقین نہیں ہے کہ وہ کفر پر مرے گا۔ بہت سے لوگ اس میں بے احتیاط ہوتے ہیں نہ صرف کافروں کو بلکہ مسلمانوں کو ملعون لعین کہہ دیتے ہیں۔ بچوں کو پڑھانے والے اساتذہ کی زبان اس میں زیادہ کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے۔ سو آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں پھر زمین کی طرف اتاری جاتی ہے سو زمین کے دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں پھر وہ دائیں بائیں اپنا راستہ دیکھتی ہے جب کوئی جگہ نہیں پاتی تو اس پر لوٹ جاتی ہے جس پر لعنت بھیجی ہے۔ سو اگر وہ اس کا اہل تھا تو اس پر پڑ جاتی ہے اور اگر اس کا اہل نہیں تھا تو اسی پر لوٹ جاتی ہے جس نے لعنت کے لفظ زبان سے نکالے تھے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الادب ص ۳۱۶ ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص کی چادر ہوانے ہٹا دی اُس نے ہوا پر لعنت کر دی حضرت رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کر۔ کیونکہ وہ تو اللہ کے حکم کے مطابق چلتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص کسی چیز پر لعنت کرے اور وہ چیز اس کی اہل نہ ہو تو لعنت کرنے والے پر ہی لعنت لوٹ جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الادب)

مسئلہ: لعنت کے ہم معنی جو بھی الفاظ ہوں اُن کا استعمال کرنا بھی اُسی وقت جائز ہے جبکہ اصول کے مطابق اس پر

لعنت بھیجنا جائز ہو۔ لفظ مردود بھی ملعون کے معنی میں ہے۔ اور پھٹکار بھی اردو میں لعنت کے معنی میں آتا ہے۔ عورتوں کو لعنت اور اس کے ہم معنی لفظ استعمال کرنے کی بہت زیادہ عادت ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ ایک مرتبہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے تشریف لے جا رہے تھے عورتوں پر آپ کا گزر ہوا آپ نے فرمایا کہ اے عورتو! تم صدقہ کرو مجھے دوزخ میں تمہاری تعداد زیادہ دکھائی گئی ہے۔ عورتوں نے عرض کیا کیوں یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ نے فرمایا کہ تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۳ از بخاری و مسلم)

وَالْهَيْكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ

اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رحمن ہے رحیم ہے

معبود حقیقی ایک ہی ہے

تفسیر: اس آیت میں خالق تعالیٰ شلنہ کی توحید بیان فرمائی ہے اور مشرکین کی تردید فرمائی ہے۔ فرمایا کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات صفات میں یکتا ہے اور تنہا ہے۔ اور ایک ہے وہ بہت مہربان ہے اور بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ اسکی کوئی نظیر نہیں اور اس کا کوئی ہمسر اور برابر نہیں۔ وہ واحد ہے احد ہے وحدہ لا شریک ہے۔ ساری مخلوق کو تنہا اُسی نے پیدا فرمایا۔ لہذا وہی واحد معبود ہے ساری مخلوق پر وہ رحم فرماتا ہے۔ لوگوں نے اُس کے علاوہ جو دوسرے معبود بنائے ہیں وہ جھوٹے معبود ہیں اُن میں سے کوئی بھی مستحق عبادت نہیں نہ وہ خالق ہیں نہ مالک ہیں نہ رحمن ہیں نہ رحیم ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي

بلا شبہ آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے میں اور رات و دن کے الٹ پھیر میں اور کشتیوں میں جو کہ چلتی ہیں

الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ

سمندر میں وہ سامان لے کر جو لوگوں کو نفع دیتا ہے اور جو کچھ نازل فرمایا اللہ نے آسمان سے یعنی پانی پھر زندہ فرمایا اس کے ذریعہ زمین کو

بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسْتَغَرِّينَ

اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور پھیلا دیئے ہیں میں ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جانور اور ہواؤں کے گردش کرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان سفر ہیں

السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُعْقِلُونَ

ضرور نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں

توحید کے دلائل کا بیان

تفسیر: تفسیر درمنثور ص ۱۶۳ ج ۱ میں ہے کہ جب آیت وَالْهَيْكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ نازل ہوئی تو مشرکین کو تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ یہ کہتے ہیں کہ معبود صرف ایک ہی ہے۔ اگر وہ سچے ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

نازل فرمائی اور اپنے خالق و مالک ہونے کا اور کائنات میں تصرف فرمانے کا تذکرہ فرمایا۔ مشرک بھی جانتے ہیں کہ یہ تصرفات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کرتا۔ سمجھ سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے کے سوا کوئی راستہ نہیں اور حضرت عطار سے منقول ہے کہ جب مدینہ منورہ میں آیت کریمہ وَاللّٰهُمَّ اِلٰهَ وَّاحِدٌ نازل ہوئی تو مکہ میں کفار قریش نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ سب لوگوں کا ایک ہی معبود ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آخربک) نازل فرمائی۔ ان آیات میں غور کریں تو سمجھ میں آجائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے اور واحد ہے اور وہ ہر چیز کا معبود ہے اور ہر چیز کا خالق ہے (ایضاً ص ۱۷۴) مشرکین کا عجیب طریقہ تھا اور اب بھی ہے کہ پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے رزق دیا اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی پرورش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اولاد وہ دیتا ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں وہ پیدا فرماتا ہے لیکن مشرکین عبادت دوسروں کی کرتے ہیں اور عجیب تر بات یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ کے سامنے یہ بات آئی کہ معبود صرف ایک ہی ہے۔ تو تعجب سے کہنے لگے اَجْعَلُ الْاِلٰهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنْ هٰذَا لَشَيْءٌ غَجَبٌ۔ (کیا تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنادیا بلاشبہ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے) دنیا بھی عجیب جگہ ہے جو بھی چیز رواج پا جائے خواہ کیسی ہی باطل اور بُری ہو رواج کی وجہ سے لوگ اسے اچھی چیز سمجھنے لگتے ہیں۔ انسانوں پر فرض ہے کہ وہ صرف اپنے خالق مالک کی عبادت کریں۔ اُس کے علاوہ کسی دوسرے کو معبود نہ بنائیں یہی انسانوں کا دین ہے جو ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے بتایا اور اختیار کیا اور اُن کے بعد تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس کی دعوت دیتے رہے۔ جب لوگوں میں شرک پھیل گیا تو اُسی سے مانوس ہو گئے اور توحید کی دعوت پر تعجب کرنے لگے۔ مذکورہ بالا آیت میں چند ایسی چیزوں کا ذکر ہے۔ جو سب کے سامنے ہیں اور سب کو اقرار ہے کہ یہ ساری چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت اور تصرف سے وجود میں آئی ہیں اور اُن کا بقا اور وجود صرف اسی کی مشیت سے ہے۔ کسی دوسرے کو ذرہ بھر بھی انکے وجود و بقا میں دخل نہیں۔

آسمان وزمین کی تخلیق

سب سے پہلے آسمان وزمین کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا: وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو تو وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ سورۃ احقاف میں فرمایا: قُلْ اَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ اَلِیُّوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَنَا زَوْءٌ مِنْ عِلْمِ اَنْ تُکْتَبَ صٰدِقٰتِنِ (آپ کہیں کہ یہ تو بتلاؤ جن چیزوں کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھ کو یہ دکھاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی یا اُن کا آسمان میں کچھ سا جھا ہے۔ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے کی ہے یا وہ کوئی مضمون منقول لے آؤ اگر تم سچے ہو)۔

رات دن کا آنا جانا: آسمان وزمین کی پیدائش کا ذکر فرمانے کے بعد اختلاف اللیل و النهار یعنی رات دن کے آگے پیچھے آنے ایک کے کم ہونے دوسرے کے زیادہ ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ سورۃ فرقان میں ارشاد ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّدْکُرَ اَوْ اَرَادَ شُکُوْرًا (اور وہ وہی ذات پاک ہے جس نے بنادیا رات و دن کو آگے پیچھے آنے والا اُس شخص کے لئے جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ کرے یا ارادہ کرے شکر گزار

ہونے کا) سورۃ زمر میں فرمایا: خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔ (پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ وہ لپیٹتا ہے۔ رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے۔ دن کو رات پر اور اس نے مسخر فرمایا۔ سورج کو اور چاند کو)

سورۃ فاطر میں فرمایا: يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ (وہ داخل فرماتا ہے رات کو دن میں اور داخل فرماتا ہے دن کو رات میں اور اُس نے مسخر فرمایا سورج کو اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے اپنی مقررہ اجل کے لئے یہ اللہ ہے تمہارا رب اُسی کے لئے ملک ہے اور جن لوگوں کو تم اس کے علاوہ پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں) رات اور دن کا وجود میں آنا کم و بیش ہونا کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں رات کا زیادہ ہونا اور کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں دن کا زیادہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے تحت ہے کسی کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں سب اہل عقل اس کو جانتے اور ماننے ہیں۔

سمندروں میں جہازوں کا چلنا

پھر تیسری نشانی کا ذکر فرمایا: وَالْفُلُوكَ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ (یعنی جو کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں وہ سامان لے کر جس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں) ان کشتیوں کا چلنا بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے سمندر خود اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہے اس میں طرح طرح کے جانور اور بہت سی چیزیں ہیں جو انسانوں کے کام آنے والی ہیں۔ سمندروں نے ایک براعظم کو دوسرے براعظم سے ملارکھا ہے۔ اگر سمندر نہ ہوتے تو خشکی ہی کے ذریعہ دُور و نزدیک کے سامان کو منتقل کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر میں کشتیاں جاری فرمادیں اگر اللہ چاہتا تو کوئی کشتی سمندر کی سطح پر نہ چلتی بلکہ ڈوب کر رہ جاتی۔ ایک سوئی سمندر کی سطح پر نہیں ٹھہر سکتی۔ لیکن ہزاروں من کے جہاز اور کشتیاں سمندر کی سطح پر ہزاروں من سامان لے کر چلتی ہیں۔ یہ سامان یورپ سے ایشیا اور ایشیا سے یورپ تک جاتا ہے۔ ایک براعظم کے لوگ دوسرے براعظم کی پیداوار سے منتفع ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ ہوائی جہازوں کی سروس بہت زیادہ ہو گئی ہے اور ٹرینیں بھی کثیر تعداد میں چلنے لگی ہیں لیکن سامان کے نقل و حمل کے لئے آج تک بحری جہازوں سے بے نیازی نہیں ہے۔

سورۃ نحل میں فرمایا: وَتَرَى الْفُلُوكَ مَوَاجِعَ فِيهِ وَلْيَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ سمندر میں پانی کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اور تاکہ شکر کرو)

سمندر کا سفر ہے نیچے پانی ہے۔ اوپر آسمان ہے۔ بھاری بھر کم جہاز دریا کا تلاطم ہواؤں کے تھپڑے اور ڈوبنے کا ڈر۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ ہی حفاظت فرماتے ہیں۔ ڈوبنے سے بچاتے ہیں۔ جو سامان لدا ہوا ہے اور جو لوگ اس میں سوار ہیں۔ صرف اللہ کی حفاظت سے منزل مقصود تک پہنچتے ہیں جب سمندر میں طغیانی آجائے تو ڈرتے ہیں اور لرزتے ہیں اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہیں جاتی اور صرف اُسی کو پکارتے ہیں۔ سارے باطل معبودوں کی یادیں ہی دھری رہ جاتی ہے۔ سورۃ عبکبوت میں فرمایا: فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد

کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ اُن کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ وہ ناقدری کریں اُس نعمت کی جو انکو ہم نے دی اور تاکہ وہ نفع حاصل کر لیں۔ سو عنقریب جان لیں گے)

یہ مشرک انسان کا عجیب مزاج ہے کہ جب مصیبت پڑتی ہے تو صرف اللہ کو یاد کرتا ہے اور اُسی کو پکارتا ہے اور جب مصیبت سے چھوٹ جاتا ہے تو شرک کرنے لگتا ہے۔ اور غیر اللہ کو پکارتا ہے اور اس کی عبادت میں لگ جاتا ہے۔

بارش کا نازل فرمانا: چوتھی نشانی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ كَمَا اللَّهُ تَعَالَىٰ نَ آسَمَانٍ سَ جَو پَانِی اُتارا ہے اور اس کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ فرمایا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے خالق مالک اور واحد ہونے کی نشانیوں میں سے ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت بہت زیادہ ہے کروڑوں انسان اور چوپائے اور درخت اس سے سیراب ہوتے ہیں۔ لیکن ختم ہونے نہیں پاتا بارشیں ہوتی ہیں بیٹھا پانی برستا ہے۔ خشک زمینیں اس سے سیراب ہوتی ہیں۔ کھیتیاں ہری بھری ہوتی ہیں۔ باغات سرسبز شاداب ہوتے ہیں۔ تالابوں میں پانی جمع ہوتا ہے۔ مہینوں انسان اور جانور اس کو اپنے خرچ میں لاتے ہیں بہت سے علاقوں میں بارش کے سوا پانی کا کوئی انتظام ہی نہیں۔ کنویں ہیں تو وہ بھی بہت گہرے اور کم پانی والے ہیں۔ پانی پینے، کپڑے دھونے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے بارش کے لئے اللہ سے لو لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ جب بارش ہوتی ہے تو جان میں جان آتی ہے۔ جن علاقوں میں بیٹھے پانی کی نہروں سے سیرابی ہوتی ہے وہ بھی آسمان ہی کا برسایا ہوا ہے۔ کیونکہ آسمان کی بارشیں پہاڑوں پر برف کی صورت میں متحد ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ برف پگھل پگھل کر نہروں میں آتی ہے۔ سورۃ شوریٰ میں فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي يُنْزِلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ۔ (اور وہی ہے جو بارش نازل فرماتا ہے اس کے بعد کہ وہ ناامید ہو چکے اور وہ پھیلاتا ہے اپنی رحمت کو اور وہی کام بنانے والا سب تعریفوں کے لائق)

سورۃ حم سجدہ میں فرمایا: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْكَ قَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُخِي الْمَوْتِ إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (اور اسکی نشانیں میں سے ایک یہ ہے کہ تو زمین کو دیکھتا ہے کہ دبئی ہوئی پڑی ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے۔ بلاشبہ جس نے اس زمین کو زندہ فرمایا وہی مردوں کو زندہ کر دے گا۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)

سورۃ روم میں فرمایا: وَانْظُرْ إِلَى آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُخْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَلِكَ لَمُخِي الْمَوْتِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (سورۃ رحمت الہی کے آثار دیکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے)۔

زمین کا خشک ہو جانا اور اس کے درختوں کا سوکھ جانا اسکو زمین کی موت سے تعبیر فرمایا اور اسکی سرسبز شادابی کو حیات سے تعبیر فرمایا۔

جانوروں کو پیدا فرمانا اور زمین میں پھیلانا

اللہ تعالیٰ کی نشانیں میں سے پانچویں نشانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں پھیلا دیئے ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جانور۔ اس کا عطف اَنْزَلَ پر بھی ہو سکتا ہے۔ اور اخیٰ پر بھی (کما ذکرہ

صاحب الروح) عربی لغت کے اعتبار سے ذابۃ ہر اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو زمین پر چلے پھرے اگرچہ عرف عام میں بڑے بڑے جانور گائے، بیل، بھیمنس اُونٹ وغیرہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ زمین پر چلنے پھرنے والے طرح طرح کے جانور بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کس قدر کثیر تعداد میں مختلف اجناس و اصناف کے جانور پیدا فرمائے ہیں اُن کی طبیعتیں الگ الگ ہیں۔ صورتیں الگ الگ ہیں۔ منافع مختلف ہیں۔ اور ان سب پر انسان کو مسلط فرمادیا ہے۔ خوب زیادہ غور کیا جائے اور ایک ایک جانور کے خواص پر نظر ڈالی جائے تو بے شمار قدرت الہیہ کے مظاہر سمجھ میں آ جاتے ہیں۔

ہواؤں کو مختلف رُخوں پر چلانا

چھٹی نشانی ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَتَصْرِيفِ الرِّيَّاحِ یعنی ہواؤں کو چلانے پھرانے اُن کے رُخوں کو بدلنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جیسا چاہتے ہیں۔ ہوائیں چلتی ہیں جس رُخ پر اللہ چاہتے ہیں۔ اُدھر ہی جاتی ہیں۔ تیز چلنے کا حکم ہو تو تیز چلتی ہیں اور آہستہ چلنے کا حکم ہو تو آہستہ چلتی ہیں عذاب کا ذریعہ بھی بنتی ہیں اور رحمت کا سبب بھی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں ہے کہ انکا رُخ بدل دے یا اُن کی تیز رفتاری کو کم کر دے یا سست رفتاری کو تیز کر دے۔

سورہ روم میں فرمایا: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيَذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو خوشخبری دیتی ہیں اور تاکہ تم کو اپنی رحمت چکھادے اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں تاکہ اس کے فضل کو تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو) قوم عاد پر اللہ تعالیٰ نے عذاب دینے کے لئے ہوا بھیج دی وہ آندھی بن کر سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی۔ پوری نافرمان قوم ہلاک اور برباد ہو گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اُس کو نعمت بنا دیا۔ صبح کو ایک ماہ کی مسافت تک لے جاتی تھی اور شام کو بھی ایک ماہ کی مسافت پر لے جاتی تھی۔ غزوہ خندق میں اللہ تعالیٰ شانہ نے آندھی بھیج دی جس نے دشمنان اسلام کو واپس ہونے پر مجبور کر دیا۔ اُن کے خیے اُکھڑ گئے ہانڈیاں اُلٹ گئیں۔ اُنکے چہرے مٹی سے اُٹ گئے۔ سخت تیز اور سخت ٹھنڈی ہوا تھی جس کی وجہ سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

سورہ احزاب میں ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَكُمْ جُنُودُهُ فَارْسَلْنَا عَلَىٰ رِجَالِكُمْ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا (اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت کو جبکہ آگئے تمہارے پاس لشکر سوبہم نے بھیج دیا اُن کے اُپر ہوا کو اور ایسے لشکر جو جسے تم نہیں دیکھ رہے تھے) (صحیح بخاری میں ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نُصَوِّرُ بِالْصَّبَا وَاهْلَكَتْ عَادُ بِالْهَبُورِ یعنی صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور قوم عاد دبور کے ذریعہ ہلاک کی گئی (صبا اور دبور ہواؤں کے نام ہیں)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوا رحمت لے کر آتی ہے اور عذاب لے کر آتی ہے۔ جب تم اس کو دیکھو تو اُسے بُرانہ کہو اور اللہ تعالیٰ سے اسکی خیر کا سوال کرو اور اللہ تعالیٰ سے اسکے شر سے پناہ مانگو۔ (سنن ابی داؤد) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب ہوا چلتی تھی تو رسول اللہ ﷺ یوں دعا فرماتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَلْکَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِیْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ (اے اللہ میں آپ سے اسکی خیر کا اور جو کچھ اس میں ہے اسکی خیر کا اور جو کچھ یہ لے کر بھیجی گئی اسکی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں آپ کی پناہ مانگتا

ہوں اس کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے اور جو کچھ یہ لیکر بھیجی گئی ہے اس کے شر سے)۔ (صحیح مسلم ص ۲۹۴ ج ۱)

بادلوں کی تسخیر

ساتویں نشانی ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (اور بادلوں میں نشانی ہے جو مسخر ہیں آسمان وزمین کے درمیان) بادلوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان وزمین کے درمیان مسخر فرمایا کہ یہ پانی بھر بھر کر لاتے ہیں جب بارش ہوتی ہے تو ان سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ بارش ہونے والی ہے۔ ان کو دیکھ کر لوگ اپنا انتظام کر لیتے ہیں اور پانی سے بھرے ہوئے بادل اُدھر ہی جاتے ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔

سورہ اعراف میں فرمایا: وَهُوَ الَّذِي يُوسِّلُ الرِّيحَ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقْلَتْ سَحَابًا نُّفَالًا تُغْنِيهِ لِبَلَدٍ مَّيْمَنٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (اور وہ ایسا ہے کہ اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے جو وہ خوش کر دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک سر زمین کی طرف ہانک دیتے ہیں پھر اس کے ذریعہ پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ یوں ہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کریں گے۔ تاکہ تم سمجھو)

بادلوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو میدانِ تہ میں سایہ عطا فرمایا۔ بادل اُن کے ساتھ چلتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت اور تصرف سے بادلوں کا ہلکا بھاری ہونا بہت زیادہ بادلوں کا آ جانا بالکل ختم ہو جانا نظروں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ سب اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ قوم عاد پر عذاب آنے کی ابتداء اسی طرح سے ہوئی تھی کہ عرصہ دراز سے بارش نہ ہوئی تھی اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ بادل ظاہر ہو گئے۔ انہوں نے سمجھا کہ بادل بارش برسائے گا۔ سخت گرمی کی وجہ سے جب میدان میں نکل کر کھڑے ہو گئے تو بجائے بارش کے سخت آندھی آ گئی جس کی وجہ سے وہ بالکل تہس نہس ہو کر رہ گئے۔ (صحیح بخاری) میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ آنحضرت سرورِ عالم ﷺ جب کوئی بادل یا ہوا دیکھتے تھے تو اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک میں ظاہر ہو جاتا تھا۔ حضرت عائشہ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ لوگ جب بادل کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اس امید پر کہ بارش ہوگی اور میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ جب آپ کے سامنے بادل آجائے تو آپ کے چہرہ مبارک میں پریشانی محسوس ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ مجھے کیا اطمینان ہے اس میں عذاب ہو۔ ایک قوم کو ہوا کے ذریعہ عذاب دیا گیا۔ جب انہوں نے عذاب کو دیکھا (جس کی ابتداء بادل ظاہر ہونے سے تھی) تو انہوں نے کہا هَذَا عَارِضٌ مُّفْطَرٌّ (کہ یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا) لیکن وہ ہوا کی صورت میں سخت عذاب تھا ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ جب آسمان میں کچھ بادل وغیرہ معلوم ہوتا تھا تو آنحضرت سرورِ عالم ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل جاتا تھا آپ کبھی اندر جاتے کبھی باہر آتے کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے جب بارش ہو جاتی تھی تو آپ کی وہ کیفیت جاتی رہتی تھی۔ (صحیح مسلم ص ۲۹۴ ج ۱)

یہ امور جو آیت میں مذکور ہوئے ان سب میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور خالقیت کی نشانیاں ہیں تو حید کے منکر بھی مانتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور اس کی تعریف سے عالم میں سب کچھ ہو رہا ہے پھر بھی تو حید کا اقرار نہیں کرتے اور شرک میں مبتلا ہیں۔ ہدایم اللہ تعالیٰ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے علاوہ اس کے شریک تجویز کر کے ہیں وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہونی واجب ہے اور جو لوگ

آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ

ایمان لائے اُن کا اللہ سے محبت کرنا بہت ہی زیادہ قوی ہے اور اگر جان لیں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا جس وقت دیکھیں عذاب کو کہ بلاشبہ ساری قوت

لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶﴾

اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے

مشرکین کی باطل معبودوں سے محبت اور اس پر سخت عذاب

تفسیر: توحید کا ذکر کرنے اور توحید کے دلائل بیان فرمانے کے بعد اُن لوگوں کی حالت بیان فرمائی جنہوں نے توحید سے منہ موڑا اور شرک کو اختیار کیا۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود تجویز کر لئے جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھتے ہیں۔ ان کی عبادت کرتے ہیں ان کے لئے نذریں مانتے ہیں۔ اور ان کے لئے جانور ذبح کرتے ہیں۔ ان کا حال بتانے کے بعد فرمایا: يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ کہ یہ لوگ ان باطل معبودوں سے ایسی محبت کرتے ہیں۔ جیسی اللہ تعالیٰ سے محبت ہونی چاہئے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ص ۳۲ ج ۲ کہ یہاں محبت سے تعظیم اور فرمانبرداری مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور معبودان باطلہ کے درمیان برابری کرتے ہیں اور باطل معبودوں کی تعظیم اور اطاعت میں اسی طرح لگتے ہیں جیسا کہ معبود حقیقی کی عبادت اور اطاعت کرنا لازم ہے چونکہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر سمجھتے ہیں اس لئے وہ ضمیر جمع لائی گئی جو عقلاء کیلئے استعمال ہوتی ہے یعنی يُحِبُّونَهُمْ فرمایا يُحِبُّونَهُمْ نہیں فرمایا۔ بعض مفسرین نے اَنِّدَادًا سے قوم و قبیلہ اور علاقہ کے بڑے لوگ مراد لئے ہیں یعنی بہت سے لوگ اپنے رؤساء کو ایسا مطاع مانتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور فرمانبرداری کرنا لازم ہے۔

اہل ایمان کو اللہ سے محبت ہے:

پھر فرمایا: وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (یعنی جو لوگ ایمان لائے اُن کا اللہ سے محبت کرنا بہت ہی زیادہ قوی ہے) کیونکہ اہل ایمان کی جو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے وہ کامل ہے اور راسخ ہے۔ اور مضبوط ہے۔ اُس کی محبت میں کبھی کمی نہیں آتی۔ وہ کبھی بھی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے مدد نہیں مانگتے اور غیر اللہ کی کبھی بھی عبادت نہیں کرتے۔ برخلاف بت پرستوں کے کہ جب وہ مصیبتوں میں گرفتار ہوتے ہیں تو بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ مثلاً جب کشتی میں سوار ہوں اور وہ ڈوبنے اور ڈمگانے لگے تو سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی سے نجات کا سوال کرتے ہیں۔ اور دوسرے احوال میں بھی جب بھی کوئی پریشانی ہو اس کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ ایک زمانہ تک کسی بت کی پوجا پاٹ کرتے رہتے ہیں۔ پھر اُسے چھوڑ کر دوسرا بت تراش کر اُس کے سامنے جبین نیاز رگڑنے لگتے ہیں اور بعض مرتبہ حلوے وغیرہ کا بت بنا لیتے ہیں۔ پھر عند الضرورت اُسے کھا جاتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرکوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دیوالی کے موقعہ

پر (جو ان کا ایک تہوار ہے) کھانڈکھ مور تیاں بناتے ہیں پھر ان کو بیچتے ہیں اور چھوٹے بڑے مل کر ان کو کھا جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرْوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ (کہ جن لوگوں نے خدا کے ہمسرتجو یز کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا قیامت کے دن جب عذاب کو دیکھیں گے تو اس وقت جان لیں گے کہ ساری قوت اللہ ہی کے لئے ہے اور اس موقع پر ان کو بہت زیادہ ندامت، پشیمانی اور شرمندگی ہوگی جس سے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا۔ یہ آیت کی ایک تفسیر ہے۔ اور اس تفسیر کی بناء پر جواب لو ممدوف ہے۔)

قال البيضاوی لو يعلمون ان القدرة لله جميعا اذا عاينوا العذاب لندموا اشد الندم۔ اور مفسر ابن کثیر (ص: ۶۰ ج: ۱) نے اسکی تفسیر اس طرح سے کی ہے کہ۔

اگر وہ جان لیں اُس عذاب کو جسے وہاں یوم قیامت میں دیکھیں گے (جو سخت عذاب ان کے شرک اور کفر کی وجہ سے ان کو دیا جائے گا) تو آج ہی اس دنیا میں اپنے کفر سے باز آ جائیں۔ مفسر بیضاوی نے بعض مفسرین سے آیت کی تفسیر اس طرح بھی نقل کی: وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا اَنَدَاذَهُمْ لَا تَنْفَعُ لَعَلُّهُمْ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ كُلُّهَا لَا يَنْفَعُ وَلَا يَضُرُّ غَيْرُهُ (یعنی جنہوں نے ظلم کیا اگر وہ جان لیں کہ ان کے بنائے ہوئے خدا نفع دینے والے نہیں ہیں تو یہ بات ضرور جان لیں کہ ساری قوت اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس کے سوا کوئی نفع اور ضرر کا مالک نہیں۔ اس صورت میں یروی کا مفعول یعنی اندادہم لا ینفع محذوف ہوگا۔ و ذکرہ فی الروح ایضا (ص: ۳۵ ج: ۲)

اِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ

جب کہ بیزار ہو جائیں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی۔ اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور کٹ جائیں

الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا

گے ان کے آپس کے تعلقات اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی کاش ہم کو واپس جانا نصیب ہو جاتا تو ہم ان سے بیزار ہو جاتے۔

مِمَّا كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِمُخْرَجِينَ مِنَ النَّارِ ۝

جیسا کہ وہ ہم سے بیزار ہو گئے۔ اللہ اسی طرح دکھائے گا ان کو ان کے اعمال حسرتیں بنا کر اور وہ آگ سے نکلنے والے نہ ہوں گے

قیامت کے دن متبوعین کا اپنے ماننے والوں سے

بیزاری ظاہر کرنا اور اس وقت ان کو پشیمانی ہونا

تفسیر: ان آیات میں کافروں کی ایک اور حسرت اور ندامت اور شاعت اور فظاعت ذکر فرمائی۔ اور وہ یہ کہ جو لوگ دنیا میں پیشوا تھے اور قوموں اور قبیلوں کے اور ملک وطن کے بڑے تھے جن کے پیچھے چل کر ان کی اولاد نے اور قوم و قبیلہ نے اور ملک کے بسنے والوں نے اپنا ناس کھویا اور کفر اور شرک میں مبتلا ہوئے۔ یہ سرداران قوم اور زعماء ملک و وطن قیامت کے دن اپنے ماننے والوں اور پیچھے چلنے والوں اور انکی رضا مندی کے لئے قربانیاں دینے والوں سے صاف

صاف کہہ دیں گے کہ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں اور یہ بیزاری ایسے موقع پر ہوگی جب اُن کے ماننے والے اس دنیا سے گزر چکے ہوں گے اور کفر و شرک پر مرچکے ہوں گے وہاں نہ ایمان لانا معتبر ہوگا نہ دنیا میں واپس آ سکیں گے اور عذاب بجھکنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا اور ان کے آپس کے تعلقات ختم ہو چکے ہوں گے اور کوئی کسی کو کسی طرح بھی مدد نہ دے سکے گا۔ کما قال تعالیٰ۔ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ۔ (سورہ مؤمن) (ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کی اطاعت کی جائے)

جب سرداران قوم بیزاری ظاہر کر دیں گے تو وہ لوگ جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا۔ یوں کہیں گے کہ اگر ہمیں دنیا میں واپس جانا نصیب ہو جائے تو ہم ان سے اسی طرح بیزاری ظاہر کریں جیسا کہ آج وہ ہم سے بیزار ہو گئے۔ پھر فرمایا: كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ (یعنی جس طرح ان کو آپ کی بیزاری کا منظر دکھایا جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے دوسرے اعمال بھی حسرتیں بنا کر اُن کو دکھائے گا اور حسرت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا دوزخ کے عذاب کے ساتھ حسرتوں کا عذاب مستقل عذاب ہوگا۔ بار بار نادم ہوں گے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا اتباع کر لیتے تو اچھا تھا۔ کفر و شرک اختیار نہ کیا ہوتا، فلاں فلاں عمل اختیار کرتے تو کیسا ہی اچھا ہوتا اور اس عذاب میں مبتلا نہ ہوتے اُس دن کا سوچنا، سمجھنا نادم ہونا۔ دوزخ سے نکلنے کا ذریعہ نہ بنے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کبھی بھی اُس سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ

اے لوگو! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور مت پیچھے چلو شیطان کے قدموں کے۔

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۖ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ

بے شک وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ تم کو صرف برائی کا اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ

مَا لَا تَعْلَمُونَ ۖ

جن کو تم نہیں جانتے

حلال کھانے اور شیطان کے اتباع سے پرہیز کرنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اول تو ان چیزوں کے کھانے کی اجازت دی جو زمین میں حلال اور پاکیزہ چیزیں موجود ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کریں۔ شیطان کا اتباع کرنے اور اسکی بات ماننے میں سراسر نقصان اور خسران اور ہلاکت اور بربادی ہے۔ اس کا کوئی مشورہ اور کسی بھی عمل کی ترغیب انسانوں کے لئے خیر نہیں ہو سکتی وہ تمہارا دشمن ہے اس نے دشمنی پر کمر باندھی ہوئی ہے۔ اُسے دوزخ میں جانا ہے اُسکی کوشش یہ ہے کہ سب بنی آدم بھی میرے ساتھ دوزخ میں چلے جائیں۔ وہ ہمیشہ بُرائی ہی کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بدکاری ہی کا راستہ بتاتا ہے۔ اس کا یہ بھی کام ہے

کہ تم سے شرک کرائے اور تمہیں غلط عقیدوں پر ڈالے۔ اور پھر تم سے یہ کہلوائے کہ یہ جو کچھ ہم نے کیا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے اور اسکی رضا کے لئے کیا ہے۔ سورہ اعراف میں فرمایا: وَإِذْ أَعْلَمُوا فَاجِشْتَ قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ اتَّقُوا اللَّهَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کا حکم نہیں دیتا کیا خدا کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کو تم نہیں جانتے)۔

اسباب النزول للواحدی ص ۴۳ میں ہے کہ آیت يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ (الایۃ) بنی ثقیف اور بنی خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان لوگوں نے کچھ کھیتیاں کچھ جانور اپنے اوپر حرام کر لئے تھے اور جن جانوروں کو حرام کیا تھا (ان کی حرمت کے لئے کچھ شرطیں اور قیدیں لگادی تھیں اور) ان کے نام بحیرہ سائبہ اور وصیلہ اور حرام تجویز کر لئے تھے۔ اھ۔ سورہ مائدہ اور سورہ انعام کی تفسیر میں ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی تفصیلات مذکور ہوں گی۔ یہ باتیں ان کو شیطان نے بتائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنے کا یا حرام کو حلال کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ یہ جو تحریم و تحلیل کا سلسلہ مشرکین نے نکالا تھا اس میں شیاطین کو اور بتوں کو راضی رکھنے کے جذبات تھے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں جو چیزیں حلال ہیں ان کو حرام کر لینا حلال نہیں ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی شریعت کو بدلنا ہے۔ اور تحریف کرنا ہے۔

تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ ہی کو ہے

سورہ مائدہ میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرُّمُوا طَيِّبَاتٍ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (اے ایمان والو! اللہ نے جو چیز تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو۔ بلاشبہ اللہ حد سے نکلنے والوں سے محبت نہیں فرماتے)۔

حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ شہدینے کے متعلق فرمادیا تھا کہ اب ہرگز نہ پیوں گا اللہ جل شانہ نے آیت نازل فرمائی: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ۔

(اے نبی تم اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے) ایسی بہت سی رسمیں آج لوگوں میں موجود ہیں جن میں عملاً بلکہ اعتقاداً ابھی بہت سی حلال چیزوں کو حرام سمجھ رکھا ہے مثلاً ذی قعدہ کے مہینہ میں (جسے عورتیں خالی مہینہ کہتی ہیں) اور محرم اور صفر میں شریعت میں شادی کرنا خوب حلال اور درست ہے لیکن اللہ کی اس حد سے لوگ آگے نکلتے ہیں اور ان میں شادی کرنے سے بچتے ہیں۔ ماہ محرم میں میاں بیوی والے تعلق سے بچتے ہیں۔ اور بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور عملاً اس کو حرام بنا رکھا ہے۔ بہت سی قوموں میں ماموں خالہ چچا پھوپھی کی لڑکی سے نکاح کرنے کو عملاً بلکہ اعتقاداً احرام قرار دے رکھا ہے۔ یہ سب حدود سے آگے بڑھ جانا ہے۔ جس طرح حلال کو حرام کرنا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا بھی منع ہے۔ حرام و حلال مقرر فرمانے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے خواہ اس نے قرآن میں نازل فرمایا ہو یا اپنے نبی ﷺ کی زبانی بتایا ہو۔ سورہ فُل میں ارشاد ہے: وَلَا تَقْفُوا لِمَا قُصِّفَ إِلَيْكُمْ مِنَ الْكُذِّبِ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ تَفْتَرُوهُ عَلَى اللَّهِ الْكُذِّبِ (اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا زبانی جھوٹا دعویٰ ہے۔ ان کی نسبت یوں مت کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگاؤ گے)۔

وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ كُؤ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ کیا

كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۷﴾

وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے۔ اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں

باپ دادے ہدایت پر نہ ہوں تو اُن کا اتباع اور اقتداء باعث ہلاکت ہے

تفسیر: مشرکین کا یہ طریقہ تھا اور اب بھی ہے کہ وہ اپنے باپ دادوں کو مقتدی سمجھتے رہے ہیں۔ اُن کو ہزار سمجھایا جائے حق کی دعوت دی جائے تو حید کی طرف ٹکایا جائے۔ اللہ کے دین اور اسکی شریعت قبول کرنے کے لئے کہا جائے اور تو حید کی دلیلیں خوب کھول کر بیان کر دی جائیں۔ اور شرک و کفر کی مذمت خوب واضح کر کے بتا دی جائے تو بھی وہ کسی قیمت پر اپنے باپ دادوں کا دین کفر و شرک چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے ان کا یہی ایک جواب ہوتا ہے کہ ہم اس دین اور طور طریق اور رسم و رواج کے پابند ہیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ اس آیت شریفہ میں مشرکین کی یہی بات نقل فرمائی ہے اور پھر اسکی تردید کی ہے۔ تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **أَوَلَوْ كُنَّا آبَاءُ هُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ** (کیا وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں) باپ دادوں نے اپنی ناسمجھی سے شرک اختیار کیا، غیر اللہ کی پرستش کی، رے رسم و رواج نکالے وہ لوگ کیسے لائق اتباع ہو سکتے ہیں؟ پھر یہ معلوم ہے کہ باپ دادوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کے پاس تھی نہ کسی نبی سے انہوں نے ہدایت حاصل کی تھی، سراپا گمراہی میں تھے گمراہوں کا اتباع کرنا کہاں کی سمجھ داری ہے۔ ہاں اگر باپ دادے ہدایت پر ہوں اور انہوں نے حق کی راہ بتائی ہو تو اُن کا اتباع کیا جائے جیسا کہ سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل فرمایا کہ انہوں نے اپنے جیل کے ساتھیوں سے فرمایا: **وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ**۔ (کہ میں نے اتباع کیا اپنے باپ دادوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کی ملت کا) باطل میں کسی کی بھی تقلید کرنا حلال نہیں ہے۔ البتہ جو اہل حق ہو اللہ کے دین پر چلتا ہو اور اُسی کی دعوت دیتا ہو اُس کا اتباع کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ سورہ لقمان میں فرمایا: **وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنْابَ إِلَيَّ** (کہ جو شخص میری طرف رجوع ہو اُس کا اتباع کرو)

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الذِّبِّ يَعْنِي بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمٌّ

اور مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اُس شخص کی مثال ہے جو آواز دے ایسی چیز کو جو نہ سنے سوائے پکار کے اور بلا دے کے بہرے ہیں

بُكْمٌ عُمًى فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۸﴾

گو گئے ہیں اندھے ہیں سو وہ سمجھ نہیں رکھتے

کافروں کی ایک مثال

تفسیر: صاحب روح المعانی (ص ۲۸ ج ۲) پر لکھتے ہیں کہ مشہ یا مشہ بہ کی جانب میں مضاف محذوف ہے پہلی صورت میں مطلب یہ ہے کہ کافروں کی دعوت دینے والے شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اُن جانوروں کے پیچھے چل رہا ہو جو بس پکارا اور آواز سنتے ہیں اور اُس سے زیادہ کوئی بات وہ نہیں سمجھتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کسی نے آواز دی لیکن کیا کہا اس کو بالکل نہیں سمجھتے اور دوسری صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ کافروں کی مثال اُس شخص کے جانوروں کی طرح سے ہے جو اپنے جانوروں کو پکارتا اور چیخا چلاتا ہے اور جانوروں کو پکار کے سوا کچھ نہیں سمجھتا۔ خلاصہ مطلب دونوں صورت میں یہ ہے کہ کافر لوگ اپنی جہالت اور حماقت سے باپ دادوں کی تقلید میں لگے ہوئے ہیں حق سمجھنے اور قبول کرنے کو تیار نہیں۔ اس بارے میں وہ جانوروں کی طرح سے ہیں۔ حق کی آواز سنتے ہیں لیکن سب اُن سنی کر دیتے ہیں۔ نہ اُدھر اپنے ذہنوں کو متوجہ کرتے ہیں اور نہ غور و فکر کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ بالکل جانوروں کی طرح سے ہیں۔ آواز تو سنی لیکن سمجھے کچھ نہیں۔

کافر بہرے، گونگے، اندھے ہیں

پھر فرمایا: **صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ**۔ کہ یہ لوگ حق سننے کو تیار نہیں بہرے بنے ہوئے ہیں حق بولنے کو تیار نہیں گونگے بنے ہوئے ہیں۔ راہ حق پر چلنے کو تیار نہیں۔ اندھا بن اختیار کئے ہوئے ہیں اپنے حواس کو چکے ہیں۔ لہذا حق کو ذرا بھی نہیں سمجھتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۳۱﴾

اے ایمان والو! کھاؤ اُن پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اُس کی عبادت کرتے ہو

حلال کھانے اور شکر ادا کرنے کا حکم

تفسیر: اس آیت شریفہ میں بھی پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم فرمایا اور اللہ پاک نے جو نعمتیں دی ہیں اُن کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اس کا شکر ادا کرو کیونکہ جو عبادت اُس کی عظمت و کبریائی کی شایان شان ہے وہ شکر کے بغیر کامل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے جو حلال رزق عطا فرمایا ہے اُسے کھاؤ پیو اور شکر کرو۔ سورہ سبأ میں فرمایا **كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ** (اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو) نعمتوں کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اللہ کی اطاعت اور عبادت میں مشغول ہوں۔ اور اسکی نعمتوں کو گناہوں میں خرچ نہ کریں۔ **مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ**۔ میں یہ بھی نکتہ ہے کہ دوسروں کا مال چھین کر یا چُرا کر یا خیانت کر کے استعمال نہ کیا جائے کہ اللہ نے جو مال جس کسی کو دیا ہے وہ اگر چہ فی نفسہ اصول شریعت کے مطابق حلال اور طیب ہے۔ لیکن دوسروں کے لئے اسی وقت حلال اور طیب ہوگا جبکہ حلال طریقہ سے صاحب مال سے حاصل کیا ہو۔

حرام کھانے کا وبال: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ پاک ہے اور وہ پاک ہی (مال اور قول و عمل) کو قبول فرماتا ہے۔ (پھر فرمایا کہ) بلاشبہ (حلال کھانے کے بارے میں) اللہ

جل شلئے نے پیغمبروں کو جو حکم فرمایا ہے وہی مومنین کو حکم فرمایا ہے چنانچہ پیغمبروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے رسولو! طیب چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو اور مومنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تم کو دی ہیں اُن میں سے کھاؤ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لباس سفر کر رہا ہو۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں جسم پر گرد و غبار اُٹا ہوا اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے یا رب یا رب کہہ کر دعا کرتا ہو یہ شخص دعا تو کر رہا ہے اور حال یہ ہے کہ اُس کا کھانا حرام ہے۔ پینا حرام ہے اور پہننا حرام ہے اور اس کو حرام غذا دی گئی ہے پس ان حالات کی وجہ سے اسکی دعا کیونکر قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۳۲۶ ج ۱)

اس حدیث میں حرام سے پرہیز کرنے اور حلال کھانے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ جو صدقہ حلال مال سے ہوگا وہی قبول ہوگا۔ اللہ پاک ہے اور اس کی بارگاہ میں پاک چیز ہی قبول ہو سکتی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی دو آیتیں تلاوت فرمائیں۔ پہلی آیت میں حضرات انبیاء علیہم السلام کو حکم ہے کہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک عمل کریں اور دوسری آیت میں ایمان والوں کو حکم ہے کہ اللہ پاک کی عطا کردہ چیزوں میں سے پاک چیزیں کھائیں۔ اللہ جل شلئے نے جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے کہ حلال کھائیں وہی حکم اپنے مومن بندوں کو دیا ہے۔ حلال کی اہمیت اور ضرورت ظاہر کرنے کے بعد آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبے سفر میں ہو اور بد حالی کی وجہ سے اس کے بال بکھرے ہوں جسم پر غبار پڑا ہو اور وہ اپنی اسی بد حالی میں آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے یا رب یا رب کہہ کر خدائے پاک کو پکار رہا ہو اور چاہتا ہو کہ میری دعا قبول ہو جائے اسکی دعا قبول نہ ہوگی کیونکہ اس کا کھانا حرام ہے پینا حرام ہے اور لباس حرام ہے اور اس کو حرام غذا دی گئی ہے مسافر کا شمار اُن لوگوں میں ہے جن کی دعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے اور مضطرب پریشان حال شخص کی بھی دعا مقبول ہوتی ہے۔ لیکن مسافر اور پریشان حال ہونے کے باوجود ایسے شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی جس کا کھانا پینا اور پہننا حرام ہو آج کل بہت سی دعائیں کی جاتی ہیں۔ لیکن دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ لوگ شکایتیں کرتے پھرتے ہیں کہ دعائیں کا اس قدر اہتمام کیا اور اتنی بار دعا کی لیکن دعا قبول نہیں ہوتی۔ شکایت کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنا حال دیکھیں اور اپنی زندگی کا جائزہ لیں۔ ہر شخص غور کرے کہ میں حلال کتنا کھاتا ہوں اور حرام کتنا اور کپڑے جو پہنتا ہوں وہ حلال آمدنی سے ہیں یا حرام سے اگر روزی حرام ہے یا لباس حرام ہے تو اس کو ترک کریں خوراک اور پوشاک کو حدیث شریف میں بطور مثال ذکر فرمایا ہے۔ اوڑھنا بچھونا رہائش کا مکان آسائش کی چیزیں اگر حرام کی ہوں تو وہ بھی لباس کے حکم میں ہیں انکا استعمال بھی حرام ہے۔

حرام کی کمائی کی چند صورتیں

رشوت آجکل بہت عام ہے سب کو معلوم ہے کہ رشوت کا مال حرام ہے۔ رشوت کا نام ہدیہ یا تحفہ رکھ لیا جائے تب بھی حرام ہی رہتی ہے۔ جو لوگ حکومت کے کسی جائز شعبے میں کام کرتے ہیں اور رشوت لیتے ہیں ان کی رشوت تو حرام ہے ہی تنخواہ بھی حلال نہیں اس لئے کہ جس کام کے لئے حکومت نے ان کو دفتر میں بٹھایا ہے وہ کام انہوں نے نہیں کیا رشوت لینے کے لئے اُن اصول و قواعد کے خلاف کام کرتے ہیں جو کام کر نیوالے کے لئے مقرر کئے ہیں۔ سود کم ہو یا زیادہ عوام سے لیا جائے یا کسی بھی ادارہ سے وہ سب حرام ہے اگرچہ اس کا نام نفع رکھ لیا جائے ہر وہ ملازمت حرام ہے جس میں گناہ کیا جاتا ہو

کیونکہ گناہ کرنا اور گناہ کی مدد کرنا دونوں حرام ہیں اس لئے گناہ کی اجرت بھی حرام ہے اور گناہ پر مدد کرنے کی اجرت بھی حرام ہے۔ حرام چیزوں کی تجارت حرام ہے اور اس پر نفع بھی حرام ہے۔ شراب، خنزیر، خون، مردار، گوشت، تصویریں، مورتیاں ان سب چیزوں کی خرید و فروخت حرام ہے۔ اور ان کی قیمت اور نفع بھی حرام ہے جتنے بھی ٹیکس ہیں سب کا وصول کرنا حرام ہے اور اس سلسلہ کی تمام ملازمتیں بھی حرام ہیں اور ان کی تنخواہ بھی حرام ہے۔ محکمہ آبکاری کی ملازمت حرام ہے اور اسکی تنخواہ بھی حرام ہے۔ بیمہ پالیسی سراسر قمار ہے یعنی جو ہے زندگی کا بیمہ ہو یا اموال تجارت کا کارخانوں کا یا گاڑیوں کا یہ سب حرام ہے۔ اور ان میں اپنی جمع کردہ رقم سے زائد جو کچھ ملے وہ سب حرام ہے۔ جتنے بھی قمار کے طریقے ہیں گھوڑ دوڑ وغیرہ ان کی آمدنی سب حرام ہے۔ غصب، چوری، ڈاکہ زنی کے ذریعہ جو کچھ حاصل کیا جائے وہ سب حرام ہے۔ لوگوں کو اغواء کر کے جو ان پر رقم حاصل کی جائے وہ بھی حرام ہے۔ جو لوگ پیری مریدی کا کاروبار کرتے ہیں ان کو اہل حق اور اہل ارشاد سمجھ کر جو کچھ دیا جاتا ہے۔ (حالانکہ وہ حقیقت میں ایسے نہیں ہیں) ان کے لئے وہ سب حرام ہے۔ میراث شریعت کے مطابق تقسیم نہیں کی جاتی۔ جس وارث کے قبضہ میں جو مال آ جاتا ہے وہی اپنا بنا کر بیٹھ جاتا ہے۔ مرنے والے کے بیٹے اپنی بہنوں کو اور ماؤں کو میراث نہیں دیتے۔ اور چونکہ میراث تقسیم نہیں ہوتی اس لئے یتیموں کے حصہ کا مال بھی خورد برد کر دیا جاتا ہے۔ شرعاً جو دوسروں کا مال ہے اس کو اپنی ملکیت اور کام میں لانا حرام ہے۔ اور نفس کی خوشی سے جو مال نہ دیا گیا ہو اگر چہ دینے والے نے بظاہر کسی دباؤ میں خاموشی اختیار کر لی ہو وہ مال بھی حرام ہے۔ یہ تھوڑی سی تفصیل زیر قلم آ گئی ہے۔ حرام کے شعبے بہت ہیں۔ ہر شخص اپنی آمدنی اور اخراجات کا فکر کرے۔

حرام مال کا وبال: بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حرام آمدنی میں سے صدقہ کر دیا جائے تو باقی سب مال حلال ہو جاتا ہے۔ حرام صدقہ کرنا تو اور گناہ ہے۔ وہ مقبول ہی نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ ہی کو قبول فرماتے ہیں جو صدقہ خود ہی قبول نہیں اس کے ذریعہ باقی مال کیسے حلال ہو جائے گا جو صدقہ دیا وہ بھی وبال اور جو باقی مال ہے وہ بھی وبال اور آخرت کے عذاب کا ذریعہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جو بھی کوئی بندہ حرام مال سے کسب کرے گا پھر اس میں سے صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور اُس میں سے خرچ کریگا تو اس کے لئے اُس میں برکت نہ ہوگی۔ اور اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کے دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بُرائی کو بُرائی کے ذریعہ نہیں مٹاتے لیکن بُرائی کو نیکی کے ذریعہ مٹاتے ہیں۔ بے شک خبیث، خبیث کو نہیں مٹاتا۔ (رواہ احمد کما فی مشکوٰۃ ص ۲۳۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں وہ گوشت داخل نہ ہوگا جو حرام سے پکا بڑھا اور ہر وہ گوشت جو حرام سے پکا بڑھا ہو دوزخ کی آگ اسکی زیادہ مستحق ہے۔ (ایضاً) ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں وہ جسم داخل نہ ہوگا جس کو حرام سے غذا دی گئی۔ (مشکوٰۃ ص ۲۳۳)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے دس درہم کا کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ اسکی کوئی بھی نماز قبول نہ فرمائے گا جب تک کہ وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۲۳۳)

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنْ

اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کئے ہیں جن کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبوری میں ڈال دیا

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

جائے اس حال میں کہ باغی نہ ہو اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

محرمات کا اجمالی بیان اور اضطرار کا حکم

تفسیر: اس آیت شریفہ میں مردہ جانور (جو اپنی موت سے بغیر ذبح کئے مر جائے) اور خون اور خنزیر کا گوشت کھانے کی اور اُن جانوروں کے کھانے کی حرمت بیان فرمائی ہے جن پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ ان چیزوں کے کھانے کا عرب کے مشرکوں میں رواج تھا۔ اور ان کے علاوہ حلال چیزیں بھی کھاتے تھے۔ ان کے رواج کی چیزوں میں جو چیزیں حرام تھیں اصولی طور پر ان کی حرمت بیان فرمائی اور لفظ انما سے جو حصر معلوم ہو رہا ہے۔ یہ حصر اضافی ہے۔ جو چیزیں یہاں مذکور ہیں ان کے علاوہ بھی حرام چیزیں ہیں جس کا ذکر دیگر آیات میں اور احادیث میں وارد ہوا ہے۔

سورہ مائدہ میں مزید چند حرام چیزوں کا بیان ہے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ پوری تفصیل سورہ مائدہ ہی کی تفسیر میں لکھیں گے یہاں یہ جو فرمایا کہ: فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھوک سے ایسا دوچار ہو رہا ہو کہ جان پر بن رہی ہو اور اُس کے پاس حلال چیزوں میں سے کھانے کو کچھ بھی نہ ہو تو وہ حرام چیزوں میں سے اپنی جان بچانے کے لئے اتنا سا کھالے جس سے موت سے بچ جائے۔ صرف اتنا ہی کھائے جس سے جان بچ جائے۔ اس سے آگے نہ بڑھے اور لذت کا طالب بھی نہ ہو۔ مثلاً اگر بھوک سے جان جا رہی ہو تو شراب پینے اور سو رکھانے کی اجازت کو بہانہ بنا کر یہ نہ سوچے کہ آج اجازت مل گئی ہے خوب مزے سے کھاؤں پیوں گا۔ خم کے خم چڑھا لوں گا۔ اور پیٹ بھر کے خنزیر کا گوشت کھا لوں گا۔ پھر کبھی موقع ملے یا نہ ملے ایسا آدمی باغی اور عادی یعنی حد سے بڑھنے والا ہے۔ اگر طلب لذت کے لئے کھائے گا یا ضروری مقدار سے زیادہ کھائے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور لَا إِثْمَ عَلَيْهِ فرما کر یہ بتایا کہ جان بچانے کی مجبوری میں تھوڑا سا کھانے کی اجازت ہے وہ درجہ معافی میں ہے یوں نہ کہا جائے گا کہ یہ چیز حلال ہوگئی۔ یوں کہیں گے کہ اس کا کھانا حلال ہو گیا۔ حرام اپنی جگہ حرام ہی ہے۔ بہت سے لوگ یورپ امریکہ اور آسٹریلیا میں بلا تکلف شراب پیتے ہیں اور خنزیر کھاتے ہیں۔ اور اُن جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں۔ جو شرعی طریقے پر حلال نہیں کئے گئے اور جب اُن سے بات ہوتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم مجبور ہیں۔ اور لفظ فَمَنْ اضْطُرَّ کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ اضطرار اور مجبوری اُن کو کہیں سے کہیں تک بھی نہیں ہے۔ ان ملکوں میں سینکڑوں قسم کی چیزیں ملتی ہیں مچھلی بھی ہے اٹلے بھی ہیں۔ دودھ بھی ہے اور انتظام کرنے سے حلال گوشت بھی مل جاتا ہے۔ ایسی حالت میں حرام کھانا پینا کسی طرح بھی حلال نہیں ہے اور بالفرض واقعی کوئی شخص مجبور ہو جس کی جان ہی جا رہی ہو کھانے کو کچھ بھی نہ مل رہا ہو وہ جان بچانے کے لئے ذرا سا کھا سکتا ہے۔ یہ پیٹ بھر بھر کر روزانہ حرام کھانا اور پینا اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ بعض لوگوں نے بتایا کہ ہم تو سور

کا گوشت بسم اللہ پڑھ کر کھا لیتے ہیں۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ بسم اللہ پڑھنے سے حرام حلال نہیں ہو جاتا بلکہ حرام پر بسم اللہ پڑھنے سے ایمان سلب ہو جانے کا خطرہ ہے۔ پھر یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ مسلمان کو کسی ایسے ملک میں رہنے کی کیا مصیبت ہے جہاں حلال نہ ملتا ہو۔ حرام ہی کھانا پڑتا ہو طلب دنیا کے جذبات ہی ایسے ملکوں میں لے جاتے ہیں اور حرام کھلاتے ہیں۔

لَٰنَ الَّذِیْنَ یَکْتُمُونَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۗ اُولٰٓئِکَ

بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ نے نازل فرمائی یعنی کتاب اور خریدتے ہیں اس کے بدلہ تھوری قیمت تو یہ وہ لوگ ہیں

مَا یَاکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ ۚ وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَمَةِ وَلَا یُزِکُّہُمْ ۗ وَلَهُمْ

جو نہیں بھرتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا۔ اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے

عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوْا الضَّلٰلَۃَ بِالْہُدٰی وَالْعَذَابُ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا

دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے سو وہ

اَصْبَرُہُمْ عَلٰی النَّارِ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ۚ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اَخْتَلَفُوْا

کس قدر صبر کرنے والے ہیں آگ پر یہ اس وجہ سے کہ بے شک اللہ نے نازل فرمایا کتاب کو حق کے ساتھ اور بے شک جن لوگوں نے

فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ ۝

کتاب میں اختلاف کیا بے شک وہ بڑی دور کی خلاف ورزی میں ہیں

کتاب اللہ کی تحریف کرنے والوں کا انجام

تفسیر: ان آیات میں اللہ کی نازل فرمودہ کتاب کو چھپانے اور اس میں تحریف و تبدیل کرنے اور غلط تفسیر بتانے اور پھر اس کو دنیاوی معاوضہ کا ذریعہ بنانے کی مذمت کی گئی ہے۔ اسباب النزول میں علامہ واحدی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے رؤسا اور علماء کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے بچے کے لوگوں سے ہدایا وصول کرتے تھے اور وہ یہ امید باندھے ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ ان میں سے ہوں گے۔ لیکن جب نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت ہو گئی جو ان کے قبائل میں سے نہیں ہیں تو ان کی صفات کو بدل دیا جو توریت میں پاتے تھے اور دوسری صفات بتا دیں جو توریت میں نہیں تھیں تاکہ ان کے عوام نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان نہ لائیں اور انکی ریاست باقی رہے اور رشوت ملتی رہے۔ اس سے پہلے بھی اللہ کی کتاب کے مضامین کو چھپانے پر وعید مذکور ہوئی تھی۔ یہود کے علماء میں یہ مرض بہت زیادہ تھا۔ دوبارہ اس مضمون کا اعادہ فرمایا اور ان کو توجہ دلائی کہ حقیر دنیا کے حقیر مال کے لئے جو حرکتیں کرتے ہو آخرت میں اس کا نتیجہ بہت بُرا ہوگا۔ یہ حرکتیں دوزخ میں لے جانے والی ہیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ گواہ دنیا میں کھانے پینے کی چیزوں سے پیٹ بھرتے ہیں لیکن یہ پیٹ بھرنا دوزخ کی آگ کے انگارے پیٹ میں بھرنے کا ذریعہ بنے گا یہ لوگ دنیاوی غذا میں نہیں کھا رہے ہیں بلکہ اپنے پیٹوں میں دوزخ کے انگارے ہی بھر رہے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا غصہ بہت زیادہ ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے مہربانی کے ساتھ بات بھی نہ فرمائے گا اور ان کو پاک بھی نہ کرے گا۔

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُؤُوا وُجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ

نیکی اس میں نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لیا کرو۔ لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّنَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي

اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر اور اپنا مال دے اس کی محبت ہوتے ہوئے

الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ

قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں اور قائم کرے نماز کو

وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّادِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَحِينَ

اور ادا کرے زکوٰۃ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جبکہ وہ عہد کریں۔ اور صبر کرنے والے ہیں سختی میں اور تکلیف میں اور

الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۹﴾

جنگ کے موقع پر۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچائی کی راہ اختیار کی اور یہی لوگ متقی ہیں

اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ کا بیان

تفسیر: یہ آیت کریمہ اُن آیات میں سے ہے جن میں بہت سے اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ کو ایک ہی جگہ جمع فرما دیا ہے۔ لباب النقول (ص ۲۳) میں بحوالہ مصنف عبدالرزاق حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ یہودی مغرب کی جانب نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف (اور اپنے اپنے قبلہ پر جتنے ہی کوسب کچھ سمجھتے تھے اور ایمان قبول نہ کرتے تھے) لہذا آیت لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُؤُوا وُجُوهَكُمْ (الایۃ) نازل ہوئی۔ حضرت قتادہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی (کی تفصیلات) کے بارے میں سوال کیا اُس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آپ نے اُس شخص کو بتلایا اور آیت کریمی پڑھ کر اُسے سنا دی۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا پھر کعبہ شریف کو قبلہ قرار دے دیا گیا تو اہل کتاب اور بعض مسلمانوں کو شاق گزرا اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کی حکمت نازل فرمائی کہ کوئی جہت مقصود بالذات نہیں ہے۔ بندوں کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں اس کے حکموں کو مانیں جدھر رخ کرنے کا حکم ہوا دھر کر لیں۔ بس یہ نیکی ہے اور تقویٰ ہے اور ایمان کامل کا تقاضا ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق عمل ہو جائے مشرق یا مغرب کو رخ ہو عند اللہ یہ کوئی چیز نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسکی تفسیر میں فرمایا یہ نیکی نہیں ہے کہ نماز پڑھ کر دوا اور دوسرے احکام پر عمل نہ کرو اور ضحاک کا یہ قول نقل کیا ہے۔ وَلَكِنَّ الْبِرَّ الْقَوَىٰ أَنْ تُوَدَّوا الْفَرَائِضَ عَلَىٰ وَجْهِهَا يَعْنِي نِيكِيَّهِ وَأَنَّ الْقَوَىٰ يَهِيَ كَمَا تَمَامُ الْفَرَائِضِ كَوَحْمِ الْمَطْلُوعِ طَرِيقَةٍ بِرُؤُوسِهَا أَدَاكِرُو۔

اس آیت میں بہت سے نیک کام مذکور ہیں۔ سب سے پہلے تو ایمان کا ذکر فرمایا اور اصول عقائد بتا دیئے۔ ایمان وہ

چیز ہے جس کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ ایمان تو لاتے نہیں تھے اور اپنے اپنے قبلہ کی طرف رخ کرنے ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصلی نیکی اُس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ تعالیٰ کی سب کتابوں پر اور اس کے سب نبیوں پر۔ جو شخص ان چیزوں پر ایمان لائے گا۔ اللہ کی کسی کتاب یا اس کے کسی رسول کی تکذیب نہ کرے گا اور رسولوں کے درمیان تفریق نہ کرے گا۔ وہ مومن ہوگا پھر ایمان کے تقاضوں کے مطابق جو اعمال کرے گا اور جو اموال خرچ کرے گا اور جو اقوال اُس سے صادر ہوں گے وہ سب نیکی اور تقویٰ میں شمار ہوں گے۔

اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا:

اصول عقائد بتانے کے بعد مال خرچ کرنے کی عمومی مدیں ذکر فرمائیں۔ اور مال کی محبت ہوتے ہوئے رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو مال دینا نیکی میں شمار فرمایا۔ اور جو ایسے غلام ہیں جن سے اُن کے آقاؤں نے کتابت کا معاملہ کر لیا (یعنی اُن کو کہہ دیا کہ اتنا مال لا کر دے دو تو آزاد ہو) ان کی گردنوں کے آزاد کرانے میں مال خرچ کرنے کو نیک کاموں میں ذکر فرمایا۔ لفظ علی حُجَبہ میں جو ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے اس کا مرجع مفسرین نے مال کو قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی احتمال نکالا ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اپنے مال کو جو خیر میں خرچ کرتے ہیں۔ لیکن پہلا معنی دوسرے معنی کو شامل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص مال کی محبت ہوتے ہوئے مذکورہ وجوہ خیر میں خرچ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں خرچ کرے گا۔

افضل الصدقہ: صحیح بخاری ص ۱۹۱ ج ۱ میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا صدقہ ثواب کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو ایسے وقت میں صدقہ کرے جبکہ تو تندرست ہو اور خرچ کرتے ہوئے نفس کنجوس بن رہا ہو۔ تجھے تنگدستی کا ڈر ہو اور مال داری کی اُمید لگائے بیٹھا ہو اور صدقہ کرنے میں تواتنی دیر نہ لگا کہ جب روح حلق کو پہنچے لگے تو تو کہنے لگے کہ فلاں کو اتنا دینا (اب تیرے دینے اور اعلان کرنے سے کیا ہوگا) اب تو فلاں کا ہو ہی چکا۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرنے کا سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ تندرستی کے وقت (جب کہ مرض الموت میں مبتلا نہیں ہے) اللہ کی راہ میں خرچ کرے اس وقت خرچ کرتا ہے تو نفس یوں کہتا ہے کہ خرچ نہ کر پھر بھی نفس کے تقاضے کو دبا کر خرچ کرتا ہے۔ نفس کہتا ہے خرچ کرو گے تو تنگدستی آ جائے گی۔ اور مالدار بننے میں دیر لگے گی۔ پہلے خوب مالدار، و جاؤ پھر خرچ کرنا۔ لیکن خرچ کرنے والا نفس کی کوئی بات نہیں مانتا اللہ کی رضا کے لئے وجوہ خیر میں خرچ کرتا چلا جاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ موت کے وقت صدقہ کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں کو اتنا دینا، فلاں کو اتنا دینا اسکی وہ حیثیت نہیں رہتی جو تندرستی میں خرچ کرنے کی تھی اب دوسروں کو کیا دے رہے ہو اب تو دوسروں کا ہو ہی چکا۔

رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت:

مال خرچ کرنے کے مصارف خیر بتاتے ہوئے پہلے ذوی القربی کا ذکر فرمایا، عربی زبان میں ذوی القربی رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔ سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسکین کو صدقہ دینے میں صرف صدقہ کا ثواب ہے اور جس سے رحم کا رشتہ ہو اُس کو صدقہ دینے میں (دوہرا) ثواب ہے۔ (کیونکہ وہ) صدقہ بھی ہے اور

صلہ رحمی بھی ہے۔ رشتہ داروں میں سب سے پہلا اور بڑا رشتہ ماں باپ کا اور اپنی اولاد کا ہے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم جگہ جگہ دیا گیا ہے اور بیوی پر اور اولاد پر خرچ کرنے کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔ ان رشتوں کے تعلق سے طبی تقاضے کے باعث سب ہی خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نہ صرف والدین اور اولاد بلکہ دور اور نزدیک کے دوسرے رشتہ داروں پر خرچ کرنے میں بھی ثواب رکھا ہے۔ اللہ کی رضا مقصود ہو یا کاری نہ ہو۔ جن پر خرچ کرے اُن پر احسان نہ جتائے۔ طعن و تشنیع نہ کرے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل خرچ کرنا اُس دینار کا ہے۔ جو تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اور وہ دینار جسے تو اپنے ساتھیوں پر جہاد میں خرچ کرے (یعنی سب سے زیادہ افضل صدقہ ہے) (صحیح مسلم)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان آدمی کا اپنے گھر والوں پر ثواب سمجھتے ہوئے خرچ کرنا صدقہ ہے (یعنی اس میں بھی ثواب ہے) صحیح بخاری ص ۳۲۴ ج ۱۔ بلکہ خرچ کرنے سے پہلے اُن لوگوں کا سب سے پہلے دھیان رکھنے کا حکم فرمایا جو اپنے عیال میں ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۰)

یتیموں پر خرچ کرنے کی فضیلت

ذوی القربی کے بعد یتیمی پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ یہ یتیم کی جمع ہے۔ یتیم ان نابالغ بچوں کو کہا جاتا ہے جن کا باپ زندہ نہ ہو۔ عموماً ایسے بچے حاجت مند ہوتے ہیں۔ ان پر خرچ کرنے کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ اخراجات کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی اُنکی دلداری کی جائے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صرف اللہ کی رضا کیلئے ایسا کیا تو ہر مال جس پر اُس کا ہاتھ گزرے گا اسکے عوض نیکیاں ملیں گی۔ اور صحیح بخاری ص ۸۸۸ ج ۲ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنا جنت میں اس طرح ساتھ ہوں گے۔ اس موقع پر آپ نے اپنی انگلیاں (انگوٹھے کے پاس والی اور بیچ والی) ساتھ ملا کر دکھائی۔ آجکل لوگوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ وہ یتیموں پر اپنا مال تو کیا خرچ کرتے انہیں کا مال کھا جاتے ہیں۔ باپ کی میراث میں سے جو حصہ ان کو ملتا ہے۔ اُس کو دبا لیتے ہیں۔ اپنے نام یا اپنی اولاد کے نام کو دیتے ہیں۔ یتیم کے مال پر قبضہ کرنے سے ذرا نہیں سمجھتے۔

مساکین پر مال خرچ کرنا:

پھر مساکین پر مال خرچ کرنے کا ذکر فرمایا، جن لوگوں کے پاس کچھ بھی نہ ہو ان کو مسکین کہا جاتا ہے۔ ان میں بہت سے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی حاجت کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے، ذکھ، تکلیف میں بھوکے پیاسے وقت گزار لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خرچ کرنے کا بہت زیادہ ثواب ہے۔ جن کو سوال کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ تو سوال کر کے اپنی حاجت پوری کر لیتے ہیں۔ لیکن آبرو مند آدمی سوال نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کی تلاش رکھنی چاہئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جو (سوال کرنے کے لئے) لوگوں کے پاس چکر لگاتا ہے۔ جسے ایک لقمہ اور دو لقمہ یا ایک کھجور اور دو کھجوریں واپس کر دیتی ہیں۔ یعنی کوئی دیتا ہے کوئی نہیں دیتا (لیکن واقعی) مسکین وہ ہے جو ایسی چیز نہیں پاتا جو اُسے بے نیاز کرے اور اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تا کہ اس پر صدقہ کیا جائے اور وہ سوال کرنے کے لئے بھی کھڑا نہیں ہوتا۔

سورہ بلد میں فرمایا: فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكَّ رَقَبَةً أَوْ أَطْعَامَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ

یَعْنِيًا ذَا مَغْرَبَةٍ أَوْ مَسْكِينًا ذَا مَعْرَبَةٍ (سو کیوں گھائی میں سے ہو کر نہ نکلا اور اسے مخاطب تجھے معلوم ہے۔ گھائی کیا ہے؟ گردن کا چھڑانا (یعنی غلام آزاد کرانا) یا بھوک کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم یا کسی خاک نشین کو کھانا کھلانا) اس میں غلاموں کی آزادی میں مدد دینے اور یتیم اور مسکین کو کھانا کھلانے کو گھائی کے پار کرنے سے تعبیر فرمایا۔ کیونکہ یہ چیزیں نفس پر شاق ہیں۔

مسافر پر مال خرچ کرنا: پھر ابن سبیل پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ عربی زبان میں ابن سبیل مسافر کو کہا جاتا ہے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کے پاس سفر میں خرچہ ختم ہو جاتا ہے یا مال چوری ہو جاتا ہے۔ یا جیب تراش کر رقم نکال لی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کا حال معلوم ہو جائے تو ان پر خرچ کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ یہ لوگ حاجت کا اظہار کریں تب ہی دیا جائے۔ کسی طرح بھی انکی حاجت معلوم ہو جائے تو انکی مدد کر دی جائے۔ مسافر کے گھر پر جس قدر بھی مال ہو اور اپنے اموال و املاک جائیداد کی وجہ سے غنی ہو لیکن سفر میں حاجت مند ہو گیا تو اس پر خرچ کر کے ثواب لیا جائے۔

سوال کرنے والے کو دینے کا حکم:

پھر سوال کرنے والوں کو دینے کا فرمایا۔ ان لوگوں میں کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں ان میں واقعی ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ ان کو تو دینا ہی چاہئے اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں یقین تو نہیں کہ وہ حاجت مند ہوگا لیکن اس کے ظاہر حال اور غالب گمان سے ضرورت مند ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان کو بھی دینا درست ہے۔

بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کرنے کی ممانعت:

مجبوری میں بھوک دفع کرنے یا اور کسی حاجت کے پورا کرنے کے لئے کوئی مانگ لے تو اسکی گنجائش ہے۔ لیکن اس کو پیشہ بنالینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ جن کو سوال کی عادت ہوتی ہے وہ مانگتے رہتے ہیں۔ مال جمع کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ دیا جائے۔ دنیا میں تو سوال کرنے والے بن کر بے آبرو ہوتے ہی ہیں۔ قیامت کے دن بھی بے آبرو ہوں گے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے لوگوں سے ان کے مالوں کا سوال اس لئے کیا کہ مال زیادہ جمع ہو جائے تو وہ آگ کے انگاروں کا سوال کرتا ہے (جو دوزخ میں اسے ملیں گے) اب چاہے کم کرے یا زیادہ کرے (رواہ مسلم)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ انسان دنیا میں برابر سوال کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہوگی۔ (صحیح بخاری)

اس کا چہرہ دیکھ کر لوگ سمجھ لیں گے کہ یہ دنیا میں سائل تھا وہاں اپنے چہرے کی آبرو کھوئی تو یہاں بھی اسی کا ظہور ہوا۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غنی کو اور ٹھیک شاک بدن والے قوی آدمی کو سوال کرنا حلال نہیں ہے۔ الا یہ کہ ایسا مجبور ہو کہ تنگدستی نے اُسے مٹی میں ملا رکھا ہو (یعنی زمین کی مٹی کے سوا اُس کے پاس کچھ نہ ہو) یا قرضے میں مبتلا ہو گیا ہو جو ذلیل کرنے والا ہو اور جس شخص نے مال زیادہ کرنے کے لئے لوگوں سے سوال کیا تو قیامت کے دن اُس کا چہرہ چھلا ہوا ہوگا۔ اور یہ مال گرم پتھر بنا ہوگا جس کو جہنم سے لیکر کھاتا ہوگا اب جی چاہے تو کسی کرے اور چاہے تو زیادہ کرے۔

ہر شخص کو اپنی اپنی ذمہ داری بتادی گئی مانگنے والا مانگنے سے پرہیز کرے اور جس سے مانگا جائے وہ موقع دیکھ کر خرچ کرے۔ سائل کو جھڑکے بھی نہیں۔ کیا معلوم مستحق ہی ہو اور غور و فکر بھی کر کے حاجت مندوں کو تلاش بھی کرے۔ مسئلہ: جو شخص مسجد میں سوال کرتا ہے اُسے نہ دے۔

غلاموں کی آزادی میں مال خرچ کرنا:

مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں سب سے آخر میں وَفَى الرِّقَابِ فرمایا لِقَابِ رِقْبَةٍ کی جمع ہے۔ رقبہ گردن کو کہتے ہیں۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں فی الرقاب سے مکاتبوں کے آزاد کرنے میں مدد دینا مراد ہے جو غلام کسی کی ملکیت میں ہو اور اُس کا آقا کہہ دے کہ اتنا مال دے دو تو تم آزاد ہو تو اُس کو مکاتب کہا جاتا ہے۔ ان کو مال دے کر آزاد کر دینا بھی وجہ خیر میں سے ہے اور ثواب کا کام ہے۔ مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ قیدیوں کی جانوں کا فدیہ دے کر ان کا چھڑالینا یا غلام خرید کر آزاد کر دینا بھی اس کے عموم میں شامل ہے (جب کبھی مسلمان اللہ کے لئے جنگ کرتے تھے اور شریعت کے مطابق جہاد اور قتال ہوتا تھا۔ اس وقت غلام اور باندیوں کے مالک ہوتے تھے۔ اب نہ اللہ کے لئے جہاد ہے نہ غلام ہیں نہ باندیاں ہیں۔ کوئی انسان کسی انسان کا مالک نہیں ہے۔ پھر جب کبھی مسلمان اللہ کے لئے جنگ کریں گے اور اصول شریعت پر لڑیں گے تو پھر غلام باندیاں قبضہ میں آئیں گی) ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا: مال خرچ کرنے کے مواقع ذکر فرما کر فرمایا: وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ۔ یعنی تقویٰ کے کاموں میں یہ بھی ہے کہ فرض نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا بیان پہلے بھی آ چکا ہے۔ اوپر مال کے مصارف خیر بیان فرما کر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بھی ذکر فرمایا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ پہلے مصارف زکوٰۃ بیان کئے اور پھر زکوٰۃ کی ادائیگی پر متوجہ فرمایا پھر لکھتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے جو وجوہ خیر بیان کی ہیں ان سے نقلی صدقات مراد ہوں (اور نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر فرمانے میں اسکی فرضیت بتانا مقصود ہو)۔

عہد پورا کرنا: نیکی اور تقویٰ کے کام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالْمُؤْمِنُونَ بَعَثْنَاهُمْ إِذَا عَاهَدُوا (اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے جبکہ وہ عہد کر لیں)۔ ایفائے عہد کی شریعت مطہرہ میں بڑی اہمیت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا ہو اور یہ نہ فرمایا ہو کہ: أَلَا لَا أَيْمَنَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ (خبردار اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے اندر چار خصلتیں ہوں گی خالص منافق ہوگا اور جس میں اُس میں سے ایک خصلت ہوگی تو یوں مانا جائے گا کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ اُسے چھوڑ نہ دے۔ (۱) جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

(۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۳) جب عہد کرے تو دھوکہ دے۔

(۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۷ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ دھوکہ دینے والے

کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی دھوکہ بازی (کا جھنڈا) ہے اور اس جھنڈے کے ذریعہ اُسے پہچانا جائے گا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کے لئے ایک جھنڈا ہوگا۔ جو اس کے پیچھے اس کے دھڑ پر کھڑا ہوا ہوگا۔ اور جتنا بڑا اس کا غدر ہوگا اُسی قدر وہ جھنڈا اونچا ہوگا۔ (پھر فرمایا) خبردار اُس سے بڑھ کر بڑا دھوکہ باز کوئی نہیں جو عوام کا میر ہو اور عوام کو دھوکہ دے۔ (صحیح مسلم ص ۸۳ ج ۲)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بندہ کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا راعی بنادے (یعنی صاحب اقتدار بنا کر عوام کی نگرانی اور خیر خواہی اس کے سپرد کرنے) پھر وہ اسکی خیر خواہی نہ کرے تو وہ شخص جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔ (صحیح بخاری)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کی کسی جماعت کا والی ہو اور اُن کی نگرانی اور نگہداشت اُس کے ذمہ ہو پھر وہ اس حال میں مر جائے کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اُس پر جنت حرام فرمادے گا۔ (صحیح بخاری)

جولوگ بڑے وعدے کر کے حکومت حاصل کرتے ہیں یا حکومت کے چھوٹے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں پھر وہ عوام کے ساتھ غدر کرتے ہیں اور سارے عہد و پیمان توڑ دیتے ہیں اُن لوگوں کے حق میں یہ کیسی سخت وعیدیں ہیں غور کر لیں۔ مسئلہ: اگر کافروں سے کوئی معاہدہ ہو تو اس کا پورا کرنا بھی لازم ہے۔ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو اور ان کی طرف سے خیانت کا ڈر ہو اور اس کے ختم کرنے میں مصلحت ہو تو پہلے یہ بتادیں کہ ہمارا عہد باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد کوئی نئی کارروائی کر سکتے ہیں جو معاہدہ کی شرطوں کے خلاف ہو سورہ انفال میں ارشاد فرمایا: وَمَا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ (اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کر نیوالوں کو پسند نہیں فرماتے) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا جس سے (امان اور حفاظت جان کا وعدہ تھا) تو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔ (صحیح بخاری)

صابرین کی فضیلت: پھر صبر والوں کی تعریف فرمائی اور فرمایا: وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَجِبْنِ الْبَأْسِ اس میں سختی اور تکلیف کے زمانہ میں صبر کرنے کو نیکی اور تقویٰ والا کام بتایا ہے اور جنگ کے وقت جب کافروں سے مقابلہ ہو اُس وقت جم کر ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں شمار فرمایا ہے سورہ انفال میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (اے ایمان والو! جب تم کسی جماعت سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو۔ امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ)۔

سورہ صف میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ (بے شک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اسکی راہ میں اس طرح حل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے جس میں سیسہ پلایا گیا ہو) آخر میں فرمایا: أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (کہ یہ حضرات جن کی صفات اوپر مذکور ہوئیں وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں سچے ہیں) کیونکہ ایمان قلبی کے ساتھ ایمان کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں (اور

یہ لوگ تقوے والے بھی ہیں (کیونکہ حرام سے بچتے ہیں اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا مقتولین کے بارے میں آزاد کو آزاد کے بدلہ۔ اور غلام کو غلام کے بدلہ

وَالْأَنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ

اور عورت کو عورت کے بدلہ مومن شخص کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی کر دی جائے تو بھلائی کے ساتھ اس کا مطالبہ ہو اور اچھے طریقہ پر اس کی

بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ

ادا کی جائے گی۔ یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے۔ پھر جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لئے دردناک عذاب

إِلَيْكُمْ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۵﴾

ہے اور تمہارے لئے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقل والو! تاکہ تم پرہیز کرتے رہو

قصاص اور دیت کے بعض احکام

تفسیر: جب کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اُسکی جان کا بدلہ جو جان سے دیا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کو قصاص کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ قصاص قتل عمد (یعنی قصداً جان کو قتل کرنے) میں ہوتا ہے۔ جس کی تفصیلات کتب فقہ میں مرقوم ہیں۔ لفظ قصاص مماثلت یعنی برابر پر دلالت کرتا ہے چونکہ جان کا بدلہ جان سے رکھا گیا ہے اس لئے اس میں حاکم محکوم وصغیر کبیر اور امیر وغریب میں کوئی فرق نہیں اور قبیلوں اور قوموں کے اعتبار سے جو دنیا میں امتیاز سمجھا جاتا ہے قصاص کے قانون میں اس کا کوئی اعتبار نہیں اگر مقتول کے اولیاء سب یا کوئی ایک وارث جان کے بدلہ مال لینے پر راضی ہو جائے تو اس مال کو دیت (خون بہا) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو خطا سے قتل کر دے (جس کی کئی صورتیں ہیں اور جس کے احکام سورہ نساء میں مذکور ہیں) تو اس کے عوض مال واجب ہوتا ہے اس مال کو بھی دیت کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کاٹ دے تو اس میں بھی بعض صورتوں میں قصاص اور بعض صورتوں میں دیت واجب ہوتی ہے۔ اعضاء کی دیت کو ارش بھی کہا جاتا ہے۔ اعضاء کے قصاص کا ذکر سورہ مائدہ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں قصاص نفس کے بعض احکام ذکر فرمائے ہیں۔ لباب العقول میں حضرت سعد بن جبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عرب کے دو قبیلے آپس میں برسرِ پیکار رہتے تھے اور ان میں گشت و خون کی وارداتیں ہوتی تھیں۔ غلام اور عورتوں تک کو قتل کر بیٹھتے تھے ابھی تک ان کے آپس کے قصاص یا دیت کے فیصلے نہ ہونے پائے تھے کہ دونوں قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان میں سے ایک قبیلہ دوسرے کے مقابلہ میں اپنے کو زیادہ صاحب عزت اور رفعت سمجھتا تھا اس لئے انہوں نے قسم کھائی کہ ہم راضی نہ ہوں گے جب تک کہ ہمارے غلام کے بدلہ آزاد کو قتل نہ کیا جائے اور ہماری عورت کے بدلہ دوسرے قبیلہ کا مرد قتل نہ کیا جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد فرمایا کہ آزاد آزاد کے بدلہ اور غلام غلام کے بدلہ اور عورت عورت کے بدلہ قتل کی جائے۔ اس شانِ نزول سے معلوم ہو گیا کہ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ اور

الْأَنْفَى بِالْأَنْفَى کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ غلام کے بدلہ آزاد قتل نہ ہو اور عورت کے بدلہ مرد قتل نہ ہو۔ سورہ مائدہ میں جو اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ فرمایا ہے۔ اس میں ہر جان کو دوسری جان کے برابر قرار دیا ہے۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب مرد کو عورت کے بدلہ قتل نہیں کرتے تھے بلکہ مرد کو مرد کے بدلہ اور عورت کو عورت کے بدلہ قتل کرتے تھے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ کا حکم نازل فرمایا۔

قصاص اور وارثوں کا حق

قتل عمد (جس میں قصاص ہے) اس پر قصاص لینا مقتول کے وارثوں کا حق ہے۔ مقتول کے جتنے بھی شرعی وارث ہوں وہ سب قصاص کے مستحق ہیں لیکن چونکہ قصاص قابل تقسیم نہیں ہے اس لئے اگر کوئی بھی ایک وارث اپنا حق قصاص معاف کر دے تو اب دوسرے وارث بھی قصاص نہیں لے سکتے اور اب وہ دیت ہی لے سکتے ہیں۔ اور جس نے قصاص معاف کر دیا اب وہ بھی دیت لے گا۔ یہاں اگر اس نے اپنے حصہ کی دیت بھی معاف کر دی تو وہ بھی معاف ہو جائے گی۔ ایک جان کی دیت سواؤنٹ ہیں۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ سورہ نساء کی آیت وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً کی تفسیر میں بیان ہوگی۔ اگر قاتل اور مقتول کے ورثاء آپس میں مال کی کسی مقدار معلوم پر صلح کر لیں تب بھی قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور جو مال مصالحت یا دیت کے طور پر وصول ہو مقتول کے وارث شرعی میراث کے حصوں کے مطابق اس کے مالک اور وارث ہوں گے۔ یہ دیت کے طور پر یا مصالحت کے ذریعہ مال لینا فریقین کی رضامندی سے ہو سکتا ہے۔

قصاص کے عوض مال لینے کی مشروعیت اُمت محمدیہؐ کے لئے تخفیف اور رحمت ہے

قتل عمد کی صورت میں باہمی رضامندی سے قصاص کے عوض مال دے کر قاتل کی جان بچا دینا اور دیت کا حلال ہونا یا بطور مصالحت کے کچھ مال لے لینا یہ اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخفیف ہے اور خاص رحمت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل پر قصاص ہی فرض تھا۔ دیت اُن کے لئے مشروع نہ تھی۔ حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت پر رحم فرمایا کہ اُن کو دیت لینے کا حق دیا۔ اور اس اُمت سے پہلے دیت حلال نہیں تھی۔ اہل توریت پر صرف قصاص فرض تھا اور دیت مشروع نہ تھی اور اہل انجیل کو معاف کر دینے ہی کا حکم تھا۔ اس اُمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قصاص اور معافی اور دیت تینوں چیزیں مشروع فرمادیں۔ (ابن کثیر)

جب کوئی ایک وارث یا سب وارث خون معاف کر دیں یا دیت پر راضی ہو جائیں اور دیت کا دینا واجب ہو جائے یا مصالحت کے ذریعہ آپس میں کچھ مال دینا طے ہو جائے تو اب مقتول کے ورثاء کو چاہئے کہ حسن مطالبہ کریں اور سختی اور تشدد سے کام نہ لیں فَاتَّبِعْ بِالْمَعْرُوفِ میں اسی کا حکم فرمایا ہے اور قاتل پر لازم ہے کہ بغیر مال منول کے اور بغیر تقاضوں کے وارثوں کو طے شدہ مال ادا کر دے وَأَذَاءَ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ میں اسی کا حکم دیا ہے۔ جب آپس میں معاملات طے ہو گئے۔ تو دونوں فریقوں میں سے جو شخص بھی زیادتی کرے گا وہ آخرت میں عذاب الیم میں گرفتار ہوگا۔ اُسے سخت عذاب دیا جائے گا۔ مثلاً قاتل اگر دیت پر معاملہ کر کے دیت دینے سے انکاری ہو جائے کہیں چھپ جائے فرار ہو جائے تو یہ اسکی طرف سے ظلم اور زیادتی ہے اور مثلاً مقتول کے اولیاء دیت لیکر بھی قتل کر دیں تو یہ اُن کی طرف سے ظلم اور زیادتی ہوگی۔ ہر

فریق کے لئے عذاب دوزخ ہے۔ حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ جس شخص کا کوئی خونی نقصان ہو جائے (یعنی اُس کا کوئی عزیز عداً قتل کر دیا جائے یا زخم پہنچ جائے) تو اُسے تین چیزوں کا اختیار ہے قصاص لے لے یا معاف کر دے یا دیت لے لے اس کے سوا اگر کوئی چوتھا کام کرنا چاہے تو اس کے ہاتھ پکڑ لو ان میں سے کسی چیز کو اختیار کرنے کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لئے دوزخ ہے اس میں ہمیشہ ہمیش رہے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

قانون قصاص میں بڑی زندگی ہے

قصاص کا قانون جاری کرنے اور اس کو عملاً نافذ کرنے میں بہت بڑی زندگی ہے۔ اس مضمون کو وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ میں بیان فرمایا ہے۔ قصاص میں بظاہر قاتل کی موت ہے لیکن اُسے اُمت کے حق میں بڑی حیات فرمایا۔ کیونکہ جب قصاص کا قانون نافذ ہوگا تو قاتل بھی قتل کرنے سے بچے گا اور ہر شخص کے کنبہ اور قبیلے کے لوگ اس بات کے فکر مند رہیں گے کہ ہمارے کسی فرد سے کوئی شخص قتل نہ ہو جائے۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں ائمہ اربعہ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو چند آدمی مل کر قتل کر دیں تو اُن سب کو اُس ایک مقتول کے عوض قتل کیا جائے گا۔

حضرت سعید بن المسیبؓ نے بیان فرمایا کہ پانچ یاسات آدمیوں نے کسی ایک شخص کو تنہائی میں پوشیدہ طور پر قتل کر دیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پانچوں یا ساتوں کو ایک شخص کے قصاص میں قتل کر دیا اور فرمایا کہ اگر شہر صنعا کے سارے آدمی مل کر بھی شخص واحد کو قتل کرتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ (رواہ مالک وروی البخاری عن ابن عمرؓ رحمہما عن ابی ہریرۃؓ)

قصاص عین عدل ہے اس کو ظلم کہنا ظلم ہے

قصاص کا قانون نافذ ہونے سے اور اس پر عمل کرنے سے بہت سی جانیں بچتی ہیں اور لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنے سے باز رہتے ہیں اس لئے قصاص کو بڑی حیات کا ذریعہ بتایا۔ بہت سے جاہل قصاص کے قانون کو ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ لوگ ظلم کا معنی بھی نہیں جانتے ظلم کرنے والا تو قاتل ہے جس نے ناحق قصداً و عداً کسی کو قتل کیا قاتل کے بدلہ میں قاتل کو قتل کر دینا عین انصاف ہے اس کو ظلم سے تعبیر کر دینا جہالت اور حماقت ہے یہ جاہل کہتے ہیں کہ قاتل کو قتل نہ کیا جائے بلکہ جیل میں ڈال دیا جائے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے تو اور زیادہ قتل پر جرات ہو جاتی ہے۔ آدمی سمجھتا ہے کہ قتل تو کر ہی دوں تھوڑی بہت جیل بھگت لوں گا۔ جن کا مزاج قتل اور غارت گری اور ڈکیتی اور فتنہ فساد کا ہے وہ جیل سے بالکل نہیں ڈرتے۔ جیل کی دیواریں پھاند کر اور کھڑکیاں توڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے نزدیک انسان کی جانوں کی قیمت نہیں ہے وہ لوگ قصاص کو اچھا نہیں سمجھتے۔ انہیں قاتل پر رحم آتا ہے۔ عامۃ الناس کی جانوں پر رحم نہیں آتا۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ جس نے قصداً قتل کیا تو اس میں قصاص ہے۔ اور جو شخص قصاص نافذ کرنے کے بارے میں آڑے آ جائے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی لعنت ہے اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ (آخر حدیث من کتاب الدیات)۔

قصاص یا دیت معاف کرنا سربراہ مملکت کے اختیار میں نہیں ہے

دنیا میں ایک یہ جاہلانہ قانون نافذ ہے کہ ملک کا سربراہ قاتل کی درخواست پر اپنے ذاتی و جماعتی فائدہ کو سامنے رکھ کر قاتل کو معاف کر دیتا ہے۔ یہ شریعت اسلامیہ کے بالکل خلاف ہے مقتول کے وارثوں کو حق ہے کہ معاف کریں یا قصاص

لیں یادیت لیں کسی امیر یا وزیر یا صدر یا بادشاہ کو معافی دینے کا اور وارثوں کا حق معاف کرنے کا بالکل اختیار نہیں ہے۔ جو بھی کوئی سربراہ ایسا کرے گا۔ وہ قانون قرآن کا باغی ہوگا۔ اور اسکی سزا کا مستحق ہوگا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ

تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت حاضر ہو جائے تو اپنے والدین اور قرابت داروں کے لئے وصیت کرے۔

وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۖ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا

بشرطیکہ مال چھوڑا ہو۔ یہ حکم لازم ہے اُن لوگوں پر جو خدا کا خوف رکھتے ہیں پھر جو شخص سننے کے بعد اُس کو بدل دے

إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يَبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۖ فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ

اُس کا گناہ انہیں لوگوں پر ہوگا جو اُس کو تبدیل کر دیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔ سو جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی

جَنَافًا ۖ وَإِنَّمَا فَاسِخٌ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

جانب داری یا گناہ کا خوف کھائے پھر ان کے درمیان صلح کرادے سو اُس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے

وصیت کے احکام

تفسیر: اس آیت کریمہ میں والدین اور قرابت داروں کے لئے مال کی وصیت کرنا فرض قرار دیا ہے جب کسی کی موت کے آثار معلوم ہونے لگیں تو وہ وصیت کر دے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس وصیت کی فرضیت میراث کے حصے مقرر ہونے کے بعد منسوخ ہو چکی ہے۔ والدین وارثوں میں شامل ہیں۔ جن کے حصے سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں۔ اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے جب تک کہ دوسرے ورثاء کی اجازت نہ ہو لہذا ورد فی الحدیث لا وصیۃ لوارث اخرجه الترمذی و ابو داؤد اجازت وصیت کرنے والے کی موت کے بعد معتبر ہوگی۔ اگر دوسرے ورثاء اجازت دیں تو کسی وارث کے لئے وصیت نافذ ہو سکتی ہے۔ البتہ غیر وارث رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے لیکن وصیت کا اصول یہ ہے کہ وہ صرف تہائی مال میں نافذ ہو سکتی ہے بہتر یہ ہے کہ مرنے والا تہائی مال سے کم میں وصیت کرے اور بہت سے بہت تہائی مال تک وصیت کرنے کی گنجائش ہے۔ جتنی بھی وصیتیں ہوں گی وہ قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے اسکے تہائی میں نافذ ہوں گی۔

اگر تہائی سے زیادہ مال کی وصیت ہو تو وہ بھی بالغ ورثاء کی اجازت سے مرنے والے کی موت کے بعد نافذ ہو سکتی ہے۔ اس کی زندگی میں جو کوئی وارث اجازت دے دے وہ معتبر نہیں ہے۔ اگر وارثوں نے اسکی زندگی میں تہائی سے زیادہ مال کی وصیت کی اجازت دی تھی تو اسکی موت کے بعد منسوخ کر سکتے ہیں۔ اور وصیت کرنے والا جو کچھ وصیت کر دے وہ بھی اپنی زندگی میں منسوخ کر سکتا ہے۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی میں اللہ کے لئے خرچ کرتا رہے۔ اہل و عیال پر بھی خرچ کرے اور دوسرے اعزہ اور اقربا پر بھی اور یتامیٰ اور مساکین پر بھی۔ مساجد و مدارس کے لئے وقف کرے مسجدیں بنوائے۔ مدرسے کھولے۔

وصیت نافذ کرنے سے پہلے قرضے ادا کئے جائیں گے

وصیت کے بارے میں اول تو یہ قانون ہے کہ قرضوں کی ادائیگی کے بعد باقی تہائی مال میں نافذ ہو سکتی ہے۔ دوسرے وصیت کے مطابق خرچ کرنے کا تعلق وارثوں سے ہو جاتا ہے۔ وہ دیا ننداری سے خرچ کریں یا نہ کریں اس لئے جو کچھ فی سبیل اللہ خرچ کرنا چاہئے زندگی میں خرچ کر دے۔ البتہ ایسا نہ ہو کہ گھروالے ضرورت مند ہوں۔ ان کی ضروری حاجتیں رُک رہیں۔ اور یہ باہر خرچ کرتا رہے اور ایسا بھی نہ ہو کہ لوگوں کے قرضے چڑھے ہوئے ہوں اور سخاوت کے جوش میں ثواب کے کاموں میں خرچ کرتا رہے اور قرضوں کی ادائیگی رُک رہے۔ اگر زندگی میں نیک کاموں میں خرچ نہ کرے گا اور موت سے پہلے وصیت کر دی کہ فلاں فلاں جگہ اتنا مال خرچ کر دیا جائے۔ اور قرض خواہوں کے قرض کا ذکر چھوڑ دیا تب بھی پہلے قرضے ہی ادا کئے جائیں گے اگر اتنا زیادہ قرض ہے کہ جتنا مال ہے وہ سب انکی ادائیگی میں ختم ہو جاتا ہے تو نہ وصیت نافذ ہوگی نہ میراث میں کسی کو کچھ ملے گا۔

مسئلہ: وصیت کرنے میں پہلے فرائض کو مقدم کیا جائے۔ مثلاً اگر وصیت کر نیوالے نے حج فرض نہیں کیا تھا یا اس کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہوئی تھیں اور اُس نے نہیں دیں یا کفارات واجبہ ہیں جن کی ادائیگی باقی ہے۔ ان چیزوں کی ادائیگی کو وصیت میں مقدم کرے۔ اگر اس نے فرائض اور واجبات کے ساتھ غیر فرض اور غیر واجب کاموں کی وصیت کر دی تب بھی اُن لوگوں پر لازم ہے جن کے قبضے میں اُس کا مال آجائے کہ فرائض اور واجبات کو مقدم کریں۔ اگر چاہے اُس نے وصیت میں ان کا ذکر بعد میں کیا ہو۔

حج بدل کی وصیت:

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ قرضوں کی ادائیگی کے بعد تہائی مال میں وصیت نافذ ہو سکتی ہے (اگر چہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی کی وصیت ہو) پس اگر حج بدل کی وصیت کی ہو اور اس کے لئے کسی کو بھیجنا چاہیں اور تہائی مال اس کے لئے کافی نہ ہو اور بالغ و رثاء اپنے پاس سے بقدر ضرورت تہائی سے زائد مال دے دیں تو بہتر ہے لیکن یہ ان پر واجب نہیں ہے۔

مسئلہ: یہ حج مرنے والے کے شہر سے کسی شخص کو بھیج کر کرائیں جو سواری پر جا کر اس کی طرف سے حج کر لے اگر اسکی وصیت کے مطابق اس کے شہر سے کسی کو بھیج کر حج کرانا چاہیں اور اس کے لئے وصیت کی رقم کافی نہیں ہو رہی ہے اور وراثہ اپنے پاس سے بھی نہیں دیتے تو جس کسی شہر سے بھی آدمی بھیج کر حج کرایا جاسکتا ہو وہیں سے کسی کو بھیج دیا جائے اور وصیت کی رقم اس پر خرچ کر دی جائے۔

گناہ کی وصیت کرنا گناہ ہے:

کسی بھی گناہ کی وصیت کرنا حلال نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص گناہوں میں مال خرچ کرنے کی وصیت کر دے تو وہ نافذ نہ ہوگی۔ شرک اور بدعت کے کاموں کے لئے کوئی شخص وصیت کر دے تو وہ بھی نافذ نہ ہوگی۔ اس کے متعلقین اور وراثہ پر لازم ہے کہ اسکی اس طرح کی وصیت کو نافذ نہ کریں۔

وارثوں کے لئے مال چھوڑنا بھی ثواب ہے

وارثوں کے لئے مال چھوڑ کر جانا بھی ثواب ہے۔ صحیح بخاری (ص ۳۸۳ ج ۱) میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ

عند نے بیان فرمایا کہ میں فتح مکہ کے سال ایسا مریض ہوا کہ یہ محسوس ہونے لگا کہ ابھی موت آنیوالی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بہت سامان ہے اور (فرائض میراث کے اعتبار سے) صرف میری بیٹی کو میراث کا حصہ پہنچتا ہے تو کیا میں اپنے پورے مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں میں نے عرض کیا دو تہائی مال کی وصیت کر دوں، فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا آدھے مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا تہائی مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ (بھی) بہت ہے۔ بلاشبہ اگر تم اپنے وارثوں کو (جن کو عصبہ ہونے کے اعتبار سے میراث پہنچتی ہے) مال دار ہونے کی حالت میں چھوڑ دو تو یہ اُس سے بہتر ہے کہ تم انہیں تنگدستی کی حالت میں چھوڑ دو جو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا یا کریں اور اس میں شک نہیں کہ تم جو بھی کوئی خرچہ کرو گے جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو تمہیں ضرور اس کا ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ ایک لقمہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دے دو گے تو اس کا بھی ثواب ملے گا۔

وصیت میں دیر نہ کی جائے

انسان دنیا میں رہتا ہے تو لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے کسی سے لینا کسی کو دینا حقوق واجبہ ہوتے ہیں۔ قرضے لئے ہوئے ہوتے ہیں امانتیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں اور موت کا کچھ پتہ نہیں کب آجائے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ وصیت لکھی ہوئی ہر وقت تیار رہے جس جس کا جو کچھ حق ہے یا قرضہ ہے یا امانتیں ہیں یا دینی فرائض اور واجبات ہیں جن کی ادائیگی باقی ہے ان سب کو کسی کا پی وغیرہ میں لکھ کر رکھے۔ اور وصیت تیار رہے تاکہ اچانک موت آجائے تو وارثین ان سب کو ادا کر دیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کسی مسلمان کے پاس کوئی چیز ہو جسکی وصیت کرنا ہو اس کے لئے یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ دورا میں گزر جائیں اور اسکی وصیت اُس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔ (صحیح بخاری)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو وصیت پر موت آئی (یعنی وصیت کر کے مرا کہ صحیح راستہ پر اور سنت پر مرا اور تقویٰ اور شہادت پر مرا اور بخشا ہوا ہونے کی حالت میں مرا۔ (سنن ابن ماجہ ۱۹۴)

وصیت کے بدلنے کا گناہ

جب وصیت کرنے والا وصیت کر کے وفات پا جائے تو اس کے ورثاء اور جس کو اُس نے وصی یا مختار بنایا ہو اسی طرح حاکم اور قاضی ان لوگوں پر ضروری ہے کہ مرنے والے نے جو وصیت کی اس کے مطابق شرعی اصول پر نافذ کر دیں۔ وصیت کرنے والا تو دنیا سے چلا گیا اس کے اختیارات ختم ہو گئے۔ اب مال دوسروں کے قبضہ میں ہے۔ ان لوگوں پر لازم ہے کہ وصیت کو صحیح طریقہ پر نافذ کریں جس کو جتنا دینا ہے اس کو دینے سے دریغ نہ کریں۔ فقراء اور مساکین کے لئے وصیت کی ہے انہیں معلوم بھی نہیں کہ ہمارے لئے کوئی وصیت کی گئی ہے۔ اور بعض رشتہ دار جو دور رہتے ہیں اُن کے لئے وصیت کی اور انہیں اس کا پتہ نہیں ہے یہ لوگ خود سے تقاضا کریں گے نہیں۔ اب جن کے قبضہ میں مال ہے وہ دیں یا نہ دیں کم دیں زیادہ دیں وصیت کو چھپائیں یا ظاہر کریں۔ یہ سب اُن کے اختیارات کو سامنے رکھتے ہوئے سارا کام انجام دیں۔ وصیت کو اَدل بدل نہ کریں۔ اگر وصیت میں تبدیلی کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور آخرت میں باز پرس ہوگی۔ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى

الَّذِينَ يَدُلُّونَهُ فِيهِ اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ علامہ ابو بکر حصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص وصیت کر کے مر جائے (اور ادائیگی کے لئے مال بھی چھوڑا ہو) تو اس کی آخرت کی ذمہ داری ختم ہوگئی اب ذمہ داری وارثوں پر آگئی۔ اگر انہوں نے ادائیگی نہ کی تو وہ لوگ گنہگار ہوں گے ان کا ادا نہ کرنا تبدیل وصیت کی ایک صورت ہے۔ نیز علامہ حصاص لکھتے ہیں کہ جس کسی پر زکوٰۃ فرض ہوئی اور اسکی ادائیگی کے بغیر مر گیا۔ تو وہ گنہگار ہوگا اور زکوٰۃ روکنے والوں کے حکم میں داخل ہوگا اگر اس نے ادائیگی زکوٰۃ کی وصیت کر دی اور ورثانے وصیت نافذ نہ کی تو وہ گناہ سے بری ہو گیا اور اب وصیت بدلنے والے گنہگار ہوں گے۔ علامہ حصاص نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وصیت میں ظلم کیا گیا ہو مثلاً پورے مال کی وصیت کر دی یا ورثاء کی اجازت کے بغیر تہائی مال سے زائد کی وصیت کر دی تو اس کا بدل دینا واجب ہے۔

آخر میں فرمایا: فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔ (سودہ شخص وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی جانبداری کا یا گناہ کا خوف کھائے پھر اُن کے درمیان صلح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے) بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وصیت کر نیوالا غلط یا عمدہ وصیت میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کر لیتا ہے جس میں کسی وارث یا دوسرے کسی رشتہ دار کی طرف میلان ہو جاتا ہے اور وصیت میں عدل باقی نہیں رہتا اگر ایسی کوئی صورت ہو جائے اور کسی کو معلوم ہو جائے کہ ایسی وصیت کی ہے یا ایسی وصیت کرنے کا ارادہ کیا ہے اور وہ بیچ میں بڑک مو صی (وصیت کرنے والا) اور مو صی لہم (جن کے لئے وصیت کی جائے) کے درمیان اصلاح کر دے اور اُن کو صحیح طریقہ بتا دے جو شرعاً درست ہو۔ یا صاحب اقتدار اس کو بدل دے تو اس کو بدلنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ جو شخص ایسا کرے گا اللہ اسکی مغفرت فرمائے گا یہ وہ تبدیلی نہیں ہے جس کی مذمت فَمَنْ بَدَّلَهُ میں کی گئی ہے۔ جو وصیت عادلانہ نہ ہو اسکی کئی صورتیں مفسرین نے لکھی ہیں۔ اس میں سے ایک یہ ہے کہ دُور کے رشتہ داروں کے لئے وصیت کر دے اور قریب کے رشتہ داروں کو چھوڑ دے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ چونکہ بیٹوں کے ہوتے ہوئے پوتوں کو میراث نہیں مل سکتی اور کسی ایک بیٹے کو زیادہ مال پہنچانا چاہتا ہے تو پوتوں کے غیر وارث ہونے کا بہانہ بنا کر پوتوں کے لئے وصیت کر دے تاکہ اُن پوتوں کے باپ کو مال زیادہ پہنچ جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ کل مال کی وصیت کر دے یا تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر دے جو شخص بھی اس قسم کی وصیت پر واقف ہو کر صحیح طریقہ بتائے گا۔ اور راہ صحیح پر ڈالے گا اسکو تبدیل وصیت کا گناہ نہ ہوگا۔

بعض لوگ بیٹوں کو میراث سے محروم کرنے کے لئے زندگی ہی میں بیٹوں کے نام یا کسی ایک بیٹے کے نام جائیداد کر دیتے ہیں تاکہ دوسری اولاد محروم ہو جائے۔ اور بھی طرح طرح کی غیر شرعی وصیتیں کر جاتے ہیں جس سے گنہگار ہوتے ہیں۔ وارث کو میراث سے محروم کرنے کے لئے کسی کو مال ہبہ کر دینا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ کوئی مرد اور کوئی عورت ساٹھ سال تک اللہ کی فرمانبرداری میں لگے رہیں۔ پھر ان کو موت حاضر ہو جائے اور وصیت کرنے میں کسی کو ضرر پہنچانے کا پہلو اختیار کر لیں تو ان کے لئے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔ حدیث بیان کر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سورۃ نساء کی آیت مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذَيْنِ غَيْرِ مُضَارٍّ تِلَاوَت کی اور وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ تک پڑھی۔ (رواہ احمد کبانی مشکوٰۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے وارث کی میراث

سے کوئی حصہ کاٹ دیا۔ اللہ تعالیٰ جنت سے اُس کی میراث کاٹ دیں گے (سُئِن ابْن ماجہ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اے ایمان والو! فرض کئے گئے تم پر روزے جیسا کہ فرض کئے گئے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱﴾ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

تا کہ تم پر ہیئز گار بن جاؤ چند دن کے روزے رکھ لو سو جو شخص تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی

مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ

کر کے روزے رکھ لے۔ اور جن لوگوں کو روزہ رکھنے کی طاقت ہے ان کے ذمہ ہے فدیہ ایک مسکین کے کھانے کا۔ پس جو شخص اپنی خوشی سے کوئی خیر کا کام کر لے تو وہ

خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲﴾

اس کے لئے بہتر ہے۔ اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو

رمضان کے روزوں کی فرضیت اور انکے ضروری احکام

تفسیر: ان آیات میں رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا اعلان اور اظہار فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ

کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا

(۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) حج کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔ (صحیح بخاری)

نماز اور روزہ دونوں بدنی عبادتیں ہیں اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور حج میں مال بھی خرچ ہوتا ہے بدنی محنت بھی ہوتی ہے

اس لئے وہ بدنی عبادت بھی ہے اور مالی عبادت بھی ہے۔ نماز تو نبوت کے پانچویں ہی سال مکہ معظمہ ہی میں فرض ہو گئی تھی جو

شب معراج میں عطاء کی گئی۔ اور رمضان شریف کے روزے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ۲ھ میں فرض ہوئے۔ جس

طرح نماز اور زکوٰۃ پہلی اُمتوں پر فرض تھی۔ اس طرح سے روزے بھی اُن پر فرض تھے کَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

میں یہ بتایا ہے کہ روزے کوئی نئی چیز نہیں ہیں یہ پہلی اُمتوں پر بھی فرض ہوئے تھے انہوں نے بھی روزے رکھے تھے تم بھی رکھو۔

روزہ سے صفت تقویٰ پیدا ہوتی ہے

پھر روزہ کی حکمت اور فائدہ بتاتے ہوئے فرمایا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ روزے رکھنے سے نفس کے تقاضوں پر زبرد پڑتی ہے

اور قوی شہوانیہ میں ضعف آتا ہے اور تقویٰ صغیرہ کبیرہ ظاہرہ اور باطنہ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ آیت کریمہ میں بتایا کہ

روزہ کی فرضیت تقویٰ حاصل کرنے کے لئے ہے بات یہ ہے کہ انسان کے اندر بہیمیت کے جذبات ہیں نفسانی خواہشات

ساتھ لگی ہوئی ہیں جن سے نفس کا ابھار معاصی کی طرف ہوتا رہتا ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے بہیمیت کے

جذبات کمزور ہوتے ہیں اور نفس کا ابھار کم ہو جاتا ہے اور شہوات و لذات کی اُمتگ گھٹ جاتی ہے۔ پورے رمضان کے

روزے رکھنا ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ ایک مہینہ دن میں کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے مقتضی پر عمل کرنے سے اگر باز رہے تو باطن کے اندر ایک نکھار اور نفس کے اندر سدھار پیدا ہو جاتا ہے اگر کوئی شخص روزے اُن احکام و آداب کی روشنی میں رکھ لے جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں تو واقعہً نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ جو گناہ انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں ان میں سب سے زیادہ یہ چیزیں گناہ کا باعث بنتی ہیں۔ ایک منہ دوسری شرمگاہ۔ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز دوزخ میں داخل کرانے کا ذریعہ بنے گی۔ آپ نے جواب دیا۔ الفم و الفرج، یعنی منہ اور شرمگاہ (ان دونوں کو دوزخ میں داخل کرانے میں زیادہ دخل ہے) روزہ میں منہ اور شرمگاہ دونوں پر پابندی ہوتی ہے۔ اور مذکورہ دونوں راہوں سے جو گناہ ہو سکتے ہیں روزہ ان سے باز رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اسی لئے تو ایک حدیث میں فرمایا کہ: الصِّيَامُ جُنَّةٌ یعنی روزہ ڈھال ہے (گناہ سے اور آتش دوزخ سے بچاتا ہے) (بخاری ص ۲۵۴ ج ۱)

اگر روزہ کو پورے اہتمام اور احکام و آداب کی مکمل رعایت کے ساتھ پورا کیا جائے تو بلاشبہ گناہوں سے محفوظ رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ خاص روزہ کے وقت بھی اس کے بعد بھی اگر کسی نے روزہ کے آداب کا خیال نہ کیا روزہ کی نیت کر لی کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے باز رہا مگر حرام کمانے اور غیبت کرنے میں لگا رہا تو اس سے فرض تو ادا ہو جائے گا۔ مگر روزہ کی برکات و ثمرات سے محرومی رہے گی۔ جیسا کہ سنن نسائی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الصِّيَامُ جُنَّةٌ مَا لَكُمْ يَخْرِقُهَا (یعنی روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اُس کو پھاڑ نہ ڈالے)۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشُرَابَهُ (جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹی بات اور غلط کام نہ چھوڑے تو اللہ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ (گناہوں کو چھوڑے بغیر) محض کھانا پینا چھوڑ دے۔) (بخاری)

معلوم ہوا کہ کھانا پینا اور جنسی تعلقات چھوڑنے ہی سے روزہ کامل نہیں ہوتا بلکہ روزہ کو فواحش و منکرات اور ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ رکھنا لازم ہے روزہ منہ میں ہو اور آدی بدکلامی کرے یہ اس کے لئے زیب نہیں دیتا۔ اسی لئے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمٍ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَضْحَكْ فَإِنْ سَأَلَهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي إِمْرُؤٌ صَائِمٌ (یعنی جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو گندی باتیں نہ کرے۔ شور نہ مچائے اگر کوئی شخص گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کرنے لگے تو (اس کو گالی گلوچ سے جواب نہ دے بلکہ) یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار آدمی ہوں۔) (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن کے لئے (حرام کھانے یا حرام کام کرنے یا غیبت کرنے کی وجہ سے) پیاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور بہت سے تہجد گزار ایسے ہیں جن کے لئے (ریا کاری کی وجہ سے جاگنے کے سوا کچھ نہیں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۷)

ایک مٹا معنویات فرما کر یہ بتایا کہ یہ چند دن کے روزے ہیں۔ ان روزوں کو رکھ لینا کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اس کے بعد مریض اور مسافر کیلئے آسانی بیان فرمائی کہ وہ اپنے ایام مرض اور ایام سفر میں روزہ نہ رکھیں تو رمضان گزر جانے کے بعد

آیت کے ذیل میں آئے گی۔ ان شاء اللہ!

یہ جو فرمایا وَ عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ (کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں ان پر فدیہ ہے ایک مسکین کے کھانے کا) یہ ابتدائی حکم تھا۔ سنن ابوداؤد میں ص ۴۷ ج ۱ پر ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو (ہر ماہ) تین دن کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا پھر رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہو گیا۔ لوگوں کو روزہ رکھنے کی عادت نہ تھی۔ اور روزہ رکھنا ان کے لئے بھاری کام تھا۔ لہذا یہ اجازت تھی کہ طاقت ہوتے ہوئے بھی جو شخص روزہ نہ رکھے وہ ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ پھر آیت کریمہ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نَازِل ہوئی (اور طاقت ہوتے ہوئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت منسوخ ہو گئی) اور سب کو روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔ البتہ مریض اور مسافر کے لئے اجازت باقی رہی کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں روزہ رکھ لیں۔ مسند امام احمد میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث نقل کی ہے جس میں یہ ہے۔

روزوں کے احکام میں تین انقلاب

کہ نماز کے احکام میں تین چیزوں میں انقلاب ہوا ہے اور روزوں کے احکام میں تین چیزوں میں انقلاب ہوا ہے۔ اسکے بعد نماز کے تین انقلاب ذکر کرنے کے بعد روزہ کے تین انقلاب یوں ذکر کئے۔ (۱) رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہر ماہ تین دن کے روزے رکھتے تھے اور عاشورا کے دن کا روزہ بھی رکھتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض فرما دیئے اور آیت کریمہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ نَازِل فرمائی جس میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ جو لوگ روزہ رکھ سکتے ہوں۔ انہیں اختیار ہے کہ چاہیں تو روزہ رکھ لیں اور چاہیں تو ایک روزہ کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں یہ کھانا کھلا دینا روزہ رکھنے کے عوض کفایت کرے گا۔ (۲) پھر اللہ تعالیٰ شانہ نے اس کے بعد والی آیت شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (آخر تک) نازل فرمائی اس آیت میں یہ بھی ہے کہ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں موجود ہو اس کا روزہ رکھے اس آیت سے مقیم اور تندرست پر روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا اور طاقت رکھنے والے کو روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کی جو اجازت تھی وہ منسوخ کر دی گئی) اور مریض اور مسافر کے لئے رخصت باقی رہی (کہ وہ رمضان میں روزہ چھوڑ سکتے ہیں بعد میں روزہ رکھ لیں) اور روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کا حکم ایسے بڑھنے کے لئے باقی رہا جو روزہ رکھنے سے عاجز ہو۔

(۳) روزے کی راتوں میں کھاتے پیتے تھے اور عورتوں کے پاس جاتے تھے۔ جب تک کہ سونہ جائیں۔ اگر کوئی شخص سو گیا (اگرچہ رات باقی ہوئی) تو ان کاموں میں سے کوئی کام کرنا جائز نہ تھا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ ایک انصاری صحابی جن کا نام صرمہ تھا وہ روزہ کی حالت میں دن بھر کام کرتے رہے شام کو گھر آئے تو عشاء پڑھ کر سو گئے۔ اور اب سونے کی وجہ سے کچھ کھاپی نہ سکے کیونکہ سو جانے والے کو اجازت نہ تھی کہ باقی رات میں کھائے پیئے۔ ان کو اسی حال میں صبح ہو گئی اور روزہ بھی رکھ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا کہ ان کے جسم میں تکلیف کے آثار محسوس ہو رہے ہیں آپ

نے فرمایا کیا بات ہے میں تمہیں سخت تکلیف میں دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے اپنا سارا واقعہ سنایا اور ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سو جانے کے بعد آنکھ کھلنے پر کسی باندی سے یا بیوی سے جماع کر لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا واقعہ سنایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریف: أَحِلُّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ تَأْذَنُ نازل فرمائی۔ (جس صحابی نے نیند آن جانے کی وجہ سے کھائے پیئے بغیر دوسرے دن روزہ رکھ لیا تھا۔ ان کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے)

صحیح بخاری میں حضرت ابن ابی لیلیٰ تابعی سے نقل کیا ہے کہ حضرت سرور عالم محمد ﷺ کے صحابہ نے ہم سے بیان کیا کہ رمضان کے روزے نازل ہوئے تو روزہ رکھنا ان پر شاق گزرا۔ لہذا جو شخص روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا وہ باوجود طاقت ہونے کے روزہ چھوڑ دیتا تھا اور ان کو اس کی اجازت دی گئی تھی پھر اس حکم کو وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ نے منسوخ کر دیا۔ اور سب کو روزے رکھنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے بھی هَذِهِ طَعَامُ مَسْكِينٍ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ اجازت منسوخ ہو چکی ہے ان روایات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ روزہ رکھنے کی طاقت ہوتے ہوئے بھی روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کی اجازت منسوخ ہے۔ اب تو روزہ رکھنا ہی ہوگا۔ اور اس میں جو تکلیف اور مشقت ہوگی وہ برداشت کرنی ہوگی البتہ جو شخص بالکل ہی عاجز ہو جو روزہ رکھ ہی نہیں سکتا اس کے لئے فدیہ کا حکم باقی ہے اور احادیث شریفہ کی تصریحات کے بعد اب اس تاویل کی ضرورت نہیں رہی کہ يُطِيقُونَ سے قبل حرف نفی ”لا“ مقدر ہے۔ یا یہ کہ باب افعال کا ہمزہ سلب مأخذ کے لئے ہے۔ پھر فرمایا: فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ (کہ جو بھی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیک کام کرے گا تو یہ اس کے لئے بہتر ہے)۔

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پورے ماہ رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں۔ ان فرض روزوں کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے نفل روزے رکھ لے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے جیسا کہ صحیح بخاری ص ۲۵۳ ج ۱ میں ہے کہ جب ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اس کے لئے پانچ نمازوں کی فرضیت بتادی اس پر اس نے کہا کہ اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ ہے آپ نے فرمایا کہ ان کے علاوہ اور کوئی نماز فرض نہیں الا یہ کہ اپنی خوشی سے نفل نمازیں پڑھ لو۔ پھر آپ نے رمضان کے روزوں کی فرضیت ذکر فرمائی اس نے وہی سوال کیا کیا ان کے علاوہ مجھ پر اور روزے بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ان کے علاوہ اور کوئی روزہ فرض نہیں الا یہ کہ اپنی خوشی سے نفل روزے رکھ لو۔ الفاظ کے عموم میں ہر نیک کام کی ترغیب ہے۔ ایک نماز روزہ ہی کیا جو بھی کوئی شخص اپنی خوشی سے نیک کام کرے گا۔ نفل عبادات میں لگے گا۔ وہ اس کا صلہ پائے گا اور اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ جو اس کی آخرت کے لئے بہتر ہوگا اور دوسرا مطلب علمائے تفسیر نے یہ لکھا ہے کہ ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا دینا ہے اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے زائد دیدے تو وہ بہتر ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا: وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ علامہ ابو بکر حصاص فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جن کو شروع میں تندرست اور گھر پر متمم ہوتے ہوئے روزہ نہ رکھنے اور اس کی جگہ فدیہ دینے کی اجازت دی گئی تھی۔ باوجود روزہ نہ رکھنے اور فدیہ دینے کی اجازت کے یہ فرمایا کہ روزہ رکھنا بہتر ہے۔ روزے کی جو خیر و برکت ہے اور اس کا جو روحانی نفع ہے۔ روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے میں وہ نفع نہیں ہے۔ علامہ حصاص فرماتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق الَّذِينَ يُطِيقُونَ سے بھی ہو اور مسافروں سے بھی ہو کیونکہ اس سے پہلے بھی ذکر آچکا ہے کہ مسافر اور مریض رمضان میں روزہ نہ رکھ کر بعد میں قضا کر سکتے ہیں ان کے لئے بھی فرمایا کہ وہ بھی رمضان ہی میں روزہ

رکھ لیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ عموماً مسافروں کو بغیر کسی ضرر کے روزہ رکھنے کی طاقت ہوتی ہے۔ اور اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ سفر میں روزہ رکھنا نہ رکھنے سے بہتر ہے۔ علامہ حصاص نے اس سے ایک اور دقیق مسئلہ کا استنباط کیا ہے اور وہ یہ کہ جب ایک روزہ کے عوض ایک مسکین کو کھانا دینے کی اجازت دی گئی تھی۔ (اور یہ ایک مسکین کا کھانا نصف صاع کے برابر ہوتا ہے) تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ایک نفلی روزہ نصف صاع صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت کے بارے میں اس کے بیانات خوب واضح ہیں

وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِّنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ

اور حق و باطل کے درمیان فرق ظاہر کر دینا لے ہیں جو شخص تم میں سے اس ماہ میں موجود ہے وہ اس میں روزہ رکھے اور جو شخص مریض ہو یا سفر پر ہو

فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ

تو دوسرے دنوں کی گنتی کر کے روزے رکھ لے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے۔ دشواری کا ارادہ نہیں فرماتا اور تاکہ تم گنتی پوری کیا کرو۔

وَلِتَشْكُرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۲۵۴﴾

اور تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو

قرآن مجید رمضان المبارک میں نازل کیا گیا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں ان دنوں کی تعیین فرمادی گئی جن میں روزے رکھنا فرض ہے پہلی آیت میں آیا مَا مُعَدُّو ذَاتِ فَرَمَا یا اور اس آیت میں ماہ رمضان کا صاف نام لے کر بیان فرمادیا کہ جو شخص اس ماہ میں موجود ہو وہ روزے رکھے اور ساتھ ہی رمضان المبارک کی ایک دوسری فضیلت بھی بیان فرمادی اور وہ یہ کہ اس ماہ میں قرآن مجید نازل ہوا۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید ماہ رمضان میں نازل کیا گیا اور سورہ قدر میں فرمایا کہ لیلة القدر میں نازل فرمایا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ لیلة القدر رمضان المبارک میں ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ قرآن مجید تو تھوڑا تھوڑا کر کے تیس سال میں نازل ہوا۔ پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ رمضان المبارک میں نازل ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شب قدر میں اوس محفوظ سے پورا قرآن جملہ واحدہ (اکٹھا) آسمان دنیا پر نازل کیا گیا اور بیت العزت میں رکھ دیا گیا۔ پھر وہاں سے حضرت جبریل علیہ السلام تھوڑا تھوڑا حسب الحکم لاتے رہے۔ (تفسیر قرطبی)

یہ جو فرمایا فَمَن شَهِدَ مِّنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اس میں ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد و عورت پر رمضان کے روزوں کی فرضیت کی تصریح فرمادی۔ البتہ مسافر اور مریض اور حمل والی عورت اور دودھ پلانے والی عورت کو اجازت دی گئی کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں اسکی قضا رکھ لیں۔ اور حیض و نفاس والی عورت کو حکم ہے کہ وہ رمضان میں روزے نہ رکھیں اور بعد میں رکھ لیں۔ ان مسائل کی تفصیلات حدیث اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن میں سے بعض مسائل ان شاء اللہ ابھی نقل کریں گے۔

دنیا میں جب سے سلسلہ مواصلات کی آسانی ہو گئی ہے اور تیز رفتار طیارے گھنٹوں میں مہینوں کی مسافت پر پہنچا دیتے

ہیں اس وقت سے یہ سوال سامنے آنے لگا کہ کوئی شخص کسی ملک میں تھا وہاں اس نے تیس روزے رکھ لئے پھر وہ کسی ایسے ملک میں پہنچ گیا جہاں ایک دو دن ابھی رمضان کے ختم ہونے میں باقی ہیں تو وہ ان دنوں میں کیا کرے۔ احقر کے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ جہاں پہنچا ہے وہاں چونکہ رمضان موجود ہے اس لئے ان دنوں کے روزے رکھے۔ آیت **فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ** کا عموم اسی کو متقاضی ہے۔ اور فقہاء نے یہ جو لکھا ہے کہ رمضان کے دن میں بے روزہ نابالغ، بالغ ہو جائے یا کوئی حیض والی عورت پاک ہو جائے تو وہ رمضان کے احترام میں شام تک نہ کھائے پیئے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی ایسے علاقہ میں پہنچ گیا جہاں ابھی رمضان باقی ہے وہ رمضان کا احترام کرے احترام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ روزہ نہ رکھے اور کھائے پیئے بھی نہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ روزہ سے رہے۔ اور یہ روزہ رکھنا آیت کے عموم کے مطابق ہے۔ لہذا ایسے شخص کو روزہ ہی رکھنا چاہئے۔ مطلق نیت صوم سے روزہ رکھ لینا چاہئے۔ مطلق نیت سے نفل روزہ ادا ہو جاتا ہے اور رمضان کا فرض روزہ بھی۔ لہذا اگر مطلق روزہ کی نیت کر لی اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک ان دنوں کے روزے فرض ہوئے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ ورنہ نفل کا ثواب مل جائے گا اور رمضان کا احترام بھی ہو جائے گا۔

مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت اور بعد میں قضا رکھنے کا حکم

یہ ارشاد فرمانے کے بعد کہ ”جو شخص ماہ رمضان میں موجود ہو اس کے روزے رکھے“ مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جتنے دنوں کے روزے رمضان المبارک میں مسافر اور مریض نے نہیں رکھے وہ رمضان کے بعد دوسرے دنوں میں اتنی ہی گنتی کر کے جتنے روزے چھوٹے اور ان کی قضا رکھ لے۔ علامہ بھصا فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً اتنے دنوں کی گنتی کر کے قضا کرنے کا حکم فرمایا ہے جتنے دن کے روزے رہ گئے ہیں اور لگاتار قضا رکھنے کی کوئی قید اور شرط نہیں لگائی اس لئے روزوں کی قضا کرنے والا متفرق طور پر رکھ لے یا لگاتار رکھ لے دونوں طرح درست ہے۔ اور **يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ** سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر دوسرا رمضان آنے تک پہلے رمضان کے قضا روزے نہ رکھے تو اب اس موجودہ رمضان کے روزے رکھ لے اور گزشتہ رمضان کے روزوں کی قضا بعد میں کر لے البتہ جلد سے جلد قضا رکھ لینا بہتر ہے اس میں مساعت رالی الخیر ہے اور چونکہ موت کا کچھ پتہ نہیں اس لئے ادائیگی فرض کا اہتمام بھی ہے۔

مسئلہ: ہر مریض کو اجازت نہیں ہے کہ بعد میں قضا رکھنے کے لئے رمضان کے روزے چھوڑے بلکہ یہ رخصت و اجازت ایسے مریض کو دی ہے جس کو روزہ رکھنے سے سخت تکلیف میں مبتلا ہونے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہو یا ایسے مرض میں مبتلا ہو جس میں روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے طول پکڑ جانے کا غالب گمان ہو جو تجربہ سے یا ماہر مسلم معالج کے قول کی بنیاد پر ہو اور یہ ماہر مسلم معالج ایسا ہو جس کا فاسق ہونا معلوم نہ ہو۔ قال فی الدر المختار او مریض خاف الزيادة لمرضه وصحيح خاف المرض بغلبة الظن بامارة او بتجربة او باخبار طبيب حاذق مسلم مستور اه وفي الشامي اما الكافر فلا يعتمد على قوله لا احتمال ان غرضه افساد العبادة (فصل في العوارض) اس بارے میں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ معمولی سے مرض میں روزہ چھوڑ دیتے ہیں گو اس مرض کے لئے روزہ مضر بھی نہ ہو۔ بلکہ بعض امراض میں روزہ مفید ہوتا ہے پھر بھی مرض کا بہانہ بنا کر روزہ نہیں رکھتے اور بہت سے لوگ

ڈاکٹروں کے کہہ دینے سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اس بارے میں ہر ڈاکٹر کا قول معتبر نہیں ڈاکٹر بے دین فاسق بلکہ کافر بھی ہوتے ہیں۔ انہیں نہ مسئلہ کا علم ہوتا ہے۔ نہ روزہ کی قیمت جانتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو تو خواہ مخواہ روزہ چھڑوانے میں مزہ آتا ہے اور کافر ڈاکٹر کا قول تو اس بارے میں بالکل ہی معتبر نہیں۔

مریض کو اپنے تجربہ اور اپنی ایمانی صوابدید سے اور کسی ایسے معالج سے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ کرنا چاہئے جو مسلمان ہو روزے کی اہمیت سمجھتا ہو اور خوفِ خدا رکھتا ہو۔ اور مسئلہ شریعہ سے واقف ہو۔ اور یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بہت سے لوگ بیماری کی وجہ سے رمضان کے روزے چھوڑ دیتے ہیں اور پھر رکھتے ہی نہیں اور بہت بڑی گنہگاری کا بوجھ لے کر قبر میں چلے جاتے ہیں۔ کھانے پینے کی محبت اور آخرت کی بے فکری کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ یہ ان مریضوں کا بیان ہوا جو عموماً تندرست رہتے ہیں۔ اور عارضی طور پر مریض ہو گئے۔ یہ لوگ صحت یاب ہو کر بعد میں قضا رکھ لیں۔ لیکن ایسا مرد یا عورت جو مستقل مریض ہو جسے روزہ رکھ سکے کی زندگی بھر اُمید نہ ہو۔ اور ایسے مرد یا عورت جو بہت بوڑھے ہوں نہ اب روزہ رکھنے کی طاقت ہے نہ پھر کبھی روزہ رکھ سکے کی اُمید ہے تو یہ لوگ روزوں کے بجائے فدیہ دیں۔ لیکن اگر کبھی بعد میں روزہ رکھنے کے قابل ہو گئے تو روزے رکھنا فرض ہوگا اور فدیہ جو دیا ہے نفلی صدقہ ہو جائے گا۔ جس طرح کہ ہر مریض کو روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں اسی طرح ہر مسافر کو بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ رمضان المبارک کا روزہ بعد میں قضا رکھنے کی نیت سے اس مسافر کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے جو مسافتِ قصر کے ارادہ سے اپنے شہر یا ہستی سے نکلا ہو جب تک سفر میں رہے گا مرد ہو یا عورت اُسے رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جب گھر آجائے تو روزوں کی قضا کر لے۔ ہاں اگر سفر میں کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تو اب شرعاً مسافر کے حکم میں نہیں رہا۔ ان دنوں میں رمضان المبارک ہو تو روزے رکھنا فرض ہوگا اور نماز میں قصر کرنا جائز نہ ہوگا۔ مسافتِ قصر ۲۸ میل ہے (کلومیٹر کا حساب کر لیا جائے) اتنی مسافت کے لئے خواہ پیدل سفر کرے یا بس سے یا ہوائی جہاز سے شرعی مسافر مانا جائے گا۔ وہ نمازوں میں قصر بھی کرے اور اُسے یہ بھی جائز ہے کہ رمضان شریف کے روزے نہ رکھے اور بعد میں جب گھر آجائے تو پھوٹے ہوئے روزوں کی قضا رکھ لے۔

جو شخص مسافتِ قصر سے کم سفر کے لئے گیا ہو اُسے روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ شرعی مسافر کو (جس کی مسافتِ سفر اُوپر بتادی گئی ہے) سفر میں روزہ چھوڑنے کی اجازت تو ہے۔ لیکن رمضان میں روزہ رکھ لیٹھا بہتر ہے۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اول تو رمضان کی برکت اور نورانیت سے محرومی نہ ہوگی۔ دوسرے سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنے میں آسانی ہوگی اور بعد میں تمہارا روزہ رکھنا مشکل ہوگا۔

مسئلہ: مسافر اور مریض (جنہیں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے) وہ اگر اپنے زمانہ عذر ہی میں مر گئے۔ تو چونکہ انہوں نے قضا رکھنے کا وقت ہی نہیں پایا۔ اس لئے ان پر اپنے چھوٹے ہوئے روزوں کی طرف سے فدیہ دینے کی وصیت کرنا واجب نہیں۔ اور اگر مریض نے اچھا ہو کر اور مسافر نے گھر آ کر روزے نہیں رکھے یا کچھ رکھے کچھ نہ رکھے۔ تو جتنے دن مرض کے بعد پائے ہیں ان کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے۔ وصیت کے بعد اُس کا ولی قرضوں کی ادائیگی کے بعد اُس کے تہائی مال سے ہر روزہ کے عوض بقدر صدقہ فطر کے صدقہ کر دے۔ اور اگر اس نے وصیت نہ کی اور اُس کے ولی نے اپنی خوشی سے اپنے ذاتی مال سے اس کی طرف سے فدیہ دے دیا تو ان شاء اللہ یہ بھی مفید ہوگا۔

مثلاً اگر دس دن کے روزے چھوڑے تھے اور اس قدر ایامِ صحت اور ایامِ اقامت پالئے اور قضا روزے نہ رکھے اور موت آنے لگی تو پورے دس دن کے روزوں کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ اور اگر ایامِ صحت اور ایامِ اقامت میں صرف پانچ دن ملے تھے اور ان میں قضا روزے نہ رکھے تو صرف پانچ دن کے روزوں کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ (من الدر المختار)

حاملہ اور مرضعہ کے لئے رخصت

سنن نسائی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے اور اسکی نماز کا ایک حصہ معاف فرمادیا ہے (کہ چار رکعات والی فرض نماز کی دو رکعتیں مسافر کے ذمہ رہ جاتی ہیں) اور دودھ پلانے والی عورت اور حمل والی عورت کو بھی رمضان میں روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے کہ وہ رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں ان روزوں کی قضا رکھ لیں جس حاملہ کو روزہ رکھنے سے زیادہ تکلیف ہوتی ہو یا زیادہ تکلیف میں پڑ جانے یا اپنی جان یا بچے کی جان کا اندیشہ ہو تو وہ عورت رمضان کے روزے چھوڑ کر بعد میں رکھ لے اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کے لئے بھی اسی وقت رمضان المبارک کا روزہ چھوڑنا جائز ہے جبکہ روزہ رکھنے سے بچے کو دودھ سے محرومی ہوتی ہو اور بچہ دودھ پلانے والی کے دودھ کے علاوہ دوسری غذا کے ذریعہ گزارہ نہ کر سکتا ہو اوپر کا دودھ پلانے سے (جیسا کہ آج کل رواج ہے) یا دلیہ یا چاول وغیرہ کھانے سے بچہ کی غذا کا کام چل سکتا ہو تو پھر دودھ پلانے والی کو رمضان المبارک کے روزے چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ جب بچہ کی عمر دو سال ہو جائے تو اس کو عورت کا دودھ پلانا ہی منع ہے۔ جب بچہ کی عمر دو سال ہو جائے اس کے دودھ پلانے کے لئے روزہ چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حیض اور نفاس والی عورت کا حکم

جس عورت کو رمضان المبارک میں ماہواری کے دن آجائیں یا ولادت کے بعد کا خون آ رہا ہو جسے نفاس کہتے ہیں یہ دونوں عورتیں رمضان المبارک کے روزے نہ رکھیں اگرچہ روزہ رکھنے کی طاقت ہو لیکن بعد میں ان روزوں کی قضا رکھ لیں۔ اور حیض نفاس کے زمانہ کی نمازیں بالکل معاف ہیں۔ ان دونوں پر انکی قضا نہیں۔

اللہ نے دین میں آسانی رکھی ہے

اللہ تعالیٰ شانہ نے کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیا جو بندوں کی طاقت سے باہر ہو قرآن میں کئی جگہ اس کا ذکر ہے آیت بالا میں مریض اور مسافر کا حکم بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: **يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ** (کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہارے لئے مشقت کا ارادہ نہیں فرماتا) نمازوں کے بارے میں بھی مریض کے لئے آسانی ہے کہ کھڑے ہو کر لیٹ کر بیٹھ کر رکوع اور سجدہ یا اشارہ کے ساتھ اپنی طاقت کے مطابق جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لے زکوٰۃ میں بھی مطلق مال ہونے پر زکوٰۃ فرض نہیں کی گئی بلکہ صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور اسکی ادائیگی اس وقت فرض ہے جب ناپ پر چاند کے حساب سے ایک سال گزر جائے اور پھر زکوٰۃ میں جو کچھ واجب ہوتا ہے وہ بہت قلیل ہے یعنی کل مال کا چالیسواں حصہ دینا واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح حج ہر شخص پر فرض نہیں جو شخص مکہ معظمہ تک سواری پر آنے جانے کی طاقت رکھتا ہو اور ساتھ ہی سفر خرچ بھی ہو اور بال بچوں کا ضروری خرچہ پیچھے چھوڑ جانے کے لئے موجود ہو تب حج فرض ہوتا ہے اور وہ بھی زندگی

میں صرف ایک بار فرض ہے۔ روزہ رمضان فرض ہونے کے باوجود مریض اور مسافر اور شیخ فانی حاملہ اور دودھ پلانے والی کے لئے جو آسانیاں ہیں وہ اوپر بھی بیان ہو چکی دیگر احکام میں جو آسانیاں ہیں وہ بھی عام طور پر معلوم اور مشہور ہیں۔

قوله تعالى وَلِتَكْمَلُوا الْعِدَّةَ. (الایہ) اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (ص ۶۲ ج ۲) فرماتے ہیں ای و شرع لكم جملة ما ذكر من أمر الشاهد بصوم الشهر المستفاد من قوله تعالى : فمن شهد منكم الشهر فليصمه وأمر المرخص له بالقضاء كيف ما كان متواترا أو متفرقا وبمراعاة عدة ما افطر من غير نقصان ومن الترخيص المستفاد من قوله عز وجل (يريد الله بكم اليسر) ومن قوله تعالى فعدة من أيام أخر لتكملوا الخ.

مطلب یہ کہ لتكملوا میں داؤد عاطفہ ہے جو فعلی محذوف پر عطف ہے مطلب یہ کہ تمہارے لئے جو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم شروع فرمایا کہ جو شخص ماہ رمضان میں موجود ہو وہ روزے رکھے اور مریض اور مسافر کو رمضان میں روزے چھوڑ کر بعد میں چھوٹے ہوئے روزوں کی گنتی کے موافق قضا روزے متواتر یا متفرق طریقے پر رکھنے کی اجازت دی یہ اس لئے ہے کہ تم ٹھیک اچھی طرح گنتی کا دھیان رکھ کر تکمیل کرو تا کہ اداء و قضاء کوئی روزہ نہ جائے اور تا کہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور یہ جو فرمایا: وَلِتَكْمَلُوا اللّٰهُ عَلٰی مَا هَذَا الْحُكْمُ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی یعنی اسکی حمد و ثناء بیان کرنے کا حکم ہے۔ حضرت زید بن اسلمؓ نے فرمایا کہ اس سے یوم عید کی تکبیریں مراد ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے چاند دیکھنے کے وقت اللہ اکبر کہنا مراد ہے۔

اور لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ میں تسہیل اور تیسیر کی علت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حالت سفر اور مرض میں روزہ چھوڑ کر بعد میں قضا رکھنے کی جو آسانی دی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو یہ آسانی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس نعمت کی قدر دانی کرو۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي

اور جب میرے بند آپ سے میرے بارے میں حال کریں سب بلاشبہ میں قریب ہوں دعا کرنے والی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے سوہ میرا حکم قبول کریں

وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۷۷﴾

اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ نیک راہ پر رہیں

دعا کی فضیلت اور آداب

تفسیر: درمنثور میں ذکر کیا ہے کہ ایک شخص حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارا رب قریب ہے جس سے ہم آہستہ طریقے پر مناجات کریں یا دور ہے جسے ہم زور سے پکاریں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي آخربک نازل فرمائی اور حضرت عطاء بن ابی رباح نے بیان فرمایا کہ آیت وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض

کیا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ ہم کس وقت دعا کریں تو اچھا تھا اس پر آیت وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّيٰ خیر تک نازل ہوئی۔

گزشتہ آیات میں روزے کے احکام بیان ہوئے۔ رمضان المبارک کا مہینہ آخرت کمانے کا سیزن ہے اس میں کمائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ شیطین جکڑ دیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۵ ج ۱) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر رات ایک منادی بدادیتا ہے کہ اے خیر کی تلاش کرنے والے آگے بڑھو اور اے شر کے تلاش کرنے والے رک جا (سنن الترمذی ص ۱۲۲ ج ۱) اور اہل ایمان کی طبیعتیں نیکیوں کی طرف بہت زیادہ راغب ہو جاتی ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔ نمازوں کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ فرضوں کے علاوہ مزید نمازیں پڑھتے ہیں ذکر و تلاوت میں لگتے ہیں۔ دعاؤں میں مشغول ہوتے ہیں۔ شب قدر کو زندہ رکھتے ہیں۔ رمضان میں دعا کی قبول ہوتی ہیں۔ (سنن ترمذی ابواب الدعوات) لہذا یہ مناسب ہوا کہ احکام رمضان کے درمیان دعا کی قبولیت کا ذکر کر دیا جائے۔ آیت بالا میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے وہ سب کی دعا سنتا ہے اور قبول بھی فرماتا ہے۔ آہستہ سے دعا کرو یا زور سے وہ ہر دعا سنتا ہے۔ جو دعا زبان سے نہ ہو اور صرف دل سے ہو وہ اسکو بھی جانتا ہے اور قبول فرماتا ہے۔ اسی لئے اَسْمَعُ نہیں فرمایا بلکہ اُجِبُ فرمایا تاکہ قلبی دعا کو بھی شامل ہو جائے۔ سورہ ق میں فرمایا۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ (اور البتہ تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے نفس میں جو خیالات آتے ہیں۔ ہم اُن کو جانتے ہیں اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ)۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے جب ہم کسی اونچائی پر چڑھتے تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے تھے آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو کیونکہ تم کسی ایسے کو نہیں پکار رہے ہو جو بہرہ ہے اور غائب ہے۔ تم تو سمیع اور بصیر کو پکار رہے ہو۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تمہارا رب شرمیلا ہے کریم ہے وہ اس بات سے شرماتا ہے کہ بندہ جب اسکی طرف ہاتھ اٹھائے تو وہ ان ہاتھوں کو بغیر کسی خیر کے واپس کر دے۔ (اخرجہ الترمذی فی ابواب الدعوات وحسنہ اخرجہ الحاکم فی المستدرک وقال علی شرط الشيخین وقرہ الذہبی)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہاری دعا قبول کی جاتی ہے جب تک کہ دعا کرنے والا جلدی نہ کرے وہ کہتا ہے کہ میں نے دعا کی وہ قبول نہ ہوئی۔ (صحیح بخاری)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کی دعا برابر قبول ہوتی رہتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور قطع رحمی کی دعا نہ کرے بشرطیکہ جلدی نہ چائے عرض کیا گیا کہ جلدی چانے کا کیا مطلب ہے فرمایا جلدی چنانہ ہے کہ یوں کہنے لگے میں نے دعا کی اور لیکن مجھے قبول ہوتی نظر نہیں آتی یہ سمجھ کر تھک کر بیٹھ جائے اور دعا کو چھوڑ دے (صحیح مسلم)

دعا برابر کرتے رہیں۔ رغبت کے ساتھ دل کو حاضر کر کے دعا کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لیس شیء اکرم علی اللہ من الدعاء کہ اللہ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز فضیلت والی نہیں ہے اور ایک حدیث میں ہے الدعاء مع العبادة کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس شخص کو یہ خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ غنیوں اور بے چینیوں کے وقت اسکی دعا قبول کرے سو چاہئے کہ وہ اتنے

حالات میں کثرت سے دعا کرے۔ دعا قبول ہونے کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سوال کے مطابق اسے عطا فرمادیتا ہے یا اس جیسی آنے والی کسی مصیبت کو روک دیتا ہے جب تک کہ گناہ گاری اور قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔ (آخرخ الاحادیث الاربعہ الترمذی فی ابواب الدعوات)

اور مسند احمد میں ایک بات کا اضافہ ہے اور وہ یہ کہ یا اسکی دعا کو اللہ تعالیٰ آخرت کے لئے ذخیرہ بنا کر رکھ دے گا (جو اُسے آخرت میں کام دے گی) (مشکوٰۃ المصابیح)

لوگ کہتے ہیں دعا قبول نہیں ہوتی حقیقت میں مانگنے والے ہی نہیں رہے۔ اول تو حضور قلب سے دعا نہیں کرتے۔ دوسرے حرام سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کوئی شخص لمبے سفر میں ہو۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں، جسم پر گرد و غبار اٹا ہوا ہے۔ وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہوئے یارب یارب کہہ کر دعا کرتا ہو اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے پینا حرام ہے اور اس کو حرام سے غذا دی گئی ہے۔ پس ان حالات میں اسکی دعا کیوں کر قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم)

نیر سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دعا ان مصیبتوں کے دور ہونے کے لئے بھی نافع ہے جو نازل ہو چکیں اور ان مصیبتوں کو روکنے کے لئے بھی جو نازل نہیں ہوئیں۔ سوائے اللہ کے بند و اتم دعا کو لازم پکڑ لو۔ (ابواب الدعوات)

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے تم اس طرح دعا کرو کہ قبولیت کا یقین ہو اور یہ جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غافل اور لاپرواہ دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا: فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ۔ کہ میرے تمام احکام کو قبول کریں اور میری ذات و صفات پر ایمان لائیں مجھ پر یقین اور بھروسہ رکھیں۔ ایسا کریں گے تو ہدایت پر ثابت قدم رہیں گے اور مزید ہدایت پائیں گے۔ قال صاحب الروح ای فليطلبوا اجابتي لهم اذا دعوتهم للإيمان والطاعة كما اني اجبهم اذا دعوني لحوائجهم۔

وقال القرطبي قال الهروي الرشد والرشد والرشاد الهدى والاستقامة ومنه قوله تعالى لعلهم يرشدون۔

وقال البيضاوي فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي اذا دعوتهم للإيمان والطاعة كما اجبهم اذا دعوني لمهما

تهم وَلْيُؤْمِنُوا بِي امر بالثبات والمداومة عليه لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ راجعین اصابة الرشد وهو اصابة الحق۔

أَحَلَّ لَكُمْ لَيْكَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ

حلال کیا گیا تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں بیویوں میں مشغول ہونا وہ لباس ہیں تمہارے لئے اور تم ان کا لباس ہو۔

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَلُونُ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ

اللہ نے جان لیا کہ بلاشبہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کرتے ہو سو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تم کو معاف فرمادیا۔ سو اب ان سے میل ملاپ کرؤ

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

اور تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے سفید تاگہ سیاہ تاگہ سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو

الْأَسْوَدَ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتُمُوا الصِّيَامَ إِلَى الْيَلِّ وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي

جائے۔ یعنی فجر کا تاگہ پھر تم روزے پورے کرو رات تک۔ بیویوں میں میل ملاپ نہ کرو اس حال میں کہ تم اعتکاف کئے ہوئے ہو

الْمَسْجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَالِئِاسٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۰﴾

مسجدوں میں۔ یہ اللہ کی حد بن دیاں ہیں لہذا ان کے پاس نہ چٹکوا اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اپنی آیات تاکہ لوگ پرہیزگار بنیں

تکملہ احکام صیام

تفسیر: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ روزوں کی فرضیت کے ابتدائی زمانہ میں (قانون کے مطابق) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اس پر عمل کرتے تھے کہ جس شخص کا روزہ ہوتا اور افطار کا وقت آ جاتا اور وہ افطار سے پہلے سو جاتا تو آب پوری رات اور اگلے پورے دن نہیں کھا سکتا تھا جب تک کہ شام نہ ہو جائے۔ اور یہ واقعہ پیش آیا کہ قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ کا روزہ تھا افطار کا وقت ہوا تو وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اُن سے کہا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے کہا میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن میں کہیں سے جا کر تمہارے لئے انتظام کر کے لاتی ہوں۔ انہوں نے دن بھر کام کیا تھا ابھی اُن کی بیوی واپس نہ آئی تھی کہ ان کی آنکھ لگ گئی پس جب وہ آئیں اور ان کو دیکھا کہ سوچکے ہیں تو کہنے لگیں ہائے تیری محرومی (کھانے کا وقت ختم ہوا اور کل کو روزہ بھی رکھنا ہے) انہوں نے اسی طرح (بغیر کھائے پیئے) روزہ رکھ لیا جب آدھا دن ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ نازل فرمائی جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور آیت وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری) قال فی فتح الباری بعد ذکر الاختلاف فی اسم الصحابی الذی وقع له ذلك أنه أبو قیس صرمۃ بن أبی أنس قیس بن مالک فمن قال قیس بن صرمۃ قلبہ۔ سو جانے کے بعد رمضان المبارک میں جیسے کھانا پینا ممنوع ہو جاتا تھا اسی طرح بیویوں سے ہمبستر ہونا بھی ممنوع ہو جاتا تھا۔ صحابہ کو اس میں بہت دشواری پیش آئی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب رمضان کے روزوں کا حکم ہوا تو (افطار کے بعد نیند آنے کی صورت میں) عورتوں کے قریب نہ جاتے تھے اور پورے رمضان کا یہی قانون تھا اور بہت سے لوگ اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے (اور قانون کی خلاف ورزی کر بیٹھتے تھے) لہذا اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ نازل فرمائی۔ سنن ابوداؤد باب کیف الاذان میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی سے جماع کرنے کا ارادہ کیا انہوں نے کہا میں تو سو گئی تھی (اب یہ کام جائز نہیں رہا) انہوں نے سمجھا کہ یہ بہانہ کر رہی ہے لہذا جماع کر بیٹھے۔ تفسیر درمنثور میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے اور باتیں کرتے رہے جب گھر آئے تو دیکھا کہ بیوی سوچکی ہے اُسے جگایا اور مخصوص کام کا ارادہ کیا وہ کہنے لگی کہ میں تو سو گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ تم سوئی نہیں ہو (غلط کہہ رہی ہو) پھر اس سے جماع کر لیا اور کعب بن مالکؓ کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا صحیح کو حضرت عمرؓ نے اکر م ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ سنایا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ نازل فرمائی۔ نفس کے ابھار کی وجہ سے جو نفسوں کا تقاضا پورا کر لیا اس میں بظاہر نفس کی موافقت ہے لیکن قانون شرعی کی خلاف ورزی کی وجہ سے یہ نفسوں کی خیانت ہے کیونکہ احکام کی خلاف ورزی مواخذہ کی چیز ہے اور تختانون کا یہ

معنی بھی ہو سکتا ہے کہ غلبہ شہوت کی وجہ سے تمہارے نفسوں کا تقاضا بیویوں کے پاس جانے کا ہوتا تھا لیکن تم اجازت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے تقاضے کو پورا نہ کرتے تھے اس میں نفسوں کی خواہش کی خیانت تھی اگرچہ ایمانی تقاضوں کی موافقت تھی۔ اب مباشرت کی اجازت دے دی گئی تو نفسوں کی خیانت بھی ختم ہوئی۔ آیت شریفہ اَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَائِكُمْ۔ آخر تک نازل ہونے سے پوری رات کھانا پینا اور بیویوں سے مباشرت کرنا جائز ہو گیا۔ جو کچھ کسی سے خلاف ورزی ہوئی تھی وہ اس پر نادم ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول فرمائی اور ان کو معاف فرمادیا۔

زن و شوہر کے تعلقات کا لطیف انداز میں بیان

رمضان المبارک کی راتوں میں بیویوں سے مباشرت کی اجازت دیتے ہوئے میاں بیوی کے تعلق کو ایک لطیف انداز میں بیان فرمایا۔ اور وہ یہ کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں یعنی وہ تمہارے لئے سکون اور دل جمعی کا باعث ہیں اور تم ان کے لئے سکون اور ذل جمعی کا باعث ہو۔

کافی سورۃ الاعراف لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا وَفِي سُوْرَةِ الرُّومِ لِيَسْكُنُوْا اِلَيْهَا۔ عورت اور مرد چونکہ معافہ کرتے ہیں اور ہر ایک دوسرے سے لپٹ جاتا ہے۔ اس لئے ہر ایک کو ایک دوسرے کے لئے لباس سے تعبیر فرمایا اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے پردہ بن جاتے ہیں اور فتن و فحور سے روکتے ہیں۔ اس لئے بھی ہر ایک کو دوسرے کا لباس بتایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی بندہ نے نکاح کر لیا تو اس نے آدھا دین کامل کر لیا۔ لہذا وہ باقی آدھے دین کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔ (مشکوٰۃ عن الیمینی فی شعب الایمان)

صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ پہلے جملہ یعنی هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ تم عورتوں سے صبر نہیں کر سکتے اور دوسرا جملہ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ یہ بتا رہا ہے کہ تمہارے لئے ان سے پرہیز کرنا مشکل ہے اور چونکہ مرد کا احتیاج خوب واضح ہے اس لئے پہلے جملہ کو مقدم کیا گیا۔ (من رُوح المعانی ص ۱۶۵ ج ۲)

ابتغائے اولاد کا حکم

یہ جو فرمایا وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (یعنی طلب کرو تم جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے اولاد طلب کرنا مقصود ہے یعنی جماع کرنے میں نیت رکھو کہ اللہ تعالیٰ اولاد نصیب فرمائے گا۔ صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ نکاح کرنے میں نسل بڑھنے کی نیت رکھنی چاہئے صرف قضائے شہوت مقصود نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شہوت جماع کو بنی نوع انسان کی بقا کے لئے انسانوں میں رکھ دیا ہے۔ جیسا کہ کھانے کی خواہش انسانوں کے زندہ رہنے کے لئے پیدا فرمادی ہے صرف قضا شہوت جانوروں کا مقصود ہے بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا کہ جب جماع کو اولاد طلب کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا تو اس سے عورتوں سے غیر فطری طریقے سے قضا شہوت کرنے کی ممانعت ثابت ہوگئی کیونکہ وہ جملہ طلب ولد کی نہیں ہے۔

صحیح صادق تک کھانے پینے کی اجازت

پھر فرمایا: وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰی يَبَيِّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (اور کھاؤ

اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے سفید تاگہ سیاہ تاگہ سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے یعنی فجر کا تاگہ) اس میں اجازت دی گئی ہے کہ روزوں کی راتوں میں صبح صادق ہونے تک کھاپی سکتے ہو۔ سفید تاگہ سے بیاض النہار (یعنی دن کی سفیدی جو صبح صادق سے شروع ہوتی ہے) مراد ہے۔ اور سیاہ تاگہ سے سواد اللیل (یعنی رات کی تاریکی) مراد ہے۔ یہ تفسیر خود آنحضرت سرور عالم ﷺ سے مروی ہے۔ (کمافی صحیح بخاری)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ نازل ہوئی اور ابھی لفظ يَتَبَيَّنَ نازل نہ ہوا تھا تو بعض لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور کالا تاگہ باندھ لیا اور برابر کھاتے پیتے رہے یہاں تک کہ ان دونوں میں فرق ظاہر ہو جائے (وہ زمانہ بتی اور بجلی کا تو تھا نہیں چھوٹے چھوٹے گھروں میں اندر بیٹھ کر کھاتے رہے صبح صادق ہو جانے اور باہر روشنی پھیل جانے پر بھی دونوں تاگوں میں امتیاز نہ ہوا۔ ان حضرات نے خَيْطُ الْأَبْيَضِ اور خَيْطُ الْأَسْوَدِ کا معروف معنی سمجھا) پھر اللہ تعالیٰ نے لفظ يَتَبَيَّنَ نازل فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ خَيْطُ الْأَبْيَضِ اور خَيْطُ الْأَسْوَدِ سے دن اور رات مراد ہے۔ (صحیح بخاری)

معلوم ہوا کہ سحری کھانے کا آخری وقت صبح صادق تک ہے اور چونکہ پوری رات میں جماع کرنے کی بھی اجازت دے دی گئی اس لئے جماع بھی صبح صادق ہونے تک جائز ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنابت روزہ کے منافی نہیں ہے کیونکہ جب رات کے آخر حصے تک جماع کرنے کی اجازت ہے تو جماع کرنے والا لامحالہ فجر طلوع ہونے کے بعد ہی غسل کرے گا اور غسل کرنے میں جو وقت خرچ ہوگا اس وقت میں روزہ بھی ہوگا جو صبح صادق سے شروع ہو چکا ہوگا۔ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو حالت جنابت میں فجر ہو جاتی تھی پھر آپ روزہ رکھ لیتے تھے اور یہ جنابت احتلام نہیں بلکہ جماع کرنے کی وجہ سے ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری) چونکہ جنابت روزہ کے منافی نہیں ہے اس لئے اگر روزہ میں احتلام ہو جائے تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

روزہ کا ابتدائی وقت حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ میں بتا دیا پھر روزے کی انتہا بتانے کے لئے فرمایا: ثُمَّ آتَمُوا الصَّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ (پھر روزوں کو رات تک پورا کرو) رات غروب شمس ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے جیسے ہی سورج غروب ہو جائے روزہ افطار کرنے کا وقت ہو جاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مشرق کی طرف سے رات آگئی اور دن مغرب کی طرف چلا گیا اور سورج چھپ گیا تو روزہ دار کے افطار کا وقت ہو گیا۔ (صحیح بخاری ص ۱۷۲)

مسئلہ: غروب ہوتے ہی فوراً روزہ افطار کر لینا مستحب ہے جیسا کہ سحری کھانا آخر رات میں مستحب ہے۔ (کمافی صحیح مسلم)

البتہ سحری میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ صبح صادق ہونے کا اندیشہ ہو جائے۔

اعتکاف کے فضائل اور مسائل

پھر فرمایا وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ (اور بیویوں سے میل ملاپ نہ کرو اس حال میں کہ تم اعتکاف کے ہوئے ہو مسجدوں میں) اعتکاف مسنون ہے جو صرف مسجدوں ہی میں ہوتا ہے اور اس کے لئے نیت کرنا بھی ضروری ہے۔ اعتکاف کی نیت کے بغیر مسجد میں جتنا بھی وقت گزارے اعتکاف میں شمار نہ ہوگا۔ اعتکاف کے دنوں میں ایک تو شب قدر میں بیدار رہنے

اور نمازوں میں قیام کرنے کی آسانی ہو جاتی ہے۔ دوسرے مخلوق سے تعلق کم سے کم ہو جاتا ہے۔ اور خالق تعالیٰ شانہ ہی کی طرف پوری توجہ رہتی ہے۔ دل و جان سے جسم اور زبان سے عبادت اور تلاوت میں مشغولیت رہتی ہے۔ یہ در پر جا پڑنے والی بات ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رمضان میں دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال بیس دن کا اعتکاف کیا۔ (صحیح بخاری) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے پھر ایک سال کا اعتکاف نہیں کیا تو آئندہ سال بیس دن کا اعتکاف کیا۔ (سنن ابوداؤد) اور ایک سال آپ نے ماہ شوال میں بھی بیس دن کا اعتکاف فرمایا (ایضاً)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ گناہوں سے روکتا ہے اور اس کے لئے اس شخص کا ثواب لکھا جاتا ہے جو تمام نیکیاں کرنے والا ہو (سنن ابن ماجہ) رات ہو یا دن اعتکاف میں جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ بیوی کو چھونا جائز نہیں ہے۔ اگر جماع کر لیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا اگر شہوت کے بغیر ہاتھ لگایا تو اسکی گنجائش ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ حالت اعتکاف میں (مسجد میں بیٹھے ہوئے) اپنا سر مبارک میری طرف کو نکال دیتے تھے اور میں آپ کا سر دھو دیتی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کے سر میں کنگھی کر دیتی تھی۔ (صحیح بخاری) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ آپ اعتکاف کی حالت میں صرف انسانی حاجت کے لئے گھر میں داخل ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری)

حاجت انسانی سے پیشاب پاخانہ مراد ہے۔ کھانا پینا چونکہ مسجد ہی میں ہوتا ہے اس لئے مختلف کو اس کے لئے مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ جب کوئی شخص اعتکاف کرے گا اور راتوں میں بیدار رہے گا۔ تو جس رات میں بھی شب قدر ہوگی وہ اُسے پالے گا اور اسکی خیر و برکت سے محرومی نہ ہوگی۔ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے) لہذا شب قدر کی تلاش میں رہنا چاہئے اور خاص کر آخر عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کریں ہزار مہینے کے ۸۳ سال چند ماہ ہوتے ہیں چند گھنٹے عبادت میں گزار کر اتنا بڑا ثواب لے لینا عظیم نفع ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَيَحْرُمُ خَيْرُهَا إِلَّا كَلَّ مَحْرُومٌ یعنی شب قدر کی خیر سے وہی محروم ہوگا۔ جو پورا محروم ہے۔ (جسے ذرا بھی عبادت کا ذوق نہیں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۳ ج ۱) ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ ثواب کی امید رکھتے ہوئے شب قدر کی رات میں نماز میں قیام کیا (یعنی نفل نمازیں پڑھتا رہا) اُس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری)

نفل روزوں کا بیان

گزشتہ آیت میں جو فرمایا فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لِّهِ اس میں نوافل کی ترغیب دی ہے بیان تو روزوں کے ذیل میں آیا ہے۔ لیکن الفاظ کے عموم میں ہر نفل عبادت آگئی۔ یہاں نفل روزوں کے کچھ فضائل لکھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے۔ ہر نیکی کم از کم دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔

شش عید کے روزے

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد چھ روزے شوال کے مہینے میں رکھ لئے تو (پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ہوگا اگر ہمیشہ ایسا ہی کرے گا تو) گویا اس نے ساری عمر روزے رکھے۔ (رواہ مسلم)

جب کسی نے رمضان کے تیس روزے رکھے اور پھر چھ روزے اور رکھ لئے تو یہ چھتیس روزے رکھنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین سو ساٹھ روزے شمار ہوں گے۔ اس طرح سے پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ملے گا۔ اگر کوئی شخص ہر سال ایسا ہی کر لیا کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے ساری عمر روزہ رکھنے والا شمار ہوگا۔ اگر رمضان کے روزے چاند کی وجہ سے ۲۹ ہی رہ جائیں تب بھی شوال میں چھ روزے رکھنے سے ان شاء اللہ مذکورہ بالا ثواب ملے گا کیونکہ ہر مسلمان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ چاند نظر نہ آیا تو تیسواں روزہ بھی ضرور رکھے گا۔

پیر اور جمعرات کا روزہ:

پیر اور جمعرات کو بھی روزہ رکھنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش ہوتے ہیں لہذا میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اس حال میں پیش ہو کہ میں روزہ دار ہوں۔ (رواہ الترمذی)

ایام بیض کے روزے

ایام بیض کے روزے رکھنے کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ۱۳-۱۴-۱۵ کو ایام بیض کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو مہینے سے تین روزے رکھے تو تیرہ چودہ پندرہ تاریخ کے روزے رکھ لے۔ (رواہ الترمذی ص ۱۳۳ ج ۱) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام بیض کے روزے رکھنے کا حکم فرماتے تھے۔ (رواہ الترمذی ص ۱۳۲ ج ۱)

عاشوراء کا روزہ: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ جاہلیت کے زمانہ میں قریش عاشوراء (محرم کی دس تاریخ) کا روزہ رکھتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا پھر جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو عاشوراء کا روزہ (بحیثیت تاکید کی حکم کے) باقی نہ رہا پھر جو چاہتا اس دن کا روزہ رکھتا تھا اور جو چاہتا چھوڑ دیتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یوم عاشوراء کا روزہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے مشروع تھا اور اس کا روزہ رکھنا مکد تھا۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد تاکد ختم ہو گیا اور استحباب کا درجہ رہ گیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پوری پوری امید رکھتا ہوں کہ یوم عرفہ (بقر عید کی نویں تاریخ) کا روزہ رکھنے پر ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہ معاف فرمادے گا اور یوم عاشوراء کے روزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے پوری پوری امید رکھتا ہوں کہ ایک سال پہلے کے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ رمضان کے بعد سب سے

زیادہ افضل محرم (یعنی اُس کی دس تاریخ) کا روزہ ہے جو شہر اللہ ہے۔ اور سب نمازوں میں فرض نمازوں کے بعد رات کی نماز (یعنی نماز تہجد) افضل ہے۔ (صحیح مسلم)

قال الطیبی أراد بصیام شہر اللہ صیام یوم عاشوراء وہ یکون من باب ذکر الککل و ارادة البعض و یمكن ان یقال افضلیتہ لما فیہ من یوم عاشوراء و لکن الظاہر ان المراد جمیع شہر المعحرم (کذا فی المرقاة)

محرم کو شہر اللہ یعنی اللہ کا مہینہ فرمایا۔ یہ اضافت تشریفی ہے۔ کیونکہ سب مہینے اللہ ہی کے ہیں۔ محرم الحرام کی فضیلت بتانے کے لئے شہر اللہ فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نویں اور دسویں محرم کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت کرو۔ (سنن الترمذی) اور شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ دسویں تاریخ کا روزہ رکھنا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد روزہ رکھے۔ صرف یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں یہود کی مشابہت ہے۔ (ذکرہ فی المرقاة) عشرہ ذی الحجہ کے روزے:

بقرعید کی نویں تاریخ کے روزہ کی فضیلت اوپر معلوم ہوئی۔ اُس سے پہلے جو آٹھ دن ہیں اُن میں بھی روزہ رکھنا چاہئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذوالحجہ کے اول کے دس دنوں میں عمل صالح سب دنوں کے اعمال سے افضل ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی؟ فرمایا (ہاں) جہاد فی سبیل اللہ بھی ان دنوں کے اعمال صالحہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ الا یہ کہ کوئی شخص اللہ کی راہ میں نکلا (اور اس نے جان اور مال کی بازی لگادی) پھر کچھ بھی لیکر واپس نہ ہوا۔ (صحیح بخاری)

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عاشوراء کا روزہ اور ذوالحجہ کے عشرہ اولیٰ کے روزے (باستثناء یوم الاضحیٰ) اور مہینے کے تین روزے نہیں چھوڑتے تھے۔ (سنن نسائی)

فائدہ: بقرعید کی نویں تاریخ کو حج ہوتا ہے۔ اس دن حج کرنے والے عرفات میں ہوتے ہیں۔ ظہر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک دعاؤں میں مشغولیت ہوتی ہے اس لئے حجاج کے لئے افضل ہے کہ اس تاریخ کا روزہ نہ رکھیں۔

حضور اقدس ﷺ نے بھی حج کے موقع پر اس دن روزہ نہیں رکھا تھا۔ (کمانی صحیح بخاری ص ۲۶۷، صحیح مسلم ص ۳۹۷ ج ۱)

فائدہ: نقلی عبادت روزہ ہو یا نماز ذکر ہو یا تلاوت حج ہو یا عمرہ جس قدر بھی کوئی شخص ادا کرے گا اُس کا ثواب پائے گا۔ لیکن ہر عمل میں شریعت کے اصول و قوانین کا خیال رکھنا لازم ہے۔ ایک نقلی روزہ کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فی سبیل اللہ ایک روزہ رکھ لیا اللہ تعالیٰ اس کی ذات کو دوزخ سے اتنی دور کر دیں گے جتنی دُور کوئی شخص ستر سال میں چل کر پہنچے۔ (یعنی وہ دوزخ میں نہ جائے گا)۔ (صحیح بخاری)

لفظ فی سبیل اللہ کا متبادر معنی تو یہ ہے کہ جہاد کے موقع پر روزہ رکھنے کی یہ فضیلت ہے اور اس لئے امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الجہاد میں ذکر کیا ہے۔ اور بعض شراح حدیث نے اس کا ترجمہ لوجہ اللہ بھی کیا ہے۔ یعنی جو شخص اللہ کی رضا کے لئے روزہ رکھے۔ اس کا یہ ثواب ہے۔ فتح الباری میں دونوں معنی لکھے ہیں۔ نفل روزے بقدر طاقت (جس سے دوسری فرض عبادتوں میں ضعف نہ آجائے اور اپنے لئے اور اہل و عیال کے لئے ضروری حلال کسب معاش میں فرق نہ

آئے) رکھتے رہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور راتوں رات نفل نماز میں قیام کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ایسا نہ کرو روزہ بھی رکھو اور بے روزہ بھی رہو اور رات کو نماز میں بھی قیام کرو اور سوؤ بھی۔ کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے پاس آنے جانے والوں کا بھی تم پر حق ہے۔ اور فرمایا کہ سب سے افضل روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے۔ (صحیح البخاری)

سال بھر میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے

وہ پانچ دن یہ ہیں۔ عید الفطر کا دن اور ذی الحجہ کی ۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ تاریخوں میں۔ ذوالحجہ کے ان دنوں کو ایام تشریق کہا جاتا ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کے دن ہیں۔ رواہ المسلم (بخاری) میں حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ذکر اللہ میں تو ہمیشہ ہی مشغول رہنا چاہئے۔ لیکن ایام تشریق میں خصوصیت کے ساتھ ذکر اللہ کا اہتمام کیا جائے۔ مسئلہ: جس عورت کا شوہر گھر میں موجود ہو وہ شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ بے نہ رکھے البتہ فرض روزوں میں شوہر کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ وہ منع بھی کرے تب بھی رکھے کیونکہ اللہ کے فرائض سب کے حقوق سے مقدم ہیں۔

روزانہ نفل روزہ رکھنا محمود نہیں

فائدہ: بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ روزانہ روزہ رکھتے ہیں۔ روزانہ روزہ رکھنا محمود نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لا صام من صام الا بد (یعنی جس نے ہمیشہ روزے رکھے اُس نے روزے رکھے ہی نہیں)۔ صحیح بخاری۔ اور آپ نے روزانہ روزہ رکھنے والے کیلئے یہ بھی فرمایا کہ لا صام ولا افطو کہ اس نے روزے رکھے نہ افطار کیا۔ (صحیح مسلم) اور وجہ اسکی یہ ہے کہ روزانہ روزہ رکھنے سے نفس کو عادت ہو جاتی ہے۔ صرف کھانے پینے کے اوقات بدل جاتے ہیں۔

افضل الصیام: سب سے افضل روزہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن بے روزہ رہے حضرت داؤد علیہ السلام اسی طرح نفل روزے رکھتے تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا لا صوم فوق صوم داؤد (صحیح بخاری) (یعنی داؤد علیہ السلام کے روزہ سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں) اور ایک روایت میں ہے۔ لا افضل من ذلک (بخاری ص ۶۵ ج ۱) یعنی اس روزے سے افضل کوئی روزہ نہیں ہے۔

حدود اللہ سے آگے بڑھنے کی ممانعت:

آخر میں فرمایا یتلک حُدُودَ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا الْآیۃ (یعنی یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں لہذا ان کے پاس نہ پھگو) گزشتہ آیات میں جو روزہ کی فرضیت اور مریض و مسافر کے لئے رخصت اور روزہ کی ابتداء اور انتہاء کے اوقات بیان ہوئے اور اعتکاف والوں کے لئے ارشاد ہوا کہ اعتکاف میں مباشرت نہ کریں۔ ان سب کے بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے کہ یہ احکام اللہ کی حد بندیاں ہیں۔ حدود سے آگے مت بڑھو جو حکم جس طرح ہوا ہے اس کو اسی طرح پورا کرو اور ایسی صورت اختیار نہ کرو

جس سے روزہ یا اعتکاف فاسد ہو جائے رمضان کا روزہ بلا عذر شرعی چھوڑ دیکھی نہیں اور توڑ دیکھی نہیں۔ حد بند یوں کے قریب جانے کی ممانعت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے روزہ ضائع ہو جائے۔ نہ سحری میں اتنی دیر کریں کہ صبح صادق ہو جائے نہ افطار میں اتنی جلدی کریں کہ سورج چھپنے سے پہلے ہی کھا کے فارغ ہو جائیں حالت روزہ میں منہ میں ایسی کوئی چیز نہ لیں جس کا اندر جانے کا اندیشہ ہو اور وضو کرتے وقت ناک میں پانی دینے میں مبالغہ نہ کریں (کمافی الحدیث و بالغ فی الاستشاق الا ان تکون صائمًا رواہ ابو داؤد) روزے میں مسواک کرنا تو احادیث شریفہ سے ثابت ہے لیکن دوسری چیزوں سے روزے میں دانت صاف کرنے کو فقہاء نے ایسے لئے مکروہ لکھا ہے کہ تھوڑا بہت اندر چلے جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَذَلُّوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعہ سے مت کھاؤ۔ اور نہ لے جاؤ ان کو حاکموں کی طرف تاکہ کھا جاؤ ایک حصہ

النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۶۸﴾

لوگوں کے مالوں میں سے گناہ کے ساتھ حالانکہ تم جانتے ہو

باطل طریقوں سے مال کھانے کی ممانعت

تفسیر: اس آیت میں باطل طریقہ پر کسی کا مال حاصل کرنے اور اپنے استعمال میں لانے کی ممانعت فرمائی۔ رمضان میں دن کے اندر حلال کھانے کی ممانعت فرمائی گئی۔ اور اب احکام رمضان کے متصل ہی یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ حرام کبھی نہ کھاؤ۔ نہ رمضان میں نہ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ میں۔ لفظ ”بالباطل“ بڑھا کر یہ بتا دیا کہ جو مال شرعاً جائز ہو مثلاً طیب نفس کے ساتھ کوئی ہدیہ دے دے یا شریعت کے مطابق تجارت کرنے سے نفع کی صورت میں کچھ مال مل جائے یا میراث میں حلال مال مل جائے تو یہ حلال ہے۔ باطل کے ذریعہ مال حاصل کرنے کی بہت صورتیں ہیں۔ جن میں سے متعدد صورتیں آیت کریمہ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا** کے ذیل میں بیان کر دی گئی ہیں۔ یہاں قرآن کریم نے ایک خاص صورت کا ذکر کیا ہے جس کے ذریعہ لوگوں کے مالوں پر باطل طریقہ سے قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ حکام وقت کو ذریعہ بنا کر لوگوں کے مالوں کو اپنا مال بنا لیتے ہیں۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔

حاکم کے فیصلہ کر دینے سے کسی کا مال حلال نہیں ہو جاتا

ایک صورت یہ ہے کہ کسی کے مال پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے اور حاکم کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا اور ایک طریقہ یہ ہے کہ جھوٹی تحریر لکھ کر یا جھوٹے گواہ بنا کر حاکم کے ہاں پیش کر کے کسی غیر کے مال اور جائیداد کے بارے میں اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا۔ اور ایک طریقہ یہ ہے کہ شرعی قانون کے خلاف حکومت وقت کے رائج قوانین کے مطابق کسی کا مال ڈبایا۔ مثلاً کسی حکومت نے یہ قانون بنا دیا کہ مرنے والے کے مال میں صرف لڑکوں کا حصہ ہوگا۔ اور اس قانون کے پیش نظر لڑکوں نے حاکم سے اپنے حق میں میراث تقسیم کرانے کا فیصلہ کرا لیا۔ اور بہنوں کو محروم کر دیا۔ یا جیسے کسی حکومت نے قانون بنا دیا کہ فلاں فلاں اشخاص کا مال زبردستی لے کر فلاں فلاں قسم کے آدمیوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ تو ان میں سے کسی بھی صورت میں کسی شخص کا

مال ہرگز حلال نہیں ہوگا اور بھی اس کی بہت سی صورتیں ہیں جنہیں مقدمہ باز جانتے ہیں اور مکر و فریب کے ذریعہ حکام کو استعمال کر کے دوسروں کے مالوں پر قبضہ کرتے رہتے ہیں۔ حاکم سے فیصلہ کرا کر جو شخص کسی کا مال لے لے گا۔ وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگا۔ دنیا و آخرت میں اس کا بہت بڑا وبال ہے اور سخت عذاب ہے دنیاوی حکام کے فیصلوں کے ذریعہ کسی کا مال اپنا بنا کر مطمئن نہ ہو جائیں۔ یہ یاد رکھیں کہ مالک یوم الدین قاضی روز جزاء جل مجدہ کے حضور میں بھی پیش ہونا ہے۔ حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں انسان ہی ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے لیکر آتے ہو اور ممکن ہے کہ تم میں سے ایک آدمی دوسرے کے مقابلہ میں اپنی حجت کو بڑھ چڑھ کر بیان کر دے اور میں اس کے مطابق فیصلہ کر دوں جو کچھ میں نے اس سے سنا (اور یہ فیصلہ حقیقت میں غلط ہو) سو جس کے لئے میں اُس کے بھائی کے مال میں سے کسی چیز کا کوئی فیصلہ کر دوں تو اُسے ہرگز نہ لے کیونکہ میں اُس کے لئے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔ (صحیح بخاری)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی پر جھوٹا مقدمہ دائر کیا اور جس کا حق نہیں ہے اُس کے زور بیان پر میں نے اس کو دوسرے کا حق دلا دیا تو میرے دلانے سے وہ اس کے لئے حلال نہ ہو جائے گا۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ اللہ کے رسول (ﷺ) نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا۔ لہذا میرے لئے دوسرے کا مال حلال ہو گیا۔ باوجود فیصلہ کر دینے کے دوسرے کا مال مدعی کے لئے حلال نہ ہو جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اُس کی نہیں ہے تو وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے اور وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔ (رواہ مسلم)

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جھوٹی قسم کھائی جس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال اپنے حق میں کر لینا چاہتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوگا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

لفظ فَرِيقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ جو فرمایا ہے۔ اس میں یہ بتا دیا کہ صرف آپس میں مسلمان ہی کا مال ناحق لے لینا حرام نہیں ہے بلکہ غیروں کا مال ناحق لے لینا بھی حرام ہے جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اُن کو ذمی کہا جاتا ہے۔ تمام مسلمانوں پر ان کی جان و مال کی حفاظت لازم ہے۔ اور خیانت کر کے یا کسی بھی طرح سے ان کا مال ناحق رکھ لینا جائز نہیں ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ فُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ النَّاسِ وَالْحَجَّةِ وَلَكِنَّ الْبُرْجَانَ تَأْتُوا الْبُيُوتَ

وہ آپ سے چاندوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اور نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں

مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبُرْجَانَ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

میں ان کے پیچھاڑوں کی طرف سے آؤ لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے۔ اور آ جاؤ تم گھروں میں ان کے دروازوں سے۔ اور اللہ سے ڈرو

تَفْلَحُونَ ﴿٩٥﴾

تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ

چاندوں میں کمی بیشی کیوں ہوتی ہے

تفسیر: تفسیر درمنثور (ص ۱۷۴) میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن عثمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ چاند چھوٹا بڑا کیسے ہو جاتا ہے۔ اوّل باریک تا گہ کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے بڑا ہو جاتا ہے۔ اور گول ہو جاتا ہے۔ پھر گھٹتے گھٹتے باریک ہو جاتا ہے۔ اور شروع میں جیسا تھا ویسا ہی آخر میں ہو جاتا ہے۔ اس کے سوال پر آیت بالا نازل ہوئی اور ان کو جواب دیا گیا کہ یہ چاند لوگوں کے لئے اوقات مقررہ بتانے والے ہیں اور حج کا وقت بھی ان کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ روزے کب رکھنا شروع کریں گے۔ عورتوں کی عدت کے اوقات ان کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور خرید و فروخت کے معاملات میں جو کوئی اجل اور میعاد مقرر ہوتی ہے چاندوں کے ذریعہ ان کے ختم ہونے کا علم بھی ہوتا ہے۔

شریعت اسلامیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے

شریعت اسلامیہ میں چاند کے مہینوں کا اعتبار کیا گیا ہے صاحب نصاب پر چاند کے اعتبار سے بارہ مہینے گزر جانے پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہوتی ہے (اگر کوئی شخص شمسی مہینوں کے اعتبار سے سال گزر جانے پر زکوٰۃ ادا کرتا رہے گا تو چھتیس سال کے بعد ایک سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں کمی رہ جائے گی۔ کیونکہ شمسی سال قمری سال سے دس دن بڑا ہوتا ہے) جس عورت کا شوہر وفات پا جائے اسکی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اور جس عورت کو اپنک حیض نہیں آیا اس کو طلاق ہو جائے تو اس کی عدت تین مہینہ ہے۔ یہ مہینے قمری مہینوں کے اعتبار سے معتبر ہوں گے۔ اور رمضان کے روزے بھی چاند ہی کے حساب سے رکھے جاتے ہیں کیونکہ رمضان چاند کے بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے پھر عید بھی چاند دیکھ کر کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چاند دیکھ کر (رمضان کے) روزے رکھنا شروع کر دو اور چاند دیکھ کر رمضان کے روزے رکھنا ختم کر دو۔ اگر چاند نظر نہ آئے تو تیس (روزوں کی) گنتی پوری کر لو۔ (صحیح مسلم)

حج بھی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے اور قربانیاں ذوالحجہ کی دس۔ گیارہ۔ بارہ کی تاریخوں میں ہوتی ہیں۔ ان سب احکام میں چونکہ چاند ہی کا مہینہ معتبر ہے اور چاند ہی کے حساب سے مہینوں کی ابتدا اور انتہاء ہوتی ہے اس لئے چاند کے مہینوں کا محفوظ رکھنا اور انکی ابتداء اور انتہاء جاننا فرض کفایہ ہے۔

دینی امور کو قمری مہینوں سے متعلق کرنے میں آسانی ہے

چاند کے مہینوں سے دینی امور کو متعلق کرنے میں عوام اور خواص کے لئے اور پورے عالم کے انسانوں کے لئے آسانی بھی ہے۔ چاند شروع میں مغرب کی طرف چھوٹا سا نظر آتا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اب مہینہ شروع ہے پھر چند دن کے بعد پوری رات روشن رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ایام بیض کا زمانہ ہے پھر اخیر میں مشرق کی طرف چھوٹا ہو کر نظر آنے لگتا ہے اور ایک دو دن بالکل ہی نظر نہیں آتا اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اب مہینہ اخیر ہو رہا ہے۔ اگر شمسی مہینوں سے عبادات کا تعلق ہوتا تو اسے صرف حساب دان ہی سمجھ سکتے تھے اور ہر شخص کے پاس کیلنڈر اور جسنتری ہونا ضروری تھا اور یہ یاد رکھنا ضروری تھا کہ کونسا مہینہ کتنے دن کا ہوتا ہے یہ سب باتیں عوام کے لئے سمجھنا اور یاد رکھنا مشکل تھا

پھر کیلنڈر وغیرہ اب ترقی یافتہ دنیا میں چھپنے لگے ہیں وہ بھی ہر گھر میں نہیں ہوتے۔ اور احکام اسلام چودہ سو سال سے نافذ ہیں پھر کیلنڈر اور جنتریوں پر عبادات کیسے موقوف رکھی جاسکتی ہیں۔ عوام اور خواص کے لئے یہ آسانی ہے کہ چاند دیکھا اور مہینے کی ابتداء اور انتہا سمجھ لی۔ سورج روزانہ ایک ہی طرح نکلتا اور چھپتا ہے۔ سردی گرمی میں اس کا طلوع غروب ایک ہی طرح ہے اسے دیکھ کر مہینوں کی ابتداء اور انتہا سمجھنے کا کوئی راستہ نہیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ نے جو سوال کیا تھا وہ یہودیوں کے سوال کرنے پر تھا۔ یہودیوں نے حضرات صحابہؓ سے چاند کے بارے میں سوال کیا تو ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیا۔ الفاظ سوال میں احتمال ہے کہ انہوں نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت معلوم کی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے گھٹنے بڑھنے کی علت اور سبب معلوم کیا ہو۔ اگر چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت معلوم کی تھی تب تو جواب سوال کے مطابق ہو گیا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے میں عبادات کے اوقات اور معاملات کی میعادیں معلوم کرنے کا فائدہ ہے۔ اگر چاند آفتاب کی طرح ایک ہی حالت پر ہوتا تو اوقات کا سمجھنا اور معلوم کرنا مشکل ہو جاتا۔ اور اگر حضرات صحابہؓ کا سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت جاننے کے متعلق تھا تو جواب من قبیل اسلوب الحکیم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں وہ معلوم کرنا چاہئے جس کی تمہیں ضرورت ہے۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے اسباب تکوینیہ جاننے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں تمہیں تو یہ پوچھنا چاہئے کہ اس کے گھٹنے بڑھنے میں حکمت کیا ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے چنانچہ ان کو اسی سوال کا جواب دے دیا گیا جو سوال انہیں کرنا چاہئے تھا۔ چاند کا گھٹنا بڑھنا یعنی چھوٹا بڑا نظر آنا اس کے اسباب تکوینیہ ریاضی کی کتابوں میں لکھے ہیں کچھ پڑانے فلاسفہ کے تخیلات ہیں اور کچھ نئے سائنس کے تصورات ہیں ان میں سے کسی بھی چیز کی قرآن وحدیث سے تصدیق نہیں ہوتی۔ اور نہ کوئی دینی مسئلہ ان کے جاننے پر موقوف ہے۔ بہت سے لوگ فلکیات اور اجرام سماویہ کے احوال جدید آلات کے ذریعہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مروجہ علوم میں ماہر بھی ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے کو بڑا عالم بھی سمجھتے ہیں دنیا کے ادارے اور ملکوں کے سربراہ ان کو اعزازی ڈگریاں بھی دیتے ہیں لیکن یہ سب لوگ ان چیزوں کے خالق و مالک کی نہ صرف عبادت کرنے سے اور اس کی معرفت سے محروم ہیں بلکہ اس ذات پاک پر ایمان بھی نہیں لاتے جس نے یہ چیزیں پیدا فرمائیں۔ قرآن مجید کے طرز جواب میں ان لوگوں کو بھی تنبیہ ہے کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے اسباب تکوینیہ کے جاننے میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان پر سب سے زیادہ خالق جل جلالہ کے احکام کی طرف متوجہ ہونا فرض ہے۔

گھروں میں دروازوں سے آنے کا حکم

چاندوں کے متعلق سوال کا جواب دینے کے بعد جاہلیت کی ایک رسم کی تردید فرمائی صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جاہلیت میں عرب کے لوگ جب احرام باندھ لیتے تھے تو (احرام کے زمانہ میں) گھر کی پشت سے داخل ہوتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْقِبْلَ مِنْ ظُهُورِكُمْ اَوْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكُمْ اَوْ مِنْ خَلْفِكُمْ اَوْ مِنْ يَمَانِكُمْ اَوْ مِنْ شَمَالِكُمْ (ص ۲۴۲ ج ۱) میں یوں نقل کیا ہے کہ انصار (اوس اور خزرج کے قبیلے) جب حج کر کے واپس ہوتے تھے تو اپنے گھروں میں دروازوں سے نہیں بلکہ پچھواڑوں کی طرف سے داخل ہوتے تھے ایک انصاری جو حج کر کے آئے تو

وہ گھر کے دروازہ سے داخل ہو گئے ان کو عار دلائی گئی (گویا انہوں نے کوئی برا کام کیا ہے) اس پر آیت بالا نازل ہو گئی۔

اپنی طرف سے کسی کام میں ثواب یا گناہ سمجھ لینا بدعت ہے

گھروں کے پچھاڑوں سے داخل ہونے کو وہ لوگ ثواب سمجھتے تھے اور اس کو نیک کام جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے انکی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ نیکی نہیں ہے کہ اپنے گھروں میں ان کی پشتوں کی طرف سے آؤ۔ نیکی اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ان سے پرہیز کیا جائے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی رہے اور اپنی طرف سے تراشے ہوئے احکام اور اعمال کی پابندی کی جائے اور اس میں ثواب سمجھا جائے یہ گمراہی کی بات ہے۔ جس چیز کو شریعت نے ضروری نہیں قرار دیا یا ثواب کا کام نہیں بتایا اسکو اپنی طرف سے ضروری قرار دے دینا یا ثواب کا کام سمجھ لینا بدعت ہے اور گناہ ہے جیسا کہ جو چیز شرعاً جائز ہو اُسے گناہ سمجھنا گناہ ہے گھر کے دروازوں سے داخل ہونا شرعاً جائز تھا اسکو گناہ قرار دیا اور مکان کی پشتوں کو توڑ کر داخل ہونے کو ضروری سمجھا اور ثواب کا کام جانا اس لئے ان کے عقیدہ اور عمل کی تردید فرمائی اور آخر میں فرمایا: **وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** تم اللہ سے ڈرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔ اس کے احکام پر عمل پیرا ہو اور اس کے احکام میں تغیر تبدیل نہ کرو۔

علامہ جصاص کا ایک استنباط

علامہ جصاص احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ قانون معلوم ہوا کہ جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے ثواب کا کام نہیں بتایا اور جس کی ترغیب نہیں دی وہ کسی شخص کے ثواب بنالینے سے ثواب کی چیز نہ بنے گا۔ نہ دین کا جزو ہوگا۔ اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہ سمجھا جائے۔ اور یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ وہ دین ہے پھر لکھتے ہیں کہ اُس کی نظیر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن بھر خاموش رہنے سے منع فرمایا۔ (چونکہ شریعت محمدیہ میں خاموش رہنے کا روزہ نہیں ہے) اور ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ دھوپ میں کھڑا ہے آپ نے فرمایا اس کو کیا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے دھوپ میں کھڑے ہونے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ سایہ میں چلا جا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو اُن لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ

الْمُعْتَدِينَ ① **وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُم**

زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا اور تم اُن کو قتل کرو جہاں بھی پالو اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يَقْتُلُواكُمْ فِيهِ

اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور اُن سے جنگ مت کرو مسجد حرام کے پاس جب تک کہ وہ تم سے اُس میں خود نہ لڑیں۔

فَإِنْ قَتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ② **وَإِنْ أَنتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ**

سو اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم اُن کو قتل کر دو۔ ایسی ہی جزا ہے کافروں کی۔ سو اگر وہ باز آجائیں تو اللہ غفور

لَحِيمٌ ۝ وَقَتْلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ ۖ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا

رحیم ہے۔ اور اُن سے یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور ہو جائے دین اللہ ہی کے لئے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو

عُدُّوْا اِلَّا عَلٰی الظَّالِمِيْنَ ۝

زیادتی نہیں ہے مگر ظالموں پر

اللہ کی راہ میں قتال کر نیکا حکم اور ظلم و زیادتی سے پرہیز کرنیکی تاکید

تفسیر: حضرت سید المرسلین ﷺ ہجرت کے چھ سال اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے جب مکہ معظمہ قریب آیا تو مقام حدیبیہ پر مشرکین مکہ نے آپ کو روک دیا۔ اور مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ بڑی رد و کد کے بعد انہوں نے اس سال کے لئے چند شرطوں پر صلح کر لی اُن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس سال عمرہ نہیں کر سکتے آئندہ سال عمرہ کے لئے تشریف لائیں۔ اور اُس وقت مکہ معظمہ میں تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔ یہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا۔ پھر آپ آئندہ سال ماہ ذی قعدہ ہی میں عمرہ کی قضا کے لئے تشریف لائے اس زمانہ میں چار مہینوں میں قتال اور جنگ کرنا ممنوع تھا۔ اُن چار مہینوں میں ذی قعدہ کا مہینہ بھی شامل تھا۔

لباب العقول میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ مذکورہ بالا آیت اس موقع پر نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ القضاء کے لئے اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ میں تشریف لے گئے تھے حضرات صحابہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ ممکن ہے کہ قریش مکہ صلح کی شرطوں کی خلاف ورزی کر بیٹھیں اور اس مرتبہ بھی مسجد حرام تک نہ پہنچنے دیں اور جنگ پر آمادہ ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں بھی جنگ کا اقدام کرنا پڑے گا اور یہ اس مہینہ میں ہوگا جس میں جنگ کرنا حرام ہے اور ہم جوانی کا روائی نہ کریں تو مغلوب ہوں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی اور قتال کرنے کی اجازت دے دی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ تم سے قتال کرتے ہیں اُن سے قتال کرو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ زیادتی مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ شریعت اسلامیہ میں ہر چیز کی حدود ہیں۔ اصول ہیں آداب ہیں اور اخلاق عالیہ ہیں۔ قتل اور قتال کے بھی کچھ اصول ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ لَا تَغْتَلُوا کے عموم میں وہ سب باتیں داخل ہو گئیں جو جنگ کے موقع پر ممنوع ہیں مثلاً منکھ کرنا (کسی مقتول کے ناک کان کاٹ دینا صورت بگاڑ دینا) مال غنیمت میں خیانت کرنا عورتوں بچوں اور اُن بوڑھوں کو قتل کرنا جو نہ جنگ کرتے ہوں نہ جنگ کے معاملات میں کوئی رائے یا مشورہ دیتے ہوں اور مثلاً راہبوں کو قتل کرنا اور بغیر کسی مصلحت کے درختوں کو جلا نا اور حیوانات کو قتل کرنا (تفسیر ابن کثیر) صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا کسی فوجی دستہ کا کسی کو امیر بنا کر بھیجتے تو خاص کر اُس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور جو مسلمان اس کے ساتھ جا رہے ہوں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت فرماتے تھے۔ پھر فرماتے تھے کہ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو شخص اللہ کو نہ مانتا ہو اُس سے جنگ کرنا مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور غدر نہ کرنا اور کسی کا مثلہ نہ کرنا اور کسی بچہ کو قتل نہ کرنا۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ جہاد کے موقع پر ایک عورت مقتولہ پائی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا

آپ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے کی ممانعت فرمائی۔ (صحیح مسلم)

پھر فرمایا: **وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ تَقْتُلُوهُمْ**۔ (کہ اُن کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ) **وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ** (اور ان کو نکال دو جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا) یعنی تمہیں مکہ معظمہ چھوڑ کر ہجرت پر مجبور کیا۔

فتنہ گری قتل سے زیادہ سخت ہے:

اور فرمایا: **أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ** (اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے) فتنہ سے مراد شرک ہے۔ صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ صحابہ کے دلوں میں جو یہ بات آرہی تھی کہ حرم میں اُن کو کس طرح قتل کریں گے۔ جبکہ حرم کا احترام ضروری ہے۔ ان کے اس وسوسہ کا جواب دیا گیا ہے کہ جس کام میں یہ لوگ خود لگے ہوئے ہیں یعنی شرک باللہ اور وہ بھی حرم میں وہ قتل کرنے سے بہت زیادہ سخت ہے۔ لہذا تم اسکی پرواہ نہ کرو کہ حرم میں قتل و قتال واقع ہو جائے گا۔

دفاع کے لئے قتال کرنا

پھر فرمایا: **وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يَقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ** (اور اُن سے جنگ مت کرو مسجد حرام کے پاس جب تک کہ وہ تم سے اُس میں خود نہ لڑیں۔ سوا گروہ تم سے جنگ کریں تو تم ان کو قتل کر دو ایسی ہی جزا ہے کافروں کی) انہیں مسلمانوں کو ابتداء بالقتال کی ممانعت فرمائی کہ مسجد حرام کے قریب خود قتل و قتال کی ابتداء نہ کرنا جب تک کہ وہی تم سے قتال شروع نہ کریں اگر وہ حرم کی حرمت کی پاسداری ترک کر دیں تو تم بھی اُن کو قتل کر دو۔

قال صاحب الروح نفى للخرج عن القتال في الحرم الذي خاف منه المسلمون وكرهه اى ان قاتلوكم هناك فلا تبالوا بقتالهم لا نهم الدين هتكوا الحرمه وانتم فى قتالهم دافعون القتل عن انفسكم۔ اس کے بعد فرمایا: **فَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ** یعنی اگر مشرکین کفر اور شرک سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں گے تو (اہل اسلام سے قتال بھی نہ کریں گے) اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (وہ سب کی توبہ قبول فرماتا ہے)۔

قتال کب تک ہونا چاہئے

پھر فرمایا: **وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ**۔ (یعنی کافروں سے یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے) اس میں قتال کی ضرورت اور غرض و غایت بیان فرمائی ہے شرک اور کفر بدترین گناہ ہے۔ خالق و مالک کی بغاوت ہے۔ دنیا میں اسکو مٹانے کے لئے کافروں اور مشرکوں سے جنگ کرتے رہیں اور یہاں تک جنگ کریں کہ سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ (صحیح بخاری ص ۸۷ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ حکم ہوا کہ لوگوں سے اُس وقت تک قتال کرتا رہوں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کو نہ مانیں۔ جب انہوں نے اس کو کہہ لیا تو وہ مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچالیں گے۔ ہاں اگر اسلام کا قانون ان کے خونوں اور مالوں کے بارے میں جاری کرنا ضروری ہو تو وہ اور بات ہے اور اُن کا حساب اللہ پر ہے۔

(یعنی کوئی شخص اگر ظاہر اسلام قبول کرے گا تو ہم اُس کو قتل نہ کریں گے۔ آگے اس کا حساب اللہ کے سپرد ہے دل سے اسلام قبول نہ کیا ہو گا تو آخرت کے دائمی عذاب میں مبتلا ہو گا۔ دلوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ہم ظاہر کے پابند ہیں)

قتال کرنے میں کیا نیت ہو؟

آیت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ قتال کی ضرورت کفر اور شرک کو مٹانے کے لئے ہے وہاں قتال کرنے والوں کو یہ بھی بتا دیا کہ قتال اور جہاد میں یہ نیت رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہو اس کا دین بلند ہو۔ دنیا سے اس کے باغی ختم ہوں اور ھقیقۃً اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو اللہ کی بات بلند کرنے کے لئے قتال کرے ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا کہ ایک آدمی مال غنیمت کے لئے قتال کرتا ہے ایک شہرت کے لئے لڑتا ہے اور ایک اس لئے لڑتا ہے کہ لوگ اسکی بہادری کے قائل ہو جائیں سو ان میں فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ کی بات اُچھی ہو تو وہ فی سبیل اللہ لڑنے والا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۴ ج ۱) فائدہ: عرب کے مشرکوں کے لئے یہی قانون ہے کہ یا تو اسلام قبول کریں یا قتل کر دیئے جائیں ان کے علاوہ دوسرے انسانوں کے لئے جان و مال محفوظ کرنے کا یہ بھی طریقہ ہے کہ وہ جزیہ دینا منظور کر لیں وہ مسلمانوں کے ملک میں مغلوب ہو کر رہیں اور اصول شریعت کے مطابق ان سے جزیہ وصول کیا جاتا رہے۔ سورۃ برأت میں ادائے جزیہ کی صورت میں جنگ بند کر لینے کا ذکر ہے۔ یہاں چونکہ مشرکین عرب کا ذکر ہے اس لئے جزیہ کا ذکر نہیں فرمایا اور یہ بھی ممکن ہے کہ جزیہ کا قانون بعد میں نازل ہوا ہو۔

فتنوں کو دبانے کے لئے جنگ کرنا

یہ جو فرمایا: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَتُوبَ الَّذِينَ لِلَّهِ اس میں واضح طور پر فرمادیا کہ قتال فتنہ ختم کرنے کے لئے ہے۔ لفظ فتنہ عام ہے سب سے بڑا فتنہ کفر اور شرک ہے۔ اور اس کے علاوہ فتنہ و فحور کے فتنے بھی اٹھتے رہتے ہیں کبھی مسلمان بھی آپس میں لڑتے ہیں اس میں بہت سی مرتبہ واضح طور پر کسی جماعت کے بارے میں حق اور ناحق کا فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور بعض مرتبہ جنگ میں شریک ہونے پر موجودہ فتنہ میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لئے دین دار سمجھ دار آخرت کے فکر مند حضرات اس میں حصہ نہیں لیتے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں دو آدمی آئے۔ یہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ و جدال کرنے کا زمانہ تھا۔ ان دونوں نے عرض کیا کہ لوگ ضائع ہو رہے ہیں۔ اور آپ حضرت عمرؓ کے بیٹے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ آپ جنگ میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان دونوں سے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے (مسلمان) بھائی کا قتل کرنا حرام قرار دیا ہے۔ (پھر میں کیسے شرکت کروں؟ ممکن ہے مجھ سے کوئی ناحق قتل ہو جائے) اُن دونوں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً (کہ اُن سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے دشمنان دین سے یہاں تک جنگ کی کہ فتنہ باقی نہ رہا اور دین اللہ ہی کے لئے ہو گیا اور تم چاہتے ہو کہ یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ وجود میں آجائے اور دین غیر اللہ کیلئے ہو جائے (لہذا تمہاری جنگ اللہ کیلئے نہیں ہے میں اس میں کیسے شرکت کروں؟) آج کل قتل و قتال کی کثرت ہے اسلام کا دعویٰ کرنے والے افراد اور جماعتیں طرح طرح کی عصیتوں کی وجہ سے اور دشمنان دین کے ابھارنے کے باعث آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو مسلمان بے تحاشہ قتل کر ڈالتے ہیں اول تو قتل

مسلم حرام ہے اور بہت بڑا گناہ ہے جس کی سزا آخرت میں بہت سخت ہے پھر اس سے کفر اور اہل کفر کی تقویت ہوتی ہے اور دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں میں کمزوری آتی ہے۔ یہ وہی فتنہ ہے جس کے پیش نظر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قتال میں حصہ لینے سے باز رہے اور فرمایا کہ قرآن نے تو یہ فرمایا ہے کہ یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ نہ رہے اور تم اس لئے لڑتے ہو کہ فتنہ ہو۔ تمام مسلمان حضرت ابن عمرؓ کی بات کو سمجھیں اور باہمی قتل و قتال کر کے دنیا و آخرت کے عذاب اور وبال کے مستحق نہ بنیں۔

جو مشرک اسلام قبول کر لیں ان کو قتل کرنا جائز نہیں

یہ فرمایا: فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ اس میں یہ بتایا کہ کافر اور مشرک اگر اسلام قبول کر لیں تو پھر ان کا قتل کرنا جائز نہیں۔ اگر اسلام قبول کرنے کے بعد تم نے ان کو قتل کیا تو تم ظالم ہو جاؤ گے اور پھر تم گرفت اور سزا کے مستحق ہو گے کیونکہ ظالم ہی گرفت کے مستحق ہوتے ہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان پر سختی کرنے کا موقع نہ رہا۔ سختی تو ظالموں پر ہوتی ہے جو لوگ کفر و شرک پر مصر ہیں ان پر سختی کرنا درست ہے۔ مفسر بیضاوی (ص ۱۳۳) پر لکھتے ہیں۔

ای فلا تعتدوا علی المنتهین اذلا يحسن ان يظلم الا من ظلم أو أنکم ان تعرضتم للمنتهین صرتم ظالمین وینعکس الأمر علیکم اور معالم التنزیل میں ہے: ای فان اسلموا فلا نهب ولا أسر ولا قتل الا علی الظالمین الذین بقوا علی الشرک۔

لفظ عدوان کا ترجمہ زیادتی کیا گیا ہے۔ جو اس کا لفظی ترجمہ ہے تعدی اور اعتداء کا مادہ بھی یہی ہے جو لوگ اسلام قبول نہ کریں ان سے قتال کرنے کو عدوان سے جو تعبیر فرمایا ہے۔ یہ مشاکلہ ہے یعنی انہوں نے جو کفر پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اور اس طرح سے زیادتی کر رکھی ہے تم ان کو اس زیادتی کی سزا دے سکتے ہو انہوں نے زیادتی کی ہے تو تم بھی زیادتی کر سکتے ہو یعنی انکی زیادتی پر ان کو قتل کر سکتے ہو۔ مسلمانوں کی طرف سے جو ان پر قتل اور غارت گری کی صورت میں سزا ہو گی اُسے عدوان فرمایا۔ جیسے محاورات میں کہہ دیتے ہیں کہ فلاں زیادتی کرے تو تم بھی زیادتی کرو حالانکہ زیادتی کا جواب زیادتی نہیں ہوتا۔ وفي التنزيل العزيز وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (من البقرہ والبیضاوی)

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا

حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے عوض اور حرمتیں معاوضہ کی چیزیں ہیں۔ سو جو شخص تم پر کوئی زیادتی کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی

عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ١٩

کرو جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مشرکین کی زیادتی کا جواب

تفسیر: صلح کی شرطوں کے مطابق جب نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ ۷ھ میں عمرہ القضاء کے لئے تشریف لے گئے تو یہ ماہ ذی قعدہ تھا۔ مشرکین مکہ سے مسلمانوں کو خطرہ تھا کہ معاہدہ کی پاسداری نہ کریں اور حملہ کر دیں اگر انہوں نے حملہ کیا تو حرمت والے مہینہ میں اور حرم میں جنگ کرنی پڑے گی اور ایسے مکان و زمان دونوں کی حرمت میں فرق آئے

گاہِ حرم کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ وَلَا تَقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يَقُولُوا لَكُمْ فِيهِ۔ اور مہینہ کی حرمت کے بارے میں اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر جنگ کرنی پڑے تو تم جنگ کر لینا اور حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے عوض ہو جائے گا یعنی مشرکین حرمت والے مہینہ کا احترام کریں تو تم بھی احترام کرو اور خود سے جنگ نہ کرو وہ بے حرمتی کر بیٹھیں تو تم بھی جوابی کارروائی کرو۔ اور یہ جو فرمایا وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ حرمت عوض اور معاوضہ کی چیزیں ہیں جو لوگ تمہارے ساتھ ان حرمتوں کی رعایت کریں تم بھی انکی رعایت کرو جس ذات پاک نے حرم اور ماہِ حرام میں جنگ کرنے کو حرام قرار دیا اسی کی طرف سے جواب کارروائی کرنے اور دفاع کرنے کی اجازت مل گئی تو اب حیرانی پریشانی کا کوئی موقع نہ رہا۔

پھر فرمایا: لَمَنْ اِغْتَضَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا غَتَضَى عَلَيْكُمْ (یعنی جو شخص تم پر زیادتی کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے) جس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (یعنی عمرہ القضاء جس میں دشمنوں کے حملے کا خطرہ تھا)۔ اس کے بارے میں بتا دیا کہ زیادتی کرنے والے پر اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو جتنی وہ زیادتی کرے آیت کا نزول اگرچہ خاص موقع پر تھا لیکن الفاظ کے عموم میں مستقل قانون بتا دیا کہ زیادتی کا جواب بقدر زیادتی ہی دے سکتے ہو اور جتنی زیادتی کسی نے کی ہو اس سے اُسی قدر بدلہ لے سکتے ہو اگر اس سے زیادہ کچھ کیا تو پھر تم زیادتی کرنے والے ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے

آخر میں فرمایا: وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (یعنی بدلہ لینے میں اور ہر موقع پر گناہ سے بچو اور اللہ سے ڈرو۔ جس چیز کی اجازت نہیں اُسے نہ کرو اور یہ بھی سمجھ لو کہ تقویٰ اختیار کر نیوالوں کا بہت بڑا مقام ہے) اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ اگر کسی موقع پر نفس کے ابھار کی وجہ سے زیادتی کرنے کا تقاضا ہوا اور شرعی ممانعت کی وجہ سے اس سے پرہیز کیا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کا بدلہ دیں گے۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں اور خوبی کے ساتھ کام کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۰﴾

خوبی کے ساتھ کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے

اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت

تفسیر: مستدرک حاکم (ص ۲۷۵ ج ۳) میں ابو عمران سے روایت نقل کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم قسطنطنیہ میں تھے اور امیر المومنین کی طرف سے مصر پر عقبہ بن عامر جہمی اور شام پر فضالہ عامل تھے رومیوں کی ایک بہت بڑی صف (جنگ کرنے کے لئے) سامنے آئی۔ مسلمانوں نے بھی انکے سامنے بہت بڑی صف بنائی ایک مسلمان نے رومیوں کی صف پر حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ اُن میں گھس گئے پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر وہاں سے نکلے۔ لوگ کہنے لگے کہ اس نے تو

اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں ڈال دیا اس پر حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم اس آیت کا مطلب غلط لیتے ہو (اس کا یہ مطلب نہیں کہ دشمنوں سے قتال نہ کرو اور ان پر حملہ آور نہ ہو) یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ دے دیا اور اس کے مددگار بہت ہو گئے تو بعض انصار نے یوں کہا کہ ہمارے مال ضائع ہو گئے۔ لہذا اب اگر ہم مالوں کی دیکھ بھال کے لئے گھروں میں مقیم رہیں (تو شاید کچھ حرج نہ ہو) اللہ تعالیٰ شانہ نے ہمارے ارادوں کی تردید فرمائی اور آیت کریمہ وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (الآیہ) نازل فرمائی۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ مالوں کی دیکھ بھال کے لئے گھروں میں بیٹھنے میں ہلاکت ہے۔ پس ہم کو جہاد کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابو یوب موت آنے تک برابر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے سنن ترمذی کتاب التفسیر (تفسیر سورۃ البقرہ) میں بھی یہ واقعہ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مروی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: فلو اقمنا فی اموالنا واصلحنا ما ضاع منها۔ (کہ اگر ہم اپنے مالوں میں قیام کرتے اور ان میں جو خرابی و خشکی آگئی ہے اُسے ٹھیک کر لیتے تو اچھا تھا) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس سے واضح ہوا کہ ہلاکت مالوں کی دیکھ بھال اور ان کی اصلاح کے لئے گھروں میں مقیم ہونے اور جہاد چھوڑنے میں ہے۔ آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ کافروں کے ساتھ جہاد کرتے رہنے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے رہنے میں اسلام اور مسلمان کی عزت اور غلبہ ہے اور اس کو چھوڑنے میں ہلاکت ہے۔

جہاد کی اہمیت اور ضرورت

درحقیقت جہاد بہت بڑی چیز ہے اس میں بہت بڑی عزت ہے اس سے اللہ کی مدد آتی ہے اور اسلام اور مسلمان کا غلبہ رہتا ہے۔ تاریخ الخلفاء (ص ۸۷) میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مرویات میں بحوالہ طبرانی (فی المعجم الاوسط) حدیث نقل کی ہے: ما ترک قوم الجہاد الا عمهم اللہ بالعذاب (جس قوم نے جہاد کو چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالیٰ عام عذاب بھیج دیں گے) جب سے مسلمانوں نے فی سبیل اللہ جہاد کرنا چھوڑ دیا ہے اسکی وجہ سے عمومی عذاب بھی دیکھ رہے ہیں۔ مسلمان جہاد کی طرف متوجہ نہیں یا تو آپس میں لڑتے ہیں یا دشمن کی شہ پر جنگ کرتے ہیں اور جنگ میں بھی وطن یا زبان کی عصمتیں پیش نظر ہوتی ہیں اللہ کی رضا کے لئے اور اللہ کی بات اُپنی کرنے کے لئے جنگ کرنے کا دھیان بھی نہیں ہوتا۔ لامحالہ دشمن پیٹ دیتا ہے۔ اور جب ایک دشمن دوسرے دشمن کو مسلمان کا ملک دلواتا ہے تو اُسی کے پاس فریاد لے کر چلے جاتے ہیں اور اُسی کے فیصلوں پر راضی ہو جاتے ہیں اس طرح ہلاکت میں پڑ رہے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جو جان و مال خرچ کرنے کا حکم ہے مسلمانوں کا کوئی ملک اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔ فالی اللہ المُشْتَکِی وَهُوَ الْمُسْتَعَان۔

یہ جو فرمایا: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ اسکی تفسیر تو وہی ہے جو شان نزول سے معلوم ہوئی اور حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی لیکن مفسرین نے اس کا مصداق بناتے ہوئے اور بھی کئی چیزیں ذکر کی ہیں اور الفاظ کے عموم کے اعتبار سے بہت سی صورتیں اس میں شامل ہیں۔ مال کے خرچ کرنے میں اسراف کرنا حلال ذریعہ معاش کو ضائع کرنا۔ خودکشی کرنا۔ قصداً و عمدہ ایسے کام کرنا جس میں ہلاکت ہو۔ جن مواقع میں مال خرچ کرنا فرض یا واجب ہے وہاں خرچ کرنے سے جان چرانا۔ گناہوں میں مبتلا رہنا تو بہ نہ کرنا۔ اور اس طرح کی بہت سی صورتیں ہیں جو جان کو ہلاکت میں ڈالنے کے ذیل میں آتی ہیں وہ سب ممنوع ہیں۔

صفت احسان اختیار کرنے کا حکم

آیت کے آخر میں فرمایا: **وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ** لفظ **أَحْسِنُوا** باب افعال سے امر کا صیغہ ہے۔ اور احسان حسن سے ماخوذ ہے۔ حسن خوبی اور اچھائی کو کہتے ہیں اور احسان کسی کام کو عمدہ طریقے پر انجام دینے کو کہا جاتا ہے۔ جو کام کئے جائیں۔ اُن کی شرائط اور آداب کا خیال رکھا جائے۔ تاکہ اُن میں صفت احسان پیدا ہو جائے اور خوبی کے ساتھ انجام دینا صادق آجائے۔ حدیث جبریل میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت سرور عالم ﷺ سے جب سوال کیا کہ احسان کیا چیز ہے تو آپ نے عبادت کا احسان بتا دیا اور فرمایا: ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراک (احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا اُسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے) زکوٰۃ کو صفت احسان کے ساتھ ادا کریں دکھاوا مقصود نہ ہو۔ روئی مال نہ دیں۔ جس کو دیں اُس پر احسان نہ دھریں۔ خوش دلی کے ساتھ دیں۔ پوری زکوٰۃ نکالیں۔ حج میں جنایات نہ کریں۔ جنگ و جدال سے پرہیز کریں۔ حج کر کے نام کرنا مقصود نہ ہو۔ روزہ رکھیں۔ غیبت اور سب و شتم سے روزہ کی حفاظت کریں یہ سب صفت احسان میں شامل ہے انسانی ضرورت کے لئے جانوروں کے ذبح کرنے کی اجازت دی گئی لیکن اس میں بھی صفت احسان ملحوظ رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بارے میں خوبی اختیار کرنے کا حکم فرمایا سو جب تم (کسی کو شریعت کی اجازت سے) قتل کرو تو قتل کرنے میں خوبی کو اختیار کرو (مثلاً ہاتھ پاؤں نہ کاٹ دو۔ چہرہ نہ بگاڑ دو) اور جب تم ذبح کرنے لگو تو خوبی کے ساتھ ذبح کرو اپنی چھری کو تیز کر لو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔ (صحیح مسلم)

وَاسْتَوْصُوا الصَّخْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَخْلَقُوا

اور پورا کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے۔ پس اگر تم کو روک دیا جائے تو قربانی کا جانور جو میسر ہو ذبح کر دو اور اپنے

رءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّنْ

سروں کو اس وقت تک نہ موٹو جب تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے۔ سو جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس کے

رَأْسُهُ فَفِذْهُ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ

سر میں تکلیف ہو تو ندیدہ روزوں سے یا صدقے سے یا قربانی کے جانور سے

حج اور عمرہ کے احکام

تفسیر: جہاد کا حکم بیان فرمانے کے بعد اب حج اور عمرہ کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔ جو شخص مکہ معظمہ تک سواری پر آ جاسکتا ہو اور سفر کے اخراجات اس کے پاس ہوں اور بال بچوں کے لئے ضروری اخراجات بھی موجود ہوں اس پر حج کرنا فرض ہے اور حج زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے اس سے زیادہ جو کوئی شخص حج کرے گا تو وہ نفل ہوگا۔ حج کے احکام آٹھ ذوالحجہ سے شروع ہوتے ہیں۔ اور بارہ۔ تیرہ ذوالحجہ تک ختم ہو جاتے ہیں۔ البتہ طواف وداع اس وقت ہوگا جب مکہ

مغظمہ سے واپس آنے لگیں اگرچہ اس سے پہلے بھی جائز ہے (بشرطیکہ اس سے پہلے طواف زیارت کر چکا ہو) چونکہ افعال حج کے لئے ایام مقرر ہیں۔ اس لئے حج میں یہ بات نہیں ہے کہ جب چاہے کر لیں۔ اور عمرہ پورے سال میں جس وقت چاہے کر سکتا ہے اسکی کوئی تاریخ مقرر نہیں البتہ ایام حج میں یعنی ۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ ذوالحجہ کو عمرہ کرنا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے (کیونکہ یہ ایام حج کی مشغولیت کے ہیں) عمرہ زندگی میں ایک مرتبہ کر لینا سنت ہے اگر کسی کو مقدر ہو تو عمرہ کی فضیلت سے محروم نہ ہو۔ عمرہ میں احرام اور طواف دو چیزیں فرض ہیں اور صفا مروہ کی سعی اور حلق یا قصر (سر منڈانا یا کاٹنا) جس سے احرام سے نکل جائے یہ دونوں چیزیں واجب ہیں حج اور عمرہ دونوں کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیان گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور (جس میں گناہ نہ کئے ہوں) اسکی جزا جنت ہی ہے (صحیح بخاری) اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے اللہ کے لئے حج کیا اور ایسی باتیں نہ کیں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتی ہیں اور گناہ نہ کئے وہ (حج سے) ایسا واپس ہوگا جیسا کہ اس دن (بے گناہ) تھا جس دن اسکی ماں نے اسے جنا تھا۔ (صحیح بخاری)۔ اور رمضان المبارک میں عمرہ (ثواب میں) حج کے برابر ہے (صحیح بخاری ص ۲۳۹ ج ۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج و عمرہ کے درمیان متابعت کرو (کہ ایک کے بعد دوسرے کو ادا کرو) کیونکہ وہ دونوں تنگدستی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی سونے چاندی اور لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

جو لوگ حج کے لئے جاتے ہیں وہ حج سے پہلے یا حج کے بعد عمرہ کر ہی لیتے ہیں لیکن جو لوگ غیر ایام حج میں مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کر کے چلے آتے ہیں اور پھر زندگی بھر حج فرض کیلئے نہیں جاتے وہ لوگ ترک حج کر کے گنہگار ہوتے ہیں جس کی وعید بہت شدید ہے۔

حج نہ کرنے پر وعید

مکہ معظمہ پہنچنے کی قدرت ہوتے ہوئے حج کئے بغیر مرجانا سخت گناہ ہے حدیث شریف میں ہے کہ جسے مجبوری نے یا ظالم بادشاہ نے یا روکنے والے مرض نے حج سے نہ روکا اور مر گیا اور حج نہ کیا تو چاہے تو یہودی ہونے کی حالت میں مرجائے یا نصرانی ہونے کی حالت میں مرجائے۔ (مشکوٰۃ عن الدارمی)

حج اور عمرہ احرام کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ حج یا عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ (یعنی لیبیک اللہم لیبیک اخیر تک) پڑھنے سے احرام میں داخل ہو جاتا ہے منوعات اور مخطورات دونوں احراموں کے ایک ہی ہیں۔ ان کی خلاف ورزی پر بعض صورتوں میں دم (یعنی حرم مکہ میں ایک سال کی بکری یا بکرا ذبح کرنا) اور بعض صورتوں میں صدقہ (بقدر صدقہ فطر) واجب ہوتا ہے۔

احرام کے منوعات

احرام کے منوعات یہ ہیں (۱) خوشبو استعمال کرنا۔ (۲) جسم سے بال دور کرنا۔ (۳) ناخن کاٹنا۔ (۴) خشکی کا شکار کرنا (۵) میاں بیوی والے خاص تعلق کو کام میں لانا اور شہوت کے کام کرنا (۶) مرد کو ایسا کپڑا پہننا جو پورے بدن یا کسی ایک عضو کی ہیئت اور ساخت پر سی کر یا بن کر یا چپکا کر تیار کیا گیا ہو (۷) مرد کو سر یا چہرہ کو کپڑا لگانا اور عورت کو چہرہ پر کپڑا لگانا (اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کے لئے چہرہ سے ہٹا کر چادر وغیرہ لٹکانے پردہ احرام میں بھی لازم ہے)

ان چیزوں کی خلاف ورزی کرنے پر جو دم یا صدقہ واجب ہوتا ہے اسکی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں اور حج کی معتبر کتابوں میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ مرض کی مجبوری سے اگر بال دور کرے یا ناخن کاٹے یا مردسلا ہوا کپڑا پہنے یا سر ڈھانکے یا چہرہ ڈھانکے یا عورت چہرہ ڈھانکے تو اُس کے لئے رعایت ہے جو بھی عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگی۔ جب حج یا عمرہ کے احرام سے نکلنے کا شرعاً موقعہ آجائے اس وقت بال مونڈ کر یا بال کاٹ کر احرام سے نکل جائے۔ اس وقت سے پہلے بالوں کے مونڈنے پر تراشنے سے جزا لازم ہوگی۔ عورتوں کو احرام سے نکلنے کے لئے سر مونڈنا حرام ہے۔ وہ پورے سر کے بال بقدر ایک پورے کے کاٹ کر احرام سے نکل جائے۔ اگر کسی مرد نے بقدر ایک پورے کے چوتھائی سر کے بال کاٹ دیئے یا عورت نے چوتھائی سر کے بال اپنی چوٹی سے بقدر ایک پورے کے کاٹ دیئے تو احرام سے نکل جائیں گے بشرطیکہ احرام سے نکلنے کا وقت ہو چکا ہو۔

احصار کے احکام

اگر کسی مرد یا عورت نے حج یا عمرہ کا احرام باند لیا اور کسی مرض یا دشمن یا درندہ کی وجہ سے آگے بڑھنے سے روک دیا گیا کہ حج کا احرام والا نہ عرفات جاسکتا ہے نہ طواف کر سکتا ہے۔ اور عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد طواف سے روک دیا گیا تو اس کو احصار کہتے ہیں اور جس محرم کو روک دیا گیا ہو اُسے محصر کہتے ہیں۔ محصر اگر انتظار نہیں کر سکتا اور احرام سے نکلنا چاہتا ہے تو وہ حدود حرم میں ایک سال کی بکری ذبح کر دے ایسا کرنے سے احرام سے نکل جائے گا۔ اور اس کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جائیں گی اگر حدود حرم میں خود موجود نہیں ہے تو جس جگہ بھی ہے وہاں سے کم از کم ایک سال کی بکری یا بکریا اُس کی قیمت بھیج دے اور جس کے ذریعہ بھیجے اُس سے وقت مقرر کر لے کہ فلاں دن فلاں وقت ذبح کر دے۔ جب وہ وقت آجائے اور غالب گمان ہو جائے کہ اب جانور ذبح ہو چکا ہوگا تو احرام سے نکل جائے۔ اب اگر اُن کاموں میں سے کوئی کام کرے گا جو احرام کی وجہ سے ممنوع تھے تو جزا لازم نہ ہوگی اور صرف جانور ذبح ہو جانے سے احرام سے نکل جائیگا مگر بہتر یہ ہے کہ مرد محصر ہو تو سر بھی منڈا دے۔ اگر کوئی شخص قارن تھا یعنی اُس نے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا تھا تو وہ حدود حرم میں دو جانور ذبح کرائے۔ جب یہ دونوں جانور ذبح ہو جائیں گے تو وہ دونوں احراموں سے نکل جائے گا۔

حج و عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد پورا کرنا لازم ہے

اس ساری تفصیل کو سامنے رکھ کر اب آیت کی تفسیر غور سے پڑھئے۔ اول تو یہ فرمایا: **وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰہِ**۔ (کہ حج و عمرہ کو پورا کرو اللہ کے لئے) اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی کوئی مرد یا عورت حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے تو اب احرام کے کپڑے اتار دینے سے یا نیت بدل دینے سے احرام سے نہ نکلے گا اور حج یا عمرہ پورا کرنا ہی ہوگا۔ حج فرض ہو یا نفل عمرہ سنت ہو یا نفل اپنا حج ہو یا حج بدل۔ بہر حال پورا کرنا ہی لازم ہے۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ حج یا عمرہ کا احرام تو باندھ لیا لیکن احصار ہو گیا کسی دشمن یا مرض کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور احرام میں رہنے میں دقت ہے اور جلد حلال ہونا چاہتا ہے تو حرم میں قربانی کا جانور ذبح کر دے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔ حرم میں جانور ذبح کرائے بغیر احرام سے نہیں نکل سکتا۔ اسی کو فرمایا: **فَإِنْ أَحْصَرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ** کہ اگر تم روک دیئے جاؤ تو جو جانور میسر ہو ذبح کر دو۔ یا دوسرے سے ذبح کر دو! آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب ۷ھ میں عمرہ کرنے کیلئے اپنے صحابہ کیساتھ تشریف لے

گئے تھے اور دشمنوں نے مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ جانور ذبح کر کے احرام سے نکل گئے تھے۔ یہ مقام حدیبیہ کا قصہ ہے جو مکہ معظمہ سے دس میل ہے اور جدہ کے پرانے راستہ پر ہے۔ آج کل اس کو شمسیت کہتے ہیں۔ یہ جو فرمایا: وَلَا تَحْلِفُوا رُؤُسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ (اور اپنے سروں کو مت مونڈو یہاں تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پہنچ جائے) جگہ سے مراد حرم ہے اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ احصار کا جانور حرم میں ذبح کیا جائے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ احرام میں سر مونڈنا ممنوع ہے۔

سنن ترمذی (باب ماجاء فی الذی یھل بالحج فیکسر او یعرج) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا کوئی عضو ٹٹ گیا یا لنگڑا ہو گیا تو اس کو حلال ہونے کی اجازت ہے اور اس پر آئندہ ایک حج کرنا لازم ہے (وقال الترمذی ہذا حدیث حسن واخرجه الحاكم فی المستدرک وقال صحیح علی شرط الشیخین وافرہ الذہبی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مختصر قربانی کا جانور ذبح کر کر حلال ہو جائے تو اس کے ذمہ قضاء بھی لازم ہوتی ہے۔

احصار زائل ہو جانے کے بعد:

اگر کسی شخص نے حج کا احرام باندھا تھا اور احصار ہو جانے کی وجہ سے حرم میں جانور ذبح کر کے حلال ہو گیا پھر احصار دور ہو گیا اور ابھی اسی سال حج کا وقت باقی ہے لہذا اس نے دوبارہ احرام باندھ کر اسی سال حج کر لیا تو حج ادا ہو گیا۔ اور اب اسکی قضاء واجب نہیں (المحصر بالحج اذا تحلل ثم زال الاحصار عنه وحج من عامہ فلیس علیہ نیۃ القضاء ولا عمرۃ علیہ) اور اگر اسی سال حج نہ کر سکا تو حج کی قضاء واجب ہے آئندہ سال یا جب بھی موقع ہو قضا کی نیت سے حج کرے اور اس کے ساتھ ایک عمرہ کرنا بھی واجب ہوگا اگر قارن تھا اور اسی سال احرام کے مطابق حج و عمرہ نہ کر سکا تو اس پر قضا میں ایک حج اور دو عمرے واجب ہوں گے۔

مسئلہ: اگر حج فرض کے احرام میں احصار ہوا تھا۔ اور حرم میں قربانی کر کر احرام سے نکل گیا تھا تو جب بھی حج کرے قضا کی نیت واجب نہیں خواہ اسی سال حج کرے یا اس کے بعد۔

مسئلہ: ہر مختصر پر قضا واجب ہے خواہ حج فرض ہو یا نفل اپنا حج ہو یا حج بدل اگر عمرہ کے احرام میں احصار ہوا تھا تو اسکی قضا بھی واجب ہے۔ اور اس پر صرف ایک ہی عمرہ کی قضا لازم ہے۔ جب چاہے عمرہ کر سکتا ہے۔ عمرہ کے ساتھ دوسرا عمرہ کرنا واجب نہیں (جبکہ حج قضا کرنے کی صورت میں اس کے ساتھ ایک عمرہ کرنا بھی واجب ہے)

فائت الحج کا حکم: اگر کسی شخص کو احصار ہو گیا اور وہ حرم میں قربانی کر کے احرام سے نہ نکلا حتیٰ کہ حج کے دن گزر گئے یعنی احرام باندھنے کے بعد نود و الحج کو زوال سے لیکر صبح صادق ہونے تک عرفات میں نہ پہنچ سکا تو اس کا حج فوت ہو گیا اور یہ شخص فائت الحج ہو گیا۔ جب حج فوت ہو جائے۔ عذر سے یا بلا عذر تو اسی احرام سے عمرہ کے افعال ادا کر کے یعنی طواف اور سعی کر کے بال مونڈا کر احرام سے نکل جائے پھر آئندہ سال یا جب موقع مل جائے اس حج کی قضا کر لے۔ اس قضا کے ساتھ عمرہ کرنا لازم نہیں۔

مسئلہ: عمرہ میں احصار تو ہو سکتا ہے لیکن عمرہ فوت نہیں ہوتا۔ عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد جتنے دن بھی گزر جائیں جب بھی عمرہ کرے گا ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ پورے سال میں ادا ہو سکتا ہے۔ اگر عمرہ کے احرام کے بعد مختصر ہو گیا اور ابھی قربانی کر کے احرام سے نہیں نکلا تھا کہ احصار زائل ہو گیا تو اب جا کر عمرہ کر لے۔

عذر کی وجہ سے ارتکاب جنایت کا حکم

اگر کسی نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا اور وہ سر منڈانے پر رکھ کر تکلیف کی وجہ سے مجبور ہو گیا۔ مثلاً سر میں جوئیں زیادہ پڑ گئیں یا پورے سر یا آدھے سر میں درد ہو جائے تو ایسے شخص کو اختیار ہے کہ سر منڈا دے اور چونکہ یہ احرام پر جنایت ہوگی اس لئے یا تو حرم میں ایک سال کی بکری ذبح کر دے یا تین صاع گیہوں چھ مسکینوں کو دے دے۔ ہر مسکین کو آدھا صاع دے (آدھا صاع صدقہ فطر کے برابر ہوتا ہے) کیا تین روزے رکھ لے گا مردانہ ہو تب بھی اختیار ہے کہ ان تینوں کاموں میں سے جو صورت چاہے اختیار کرے۔

آیت شریفہ میں یہ جو فرمایا ہے۔ **فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ** (یعنی جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دے دے روزوں سے یا صدقے سے یا قربانی کے جانور سے) اس میں یہی مسئلہ بیان کیا ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام حدیبیہ میں میرے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت میرے سر سے جوئیں گر رہی تھیں آپ نے فرمایا کیا یہ جانور تجھے تکلیف دے رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا کہ سر موٹلو۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنا سر موٹ لو اور تین دن کے روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا دے دو یا ایک بکری ذبح کر دو۔ تیسرے روایت میں اسکی تصریح ہے کہ ہر مسکین کو آدھا صاع دے دینا۔ یہ سب روایات صحیح بخاری میں مذکور ہیں۔ آیت شریفہ میں جو **فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ**۔ وارد ہوا ہے اسکی تفسیر حدیث شریف سے معلوم ہوگی۔

مسئلہ: مرض کی معذوری اور سر میں تکلیف ہونے کی مجبوری سے سر منڈانے کا فدیہ اوپر مذکور ہوا اگر کوئی شخص احرام میں ہو اور رخت بجا یا سخت سردی یا سخت گرمی میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے سلا ہوا کپڑا پہن لے اور بقدر ایک دن یا ایک رات کے پہنے یا بقدر ایک دن ایک رات کے سر یا چہرہ ڈھانک لے یا علاج کی مجبوری سے زخم پر خوشبودار دوا استعمال کر لے تو اس صورت میں ایک دم واجب ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ عذر کی وجہ سے جنایت کا ارتکاب کیا ہے اس لئے مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ اگر بلا عذر ان جنایات کا ارتکاب کرے تو دم ہی دینا لازم ہے۔

مسئلہ: اگر بیماری کی مجبوری کی وجہ سے کوئی ایسا کام کیا جسے بلا عذر کرنے میں صدقہ واجب ہوتا ہے مثلاً ایک دن یا ایک رات سے کم سلا ہوا کپڑا پہنا تو اس صورت میں اختیار ہے کہ ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں دے دے یا اس کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔

فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

پھر جب تم امن کی حالت میں ہو سو جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع ہو تو قربانی کا جانور جو میسر ہو ذبح کر دے سو جو شخص نہ پائے

فَصِيَامٌ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ

تو تین دن کے روزے ہیں حج میں اور سات دن کے روزے ہیں جب تم لوٹ آؤ۔ یہ پورے دس روزے ہیں۔ یہ اس کے لئے ہے

لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۰﴾

جس کے گھر والے مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے

تمتع اور قرآن کا بیان

تفسیر: جو شخص صرف حج سے پہلے کوئی عمرہ نہ کرے اس کا حج، حج افراد ہوگا۔ اور جو شخص حج سے پہلے حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اور پھر اسی سال حج بھی کرے اسکی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر جائے پھر عمرہ کرنے کے بعد سر موٹ کر یا قصر کر کے احرام سے نکل جائے اور ایام حج کا انتظار کرتا رہے پھر ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو مکہ معظمہ سے حج کا احرام باندھ لے اور حج کے سب کام پورے کر لے جیسا کہ حج افراد والا کرتا ہے۔ اسکو فقہاء کی اصطلاح میں حج تمتع کہا جاتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھے اس کے بعد مکہ معظمہ آ کر عمرہ کر لے پھر حلق یا قصر کے بغیر احرام ہی میں رہے اور ایام حج میں حج کرے اور دس تاریخ کو جمرہ کبریٰ کی رمی کرنے کے بعد حلق یا قصر کر کے احرام سے نکل جائے۔ اس کو فقہاء کی اصطلاح میں قرآن کہا جاتا ہے جو صرف حج کرے وہ مفرد ہے اور جو شخص حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنے کی پہلی صورت اختیار کرے وہ تمتع ہے اور جو شخص دوسری صورت اختیار کرے وہ قارن ہے۔

تمتع اور قارن پر قربانی واجب ہے

تمتع اور قارن پر جمرہ کبریٰ کی رمی کرنے کے بعد حلق یا قصر سے پہلے قربانی کرنا بھی واجب ہے اس کو دم شکر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ دونوں عبادتیں جمع کرنے کی سعادت نصیب فرمائی اسی کو فرمایا: فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع ہوا ہو جو قربانی کا جانور میسر ہو ذبح کر دے) قربانی حرم ہی میں ہونا ضروری ہے منیٰ میں ہونا افضل ہے۔ اور بارہویں تاریخ کا سورج چھپنے سے پہلے پہلے قربانی کر دینا واجب ہے۔ تمتع اور قارن جب تک قربانی نہیں کرے گا اس وقت تک حلق یا قصر کرنا جائز نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جو لفظ تمتع فرمایا ہے یہ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے اصطلاحی تمتع اور قرآن دونوں کو شامل ہے تمتع اور قرآن کی قربانی میں ایک سال کا بکریا بکری یا پانچ سالہ اونٹ یا دو سالہ گائے کا ساتواں حصہ بھی کافی ہو سکتا ہے بشرطیکہ تمام شرکاء کی نیت ثواب کی ہو۔

تمتع اور قرآن کی قربانی کا بدل

اگر کسی تمتع یا قارن کے پاس قربانی کا جانور نہیں اور پیسے بھی نہیں تاکہ جانور خرید کر قربانی کرے تو اس کے لئے یہ آسانی ہے کہ عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے پہلے پہلے تین روزے رکھ لے چاہے متفرق طور پر رکھے چاہے متواتر (لگاتار) رکھے۔ مگر لگاتار رکھنا مستحب ہے۔ اور افضل ہے کہ ذوالحجہ کی ساتویں آٹھویں اور نویں کو رکھ لے اور اگر اندیشہ ہو کہ نویں کا روزہ رکھنے سے وقوف عرفات کے موقع پر ضعف ہو جائے گا تو اس سے پہلے ہی تینوں روزے رکھ کر فارغ ہو جائے۔ تین روزے تو یہ ہوئے جو حج سے پہلے رکھ لئے اور سات روزے تیرہویں تاریخ کے بعد رکھ لے۔ خواہ مکہ مکرمہ ہی میں مقیم ہو خواہ اپنے گھر یا اور کسی جگہ چلا گیا ہو۔ ان روزوں کو بھی متفرق طور پر رکھ سکتا ہے اور

لگا تار کھنا افضل ہے۔ یہ کل دس روزے ہو گئے جو قربانی کا بدل ہیں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ۔

مسئلہ: اگر کسی نے دس ذوالحجہ سے پہلے تین روزے نہ رکھے اور نویں تاریخ گزر گئی تو اب روزے رکھنے سے متمتع اور قرآن کی قربانی کا بدل نہیں ہو سکتا بلکہ اب قربانی ہی کرنا متعین ہو گیا۔ اگر قربانی کرنے پر قدرت نہیں ہے تو حلق یا قصر کر اگر حلال ہو جائے پھر اگر بارہ تاریخ کے اندر قربانی کرنے پر قادر ہو گیا تو قربانی کر دے اور ایک دم ذبح سے پہلے حلق یا قصر کرنے کا دے اور اگر بارہ تاریخ کے بعد قربانی پر قادر ہو تو تین دم دینے ہوں گے۔ ایک دم شکر (یعنی تمتع یا قرآن کی قربانی) اور ایک ذبح سے پہلے حلق یا قصر کرنے کا اور ایک ایام نحر سے ذبح کو مؤخر کرنے کا۔

مسئلہ: تمتع کی ایک صورت یہ ہے کہ محرم اپنے ساتھ قربانی کا جانور بھی لایا ہو ایسے محرم کو سائق الہدی کہتے ہیں۔ جو متمتع سائق الہدی ہو مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کر لے لیکن حلق اور قصر نہ کرے ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ آنے تک احرام ہی میں رہے پھر آٹھ تاریخ کوچ کا احرام باندھ لے اور حج افراد کرنے والوں کی طرح حج کرے اور دسویں تاریخ کو جمرہ کبریٰ کی رمی اور ذبح کے بعد حلق یا قصر کر کے دونوں احراموں سے ایک ساتھ نکل جائے۔

مسئلہ: جو شخص مفرد ہو اس پر حج کی قربانی واجب نہیں ہے۔ بلکہ مستحب ہے کہ وہ قربانی کر دے۔ اگر قربانی کرے تو افضل یہ ہے کہ اذی الحجہ کو جمرہ کبریٰ کی رمی کے بعد پہلے ذبح کرے پھر حلق یا قصر کرے البتہ رمی سے پہلے حلق یا قصر جائز نہیں ہے۔ اگر مفرد نے قربانی سے پہلے حلق یا قصر کر دیا تو افضل کے خلاف ہوگا۔

مسئلہ: دم قرآن یا تمتع کی قربانی عید الاضحیٰ کی قربانی کے قائم مقام نہیں ہے۔ عید الاضحیٰ کی قربانی مقیم پر واجب ہے مسافر پر واجب نہیں۔ جو لوگ مکہ مکرمہ میں حج سے پہلے پہنچ کر پندرہ روزہ قیام کرنے کی نیت کر چکے ہیں اُن پر عید الاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے مگر اس کے لئے حرم میں ہونا شرط نہیں۔ وطن میں بھی خط پہنچ کر یا پہلے سے کہہ کر کرائی جاسکتی ہے۔ پھر فرمایا: ذَلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (یہ اس کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں) اس میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ ذلک کا مشار الیہ کیا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے یہ اشارہ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ کی طرف ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اشارہ جمع بین النسکین کی طرف ہے جو مَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ۔ میں مذکور ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا ہے کہ تمتع اور قرآن اُن لوگوں کے لئے جائز نہیں ہے جو مکہ معظمہ میں یا حرم میں یا حل میں رہتے ہیں بلکہ جو شخص مکہ مکرمہ میں اس وقت موجود ہو جب عید کا چاند ہوا تو اس کے لئے بھی تمتع اور قرآن جائز نہیں ہے ہاں اگر یہ لوگ حج کے مہینوں سے پہلے میقات سے باہر کہیں چلے جائیں پھر اشہر حج میں احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آئیں تو قرآن اور تمتع کر سکتے ہیں۔

آخر میں فرمایا: وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ کہ اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے چونکہ ہر کام اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اللہ کا خوف دل میں ہو اس لئے بار بار تقویٰ کا حکم دیا جاتا ہے حج کے متعدد احکام بیان فرما کر یہاں بھی وَاتَّقُوا اللَّهَ فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ شدید العقاب ہے۔ تا فرمائی پر عذاب ہونے کا قانون ہے۔ لہذا ہر تافرمانی سے بچو۔

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفْثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي

حج کا وقت چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں سو جس شخص نے ان میں حج کو اپنے ذمہ لازم کر لیا تو نہ کوئی بخش بات ہے نہ فسوق ہے نہ کسی قسم کا

الْحَجَّ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا

جگڑا ہے۔ اور جو بھی کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے اور زادِ راہ ساتھ لے لیا کرو چونکہ بہتر زادِ راہ بچا رہنا ہے اور اسے

يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ﴿۱۰﴾

عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو

حج کے مہینوں کا تذکرہ اور حج کے بعض احکام

تفسیر: حج کا وقت چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حج کے چند مہینے اللہ پاک کی طرف سے مقرر ہیں جو معروف و مشہور مہینے ہیں۔ ان میں ماہِ شوال اور ماہِ ذیقعدہ اور شروع کے دس دن ذوالحجہ کے ہیں افعالِ حج تو ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ سے شروع ہوتے ہیں لیکن شوال اور ذیقعدہ کو حج کے مہینوں میں اس لئے شمار کیا گیا کہ ان میں اگر کوئی شخص عمرہ کرے اور اس کے بعد اسی سال حج بھی کرے تو وہ عمرہ مل کر حج تمتع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے قربانی واجب ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص شوال سے پہلے عمرہ کرے تو وہ عمرہ مفردہ ہوگا اور اس کی وجہ سے حج تمتع نہ بنے گا۔ اسی طرح اگر کسی کو تمتع یا قرآن کی قربانی کے عوض روزے رکھنے ہیں تو وہ حج کے کسی بھی مہینہ میں عمرہ کے احرام کے بعد تین روزے رکھ سکتا ہے جو ہدی کے عوض حج سے پہلے رکھے جاتے ہیں اگر کوئی شخص حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لے تو احرام تو منعقد ہو جائے گا لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ یہ سب احکام اس پر متفرع ہیں کہ حج کے مہینے شوال کا چاند یکھنے سے شروع ہو جاتے ہیں۔ حج اُن لوگوں پر فرض ہے جو حج کی استطاعت رکھتے ہوں اور جب حج کی استطاعت ہو جائے تو حج کرنے میں جلدی کرنی چاہئے۔ لیکن اگر کسی نے دیر لگائی اور زندگی بھر میں کبھی بھی حج کر لیا تو وہ حج ادا ہی ہوگا۔ فرض ہوتے ہی پہلے سال نہ کرنے سے یہ نہ کہا جائے گا کہ حج قضا ہو گیا۔ جب کسی سال حج کا احرام باندھ لیا تو احرام باندھنے والے نے اپنے ذمہ حج کرنا فرض کر لیا اب حج کرنا ہی ہوگا اور بغیر حج کئے احرام سے نہیں نکل سکتا۔ (ہاں اگر احصار کی صورت پیش آ جائے تو اور بات ہے) احرام کی ممنوعات چند صفات پہلے بیان ہو چکی ہیں ان ممنوعات میں وہ چیزیں بھی ہیں جو غیر احرام کی حالت میں جائز ہیں۔ مرد کو سسلے ہوئے کپڑے پہننا سر اور چہرہ ڈھکنے بال اور ناخن کاٹنا میاں بیوی والے تعلقات کو کام میں لانا (جماع بوس و کنار اور اس سلسلے کی بے تکلفی والی باتیں کرنا) یہ چیزیں غیر احرام کی حالت میں جائز ہیں لیکن احرام میں جائز نہیں۔ وقف عرفات سے پہلے جماع کر کے لے تو حج فاسد ہو جاتا ہے۔ اور شہوت سے بوس و کنار کر کے تو دم واجب ہوتا ہے۔

حج میں گناہوں سے بچنے کی تاکید

آیت بالا میں جو فَلَا رَفْثَ فرمایا۔ اُس میں ان سب چیزوں کی ممانعت فرمادی جو شوہر اور بیوی کے درمیان زوجیت کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ بھی فرمایا۔ فسوق نافرمانی کو کہا جاتا ہے۔ لفظ فاسق اسی سے نکلا

ہے۔ حج میں نافرمانی نہیں اس کا عموم ان سب نافرمانیوں کو شامل ہے جو احکام احرام کی خلاف ورزی کی صورت میں ہوں اور جو باتیں احرام میں بھی گناہ ہیں اور غیر احرام میں بھی گناہ ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد تلف کرنا وہ بھی سب اس کے عموم میں داخل ہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے لوگ حج کرنے نکلے ہیں تو فرض نمازیں تک چھوڑ دیتے ہیں اور بہت سے لوگ حرام مال ہی سے حج کرنے کو چل دیتے ہیں۔ عورتیں بغیر محرم کے حج کے لئے روانہ ہو جاتی ہیں۔ عین احرام کے وقت غیبتیں بھی جاری رہتی ہیں اور احرام میں بد نظری کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں اس سے بھی احتیاط نہیں برتی جاتی حالانکہ لَا فُسُوقَ کے عموم کا تقاضا ہے کہ احرام میں ہر گناہ سے خصوصیت کے ساتھ پرہیز کریں گو گناہوں سے بچنا ہمیشہ ہی لازم ہے۔ حجاج کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ مبارک ایام میں مقدس سرزمین میں حدود حرم میں جہاں صرف عبادت ہی کے لئے آئے ہیں اور بار بار تلبیہ پڑھ رہے ہیں احرام کے لباس میں ہیں۔ پھر بھی چھوٹے بڑے گناہوں میں ملوث رہتے ہیں۔ ڈاڑھی مونڈنے کا گناہ تو ہزاروں حجاج کرتے ہیں۔ احرام سے نکلنے کے لئے ذرا بہت بال کاٹ دیتے ہیں جس سے احرام سے نکلنے بھی نہیں۔ سر کے بال تو مونڈاتے نہیں جس میں حضور اقدس ﷺ کا اتباع ہے اور جو قصر سے افضل ہے لیکن وہیں منیٰ میں بیٹھ کر ڈاڑھی ضرور مونڈ دیتے ہیں عین وقوف عرفات کے موقعہ پر گانے سننے میں مشغول رہتے ہیں۔ حالانکہ قبولیت حج کی شرط یہ ہے کہ رفث اور فسوق کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ اس بارے میں حدیث صریح آیت **وَاتِمُوا الْحَجَّ** کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

لڑائی جھگڑے سے بچنے کا حکم

فسوق کی نفی کے بعد جدال کی نفی فرمائی۔ جدال عربی زبان میں لڑنے جھگڑنے کو کہتے ہیں۔ سفر حج میں اول سے اخیر تک بہت سے ایسے مواقع پیش آتے ہیں۔ جہاں رفقاء سفر سے اور حجاج سے لڑنے کو جی چاہتا ہے کہیں جگہ کی تنگی کی وجہ سے اور کہیں پانی لینے کی بیٹھڑ میں دوسرے سے آگ بڑھ جانے کی وجہ سے ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ حجاج لڑ پڑتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ معمولی سی باتیں جن پر ہمیشہ اپنے گھروں میں آپس میں مسامحت کر لیتے ہیں ان میں سے کوئی صورت حج میں پیش آ جائے تو دل کھول کر لڑائی لڑتے ہیں۔ حقیقت میں یہ ایک ابتلاء ہوتا ہے بعض حجاج نے بتایا کہ اندر سے بار بار نفس میں لڑائی کے لئے ابھار ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سنجر کے دن بنی اسرائیل کے لئے مچھلیاں سمندر کی تہ سے اوپر آ جاتی تھیں لیکن اس دن پکڑنا منع تھا اور دوسرے دنوں میں نہیں آتی تھیں۔ ابتلاء کے موقعہ پر ہر مسلمان اپنے نفس پر قابو کرے اور شریعت کو سامنے رکھے قرآن وحدیث کی ہدایت کا اتباع کرے۔

جو بھی خیر کا کام کرو اللہ کو معلوم ہے

یہ جو فرمایا: **وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللّٰهُ** اس میں یہ بتا دیا ہے کہ جو کچھ خیر کا کام کرو گے۔ اللہ اسے جان لے گا اور اس کا ثواب دے گا۔ احرام کی ممنوعات سے بچو اور ان دنوں کو غنیمت جانو عبادت تلاوت ذکر اور اعمال صالحہ میں لگاؤ۔ یہ چیزیں ضائع ہونے والی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان سب کا ثواب ملے گا۔

مخلوق سے سوال کرنے کی ممانعت

پھر فرمایا: **وَقَرُّوْا فَاِنَّ خَيْرَ الرَّادِّ الْقَوْلِ**۔ کہ زاور راہ ساتھ لے لیا کرو کیونکہ بہتر زاور راہ بچار ہنا ہے (بچے رہنے کا

مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے سوال نہ کیا جائے (اسباب النزول (ص ۵۵) میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یمن کے لوگ حج کو آتے تھے لیکن سفر کے لئے انتظام کر کے نہیں چلتے (زاد راہ پاس نہ ہوتا تھا) اور کہتے تھے کہ ہم تو کل والے ہیں جب مکہ معظمہ پہنچ جاتے تھے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ توشہ ساتھ لیا کرو کیونکہ بہتر توشہ یہ ہے کہ لوگوں سے سوال نہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری)

چونکہ ایام حج میں عموماً مال والے ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان دنوں میں سوال کرنے والوں کو خوب مواقع ملتے ہیں اور بہت سے لوگ حج اور عمرہ کا سفر ہی حجاج سے مانگنے کیلئے کرتے ہیں بہت سے مردوں اور عورتوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وقوف عرفات میں سارا وقت خیمہ خیمہ گھومنے اور لوگوں سے سوال کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو عرفات میں لوگوں سے مانگ رہا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کو ایک درہ مارا اور فرمایا کیا تو آج کے دن میں اور اس جگہ میں غیر اللہ سے سوال کرتا ہے۔

آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور فرمایا: **وَاتَّقُوا يٰ اُولٰٓئِیَہِ الْاَلْبَابِ** (کہ اے عقل والو! مجھ سے ڈرو) درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، گناہوں سے بچنا ہر کام میں ضروری ہے اور اس طرح ہر کام خوبی کے ساتھ ادا ہوتا ہے۔

(کما فی الحدیث علیک بتقوی اللہ فانہ اذین لامرک کلہ ، مشکوٰۃ)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ فَاِذَا افْضْتُمْ مِّنْ عَرَكَاتٍ

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ معاش تلاش کرو جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پھر جب تم عرفات سے

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ

واپس ہو تو اللہ کو یاد کرو مشعر حرام کے نزدیک۔ اور اس کو یاد کرو جیسا کہ اُس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔ اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ تم اس سے پہلے

الضَّالِّیْنَ

مض ناواقف تھے

حج میں خرید و فروخت کی اجازت اور مشعر حرام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر نیکا حکم

تفسیر: اس آیت میں اول تو حج کے موقع پر کسب معاش کی اجازت دی اور فرمایا کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فضل تلاش کرنے میں تجارت اور محنت مزدوری سب داخل ہیں۔ صحیح بخاری (ص ۶۲۸ ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ عکاظہ مجنۃ اور ذوالحجاز جاہلیت میں لوگوں کی تجارت گاہیں تھیں۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو مسلمانوں نے اُن میں تجارت کرنے کو گناہ سمجھا۔ یہاں تک کہ آیت **لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ** نازل ہو گئی جس میں موسم حج میں تجارت کرنے کی اجازت دی گئی۔

متدرک میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میں حج کے موقع پر (اونٹ وغیرہ) کرائے پر لے جاتا ہوں اور لوگ یوں کہتے ہیں کہ تیرا کوئی حج نہیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کیا تو احرام نہیں باندھتا؟ تبلیہ نہیں

پڑھتا، طواف نہیں کرتا، عرفات جا کر واپس نہیں آتا، رمی جمار نہیں کرتا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ میں یہ تو سب کام کرتا ہوں۔ فرمایا پھر تو تیرا حج ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جو سوال تو نے مجھ سے کیا ہے آپ نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ آیت لَيْسَ عَلَيْكُمْ (الایۃ) نازل ہو گئی اور آپ نے اس شخص کو بلا کر یہ آیت سنادی اور فرمایا کہ تیرا حج ہو گیا۔ (قال الحاکم هذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجہ اقرہ اللہی) فتح الباری میں لکھا ہے کہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ ذی قعدہ کی پہلی تاریخ کی صبح سے تیس دن تک مقام عکاظ میں میلہ لگاتے اور تجارت کرتے تھے پھر دس دن مقام ہجنہ میں بازار لگاتے تھے پھر یکم ذوالحجہ سے آٹھ ذی الحجہ تک مقام ذی الحجاز میں قیام کرتے اور کاروبار جاری رکھتے تھے۔ عکاظ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نخلہ اور طائف کے درمیان واقع تھا اور ہجنہ کے بارے میں بتایا ہے یہ منظر ان کے قریب تھا اور ذوالحجاز کے بارے میں لکھا ہے کہ عرفات کے قریب ذرا ایک جانب کوہٹ کر تھا۔ آیت بالا میں حج کے موقعہ پر کسب معاش کی اجازت دی گئی ہے۔ اس میں انداز بیان ایسا اختیار فرمایا ہے کہ اگر کوئی تجارت کرے تو اسکی اجازت ہے ایسی کوئی ترغیب نہیں دی گئی کہ اس کو حج کا جزو ہی بنالیں اور تجارت کو حج کے کاموں میں داخل کر لیں کوئی شخص اپنی نیت اصلیہ کے اعتبار سے حج ہی کے لئے گیا اور موقعہ پاکر خصوصاً ضرورت کے وقت تجارت بھی کر لی تو اسکی گنجائش آیت شریفہ سے معلوم ہوتی ہے۔ سفر حج ہی کے لئے ہونا چاہئے۔ اصل سفر تجارت کا ہو اور حج نمبر دو پر ہو۔ ایسا نہ کیا جائے۔

قال الحافظ فی الفتح و استدلال بهذا الحدیث علی جواز البیع و الشراء للمعتکف قیاساً علی الحج و الجامع بینہما العبادة و هو قول الجمهور، وعن مالک کراهة ما زاد علی الحاجة کا لخبز اذا لم یجد ما یکفیه و کذا کرہه عطاء و مجاهد و الزہری و لا ریب انہ خلاف الاولی و الآیۃ انما نفث الجناح و لا یلزم من نفیہ نفی اولویۃ مقابلہ و اللہ اعلم اھ

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ چونکہ پہلی آیت میں جدال سے منع فرمایا اور تجارت میں کچھ جھگڑا ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ قیمت کی کمی بیشی کے سلسلہ میں نزاع ہو سکتا ہے۔ اسلئے ممکن تھا کہ بعض اذہان جدال کی ممانعت سے تجارت کی ممانعت کی طرف چلے جاتے اس لئے تجارت کی اجازت دے دی۔ تجارت چاہے تو کرے لیکن جدال اور نزاع سے بچے۔ پھر فرمایا: فَإِذَا أَقْضَيْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ (پھر جب تم عرفات سے واپس ہو تو اللہ کو یاد کرو مشعر الحرام کے نزدیک) اس میں عرفات سے واپس ہو کر مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کرنے کا حکم فرمایا۔ عرفات مزدلفہ سے تین میل مشرق کی طرف ہے یہ ایک بہت بڑا میدان ہے۔ یہاں پر ٹھہرنا حج کا سب سے بڑا رکن ہے حج کے احرام کے ساتھ کوئی شخص ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو زوال کے بعد سے لیکر آنیوالی رات کی صبح صادق تک عرفات میں پہنچ جائے تو اس کا حج ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرائض حج میں سے صرف طواف زیارت باقی رہ جاتا ہے۔ عرفات میں ذکر اور دعا میں مشغول رہتے ہیں۔ ظہر و عصر کی نماز بھی اسی وقفہ میں پڑھتے ہیں۔ سورج چھپ جانے کے بعد مزدلفہ کے لئے واپس ہوتے ہیں (جب عرفات گئے تھے تو مزدلفہ سے ہوتے ہوئے گئے تھے۔ کیونکہ منی سے عرفات کو جاتے ہوئے درمیان میں مزدلفہ آتا ہے) مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھی پڑھی جاتی ہے۔ عرفات میں یا راستہ میں نماز مغرب پڑھنا جائز نہیں۔ سورج چھپ جانے کے باوجود قصد نماز مغرب کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ مزدلفہ میں پہنچ کر عشاء کے وقت

میں مغرب پڑھی جائے۔ اگر کسی نے مزدلفہ میں پہنچنے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھ لی تو دوبارہ پڑھنا لازم ہوگا۔ مغرب عشاء دونوں نمازیں اکٹھی پڑھ کر رات کو مزدلفہ میں رہنا سنت ہے۔ اور صبح صادق کے بعد تھوڑی دیر مزدلفہ میں وقوف کرنا واجب ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ دیر تک وقوف کرے۔ یہاں تک کہ سورج نکلنے میں تھوڑی دیر رہ جائے تو مٹی کے لئے روانہ ہو جائے۔ المشعر الحرام مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام جبل قزح ہے رسول اللہ ﷺ نے عرفات سے واپس ہو کر مزدلفہ میں مغرب عشاء کی نماز اکٹھی پڑھی۔ پھر آرام فرمایا اس کے بعد صبح صادق ہوتے ہی نماز فجر اندھیرے میں پڑھ کر المشعر الحرام کے پاس تشریف لے گئے اور قبلہ رخ ہو کر خوب زیادہ روشنی پھیل جانے تک دعا اور تکبیر و تہلیل میں اور توحید باری تعالیٰ ذکر کرنے میں مشغول رہے۔ پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے مٹی کے لئے روانہ ہو گئے۔ (صحیح مسلم)

مزدلفہ سارا وقوف کی جگہ ہے۔ البتہ المشعر الحرام کے قریب وقوف کرنا افضل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ووقفت ہہنا وجمع کلھا موقف (صحیح مسلم)

چونکہ سارا ہی مزدلفہ وقوف کی جگہ ہے اور المشعر الحرام اسی میں ہے اس لئے بعض حضرات نے پورے مزدلفہ کو المشعر الحرام سے تعبیر کر دیا ہے۔ (کما ذکر فی الدر المنثور عن عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم) مزدلفہ میں رات کا وقت گزاریں اور صبح صادق کے بعد مٹی کے لئے روانہ ہونے سے پہلے جو وقت ہے اُس میں خوب اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور دعائیں مانگیں پھر ارشاد فرمایا: **وَادْكُرُوهُ كَمَا هَذَا تَحُمُّ** (اور اس کو یاد کرو جیسا کہ اُس نے تم کو ہدایت دی) یعنی جس طرح اُس نے تم کو ہدایت سے نوازا ہے اور راہ حق پر ڈالا ہے تم بھی اُسے خوب اچھی طرح سے یاد کرو اور بعض مفسرین نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ اللہ کا ذکر اُسی طریقے پر کرو جو طریقے اس نے سکھائے اور بتائے ہیں۔ دونوں معانی صاحب روح المعانی نے لکھے ہیں اور تیسرا معنی یہ لکھا ہے کہ: **ادْكُرُوهُ وَعَظَمُوهُ لِأَجْلِ هِدَايَتِهِ السَّابِقَةِ مِنْهُ تَعَالَى لَكُمْ** یعنی تم اُس کا ذکر کرو اور عظمت کے ساتھ اُسے یاد کرو اس وجہ سے کہ اُس نے تم کو پہلے سے ہدایت دی ہے۔ پھر فرمایا: **وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الصَّالِينَ** (اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ تم اس سے پہلے محض نادانف تھے) یعنی ایمان کو اور طاعات کو نہیں جانتے تھے اور جاہلیت میں جو حج کرتے تھے اس میں جو ذکر کرتے تھے اول تو آباؤ اجداد کا ذکر ہوتا تھا اور تھوڑا بہت جو اللہ کا نام لے لیتے تھے آخرت میں وہ بھی مفید نہ ہوگا۔ کیونکہ کفر کے ساتھ کوئی نیک کام نہیں دیتی۔

ثُمَّ أَفِضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

پھر تم اسی جگہ واپس آؤ جہاں سے دوسرے لوگ واپس آئیں اور اللہ سے مغفرت طلب کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے

تفسیر: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ قریش اور وہ لوگ جو ان کے دین پر تھے (بنو عامر بن ثقیف بن خزاعہ) یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں حج کرتے تھے تو عرفات میں نہیں جاتے تھے۔ یہ لوگ مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے اور وہیں سے واپس ہو جاتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا کہ عرفات میں پہنچیں اور وہاں وقوف کریں پھر وہاں سے واپس آئیں۔ **ثُمَّ أَفِضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ** میں یہی حکم مذکور ہے۔ (صحیح بخاری ص ۶۸۸ ج ۲)

تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ قریش اور ان کے حلفاء اور جو ان کے دین پر تھے مزدلفہ ہی میں ٹھہر جاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ ہم اللہ والے اور اس کے حرم کے رہنے والے ہیں۔ لہذا ہم حرم کو پیچھے نہ چھوڑیں گے اور حرم سے نہ نکلیں

گے۔ وہ اپنے آپ کو اس سے برتر سمجھتے تھے کہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہریں۔ جب دوسرے قبائل عرفات میں وقوف کر کے واپس آتے تھے تو قریش اور ان کے حلفاء مزدلفہ سے ان سب لوگوں کے ساتھ واپس آ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ عرفات میں وقوف کریں پھر وہاں سے سب لوگوں کے ساتھ مزدلفہ میں آئیں۔

حضور اقدس ﷺ بھی قریشی تھے اس لئے حجۃ الوداع کے موقع پر قریش کو اس میں کچھ بھی شک نہ تھا کہ آپ ہماری طرح مزدلفہ ہی میں ٹھہر جائیں گے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ مزدلفہ کو چھوڑتے ہوئے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ عرفات پہنچ گئے۔ (کمانی صحیح مسلم)

آپ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل کیا اور سب صحابہ بھی آپ کے ساتھ عرفات پہنچے اور پھر وہاں سے آفتاب غروب ہونے پر واپس ہوئے۔

لفظ ثم جو اس آیت میں وارد ہوا ہے اسکی وجہ سے بعض اہل تفسیر نے یوں کہا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں مزدلفہ سے منیٰ کو واپس ہونے کا ذکر ہے۔ کیونکہ عرفات سے واپس ہونے کا ذکر گزشتہ آیت میں ہو چکا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ثم واؤ کے معنی میں ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے یہ تینوں قول لکھے ہیں بظاہر یہ تیسرا قول زیادہ مناسب ہے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ثم ترتیب ذکر کی کے لئے ہے ترتیب عملی کے لئے نہیں ہے۔

(قال ابن کثیر) ثم ههنا لعطف خبر على خبر و ترتیبه علیه كانه تعالى امر الواقف بعرفات ان يدفع الى المزدلفة ليدكر الله تعالى عند المشعر الحرام و امره ان يكون وقوفه مع جمهور الناس بعرفات الخ.

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ اَوْ اَشْدَّ ذِكْرًا فَمِنْ التَّاسِ

سو جب تم پورا کر لو اپنے حج کے کاموں کو سو اللہ کو یاد کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے رہے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر ذکر کرو بعض لوگ ایسے ہیں

مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَالَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ

جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں دے دیجئے اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ

اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بہتری عطا فرمائے اور آخرت میں بہتری عنایت کیجئے اور ہم کو دوزخ کی آگ سے بچائیے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لئے بڑا حصہ ہے

مِمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

ان کے اعمال کی وجہ سے اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے

ایام منیٰ میں ذکر اللہ میں مشغول ہونے کا حکم

تفسیر: دسویں ذوالحجہ کو مزدلفہ سے واپس آ کر حجرہ کبریٰ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں اور پھر حلق یا قصر کر کے احرام سے نکل جاتے ہیں اس کے بعد طواف زیارت اور دین تین دن کی ری یعنی کنکریاں مارنا باقی رہ جاتا ہے۔ زمانہ اسلام سے پہلے عرب کے لوگ حج سے فارغ ہو کر اپنے باپ دادوں کا تذکرہ کیا کرتے تھے اور مقابلہ میں اشعار پڑھتے تھے اور اپنے قبیلوں کی بڑائی بیان کرتے تھے۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ حج کے کاموں سے فارغ ہو کر اللہ کو یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے رہے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر اللہ کو یاد کرو۔ (روح المعانی)

صاحب معالم التنزیل نے مَنَّا سِکْکُمْ کا ترجمہ نَسَاکُمْ کیا ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ اور قربانی کے جانور ذبح کر لو تو اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔

وذلك بعد رمی جمرة العقبة والاستقرار بمنى۔

پھر دعا کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا ہی طلب کرتے ہیں۔ یہ لوگ حج میں بکریاں۔ اُونٹ۔ گائیں اور غلام مانگا کرتے تھے۔ صرف طالب دنیا تھے۔ آخرت کا انہیں کچھ بھی دھیان نہ تھا۔ یہ لوگ یوں دعا کرتے تھے۔ اے اللہ میرے باپ کا عظیم قبہ بڑا پیالہ تھا اور وہ کثیر المال تھا مجھے بھی اسی قدر مال عطا فرما جتنا اُس کو دیا تھا۔ (معالم التنزیل)

ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کے لئے آخرت میں ذرا سا بھی حصہ نہیں ہے۔ پھر اہل ایمان کی دعا کا تذکرہ فرمایا کہ وہ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی بہتری عطا فرما اور آخرت میں بھی عطا فرما، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا، اہل ایمان دونوں جہاں کی کامیابی خوشحالی اور خوبی و بہتری کے لئے دعا کرتے ہیں۔ لفظ حَسَنَةٌ حَسَنٌ کی تائید ہے جو ہر خوبی اور ہر بہتری کو شامل ہے مذکورہ دعا میں دنیا کی ہر خوبی اور آخرت کی ہر خوبی اور بہتری کا سوال ہے اور اس میں بڑی جامعیت ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اکثر یہ دعاء کیا کرتے تھے۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کی عیادت کی جن کی آواز بہت ہی زیادہ کمزور ہو گئی تھی اور وہ چوڑھ کی طرح ڈبلے ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تم اللہ سے کوئی دعاء کرتے رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں میں یہ دعا کرتا تھا کہ یا اللہ مجھے جو کچھ سزا آخرت میں دینی ہو وہ دنیا ہی میں دیدیتے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! تم میں اسکی طاقت نہیں ہے تم نے دعا میں یوں کیوں نہ کہا۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ راوی حدیث حضرت انس فرماتے ہیں کہ ان صاحب نے اس کے بعد یہ دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا عطاء فرمادی۔ (صحیح مسلم) سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان طواف کرتے وقت رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا (آخر تک) پڑھتے تھے۔

وَادْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا أَثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ

اور اللہ کا ذکر کرو چند دنوں میں پھر جو شخص دو دن میں تعجل کرے اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو شخص تاخیر کرے اس پر کچھ گناہ نہیں

فَلَا أَثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٥٠﴾

اس شخص کے واسطے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے

ایام تشریق میں ذکر اللہ اور رمی جمار کی مشغولیت

تفسیر: آیت بالا میں اول تو یہ فرمایا کہ چند دنوں میں اللہ کا ذکر کرو۔ ان دنوں سے ایام تشریق مراد ہیں جن میں قربانیاں کی

جاتی ہیں اور حجاج کا منی میں قیام ہوتا ہے۔ اور جمرات کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ اس سے پہلے مزدلفہ میں ذکر کرنے کا حکم فرمایا اور عرفات میں تو ذکر اور دعا ہی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمرات کو کنکریاں مارنا اور صفارہ کی سعی کرنا اللہ کا ذکر قائم کرنے کے لئے شروع کیا گیا ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ مؤمن بندوں کو ہر وقت اس میں لگا رہنا چاہئے بعض خاص ایام اور خاص اوقات میں ذکر کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ سب سے بڑی عبادت نماز ہے اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: **اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي** (نماز میرے ذکر کے لئے قائم کرو) جیسا کہ سب جانتے ہیں نماز اول سے آخر تک ذکر ہی ہے نماز سے پہلے اذان و اقامت ہے وہ بھی ذکر ہے۔ نماز کے بعد تسبیحات اور دعائیں ہیں یہ بھی ذکر ہے۔ حج سراپا ذکر ہے تلبیذ ذکر ہے طواف میں ذکر ہے سعی میں ذکر ہے۔ عرفات میں ذکر ہے۔ مزدلفہ میں ذکر ہے۔ ایام مٹی میں ذکر ہے۔ رمی کرتے وقت ذکر ہے۔ قربانی کرتے وقت ذکر ہے۔ سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے زندگی کے تمام احوال و اشغال میں مذکور اور اوصیہ کی تعلیم دی۔ درحقیقت ذکر ہی اس دنیا کی روح ہے جس دن اللہ کا ذکر نہ ہوگا یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ صحیح مسلم (ص ۸۳ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک ایسا وقت نہ آجائے کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔ سید المرسلین ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ کان یذکر اللہ فی کل احیانا (صحیح مسلم) مٹی کے مقام کے دوران خوب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں۔ تفسیر روح المعانی میں ہے: **وَادْكُرُوا اللَّهَ اَي كَبْرُوهُ** ادبار الصلوات وعند ذبح القرابين وعند رمي الجمار وغيرها۔ یعنی اللہ کی بڑائی بیان کرو نمازوں کے بعد اور قربانی کرتے وقت اور رمی جمار وغیرہ کے وقت۔ پھر فی ایام معدودات کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: **وهي ثلثة ايام التشريق**

وهو المروى في المشهور عن عمر وعلي وابن عباس رضي الله تعالى عنهم

اور تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے: **ومن الذكر في ايام التشريق الكبير**۔ (یعنی ان دنوں کے ذکر میں سے یہ بھی ہے کہ ان میں تکبیر کہی جائے) پھر لکھا ہے کہ حضرت عمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نمازوں کے بعد مٹی میں تکبیر کہتے تھے اور مجلس میں بھی اور بستر پر ہوتے ہوئے بھی اور راستہ میں بھی اہ تکبیر تشریق بھی ان ایام میں مشروع ہے۔ مٹی میں موجود ہوں یا اپنے وطن میں مقیم ہوں فرض نمازوں کے بعد اس کا پڑھنا واجب ہے۔ مرد و زور سے تکبیر تشریق پڑھیں اور عورتیں آہستہ کہیں۔ یہ تکبیر نویں تاریخ کی فجر سے لیکر تیرھویں تاریخ کی عصر تک پڑھی جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔ ایام تشریق میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ان دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہے فرمایا حضور ﷺ نے **لا تصوموا في هذه الايام فانها ايام اكل و شرب و ذکر الله**۔ (صحیح مسلم) یعنی ان دنوں میں روزہ نہ رکھو کیونکہ یہ دن کھانے پینے کے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔

رمی جمار کے بعض مسائل

ذکر کا حکم فرمانے کے بعد رمی جمار کے بعض مسائل بیان فرمایا جس کی تشریح ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ کبریٰ کی رمی کی جاتی ہے۔ اس کا وقت سورج نکلنے کے بعد سے لیکر آبیوالی صبح صادق تک ہے۔ لیکن رات میں کنکریاں

مارنا قوت اور صحت والوں کے لئے مکروہ ہے۔ گیارہ اور بارہ تاریخ کی کنکریاں مارنے کا وقت زوال آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور وہ بھی آبیوالی صبح صادق تک رہتا ہے، قوت و صحت والوں کے لئے رمی کرنا ان دنوں کی راتوں میں بھی مکروہ ہے۔ گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کی جاتی ہے۔ دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کرنا واجب ہے۔ منیٰ میں چھوٹے چھوٹے تین منارے سے بنائے ہوئے ہیں ان کو جمرات کہتے ہیں جو جمرۃ کی جمع ہے پہلا جمرہ مسجد خیف کے قریب ہے اس کو جمرہ اولیٰ اور جمرہ صغریٰ کہتے ہیں۔ اس کے بعد جو جمرہ ہے اسے جمرہ وسطیٰ کہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد جو جمرہ ہے اس کو جمرہ کبریٰ اور جمرہ آخری اور جمرۃ العقیقہ کہتے ہیں۔ اس کے قریب منیٰ کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ ان تینوں جمرات کے نیچے جڑ میں دائرے بنے ہوئے ہیں۔ ان دائروں میں کنکریاں گرنا ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان تینوں جگہ شیطان نے وسوسہ ڈال کر ورغلائے کی کوشش کی تھی آپ نے اس کو کنکریاں ماری تھیں۔ کنکریاں مارنا اسی کی یادگار ہے ہر کنکری کے ساتھ بِسْمِ اللّٰهِ اُكْبَرُ رَغْمًا لِلشَّيْطَانِ وَرِضًى لِلرَّحْمٰنِ پڑھے (میں اللہ کا نام لے کر رمی کرتا ہوں اللہ سب سے بڑا ہے پیری شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے اور رحمن کو راضی کرنے کے لئے ہے)۔

۱۳ ذی الحجہ کی رمی چھوڑ دینا جائز ہے

ان دونوں (گیارہ بارہ تاریخ) کی رمی کرنے کے بعد اگر کوئی شخص چاہے کہ منی سے چلا جائے اور تیرہویں تاریخ کی رمی نہ کرے تو اسکی اجازت ہے۔ اسی کو فرمایا فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ لیکن افضل یہ ہے کہ منی میں ٹھہرا رہے۔ اور تیرہویں تاریخ کی رمی کر کے منی سے روانہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر تیرہویں تاریخ کی رمی بھی کی تھی جیسا کہ گیارہ بارہ تاریخ کو زوال کے بعد رمی کی تیرہویں تاریخ کی رمی کا وقت صرف غروب آفتاب تک ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ بارہویں تاریخ کو اگر منی میں ہوتے ہوئے سورج غروب ہو جائے تو تیرہویں کی رمی چھوڑ کر جانا مکروہ ہے۔ اور اگر منی میں ہوتے ہوئے تیرہویں کی صبح ہو جائے تو تیرہویں کی رمی کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص گیارہ بارہ کی رمی کر کے چلے جانے کی اجازت ہوتے ہوئے منی میں ٹھہرا رہے اور تیرہویں کی رمی کر کے جائے۔ اُس کے بارے میں فرمایا: وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى (اور جو شخص تاخیر کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ لفظ **فَلَا اِنَّمَ عَلَیْہِ** جو دو جگہ وارد ہوا ہے اس سے دونوں باتوں میں اختیار دینا مقصود ہے کہ دسویں تاریخ کے بعد دو دن کی رمی کر کے چلا جائے تو اس کا بھی اختیار ہے اور تیسرے دن کی رمی کے لئے ٹھہر جائے اور مئی سے رواں لگی میں تاخیر کرے تو اس کا بہت اختیار ہے۔ اس پر یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ جب تیسروں تاریخ کی رمی کر کے جانا افضل ہے تو اس کے بارے میں **فَلَا اِنَّمَ عَلَیْہِ** کے بجائے ایسا لفظ ہونا چاہئے تھا۔ جو فضیلت پر دلالت کرتا۔ اس کے جواب میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے افضلیت کی نفی نہیں ہوتی (کیونکہ جو چیز افضل ہوتی ہے **فَلَا اِنَّمَ عَلَیْہِ** اس پر بھی صادق آتا ہے) لیکن یہ بات پھر بھی قابل توجہ ہے کہ نفی الاثم کو دونوں جگہ کیوں اختیار کیا گیا۔ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اہل جاہلیت کی تردید کرنے کے لئے یہ طرز اختیار فرمایا ہے کیونکہ وہ آپس میں اختلاف رکھتے تھے۔ بعض لوگ کہتے تھے تجلیل گناہ ہے اور بعض کہتے تھے کہ تاخیر گناہ ہے۔ اھ علامہ قرطبی نے بھی یہ بات لکھی ہے کہ اہل عرب کی تردید کے لئے یہ لفظ اختیار کیا گیا ہے **حِثَّ قَالَ فَمَعْنٰی**

الآیة ان کل ذلک مباح وعبر عنه بهذا التقسیم اهتماما و تاکیدا اذ کان من العرب من یلزم المتعجل وبالعکس، فنزلت الآیة رافعة للجناح فی کل ذلک. اهـ۔

صاحب معالم التنزیل نے (ص ۹۷ ج ۱) آیت کی تفسیر میں بعض حضرات سے یوں نقل کیا ہے کہ حج کرنے والے پر کوئی گناہ باقی نہیں رہے گا۔ خواہ بارہ تاریخ کو رمی کر کے چلا جائے خواہ تیرہویں کی رمی کے لئے ٹھہر جائے۔ اور اس معنی کی تائید کے لئے حدیث من حج لله ولم یرفث فلم یفسق پیش کی ہے۔ اور پھر یہ فرمایا ہے کہ یہ حضرت علیؑ اور حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے۔ اس معنی کو لینے سے لمن اتقى کا تعلق واضح ہو جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ تقیل کرے یا تاخیر کرے کوئی گناہ باقی نہ رہے گا بشرطیکہ اس حج میں تقویٰ اختیار کیا ہو اور گناہوں سے بچا ہو صاحب معالم التنزیل نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول انما جعلت مغفرة الذنوب لمن اتقى الله تعالى فی حجه اس معنی کی تائید کے لئے نقل کیا ہے۔ اور حضرت ابو العالیہ سے لمن اتقى کی تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ذهب ائمة لمن اتقى فیما بقى من عمره (یعنی بعض ائمہ نے لمن اتقى کا معنی یہ کیا ہے کہ حج کرنے کے بعد باقی عمر میں گناہوں سے بچتا رہے) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ

لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی گفتگو آپ کو دنیاوی زندگی میں پسند آتی ہے اور وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے اس بات پر جو اس کے دل میں ہے۔

وَهُوَ كَذَّابٌ ۝ وَإِذَا تَوَلَّى سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ

حالانکہ وہ سخت ترین جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد کرے اور کھیتی کو

وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ

اور نسل کو برباد کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر تو اس کا غرور نفس اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔ سو اس کے لئے

جَهَنَّمَ وَلِكَيْشَ الْإِمَادَ ۝

جہنم کافی ہے اور بلاشبہ وہ برا بھونتا ہے

میٹھی باتیں کر نیوالے منافقوں اور مفسدوں کا تذکرہ

تفسیر: معالم التنزیل (ص ۹۷ ج ۱) میں لکھا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی یہ شخص

میٹھی باتیں کرنے والا تھا۔ دیکھنے میں بھی اچھا لگتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا تھا اور پاس بیٹھ کر اپنا

مسلمان ہونا ظاہر کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور اس پر قسمیں کھاتا تھا اور اندر سے منافق تھا۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اسکی ظاہری باتوں کی وجہ سے) اسے قریب بٹھاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اخنس بن شریق کی حرکت

لباب القول میں بحوالہ ابن جریر مفسر سدی سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی وہ آپ کی خدمت میں

آیا اور اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا۔ آپ کو اسکی باتیں پسند آئیں۔ پھر وہ آپ کے پاس سے چلا گیا اور مسلمانوں کی کھیتوں پر گزر راجہاں گدھے بھی (چر رہے) تھے اس نے کھیتوں کو آگ لگا دی اور گدھوں کے پاؤں کاٹ کر چلا گیا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

(یٰہٰلِکَ الْخَوْتُ وَالنَّسْلُ میں اسی کو بیان فرمایا) علامہ مناوی نے فیض القدر بشرح الجامع الصغیر (ص ۱۳۵ ج ۲) میں بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ خَلِیْلِ مَا کَرُوْا (الحديث) میں یہ اُخس بن شریق مراد ہے جو میٹھی زبان والا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتا تھا تو نرم نرم باتیں کرتا تھا اور یوں کہتا تھا کہ اللہ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔

لباب العقول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک یہ بات نقل کی ہے کہ جس جماعت میں حضرت عاصم اور حضرت مرثد تھے اس جماعت کے شہید ہونے کا جب علم ہوا تو دو منافقوں نے یہ کہا کہ افسوس ہے ان لوگوں پر جو جنت میں پڑ گئے اور ہلاک ہو گئے۔ نہ تو اپنے گھروں میں ہی بیٹھے اور نہ تبلیغی ذمہ داری کو پورا کر سکے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

بہر حال آیت کا سبب نزول جو بھی ہوا الفاظ کا عموم ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو دنیاوی زندگی میں میٹھی میٹھی اور چکنی چڑی باتیں کر کے مسلمانوں کے عوام اور خواص میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں اندر سے منافق ہوتے ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کے جھوٹے دعوے ثابت کرنے کے لئے بار بار قسم کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ گواہ ہے ہم سچے مسلمان ہیں ان لوگوں کا مقصد چونکہ اول سے آخر تک دنیا اور دنیا کا جاہ و مال ہی ہوتا ہے اور اندر سے مسلمان نہیں ہوتے اس لئے جب بھی کوئی موقعہ دیکھتے ہیں مسلمانوں کو زک دینے اور نقصان پہنچانے اور انکی حکومتوں کے خلاف منصوبے بنانے میں اور انکی حکومتوں کو برباد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہیں رکھتے۔ جو کام اُخس بن شریق نے کیا کہ خدمت عالی میں حاضر ہو کر مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا اور اللہ کو اپنے دعوے کی سچائی پر گواہ بنایا اور پھر وہاں سے نکل کر مسلمانوں کی کھیتوں کو آگ لگا دی اور مویشیوں کو کاٹ کر پھینک دیا۔ وہی کام ہمیشہ سے منافقین کرتے آئے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں۔

علامہ قرطبی لکھے ہیں کہ قتادہ اور مجاہد اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت ہر ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو کفر کو چھپائے ہوئے ہو نفاق اور جھوٹ کو اپناتے ہوئے اپنی زبان سے اپنے دل کے خلاف ظاہر کرتا ہو۔ نیز علامہ قرطبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ دینی اور دنیاوی امور میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن)

لفظ فی الحیاة الدنیا کے بارے میں مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ امور دنیا اور اسباب معاش میں آپکو اسکی باتیں اچھی لگتی ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ دنیاوی مقصد حاصل کرنے کے لئے وہ ایسی باتیں کرتا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیاوی باتوں میں اس کی حلاوت اور فصاحت آپکو پسند آتی ہے لیکن آخرت میں اسکی کوئی بات قابل التفات نہیں ہوگی۔ وہاں جو اس کو وحشت سوار ہوگی اسکی وجہ سے وہ بولنے بھی نہ پائے گا۔ (ص ۱۳۹ ج ۱)

جھگڑالو اور چرب زبان کی مذمت

اَلَّذِیْ اِلْخَصَامُ یہ دونوں کلمے آپس میں مضاف مضاف الیہ ہیں۔ پہلا لفظ لدد سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بہت زیادہ۔ جھگڑالو اور خصام بھی جھگڑے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ جھگڑالو ہے مفسر

بیضاوی نے اس کا ترجمہ شدید العداوہ (سخت دشمنی والا) کیا ہے جو اس کا لازمی معنی ہے۔ منافقوں کی یہ صفت بیان فرمانے سے ہر جھگڑا لو کی مذمت معلوم ہوئی جو باطل کے لئے جھگڑتا ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ ہے جو زیادہ جھگڑا لو ہو (صحیح بخاری ص ۶۳۹ ج ۲ ص ۱۰۶۶ ج ۲) میٹھی میٹھی باتیں کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور دل میں جو کچھ ہے اس کے خلاف ظاہر کرنا آج کی دنیا میں اسکو بڑی ہوشیاری سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ چیز سیاست کا جو دو بن چکی ہے، سنن ترمذی ابواب الزہد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ نکلیں گے جو دین کے ذریعہ دنیا حاصل کریں گے اور تو واضح ظاہر کرنے کے لئے بھیڑوں کی کھالوں کے کپڑے پہنیں گے انکی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی۔ اور ان کے دل بھیڑوں کی طرح ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ میرے علم سے دھوکہ کھاتے ہیں یا مجھ پر جرات کرتے ہیں میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان لوگوں پر ان ہی میں سے ایسا فتنہ بھیجوں گا۔ جو ان میں ہوشمند عقل والا ہوگا اسے (بھی) حیران کر دے گا۔

تکبر کی مذمت: جن لوگوں میں خالص دنیاوی جاہ اور مال کی طلب ہوتی ہے۔ ان کے دلوں میں جھکاؤ نہیں ہوتا۔ وہ غرور نفس کی وجہ سے یہی سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے کسی حق کہنے والے کی بات قبول کر لی تو ہماری ہٹی ہو جائے گی اور ناک کٹ جائے گی، کفر و شرک پر اور گناہوں پر اصرار کرتے رہتے ہیں اور حق کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ ان کا نفس انہیں حق قبول کرنے نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ۔ (کہ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنے طور طریق اور طریقہ عمل میں اللہ سے ڈرو تو اسکی حمیت اسے پکڑ لیتی ہے اور گناہ پر آمادہ رکھتی ہے)۔ تکبر کیا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا الکبر بطن الحق و غمط الناس یعنی کہ حق کو ٹھکرانے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام تکبر ہے، بہت سے اسلام کے دعویٰ دار بھی حق کو ٹھکرادیتے ہیں جب کوئی شخص دین کی بات کرتا ہے اور گناہ چھوڑنے کو کہتا ہے یا کسی بات کی خیر خواہانہ نصیحت کرتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ تو کون ہے ہمیں نصیحت کرنے والا تو ہماری سامنے کا بچہ ہے فلاں قوم کا فرد ہے فلاں ملک کا رہنے والا ہے یہ سب کبر ہے اور حق کو جھٹلانے کی باتیں ہیں۔ اوپر منافقوں اور مفسدوں کا طریقہ عمل بیان فرمایا اور اخیر میں فرمایا کہ ایسے شخص کو دوزخ کافی ہے اور دوزخ بُرا کچھوٹا ہے۔ مہاد عربی میں بستر کو کہتے ہیں دوزخ میں اہل نفاق کا جو ٹھکانا بنے گا اسے مہاد سے تعبیر فرمایا کیونکہ وہ ان کا مستقل ٹھکانا ہے۔ جو ان کو دنیا کے بستروں کے بجائے ملے گا۔ یہاں نرم بستروں پر سوتے تھے اور وہاں آگ کا بستر ہوگا اور آرام و راحت و نیند کا نام و نشان نہ ہوگا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۵۰﴾

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو خرید لیتا ہے اپنے نفس کو اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لئے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے

اللہ کی رضا کیلئے جان و مال خرچ کر نیوالوں کی فضیلت

تفسیر: حلیۃ الاولیاء (ص ۱۰۱ ج ۱) میں حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ

مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی نیت سے (مکہ معظمہ سے) نکلے تو قریش کے چند افراد ان کے پیچھے لگ گئے تاکہ ان کو واپس کریں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اترے اور اپنے ترکش سے تیر نکالے اور اُن سے کہا کہ اے قریش کے لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سے بڑھ کر تیر انداز ہوں اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ میں اپنے سارے تیر تمہاری طرف نہ پھینک دوں جو میرے ترکش میں بھرے ہوئے ہیں اس کے بعد میں اپنی تلوار سے لڑوں گا جب تک میرے ہاتھ میں سکت رہے گی اب تم جو چاہو کرو اور ایک صورت یہ ہے کہ میرا مال اور میرے کپڑے جہاں مکہ میں رکھے ہیں میں تمہیں انکا پتہ بتا دیتا ہوں تم ان کو لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو وہ کہنے لگے ہاں یہ ٹھیک ہے ہم اس پر راضی ہیں وہ لوگ تو ادھر چلے گئے اور حضرت صہیب سفر قطع کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا رِبْعَ الْبَيْعِ اَبَايَحْيٰ رِبْعَ الْبَيْعِ اَبَايَحْيٰ (اے ابو یحییٰ یہ بیع نفع والی ہے اے ابو یحییٰ یہ بیع نفع والی ہے) جس کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑی سی دنیا خرچ کر کے جو اپنی جان اور دین کو بچا لیا یہ نفع کا سودا ہے۔ (ابو یحییٰ حضرت صہیب کی کنیت ہے) ان کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی خبر دیدی تھی۔ مستدرک حاکم ص ۳۹۸ ج ۳ میں بھی تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یہ قصہ مذکور ہے اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ آیت شریفہ وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ حضرت صہیبؓ کے مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی نازل ہو گئی تھی۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو یحییٰ نفع کا سودا ہوا اور آپ نے انہیں آیت بالا پڑھ کر نہائی۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب میں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش نے کہا کہ اے صہیب تم یہاں آئے تھے تو تمہارے پاس کبھی بھی مال نہ تھا اور اب تم یہاں کا کمایا ہوا مال اپنے ساتھ لے جا رہے ہو۔ اللہ کی قسم ایسا نہ ہوگا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم مناسب جانو تو میں تمہیں اپنا مال دیدوں اور تم مجھے چھوڑ دو۔ وہ اس پر راضی ہو گئے اور میں نے اُن کو اپنا مال دیدیا اور مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی خبر مل چکی تھی آپ نے فرمایا: رِبْعَ ضَهَيْبٍ رِبْعَ ضَهَيْبٍ (صہیب نے نفع کا سودا کیا صہیب نے نفع کا سودا کیا)۔

بعض مفسرین نے بِشْرَىٰ کا ترجمہ بَيْعٌ سے کیا ہے یعنی بعض آدمی ایسے ہیں کہ اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لئے اپنے نفس کو بیچ دیتے ہیں مفسر ابن کثیر (ص ۱۲۲ ج ۱) لکھتے ہیں کہ اکثر حضرات نے آیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ ہر ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے قرآن پاک کی آیت اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنْ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ لَّهُمُ الْجَنَّةُ (الآیۃ) سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا۔ اس اعتبار سے مجاہدین اپنے جان و مال کو فروخت کرنے والے ہو گئے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت صہیب کے قصے میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ وہ مشرکین مکہ سے قتال کے لئے تیار ہو گئے اُس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کو بیچ دیا اس اعتبار سے ان کے قصہ کو سامنے رکھ کر بھی بِشْرَىٰ کا ترجمہ بَيْعٌ (بیچتا ہے) کیا جاسکتا ہے۔ درحقیقت آیت کا جو شان نزول ہے (یعنی حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ) اس کو سامنے رکھتے ہوئے بھی آیت کا عموم ہر اُس شخص کو شامل ہے جو بھی اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال خرچ کرے اور اللہ کی رضا کے لئے اپنی جان پر کھیل جائے معاملہ التنزیل میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا مصداق ایسے شخص کو

بتایا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے قتل کر دیا جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو بے شک وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۖ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَاذْكُرُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۹۹﴾

کھلا دشمن ہے سو اگر تم لغزش کھا جاؤ اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلیلیں آچکی ہیں تو جان لو کہ بلاشبہ اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے

اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کا حکم

تفسیر: آیت کے شان نزول کے بارے میں لکھا ہے کہ بعض صحابہؓ جو پہلے یہودی تھے انہوں نے سپر کے دن کی تعظیم کو باقی رکھنا چاہا جو شریعت موسویٰ میں تھی اور اونٹ کا گوشت کھانے سے پرہیز کرنا چاہا کیونکہ یہودیت کے زمانہ میں نہیں کھاتے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ توریت بھی تو اللہ کی کتاب ہے، ہم اس کو تہجد کی نماز میں پڑھ لیا کریں (جیسا کہ قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے) اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور حکم فرمایا کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ (من الدر المنثور والبیہاوی) شریعت محمدیہ کے آنے کے بعد اب کوئی شریعت باقی نہیں رہی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے پاس خوب روشن اور صاف شریعت لے کر آیا ہوں اگر مویٰ بھی زندہ ہوتے تو اُن کے لئے بھی اس کے سوا کوئی گنجائش نہ تھی کہ وہ میرا اتباع کریں۔ (معالم التنزیل ص ۱۸۳ ج ۱) حضرت جابرؓ کی روایت مسند احمد اور شعب الایمان للبیہقی میں بھی ہے (کتابی المکمل ص ۳۰)

زندگی کے تمام شعبوں میں ہر شخص اسلام کے احکام کا پابند ہے

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اسلام کے احکام کو پورا پورا قبول کرو اور اس کے جملہ احکام پر عمل کرو حاکم ہو یا محکوم بڑا ہو یا چھوٹا شہری ہو یا دیہاتی تاجر ہو یا کاریگر کارخانہ دار ہو مزدور ہو یا کسان سب اسلام پر پوری طرح چلیں اور اب دوسرے کام نہ دیکھے کہ وہ چلے تو میں بھی چلوں۔ ہر ایک اپنی ذمہ داری کو سامنے رکھے۔ بہت سے لوگوں نے یہ طریقہ بنا رکھا ہے کہ نماز روزہ اور انکے علاوہ دو چار کاموں تک ہی اسلام کو محدود رکھتے ہیں اس کے علاوہ معیشت اور معاشرت تجارت اور سیاست اور زندگی کے دیگر تمام شعبوں میں اسلام کے احکام کی پاسداری نہیں کرتے جس طرح چاہیں تجارت کر لیں اور جو بھی چیز سامنے آجائے خرید لیں یا بیچ دیں۔ جس محکمہ میں چاہیں ملازم ہو جائیں۔ حرام حلال کا کچھ خیال نہیں کیا جاتا۔ بیاہ شادی میں غیر شرعی طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ سراسر گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ خوشی کے موقع پر ہم پر شرعی کوئی پابندی نہیں۔ حرام حلال کی بحثوں کو فضول سمجھتے ہیں کوئی عالم اگر بتا دے کہ تمہاری ملازمت حرام ہے یا تجارت میں سود ہے تو کہتے ہیں کہ مولوی ترقی سے روکتا ہے۔ جن قوموں کے دین میں چند تصورات اور توہمات اور چند اعمال کے علاوہ اور کوئی بھی پابندی نہیں ہے۔ اپنے دین کو انہیں کے دین پر قیاس کر لیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) ہمارا دین جامع ہے کامل ہے مکمل ہے اور زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے انسانی

زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے احکام تفصیل کے ساتھ اسلام میں نہ بتائے ہوں۔ بعض احکام پر عمل کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا یہ وہی چیز ہے جس کو سورہ بقرہ کے رکوع (۱۰) میں یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: (کیا کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کے منکر ہوتے ہو) بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مسلمان ہونے کے صرف دعوے دار ہی ہیں۔ اسلام کے فرائض تک پر عمل نہیں کرتے اور کچھ لوگوں کو دینداری کا خیال ہے لیکن انکی دینداری نماز تک یا ایک دو اعمال تک محدود ہے۔ اگر توجہ دلائی جائے کہ حرام ملازمت چھوڑ دو تو تیار نہیں اگر یوں کہا جائے کہ سود کا لین دین نہ کرو تو آمادہ نہیں اگر یوں کہو کہ حرام چیزیں فروخت نہ کرو تو کہتے ہیں کہ یہ روزی کا معاملہ ہے۔ اس کو کیسے چھوڑیں؟ انکی جاہلانہ بات کا مطلب یہ ہے کہ روزی کمانے میں گویا پورے آزاد ہیں (العیاذ باللہ)

اصحاب حکومت کی بے راہی

جن ممالک میں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہاں کے ذمہ دار انہی طریقوں پر حکومتیں چلاتے ہیں جو کافروں سے سیکھے ہیں کچھریوں میں کافرانہ اور ظالمانہ قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ اسلام کے قانون کا نام آ جائے تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ کافرانہ اقوال اور افعال کے باوجود اس کے دعوے دار ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام پر پوری طرح عمل نہ کرنا بعض احکام کو ماننا بعض کو چھوڑنا یہ سب شیطانی حرکات ہیں۔ اسلام میں پورا پورا داخل ہونے کا حکم دینے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ کہ شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ (کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے) لوگ شیطان کو برا بھی کہتے ہیں اور اس پر لعنت بھی بھیجتے ہیں۔ اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں کو بھی اختیار کرتے ہیں۔ یہ عجیب طریقہ ہے۔ پھر فرمایا: فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (سو اگر تم لغزش کھا جاؤ اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلیلیں آ چکی ہیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے)۔

اس آیت میں بتایا کہ واضح دلائل آ جانے کے بعد پھر بھی اسلام میں داخل نہ ہوتے تو اس کو معمولی بات نہ سمجھنا یہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت ہے۔ وہ غالب ہے اس کے عذاب اور انتقام سے بچ نہیں سکتے اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے موافق وہ سزا دینے میں جلدی نہ کرے تو اس سے دھوکہ نہ کھانا اور یہ نہ سمجھنا کہ گرفت نہ ہوگی اور انتقام سے محفوظ رہیں گے۔

قال صاحب الروح غالب علی امره لا يعجزه شی من الانتقام منكم حکیم لا بترک ما

تقتضيه الحکمة من مؤاخذه المجرمین.

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ

یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ اللہ اور فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں ان کے پاس آ جائیں اور سارا قصہ

الْأَمْرُ وَالِإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۲۸﴾

ختم ہو جائے۔ اور اللہ ہی کی طرف امور لوٹائے جائیں گے

حق قبول نہ کرنے پر وعید

تفسیر: جو لوگ واضح دلائل کے بعد بھی دین اسلام میں داخل نہیں ہوتے انہیں کیا انتظار ہے ان کے طور طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بس اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں آجائیں اور انکو ان کے کفر کی سزا مل جائے اور سارا فیصلہ ہو جائے پھر آگے اسلام قبول کرنے کا موقعہ ہی نہیں ہے۔ کیونکہ عذاب سامنے آنے کے بعد اسلام قبول نہیں ہوتا پھر فرمایا کہ تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے وہ قاضی روز جزا ہے۔ اس دن مجازی صاحب اختیار بھی کوئی نہ ہوگا۔ وہ حق کے ساتھ فیصلے فرمائے گا اہل کفر کے بارے میں دائمی عذاب کا فیصلہ ہوگا۔ لہذا اپنا انجام سوچ لیں۔

فائدہ: لفظ یاتیمہم اللہ میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف اتیان (یعنی آنے) کی نسبت کی ہے اس پر ایمان لائیں۔ مفہوم کے سمجھنے اور معنی کریدنے میں نہ لگیں۔ سلف کا بھی طریقہ ہے اور بعض حضرات نے مضاف مقدر مانا ہے۔ قال القرطبی (ص ۲۵ ج ۳) وقیل لیس الکلام علی ظاہرہ فی حقہ سبحانہ والما المعنی یاتیمہم امر اللہ وحکمہ وقیل ای بما وعدہم من الحساب والعذاب۔ مطلب یہ ہے کہ یاتیمہم اللہ سے اللہ کا آمر اور اس کا حکم اور عذاب آنا مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سَلِّ بَنِي إِسْرَءِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ مِّنْ مَّا يُبَدِّلُ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا

آپ بنی اسرائیل سے دریافت فرمائیے ہم نے ان کو کتنی واضح دلائل دیں۔ اور جو شخص اللہ کی نعمت کو بدل دے اس کے بعد کہ

جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۱۱

نعمت اس کے پاس آجائے تو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے

بنی اسرائیل کی ناشکری اور اس پر عذاب

تفسیر: بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی واضح دلائل عینیت فرمائی تھیں۔ وہ ان دلائل سے کام لیتے اور حق پر جتے تو ان کے حق میں اچھا تھا۔ لیکن انہوں نے الٹی ہی چال چلی ہدایت کے بجائے گمراہیوں کو پسند کیا اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو نعمت سے بدل دیا۔ جسکی وجہ سے دنیا و آخرت میں مستحق عذاب و عقاب ہوئے۔ بنی اسرائیل کو جو دلائل واضح دیئے گئے تھے ان کے بارے میں صاحب معالم التزویل لکھتے ہیں کہ اس سے وہ دلائل مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں عطا کئے گئے تھے۔ مثلاً عصا موسوی اور ید بیضاء اور سمندر کو پھاڑ کر بنی اسرائیل کو پار کرنا وغیر ذلک اور ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے وہ صاف اور واضح بیانات مراد ہیں جو تورات و انجیل میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں تھے یہودیوں نے جو ان آیات سے انحراف کیا اور حق واضح ہو جانے کے باوجود گمراہی کا راستہ اختیار کیا اس کے بیان کرنے کے لئے ایک ایسا اسلوب اختیار فرمایا جس سے ہر نعمت کے بدلنے کی شاعت اور قباح معلوم ہو جائے اور عمومی طور پر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ جو بھی کوئی شخص اللہ کی کسی بھی نعمت کو بدلے گا وہ مستحق عذاب و عقاب ہوگا۔

زَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْتَخْرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا

مزمین کی گئی ان لوگوں کے لئے دنیاوی زندگی جنہوں نے کفر کیا اور وہ ہنسی کرتے ہیں ان لوگوں سے جو لوگ ایمان لائے حالانکہ جن لوگوں نے پرہیز گاری کو

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

اختیار کیا وہ قیامت کے دن اُن سے بالا ہوں گے اور اللہ جسے چاہے بلا حساب رزق عطا فرماتا ہے

کافروں کے لئے دنیا کا مزین ہونا اور ان کا ایمان والوں پر ہنسنا

تفسیر: اس آیت میں کافروں کے کفر پر جنے اور کفر اختیار کرنے کا سبب بتایا ہے اور وہ یہ کہ دنیاوی زندگی اور اس سے

متعلقہ ساز و سامان آرائش اور زیبائش انکی نظروں میں بھایا ہوا ہے۔ اسی حسن ظاہر کو دیکھ کر وہ دنیا پر پلے پڑے ہیں۔ چونکہ ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے میں انہیں دنیا اور اسباب دنیا میں کمی ہوتی نظر آتی ہے اس لئے کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔

دنیا کے ساز و سامان مال اور جائیداد ہی کو کامیابی سمجھ ہوئے ہیں اس لئے اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان سے تمسخر کرتے

ہیں کیونکہ ان کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں یہ دنیا چند روزہ ہے اس کے بعد اہل کفر کے لئے عذاب ہی عذاب ہے اور اہل ایمان

کے لئے جنت ہے۔ اہل ایمان قیامت کے دن بلند و بالا ہوں گے۔ جنت کے بالا خانوں میں ہوں گے اور اہل کفر و دوزخ میں

پڑے ہوں گے۔ اس وقت اہل ایمان ان پر ہنسیں گے جیسا کہ سورہ مطففین میں فرمایا: فَالْيَوْمَ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ

يَضْحَكُونَ عَلَى الْآرَائِكِ يَنْظُرُونَ (سو آج ایمان والے کافروں سے ہنسیں گے۔ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے دیکھتے

ہونگے) علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت مشرکین عرب ابو جہل وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ لوگ اپنے مالوں میں

مست تھے۔ تمم کی زندگی گزارتے تھے اور آخرت کی تکذیب کرتے تھے اور فقراءے مومنین مثلاً عبداللہ بن مسعود و عمار بن یاسر

اور صہبؓ اور بلالؓ اور خبابؓ جیسے حضرات کا مذاق بناتے تھے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت منافقین (عبداللہ بن ابی اور اس

کے ساتھیوں) کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ دنیا میں مزے کی زندگی گزارتے تھے اور فقراءے مہاجرین پر پھبتیاں کتے

تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو محمد (علیہ السلام) کا کہنا ہے کہ ان (مسکینوں) کو ساتھ لے کر لوگوں پر غلبہ پائیں گے۔ حضرت عطاء

نے فرمایا کہ یہ آیت رؤساء یہود کے بارے میں نازل ہوئی جو فقراءے مہاجرین پر ہنستے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے وعدہ

فرمایا کہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے اموال تم کو بغیر جنگ کے مل جائیں گے چنانچہ الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔ (معالم اربعہ)

آیت کے ختم پر فرمایا کہ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (اور اللہ جسے چاہے بلا حساب رزق عطا فرماتا ہے)

بعض مفسرین نے اس کا مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دنیا میں بغیر کسی محنت اور

تکلیف کے جس قدر چاہے عطا فرمادے اور اسے اعمال صالحہ کی توفیق دیدے پھر آخرت میں اس مال کا حساب نہ لے اور

بعض حضرات نے بغیر حساب کا یہ معنی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو جتنا چاہے دے کم دے زیادہ دے اسے کوئی روکنے

والا نہیں۔ اس سے کوئی حساب لینے والا نہیں اور ایک معنی یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حساب خرچ فرماتا ہے اسے خرچ کرنے

میں حساب کرنے کی ضرورت نہیں اس کے خزانے بے انتہا ہیں۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ

سب لوگ ایک جماعت تھے پھر اللہ نے نبی بھیجے تو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور

مَعَهُمُ الْكِتَابُ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ

ان کے ساتھ کتاب اتاری حق کے ساتھ تاکہ فیصلہ فرمائے لوگوں کے درمیان اس بات کا جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور یہ اختلاف

إِلَّا الَّذِينَ أَوْتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ

ان ہی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی اور انہوں نے یہ اختلاف باہمی ضد ضدی کے باعث اس کے بعد کیا جب ان کے پاس کھلی ہوئی دلیل آ چکی تھی پھر اللہ نے اپنے فضل سے

أَمَّنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۰﴾

ان لوگوں کو جو ایمان لائے اس امر حق کی ہدایت دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے

سارے انسان اُمت واحدہ تھے حق واضح ہونے کے بعد عناد اور ضد کی وجہ سے مختلف فرقے ہو گئے

تفسیر: تفسیر درمنثور میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان جو قرین تھیں یہ سب ہدایت پر اور حق شریعت پر تھے پھر لوگوں نے اختلاف کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا جو اس اختلاف کے بعد سب سے پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا اور ایسے وقت میں بھیجا جب کہ لوگوں میں اختلاف ہو چکا تھا اور حق کو چھوڑ چکے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے بعد رسول بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں جو مخلوق پر حجت ہیں۔

اور تفسیر قرطبی میں کلبی اور واقدی سے نقل کیا ہے۔ اُمت واحدہ سے وہ مسلمان مراد ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے (اس وقت دنیا میں صرف یہی لوگ اہل ایمان تھے دوسری کوئی جماعت نہ تھی) حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا (اور اہل ایمان کے مقابلہ میں مشرکوں اور کافروں کی جماعتیں پیدا ہو گئیں)

اُمت واحدہ کا مصداق بیان کرنے کے سلسلے میں اور بھی اقوال ہیں۔ بہر صورت آیت شریفہ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی زمانہ میں تمام انسان ایک ہی مذہب اور ملت اور ایک ہی عقیدہ پر تھے اور یہ وہ دین تھا جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول تھا پھر لوگوں میں (شیطان کے بہکانے سے اور رائے و فکر کے اختلاف سے) بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے راہ حق بتانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے راہ حق بتانے اور اصلاح حال کرنے کے لئے اپنی پوری پوری کوششیں کیں یہ حضرات حق قبول کرنے والے کو جنت کی بشارت دیتے تھے۔ اور حق سے منہ موڑنیوالوں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر کتابوں کے ذریعہ امور اختلافیہ میں فیصلہ فرمایا اور حق اور ناحق کو ممتاز کر کے بتا دیا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم و تبلیغ سامنے ہوتے ہوئے بھی لوگوں نے اپنی نفسانیت اور ضد و عناد کی وجہ سے حق سے منہ موڑا اور باہمی

اختلاف کرتے رہے جن کو علم دیا گیا واضح دلائل سامنے ہوتے ہوئے حق سے منحرف ہوئے۔ اللہ جل شانہ نے اپنے فضل سے اہل ایمان کو راہ حق کی ہدایت دی اور جو چیز حق تھی وہ انکو بتادی۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر درمنثور میں وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابی بن کعب سے نقل کیا ہے کہ جن کو کتاب اور علم دیا گیا ان سے بنی اسرائیل مراد ہیں۔ اور بَغْيَاءُ بَيْنَهُمْ کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی حرص اور ملک کی طلب اور اسکی ظاہری زیب و زینت کی وجہ سے بعض نے بعض پر بغاوت کر دی اور آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مار دیں لہذا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہدایت دی جو اختلاف کے وقت اس دین پر قائم رہے جو دین حق تھا وہ خدا کے وعدہ لاشریک کے لئے اخلاص کے ساتھ دین میں لگے اور اختلاف والوں سے علیحدہ ہو کر رہے لہذا یہ لوگ قیامت کے دن دوسری قوموں یعنی قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح اور قوم شعیب (وغیرہم) کے مقابلہ میں گواہی دیں گے اور یہ بتائیں گے کہ ان کے رسولوں نے ان کو تبلیغ کی تھی لیکن انہوں نے ان کو جھٹلایا تھا اس عالم میں اللہ جل شانہ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے ہیں اور کتب الہیہ نازل ہوتی رہی ہیں۔ حق پر چلنے والے بھی رہے اور مخالفین بھی رہے اب اہل ایمان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اہل کفر ہماری مخالفت کرتے رہیں گے اور حق ظاہر ہونے کے باوجود اسے اختیار نہ کریں گے اور جب اختلاف ہوگا تو ان سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی اور قتل و قتل کی نوبت بھی آجائے گی۔ صبر بھی کرنا ہوگا اور اللہ کی راہ میں جان و مال بھی خرچ کرنا ہوگا کافر اپنے عناد پر جے رہیں گے۔ اہل ایمان کو ایمانی تقاضوں پر ثابت قدم رہنا لازم ہوگا۔ اس تقریر سے آیت اُمِّ حَسْبُكُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ کا ربط بھی سمجھ میں آ گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَكِنَّا يٰۤاَتِكُمْ مِّثْلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

کیا تم نے خیال کیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اُن لوگوں جیسے واقعات تمہیں پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔

مَسْتَهُمُ الْبَاسَاءُ وَالضَّرَآءُ وَزُلْزُلُوا حَتّٰی يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ

ان کو بچنی سختی اور تکلیف اور وہ لوگ جھنجھوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ رسول نے اور ان مؤمنین نے جو رسول کے ساتھی تھے

مَتّٰی نَصْرُ اللّٰهِ الْاِلَآءُ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝۱۱۱

کہہ دیا کہ کب ہوگی اللہ کی مدد خبردار بلاشبہ اللہ کی مدد قریب ہے

مصائب میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین اور اہم سابقہ

کے مسلمانوں سے عبرت حاصل کرنے کی تعلیم

تفسیر: مسلمانوں کو مشرکین اور یہود و منافقین سے برابر تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں۔ مکہ معظمہ میں جب تک رہے مشرکین برابر تکلیفیں پہنچاتے رہے پھر جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے آ گئے تو یہودیوں سے اور منافقوں سے واسطہ پڑا اور مشرکین مکہ نے یہاں بھی چین سے نہ رہنے دیا۔ ان کی دشمنی کی وجہ سے بدر اور اُحُد اور خندق کے غزوات پیش آئے۔ دشمنوں کی

ایڈارسانیوں کے علاوہ بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیفیں بھی پہنچتی رہتی تھیں۔

اسباب النزول میں ہے کہ یہ آیت غزوہ خندق کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ مسلمانوں کو سخت تکلیف پہنچی دشمنوں کا خوف بھی تھا اور سردی بھی سخت تھی اور کھانے پینے کی چیزیں بھی مہیا نہ تھیں۔ اور کئی طرح سے تکالیف کا سامنا تھا جس کو اللہ جل شانہ نے سورہ احزاب میں یوں بیان فرمایا ہے کہ: بَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ (اور کلیجے منہ کو آگئے تھے) نیز اللہ جل شانہ نے غزوہ احزاب کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ: هَذَا لَكَ ابْتِلٰی الْمُؤْمِنُوْنَ وَذَلُّوْا زُلُوْا اِلَّا شِدَّةً۔ (کہ اس موقع پر مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالا گیا اور ان کو سختی کے ساتھ جھنجھوڑا گیا) منافقین اس حال کو دیکھ کر طرح طرح کی باتیں کرنے لگے حتیٰ کہ کفریہ کلمات تک کہہ گئے اللہ رب العزت تعالیٰ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم جنت کی آرزو لئے بیٹھے ہوئے حالانکہ جسے جنت میں جانے کا ارادہ ہو اُسے آزمایا جاتا ہے۔ تکلیفوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ تم سے پہلے جو اہل ایمان تھے اُن کو دکھ پہنچا، مصیبتوں نے گھیرا، تکلیفوں نے دبوچا، اور ان کو اس قدر سختی کے ساتھ جھنجھوڑا گیا کہ ان کے زمانہ کے رسول نے اور ان کے ساتھیوں نے مدد میں دیر محسوس کی تو یوں کہہ دیا کہ اللہ کی مدد کب ہو گی۔ جب وہ اس حال پر پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری دی گئی کہ خبردار اللہ کی مدد قریب ہے۔

اس میں جہاں منافقین کو جواب دیا گیا (جنہوں نے غزوہ احد میں مَا وَعَدْنَا اللّٰهَ وَرَسُوْلُهُ اِلَّا غُرُوْرًا کہا تھا) وہاں مسلمانوں کو بھی تسلی دی گئی ہے یہ مصائب اور تکالیف کوئی نئی نہیں ہیں۔ تمہارے ساتھ نیا معاملہ نہیں کیا جا رہا ہے تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں۔ ان کو بھی آزمایا گیا ہے۔ جب ان کو بہت زیادہ تکلیف پہنچی اور انہوں نے مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ (کب ہوگی اللہ کی مدد) کہا تو اللہ پاک کی طرف سے اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ کا اعلان کیا گیا اور جلد ہی مدد آگئی تمہاری تکلیف بھی اس مرحلہ پر پہنچ چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے دنیا میں بھی مدد ہوگی اور جنت کا داخلہ بھی ہوگا۔ قال ابن کثیر قال اللہ تعالیٰ اِلَّا اِنْ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ کَمَا قَالَ فَاِنْ مَعَ الْعَسْرِ یَسِّرَا اِنْ مَعَ الْعَسْرِ یَسِّرَا وَکَمَا تَکُوْنُ الشَّدَّةُ یَنْزِلُ مِنَ النَّصْرِ مِثْلَهَا وَلِهٰذَا قَالَ تَعَالٰی اِلَّا اِنْ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ۔ اھ۔

یہ آزمائش پہلے نبیوں (علیہم السلام) پر اور ان کی امتوں پر آئی ہمارے رسول سرور عالم ﷺ پر آئی آپ کے صحابہؓ پر آئی تابعین پر آئی ان کے بعد مسلمانوں پر آتی رہی اور آتی رہے گی۔ سورہ عنکبوت میں فرمایا۔ اَلَمْ اَحْسِبِ النَّاسَ اَنْ یَّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ (کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا اور بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو آزمایا جو اُن سے پہلے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور جان لے گا۔ ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ضرور جان لے گا جھوٹوں کو) حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اُن تکلیفوں کی شکایت کی جو مشرکین مکہ سے پہنچتی رہتی تھیں۔ اس وقت آپ کعبہ کے سایہ میں چادر سے تکیہ لگائے ہوئے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا کیا آپ اللہ سے دعا نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو مسلمان تھے۔ ان میں سے بعض کو زمین میں گڑھا کھود کر کھڑا کر دیا جاتا تھا پھر آ رہ لا کر سر کے اوپر سے لیکر (نیچے تک) چیر دیا جاتا تھا جس سے دو ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ یہ تکلیف بھی اُن کو ان کے دین سے نہیں روکتی تھی۔ اور ان کے سروں میں لوہے کی کنگھیاں کی جاتی تھیں

جو گوشت سے گزر کر ہڈی اور پٹھے تک پہنچ جاتی تھی اور یہ چیز انہیں ان کے دین سے نہیں روکتی تھی۔ (مشکوٰۃ عن البخاری ص ۵۲۵)

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیجئے کہ جو مال تم خرچ کرو اس کا مصرف والدین اور قرابت دار

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝۹

اور یتیم اور مسکین لوگ ہیں۔ اور جو بھی خیر کا کوئی کام تم کرو گے سو اللہ اسکو خوب جاننے والا ہے

کن مواقع میں مال خرچ کیا جائے

تفسیر: اسباب النزول (ص ۶۰) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عمرو بن جوح انصاریؓ کے بارے میں نازل ہوئی وہ بوڑھے آدمی تھے اور بہت مال والے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا صدقہ کریں اور کس پر خرچ کریں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، تفسیر درمنثور (ص ۴۳۳ ج ۱) میں ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں نفلی صدقات کا ذکر ہے اور زکوٰۃ اس کے علاوہ ہے۔

سبب نزول کے بارے میں جو روایت نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دو باتوں کا سوال کیا گیا تھا، اول یہ کہ کیا خرچ کریں دوم یہ کہ کس پر خرچ کریں اللہ جل شانہ نے اولاً دوسرے سوال کا جواب دیا کہ والدین پر اور دیگر رشتہ داروں پر اور یتیموں پر اور مسکینوں پر خرچ کرو۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نفس پر اور بیوی بچوں پر چونکہ انسان اپنے ذاتی تقاضے سے خرچ کرتا ہے اس لئے سوال ان کے علاوہ دوسروں پر خرچ کرنے کے متعلق تھا۔ لہذا اخراجات کی تفصیل بتاتے ہوئے پہلے والدین کا ذکر فرمایا پھر ماں باپ کے بعد دوسرے رشتہ داروں کا اجمالی ذکر فرمایا جو اپنے کنبہ کے لوگ ہیں۔ پھر یتیموں اور مسکینوں کا ذکر فرمایا جو رشتہ داروں میں ہوتے ہیں اور رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے خاندانوں میں بھی ہوتے ہیں۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ! عرض کیا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ! پھر جو تجھ سے زیادہ قریب ہو پھر اس کے بعد جو تجھ سے زیادہ قریب ہو۔

پھر وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔ فرما کر پہلے سوال کا جواب دیدیا کہ جو مال بھی تھوڑا یا بہت خرچ کرو گے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا خوب علم ہے وہ اس سب کی جزا عطا فرماوے گا اور مال کو جو خیر سے تعبیر فرمایا اس میں یہ بتادیا کہ مال حلال ہو (کیونکہ مال حرام خیر نہیں ہے) اور رضائے الہی کے لئے خرچ ہوا (کیونکہ جس خرچ سے ریا کاری اور شہرت مقصود ہو وہ خیر نہیں ہے)۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ دوسرے سوال کے جواب کو اس لئے اہمیت دی گئی کہ کوئی شخص کتنا ہی مال خرچ کرے جب تک صحیح مصرف میں خرچ نہ ہو ثواب کا استحقاق نہ ہو گا یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی فضیلت سے متعلق بعض روایات حدیث آیت کریمہ لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُؤْا وَجُوهَكُمْ کے ذیل میں گزر چکی ہیں۔

کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

فرض کیا گیا تم پر جنگ کرنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو

وَعَسَىٰ أَنْ تَحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

جہاد کی فرضیت اور ترغیب

تفسیر: مکہ مکرمہ کے زمانہ قیام میں مسلمان بہت ہی ضعیف تھے، تھوڑے سے تھے کافروں کا تسلط تھا ان سے لڑنے اور جنگ کرنے کا کوئی موقع نہ تھا اور نہ جنگ کرنے کی اجازت تھی بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ قیام پذیر ہو گئے یہاں قیام کرنے کے بعد ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی جولڑنے کے لئے آمادہ ہو جائیں جیسا کہ سورہ حج میں فرمایا: اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَأَنَّهُمْ ظَلَمُوا۔ اس کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ عام مشرکین سے قتال کرنے کا حکم ہو گیا اگرچہ وہ ابتداء نہ کریں (قرطبی)

آیت بالا کے عموم سے بظاہر یہی مستفاد ہوتا ہے کہ کفار سے جنگ کرنا ہر مسلمان پر نماز روزہ کی طرح فرض عین ہے لیکن سورہ براءت کی آیت وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (الایۃ) سے اور بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتال کرنا ہر مسلمان پر ہر وقت فرض عین نہیں ہے اسی لئے فقہاء نے اس بارے میں تفصیل لکھی ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ بعض حالات میں فرض عین اور عام حالات میں فرض کفایہ ہے کافروں سے جنگ کرنا جارحانہ بھی مشروع ہے اور دفاعی بھی جیسا کہ قرآن و حدیث کے نصوص عامہ سے ثابت ہے۔ عام طور سے کافروں سے جنگ کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے لفظ جہاد جہد سے لیا گیا ہے جو محنت اور کوشش کے معنی میں ہے یہ اپنے عمومی معنی کے اعتبار سے ہر اس محنت اور کوشش کو شامل ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے ہو سورہ براءت میں فرمایا: الْفُرُوقَ خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (نکل کھڑے ہو ہلکے ہو یا بھاری اور جہاد کرو اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں یہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو)۔

اس آیت میں مال اور جان دونوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جَاهِدُوا الْمَشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ (باب کراہیۃ ترک الغزو)

اس حدیث میں زبانوں سے جہاد کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے۔ زبان سے جہاد کرنے میں بہت باتیں آگئیں کافروں سے مناظرہ کرنا، ان کے خلاف تقریریں کرنا، مسلمانوں کو جہاد کے لئے ترغیب دینا اور آمادہ کرنا وغیرہ مسلمانوں پر ہر قسم کا جہاد باقی رکھنا لازم ہے۔ علامہ ابوبکر حصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام مالک اور تمام فقہاء امصار کا قول ہے کہ جہاد قیامت تک فرض ہے، لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ عام حالات میں فرض کفایہ ہے مسلمانوں کی ایک جماعت اس میں مشغول رہے گی تو باقی مسلمانوں کو اس کے ترک کرنے کی گنجائش ہوگی اور یہ بھی لکھا

ہے کہ تمام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسلمانوں کے ممالک کی سرحدوں کے رہنے والے مسلمان اگر طاعت ورنہ ہوں اور ان میں کافروں سے مقابلہ کی طاقت نہ ہو جس کی وجہ سے انہیں اپنے شہروں اور اپنی جانوں اور اپنے بال بچوں پر دشمنوں کی طرف سے خوف ہو تو ساری امت پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے گھروں سے نکلیں اور کافروں کے حملہ سے مسلمانوں کی حفاظت کریں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امت میں کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے کہ جب (کسی علاقہ میں) مسلمانوں کو اپنی جانوں کے قتل ہونے کا اور بچوں کے قید ہونے کا خطرہ ہو تو دوسرے (علاقہ کے) مسلمانوں کو ان کی مدد چھوڑ کر گھر میں بیٹھنا جائز ہو۔

پھر لکھا ہے کہ امام المسلمین پر اور علمۃ المسلمین پر لازم ہے کہ ہمیشہ کافروں سے جنگ کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ اسلام قبول کریں یا جزیہ ادا کریں۔ (ثم قال: وهو منہب أصحابنا ومن ذکرنا من السلف المقداد بن الأسود و أبي طلحة في

آخرین من الصحابة والتابعین وقال حلیفہ بن الیمان: الاسلام ثمانية أسهم و ذکر سہما منها الجہاد)

علامہ جصاص نے جہاد کی فرضیت پر متعدد آیات قرآنیہ نقل کی ہیں۔ مثلاً: (وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً

وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ) اور (قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ. الْآيَةُ) اور (قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ

الْآخِرِ. الْآيَةُ) اور (فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ الْآغْلَوْنَ) اور (فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ

وَجَدْتُمُوهُمْ) اور (وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً) وغیرہا من الآيات صاحب ہدایہ لکھتے ہیں

کہ جہاد فرض کفایہ ہے، مسلمانوں کی ایک جماعت اگر اس فریضہ پر قائم رہے تو باقی مسلمانوں سے ساقط ہو جائے گا۔ اور

اگر کوئی بھی جہاد میں مشغول نہ رہے تو سب گناہ گار ہوں گے۔ پھر لکھتے ہیں کہ کافروں سے قتال کرنا واجب ہے اگرچہ وہ

خود سے جنگ میں پہل نہ کریں اور اگر مسلمانوں کے کسی شہر پر دشمن چڑھ آئیں تو تمام مسلمانوں پر ان کا دفاع لازم ہوگا۔

اس صورت میں عورت بھی شوہر کی اجازت کے بغیر نکل کھڑی ہو اور غلام بھی آقا کی اجازت کے بغیر میدان میں آجائے

اس لئے کہ اس صورت میں دشمنوں سے جنگ کرنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ کتاب السیر) جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔

جہاد اور قتال اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اور اللہ کا دین پھیلانے کے لئے ہے اور جنگ برائے جنگ نہیں ہے اور جہاد کے

لئے مستقل احکام ہیں جو حدیث اور فقہ کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔

جہاد کے بعض احکام:

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جب مسلمان کافروں کے ملک میں داخل ہوں اور ان کے کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کر لیں تو ان کو

اسلام کی دعوت دیں اگر وہ دعوت قبول کر لیں اور اسلام لے آئیں تو جنگ کرنے سے رُک جائیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی گواہی دیں (اور مجھ پر اور

میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائیں کم از کم اسلام فی روایت)۔ اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کی

دعوت دیں اگر وہ جزیہ ادا کرنا منظور کر لیں تو پھر ان کے وہی حقوق ہونگے جو مسلمانوں کے ہیں اور ان کی وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو (ملک

کی حفاظت کے سلسلے میں) مسلمانوں پر عائد ہوں گی (لیکن جزیہ کی دعوت مشرکین عرب کو نہیں دی جائیگی ان کیلئے اسلام ہے یا

تلوار ہے) جن لوگوں کو دعوت اسلام نہیں پہنچی ان کو دعوت دیئے بغیر جنگ کرنا جائز نہیں۔ اور جن لوگوں کو دعوت اسلام پہنچ

چکی ہے۔ ان کے بارے میں مستحب ہے کہ پہلے ان کو دعوت دی جائے پھر قتل کیا جائے اگر کفار قبول اسلام سے بھی انکاری ہوں اور جزیہ دینے پر بھی راضی نہ ہوں تو اللہ سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ کی جائے اور عورتوں کو اور بچوں کو اور بہت بوڑھے کو اور اپانچ کو اور اندھے کو قتل نہ کیا جائے۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی شخص امور حرب میں رائے رکھنے والا ہو یا عورت یا دشمن بنی ہوئی ہو تو انکو قتل کر دیا جائے (من الہدایۃ باب کیفیۃ القتال) مسلمانوں نے جب سے جہاد چھوڑا ہے دشمنوں نے ان پر قابو پایا ہوا ہے۔ اور ایسے معاہدوں میں جکڑ دیا ہے جن کی وجہ سے وہ کافروں پر حملہ نہ کر سکیں اور کافروں کا اپنا یہ حال ہے کہ معاہدوں کی پاسداری کے بغیر جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ سر اسر خیر ہی ہے اس سے اسلام پھیلتا ہے کافروں پر جحت قائم ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں قوت آتی ہے دشمن مغلوب ہوتے ہیں اور مغلوب رہتے ہیں مسلمان با عزت زندہ رہتے ہیں۔ اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کرنا دشمنان دین کے مشوروں پر چلنا اور ان سے دینا اسی نے تو عالم میں مسلمانوں کی ساکھ خراب کر رکھی ہے۔

مسلمانوں نے خدمت اسلام کے جذبہ کو چھوڑ دیا۔ حُب جاہ حُب اقتدار نے ان کے چھوٹے چھوٹے ملک بنادیئے ہر ایک اپنے اقتدار کی ہوس میں ہے اور اقتدار باقی رکھنے کے لئے دشمنوں کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ اس طوائف المملو کی نے مسلمانوں کی طاقت کو منتشر کر رکھا ہے۔ آپس میں لسانی عصیتوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کی جانوں کے پیاسے بنے ہوئے ہیں۔ دشمنوں کی شہہ پر اپنی وحدت ختم کر رکھی ہے۔ سارے عالم کے مسلمانوں کا اگر ایک ہی ملک ہوتا اور ایک ہی امیر المومنین ہوتا سارے مسلمان اسلام ہی کے لئے سوچتے اور اسی کے لئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے تو کسی دشمن کی ہمت نہ تھی کہ آنکھ اٹھا کر دیکھتا دشمنوں نے عصیتیں سمجھا کر بہت سارے چھوٹے چھوٹے ملک بھی بنادیئے اور جہاد سے بھی دور کر دیا۔ لہذا اپنے قابو میں کچھ نہ رہا ہمت کر کے آپس میں ایک ہوں تو اب بھی ان شاء اللہ حال ٹھیک ہو جائے گا۔

مجاہدین کے فضائل:

حضرت ابو ہریرہؓ حضرت سہیل بن سعد اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام کو نکلتا ساری دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ضرور میری خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ (صحیح بخاری ص ۱۳۹۲ ج ۱)

حضرت عبدالرحمن بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بندے کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلودہ ہو گئے اُسے دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی۔ (بخاری)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ جو بھی کوئی شخص جنت میں داخل ہو گا وہ دنیا میں واپس آنے کی آرزو نہ کرے گا۔ خواہ اس کو وہ سب کچھ مل جائے جو دنیا میں ہے سوائے شہید۔ وہ وہاں جواپنا اعزاز دیکھے گا۔ اسکی وجہ سے آرزو نہ کرے گا کہ دنیا میں واپس چلا جاتا اور دس مرتبہ قتل کیا جاتا۔ (صحیح بخاری ص ۱۳۹۵ ج ۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن ایک رات اسلامی ملک کی سرحد کی حفاظت میں گزارنا ایک ماہ کے روزے رکھنے اور راتوں رات ایک ماہ نمازوں میں قیام کرنے سے بہتر ہے اگر یہ شخص اسی حالت میں وفات پا گیا تو (ثواب کے اعتبار سے) اُس کا وہ عمل جاری رہے گا جو عمل وہ کیا کرتا تھا اور اُس کا رزق جاری رہے گا اور (قبر میں) فتنہ ڈالنے والوں سے پُرامن رہے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۲ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اس نے جہاد نہیں کیا اور اس کے نفس میں جہاد کا خیال بھی نہ آیا تو وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مر گیا۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۱ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہوا اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی ہوتا ہے تو وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا۔ رنگ تو خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔ (صحیح بخاری ص ۳۱۳ ج ۲، صحیح مسلم ص ۱۴۳ ج ۲)

جہاد میں مال خرچ کرنے کا ثواب

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا بھی بڑا ثواب ہے۔ ایک شخص نے جہاد کے لئے ایک اونٹنی پیش کر دی جس کو مہار لگی ہوئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تیرے لئے اس کے عوض قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ہوں گی ہر ایک کی مہار لگی ہوئی ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۳ ج ۲) (یعنی مہار لگی ہوئی سات سو اونٹنیاں خرچ کرنے کا ثواب ملے گا)

جہاد میں شرکت کے لئے جانے والے کو سامان دے دینا جس سے وہ جنگ کرے اور کھائے پئے اس کا بھی بہت بڑا ثواب ہے۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جن نے کسی فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کو سامان دیا اُس نے (بھی) جہاد کیا اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے گھر والوں کی خدمت میں خیر کے ساتھ رہا اس نے بھی جہاد کیا۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۹ ج ۱)

جہاد پر دشمنان اسلام کا اعتراض اور اس کا جواب

دشمنان اسلام نے جہاد کو بہت مکروہ طریقہ پر پیش کیا ہے اول تو اسلام کی دشمنی میں اسلام کی دعوت کو نہیں سمجھتے۔ اسلام کی دعوت یہ ہے کہ سارے انسان اللہ کو وحدہ لا شریک مانیں اس کے سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لائیں۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا نبی اور رسول مانیں قرآن پر ایمان لائیں اور محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی طرف سے جو شریعت پیش کی ہے اس کو مانیں جو شخص یہ سب قبول کرے گا وہ مسلم ہوگا۔ اللہ کا فرمانبردار ہوگا مستحق جنت ہوگا اور جو شخص اس دین و شریعت کو قبول نہ کرے گا۔ وہ کافر ہوگا، مستحق دوزخ ہوگا۔ ہمیشہ ہمیش آگ کے دائمی عذاب میں رہے گا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے جب مسلمان کافروں سے جنگ کریں تو انہیں پہلے اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو کوئی لڑائی نہیں، جنگ نہیں، قتال نہیں، اگر اسلام کو قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ دینے کو کہا جائے گا۔ پھر اگر جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو جنگ کی جائے۔ جہاد کا مقصد اعلیٰ کافروں کو دین حق کی طرف بلانا ہے تاکہ وہ جنت کے مستحق ہو جائیں اگر جنگ کر کے کسی قوم کو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا تو اس میں ان کے ساتھ احسان ہی کیا کسی قوم کے تھوڑے

سے افراد جنگ میں کام آگئے اور اکثر افراد نے اسلام قبول کر لیا تو مجموعی حیثیت سے اس قوم کا فائدہ ہی ہوا اگر کوئی قوم اسلام قبول نہ کرے اور جزیہ دینے پر راضی ہو جائے اور اس طرح مسلمانوں کی عملداری میں رہنا قبول کرے تو اس میں بھی اس قوم کا فائدہ ہے کہ دنیاوی اعتبار سے انکی جانیں محفوظ ہو گئیں اور آخرت کے اعتبار سے یہ فائدہ ہوا کہ انہیں دین اسلام کے بارے میں غور کرنے کا موقع مل گیا۔ مسلمانوں کی اذانیں سنیں گے۔ نمازیں دیکھیں گے۔ مسلمانوں کا جو اللہ سے تعلق ہے اور جو مخلوق کے ساتھ ان کے معاملات ہیں وہ سامنے آئیں گے۔ مسلمانوں کے زہد و تقویٰ سے متاثر ہوں گے۔ اس طرح سے اقرب ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں اور کفر سے بچ جائیں اور آخرت کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں۔ رہا جزیہ تو وہ انکی جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہے اور وہ بھی سب پر نہیں ہے۔ اور زیادہ نہیں ہے۔ اس ساری تفصیل سے سمجھ لینا چاہئے کہ جہاد میں کافروں کی خیر خواہی پیش نظر ہے اگر کافروں کی کوئی جماعت اسلام بھی قبول نہ کرے اور جزیہ دینا بھی منظور نہ کرے تو ان کے ساتھ جنگ اور قتل و قتال کا معاملہ ہوگا کافر اللہ کا باغی ہے۔ کفر بہت بڑی بغاوت ہے۔ مجازی حکومتوں میں سے کسی حکومت کی کوئی فرد یا جماعت بغاوت کرے تو اس کو سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے اللہ کے باغی جو اسکی زمین پر بستے ہیں اس کا دیا کھاتے ہیں اسکی عطا کی ہوئی نعمتیں کام میں لاتے ہیں اللہ پر ایمان نہیں لاتے اگر اللہ کو مانتے ہیں تو اس کے ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ بتوں کو پوجتے ہیں اور بہت سے خدا مانتے ہیں ایسے لوگ اس قابل کہاں ہیں کہ خدا کی زمین پر زندہ رہیں اللہ کے وفادار بندے جنہوں نے اللہ کے دین کو قبول کر لیا اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہیں پھر ان باغیوں کے منکر ہونے کے بعد اللہ کے وفادار بندے ان کو قتل کر دیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ دنیا سے کفر و شرک مٹانے کے لئے اور خالق و مالک جل مجدہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے جو اسلام میں جہاد شروع کیا گیا ہے اس پر تو دشمنوں کو اعتراض ہے لیکن صدیوں سے دشمنان اسلام خاص کر یورپ کے لوگ جو ایشیاء کے ممالک پر قبضہ کرتے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں جو لاکھوں کروڑوں خون ہوئے ہیں۔ اٹھارہ سو ستاون (۱۸۵۷ء) میں جو انگریزوں نے ہندوستانوں کا قتل عام کیا ہے اور ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۲ء میں جو عالمی جنگیں ہوئی تھیں اور ہیر و شیمار جو بم پھینکا گیا اور ایک طویل زمانہ تک جو صلیبی جنگیں ہوئی ہیں جن میں لاکھوں انسان تہ تیغ ہوئے یہ سب کچھ کوئی خیر پھیلانے کے لئے ہوا؟ کیا اس میں ملک گیری کی ہوس اور کفر و شرک پھیلانے کے عزائم اور دین اسلام کو مٹانے کے ارادے نہیں تھے؟ یہ ان لوگوں کی حرکتیں ہیں جو سیدنا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت رکھنے کے جھوٹے دعوے دار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم یہ تھی کہ کوئی شخص تمہارے رخسار پر ایک طمانچہ مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے کر دواور مشرکین ہند کو دیکھو جن کے یہاں ہتھیار رکھنا بہت بڑا پاپ ہے جو جو ہمارے کو بُرا جانتے ہیں وہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں اور برابر فساد کرتے ہیں اور قتل و خون کا بازار گرم کرتے رہتے ہیں۔

اسلامی جہاد پر اعتراض کرنے والے اپنے آئینہ میں اپنا منہ نہیں دیکھتے اور جو لوگ اللہ کے باغی ہیں انکی بغاوت کو کچلنے والوں کے جہاد اور قتال پر اعتراض کرتے ہیں سچ ہے ۔

اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پرواہ ہے؟

غلط الزام بھی اوروں پر لگا رکھا ہے!

یہ ہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام

یہ نہ ارشاد ہوا تو پ سے کیا پھیلا ہے؟

ممکن ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو

آیت بالا میں جہاد کی فرضیت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ (کہ ممکن ہے تمہیں کوئی چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تمہیں کوئی چیز محبوب ہو اور وہ تمہارے لئے بری ہو)

سیاق کلام کے اعتبار سے تو اس کا تعلق جہاد اور قتال سے ہے کہ طبعی طور پر جہاد ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن نتائج اور ثمرات کے اعتبار سے تمہارے لئے بہتر ہے اور جہاد چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جانا اور کاروبار میں لگنا تمہاری محبوب چیز ہے لیکن حقیقت میں اس کا چھوڑ دینا تمہارے حق میں شر ہے اور اس کے چھوڑ دینے سے بہت سی خیر سے محرومی ہے اور بُرے نتائج سامنے آنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن انداز بیان ایسا اختیار کیا گیا ہے کہ جہاد کے علاوہ بھی بہت سے امور کو شامل ہے، عموماً انسان بعض چیزوں کو مکروہ جانتا ہے لیکن اس کے لئے وہ بہتر ہوتی ہیں اور بہت سی چیزوں کو پسند کرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اس کے لئے مُضر ہوتی ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا رات دن تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ لہذا خیر اسی میں ہے کہ اللہ کے احکام ماتیں اور ان ہی پر چلیں۔ آخر میں ارشاد فرمایا: وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ کہ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے، کیونکہ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ اسے اپنی مخلوق کا نفع و ضرر اور مصلحت سب کچھ معلوم ہے وہو بكل شیء علیم۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ

آپ سے شہر حرام کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا جرم ہے اور

سَبِيلُ اللَّهِ وَكَفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدَ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ

اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اہل مسجد حرام کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک

وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ

اس سے بڑا گناہ ہے اور فتنہ پر دہائی قتل کرنے سے بڑا جرم ہے۔ اور کافر لوگ برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں پھیر دیں

دِينَكُمْ إِنْ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فِيمَتْ وَهُوَ كَافِرٌ

تمہارے دین سے اگر اُن سے ہو سکے اور وہ شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر جالت کفر میں مرجائے

فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ

سو دنیا و آخرت میں ایسے لوگوں کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے

سَبِيلَ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٦٩﴾

اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکنا اور قتل پر دازی کرنا جرم کے اعتبار سے قتل سے بڑھ کر ہے

تفسیر: رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن جحش کی امارت میں چند مہاجرین سے فرمایا کہ مقام بنی نخلہ میں پہنچ کر قریش کے قافلہ کا انتظار کرنا ممکن ہے کوئی خیر کی خبر لے آؤ بطن نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان ہے یہ حضرات وہاں پہنچے تو قریش کا قافلہ گزرتا ہوا نظر آیا جو طائف سے سامان تجارت کشمش وغیرہ لے کر آ رہا تھا یہ قافلہ عمرو بن الحضرمی اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبد اللہ بن مغیرہ اور نوفل بن عبد اللہ پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں نے حضرات صحابہ کرام کو دیکھا تو ڈر گئے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ لوگ خوف زدہ ہو گئے لہذا ان پر حملہ کر دینا چاہئے جب مشورہ سے یہ بات طے ہو گئی تو واقد بن عبد اللہ تمیمی نے عمرو بن الحضرمی کو تیر مار کر قتل کر دیا یہ پہلا مشرک تھا جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا نیز حضرات صحابہؓ نے حکم بن کیسان اور عثمان بن عبد اللہ کو قید کر لیا۔ یہ دونوں سب سے پہلے قیدی تھے جنہیں مسلمانوں نے قید کیا۔ قافلہ کا ایک فرد نوفل بن عبد اللہ قابو میں نہ آیا اور فرار ہو گیا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس قافلہ کے سامان کو اور دونوں قیدیوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ کی انتیس تاریخ گزرنے کے بعد آنے والے دن میں پیش آیا۔ اس کے بارے میں یہ طے نہ کر سکے کہ یہ جمادی الاخریٰ کی تیس تاریخ ہے یا رجب کی پہلی ہے۔

رجب کا مہینہ ان چار مہینوں میں شمار ہوتا تھا جن میں جنگ کرنا ممنوع تھا (زمانہ جاہلیت میں ذی قعدہ ذی الحجہ محرم اور رجب میں قتال نہیں کرتے تھے اور ابتدائے اسلام میں بھی ان میں قتال کرنے کی ممانعت تھی) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو یہ حملہ کر دیا تھا اس میں رجب کا شروع ہونا تحقق نہیں تھا لیکن قریش مکہ نے اس کو اپنے اعتراض کا نشانہ بنالیا اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے اس مہینہ میں قتال حلال کر لیا جو شہر حرام ہے۔ اس مہینہ میں لوگ امن کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں اور اپنی روزیوں کے لئے منتشر ہو جاتے ہیں۔ اور انہوں نے اس ماہ کی بے حرمتی کی ہے۔ اس اعتراض کو انہوں نے بہت اہمیت دی۔ مسلمانوں کی جس جماعت نے حملہ کیا تھا ان کو قریش مکہ نے عار دلائی۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کا حملہ آور ہونا پسند نہ آیا اور آپ نے فرمایا کہ میں نے تو تمہیں شہر حرام میں قتال کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ آپ نے یہ سامان اور دونوں قیدیوں کا معاملہ موقوف رکھا اور اس مال میں سے کچھ بھی نہیں لیا جس جماعت نے یہ کارروائی کی تھی انہیں بڑی ندامت ہوئی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جس دن ہم نے عمرو بن حضرمی کو قتل کیا ہے اس دن شام کو جو چاند نہ نظر آیا تو اس کے اعتبار سے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں کہ یہ قتل ہم سے جمادی الاخریٰ میں ہوا یا رجب میں اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ نزول آیت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قافلہ کا سامان لے لیا اور اس میں سے خمس علیحدہ کر لیا جو مال غنیمت کا اصول ہے۔ اور باقی مال اسی جماعت پر تقسیم کر دیا جنہوں نے قافلہ سے مال چھین لیا تھا جو دو قیدی مسلمانوں نے پکڑ لئے تھے مال دے کر ان

کو مکہ والوں نے چھڑا لیا پھر ان دونوں میں سے حکم بن کیسان تو مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ میں رہے اور پھر معونہ کے غزوہ میں شہید ہوئے اور دوسرا قیدی عثمان بن عبداللہ نامی مکہ معظمہ واپس جا کر حالت کفر میں مر گیا۔ (اسباب النزول ص ۶۱ ص ۶۲ روح المعانی ص ۷۸ ص ۷۹) مشرکین نے جو اعتراض کیا تھا اس کے جواب میں اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ آپ فرما دیجئے شہر حرام میں قاتل کرنا بڑا گناہ ہے لیکن مشرکین کو اپنے کړتوت نظر نہیں آتے۔ اللہ کی راہ سے روکنا دین حق قبول کرنے والوں کو منع کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اہل مسجد حرام کو وہاں سے نکالنا (جیسا کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے اصحاب کو مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا حالانکہ مسجد حرام کے تقدس کو باقی رکھنے والے اور نمازوں سے اسے معمور کرنے والے یہی حضرات تھے) یہ سب چیزیں اللہ کے نزدیک شہر حرام میں قتل کرنے سے گناہ گاری میں بڑھ کر ہیں جن کا ارتکاب کیا ہے (قال القرطبی ص ۳۶ ج ۳) وما تفعلون انتم من الصد عن سبیل اللہ لمن اراد لا سلام ومن کفرتہم باللہ و اخر ارجکم اهل المسجد منه کما فعلتم برسول اللہ ﷺ واصحابہ اکبر جرماً عند اللہ۔

پھر فرمایا الْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔ (فتنہ پر دازی جرم میں قتل سے بڑھ کر ہے) مشرکین مکہ شرک و کفر میں مبتلا تھے اور جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ان کو مارتے پیٹتے تھے اور کفر میں واپس لے جانے کی کوشش کرتے تھے یہ سب بہت بڑا فتنہ ہے جو اللہ ایک شخص کے قتل سے بہت بڑھ کر ہے جسے بعض صحابہؓ نے چاند کی سطح تاریخ معلوم نہ ہوونے کی وجہ سے قتل کر دیا تھا پھر مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ وَلَا يَزَالُونَ يَقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَزُودُوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ وہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اس میں مشرکین کے عزائم بتائے ہیں کہ وہ تمہارے ایمان سے کبھی بھی راضی نہ ہوں گے اور اپنے دین میں واپس کر نیکی کوششیں کرتے رہیں گے (وہ اپنے دین میں پختہ ہیں تم اپنے دین میں پختہ نہ ہو وہ تمہیں اپنے دین میں کھینچنا چاہتے ہیں تم انہیں اپنے دین میں لانے کی کوشش کرتے رہو)

مرشد کے احکام: اسکے بعد فرمایا وَمَنْ يَزِدْكُمْ عَنْ دِينِكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَلَوْلَيْكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي النَّارِ وَالْآخِرَةِ اُولَئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر حالت کفر میں مرجائے تو دنیا و آخرت میں اُن لوگوں کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے)

اس میں مرشد کے بعض احکام بتائے ہیں دین اسلام قبول کرنے کے بعد جو شخص اس کو چھوڑ کر کوئی سا بھی دین اختیار کرے۔ (اور اسلام کے علاوہ ہر دین کفر ہی ہے) تو اس نے زمانہ اسلام میں جو اعمال کئے تھے وہ سب ضائع ہو گئے۔ کفر کی وجہ سے ان سب کا اجر و ثواب ختم ہو گیا دنیا میں بھی اُن اعمال کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جو زمانہ اسلام میں کئے تھے اور آخرت میں بھی ان کا کوئی اجر و ثواب نہ ملے گا اور دوسرے کافروں کی طرح وہ بھی ہمیشہ دوزخ میں جائے گا۔ سورہ مائدہ میں فرمایا: وَمَنْ يَخْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ۔ (اور جو شخص ایمان کا منکر ہو جائے تو اس کے اعمال حبط ہو گئے اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) جو شخص مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) اس سے بات کی جائے۔ اس کا جو کوئی شبہ ہو دُور کیا جائے اور تین دن اسے بند رکھا جائے اگر تین دن گزر جائے پر اسلام قبول نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر عورت مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) اور باوجود سمجھانے کے دوبارہ اسلام نہ لائے تو

اسے بند کر دیا جائے یہاں تک کہ مسلمان ہو جائے اگر اسلام قبول نہ کرے تو موت آنے تک جیل ہی رکھی جائے۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسے بھی تین دن کی مہلت دینے کے بعد قتل کر دیا جائے جب کسی نے اسلام کے بعد کفر اختیار کر لیا تو اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس کے تمام اموال اس کی ملک سے نکل گئے پھر اگر مسلمان ہو گیا تو واپس اس کی ملک میں آجائیں گے۔ اگر حالت کفر میں مر گیا یا مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تو اس کے وہ اموال جو اس نے زمانہ اسلام میں کسب کئے تھے اس کے مسلمان وارثوں کو مل جائیں گے۔ اور جو مال اس نے مرتد ہونے کی حالت میں کمایا اس پر مال فنی کے احکام جاری ہوں گے۔ (یعنی اس کا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا اور وہ حسب قواعد مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ کر دیا جائے گا) یہ حضرت امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ اور حضرت امام شافعی نے فرمایا کہ دونوں قسم کے اموال میں فنی کے احکام جاری ہوں گے۔

اور جیسے ہی کوئی شخص مرتد ہو جائے اسکی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی۔ اگر کوئی ایسا شخص مرجائے جس کی اسے میراث پہنچی تھی تو اسکی میراث سے یہ شخص محروم ہوگا۔ مرتد کی نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اور اسکا ذبیحہ بھی حرام ہوگا۔ ارتداد سے پہلے جو بھی نیک کام نماز روزہ حج عمرہ وغیرہ کیا تھا یہ سب ضائع ہو گیا۔ آخرت میں اس کا کوئی ثواب نہیں ملے گا اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اگر یہ شخص دوبارہ مسلمان ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ سوا اسکے بارے میں جان لینا چاہئے کہ آخرت میں دوزخ سے بچ جائے گا اور دنیا میں بھی آئندہ احکام اسلام اس پر جاری ہوں گے اور اُسے خود بھی احکام اسلام پر عمل پیرا ہونا لازم ہوگا اور عام مسلمان بھی اس سے مسلمانوں جیسا معاملہ کریں گے۔ رہی یہ بات کہ اس کے گزشتہ اعمال صالحہ کا ثواب پھر سے واپس ملے گا یا نہیں اور جو حج کر لیا تھا اسکی فرضیت دوبارہ عود کرے گی یا نہیں اس بارے میں حضرات ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرتد ہو جانے کی وجہ سے جو اس کے اعمال ضبط ہو گئے تھے اب دوبارہ مسلمان ہونے سے ان کا ثواب واپس نہ ہوگا اور جو حج کر لیا تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ اب حج فرض دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔ مرتد ہونے کی وجہ سے جو بیوی نکاح سے نکل گئی تھی دوبارہ اسلام قبول کرنے سے پھر باہمی رضامندی سے نکاح کریں تو ہو سکتا ہے دوبارہ نکاح نہ کیا تو اسکی بیوی نہ ہوگی۔

لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ کے عموم میں مرتد شامل نہیں:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرتد دوبارہ اسلام قبول نہ کرنے سے جو قتل کیا جائے گا یہ تو ایک قسم کا جبر ہے حالانکہ سورۃ بقرہ ہی میں دوسری جگہ (۳۳ع) لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ فرمایا ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ دین میں زبردستی نہیں ہے۔ درحقیقت یہ سوال وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ان کافروں سے متعلق ہے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا جب کسی نے ایک مرتبہ اسلام قبول کر لیا اور اسکو حق مان لیا دلائل سے سمجھ لیا اسکی برکات دیکھ لیں تو اب اس کے لئے صرف یہی ہے کہ یا اسلام قبول کرے یا قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ (رواہ البخاری ص ۲۳۳ ج ۲)

آخر میں یہ فرمایا: اِنَّ الدِّیْنَ اَمْنٌ وَّ هَاجَرٌ وَّ جَاهِلٌ (الایۃ) اس کے بارے میں مفسر ابن کثیر (ص ۱۵۸ ج ۱) لکھتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور انکے ساتھیوں کا مسئلہ حل ہو گیا اور سرور عالم ﷺ نے انکے لائے ہوئے مال کو جو کافروں سے لے لیا تھا ۱/ انکا لرباقی مال انہی پر تقسیم فرمادیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم اس بات

کی اُمید کریں کہ جو کچھ ہم نے کیا ہے یہ ہمارے لئے جہاد شرعی میں شمار ہو جائیگا اور اس میں ہمیں وہ اجر مل جائے گا جو مجاہد کو ملا کرتا ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ شانہ نے واضح طور پر بتا دیا کہ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں یہ لوگ رحمت کی اُمید رکھتے ہیں۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کا اُمید رکھنا صحیح ہے اور ان لوگوں سے جو خطاء اجتہادی کے طور پر ایک آدمی قتل ہو گیا تھا وہ بھی اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔

فائدہ: قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كِبِيْرٌ (آپ فرمادیجئے کہ شہر حرام میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے) اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ شہر حرام میں قتال کرنا ممنوع ہے۔ سورۃ براءۃ کی آیت اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اَثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ سے بھی خوب واضح طور پر چار مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت معلوم ہو رہی ہے۔ ان چار مہینوں میں قتال کی حرمت اب بھی باقی ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے تھے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے لہذا اشہر حرم میں قتال کرنا جائز نہیں الا یہ کہ دشمن قتال کرنے لگے تو اس کے جواب میں قتال کرنا جائز ہوگا۔ حضرت سلیمان بن یسار اور سعید بن المسیب فرماتے تھے کہ اشہر حرم میں قتال کی ممانعت منسوخ ہو گئی اور اب اشہر حرم میں قتال کرنا جائز ہے علامہ ابوبکر صاں لکھتے ہیں: وھو قول فقھاء الامصار (کہ یہی فقہاء امصار کا قول ہے)۔

پھر لکھتے ہیں کہ پہلا حکم حرمت قتال والا منسوخ ہے۔ آیت کریمہ اَقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُمُوْهُمْ اور دوسری آیت قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اشہر حرم میں قتال کی ممانعت کے بعد نازل ہوئی۔ (احکام القرآن ص ۳۲۲ ج ۱)

علامہ قرطبی (ص ۴۳ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اشہر حرم میں قتال کرنے کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے اور اب ان میں قتال کرنا مباح ہے اس کا ناخ کون ہے۔ اس میں اختلاف ہے حضرت زہری نے فرمایا کہ آیت کریمہ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَافَّةً (سورہ توبہ) نے اسے منسوخ کر دیا اور بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر حرام میں بنی ثقیف سے جہاد فرمایا تھا اور حضرت ابوعامر اشعری کو شہر حرام میں وادی اوطاس میں جہاد کرنے کے لئے بھیجا تھا اھ بہر حال جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اشہر حرم میں قتال کرنے کی ممانعت منسوخ ہے ائمہ اربعہ کا بھی یہی مذہب ہے اور اگر دشمن جنگ کی ابتداء کر دیں تو اس صورت میں وہ حضرات بھی جنگ کر نیکی اجازت دیتے ہیں جو اس حکم کو منسوخ نہیں مانتے ہیں۔

یَسْأَلُوْكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اَثْمٌ کَبِیْرٌ وَمَنْفَعَةٌ لِّلنَّاسِ وَرِثَمٰهُمَا

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں اور ان کا گناہ

اکبر من نفعہما ویسئلونک ماذا ینفقون ؕ قُلِ الْعَفْوَ کَذٰلِکَ یُحِبُّ اللّٰهُ

ان کے نفع سے بڑا ہے اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں آپ فرمادیجئے کہ جو زائد ہو وہ خرچ کر دیں اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے

لَكُمْ اٰلِیٰتٌ لَّعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۝ وَیَسْأَلُوْكَ عَنِ الْیَمٰمِ

آیات تاکہ تم فکر کرو دنیا میں اور آخرت میں اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں قیموں کے بارے میں

قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَارْجُوا إِلَهُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ

آپ فرمادیجئے کہ اصلاح کرنا ان کے لئے بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ آپس میں ملا تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم میں مفسد کون ہے

الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۱۷﴾

مصلح کون ہے اور اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈالتا بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے

شراب اور جوئے کی حرمت

تفسیر: ان آیتوں میں اول تو شراب اور جوئے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہیں پھر یہ فرمایا کہ ان کا گناہ ان کے منافع سے بڑا ہے اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ کسی چیز کے نفع مند ہونے سے اس کا حلال ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز نفع مند ہو اور حرام بھی ہو۔ حرام حرام ہی رہے گا خواہ اس میں کتنا ہی بڑا نفع ہو۔ اور اس کے ارتکاب میں گناہ ہوگا جو دنیا و آخرت میں باعث وبال ہوگا۔ شراب اور جوئے کے بارے میں تفصیلی کلام ان شاء اللہ تعالیٰ ہم سورۃ مائدہ کی آیت: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ (الآیہ) کے ذیل میں لکھیں گے۔ یہاں اتنا سمجھ لیں کہ نشہ لانیوالی ہر چیز کا پینا حرام ہے اور ہر ایک جو احرام ہے جس طرح سے بھی ہو اور جس صورت میں بھی ہو اس کا جو بھی نام رکھ لیا جائے حرام ہی رہے گا۔

فی سبیل اللہ کیا خرچ کریں؟

پھر ارشاد فرمایا کہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں یہ سوال چونکہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ وہاں یہ جواب دیا تھا کہ جو بھی تم مال خرچ کرو اپنے والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو چونکہ وہاں مصارف بتانے کی اہمیت زیادہ تھی اس لئے وہاں خرچ کے مواقع بتا دیئے اور پھر یہ بتا دیا کہ جو بھی کوئی خیر کا کام کرے وہ اللہ کے علم میں ہوگا (اور وہ اس کا ثواب عطا فرمائے گا) اور یہاں الفاظ سابقہ میں جو دوبارہ سوال مذکور ہے اس میں خصوصیت کے ساتھ اس پر زور ہے کہ کیا خرچ کریں؟ لہذا انہیں اسی سوال کا جواب دے دیا گیا۔

لباب النقول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہوا تو چند صحابہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے مالوں میں جو مقرر فرمایا گیا ہے وہ کس قدر ہے ہم اس میں کتنا خرچ کریں ان کے سوال کے جواب میں اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْغَفْوُ نازل فرمائی اور سوال کرنے والوں کے جواب میں فرمایا کہ جو مال اپنی ضروریات سے زائد ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِی الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ۔ کہ تم خرچ کرنے میں غور و فکر سے کام لو آخرت کی ضروریات دیکھو اور دنیاوی ضروریات کو بھی سمجھو ایسا بھی نہ ہو کہ خرچ ہی نہ کرو کہ ضروریات سے جس قدر بھی زائد ہو وہ پڑا ہی رہے اور جمع ہی ہوتا رہے۔ اور ایسا بھی نہ ہو کہ سب خرچ کر کے بیٹھ رہو اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو کر کل کو دوسروں سے مانگنے کی نوبت آ جائے۔ نیز جوش سخاوت میں ایسا بھی نہ ہو کہ اہل

و عیال جن کے حقوق واجب ہیں ان کا کوئی حق ضائع ہو جائے ضرورت سے زیادہ جو مال جمع ہو جائے اگر اس سے فرض زکوٰۃ اور صدقات و نفقات واجبہ ادا ہوتے رہیں تو اس کا جمع کرنا جائز تو ہے لیکن خرچ کر دینا افضل ہے اس میں احوال بھی مختلف ہوتے ہیں کسی میں زہد غالب ہے اور جتنا زائد ہو سب خرچ کر دیتا ہے اسکی بھی گنجائش ہے رسول اللہ ﷺ کل کیلئے کچھ نہیں رکھتے تھے۔ اگر کوئی شخص فرائض اور واجبات ادا کرنے کے بعد زائد مال میں سے للہ فی اللہ کچھ خرچ کر دے اور کچھ کچھ رکھ لے تو اسکی بھی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت زیادہ خرچ کرتے تھے لیکن انکے پاس مال جمع بھی رہتا تھا اور یہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تھا آپ نے نکیر نہیں فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ کہ وہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں پھر اس سوال کا جواب عنایت فرمایا جواب سمجھنے سے پہلے آیت کا سبب نزول سمجھ لیا جائے اس سے سوال کا مضمون بھی واضح ہو جائے گا اور پھر جواب بھی سمجھ میں آ جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

درمنثور (ص ۳۵۵ ج ۱) میں بحوالہ سنن ابوداؤد اور مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب آیت کریمہ وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ سے جو احسن ہو) اور آیت کریمہ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا (جو لوگ یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھرتے ہیں) نازل ہوئی تو وہ صحابہ جن کے پاس کوئی یتیم تھا انہوں نے یتیم کا کھانا پینا الگ کر دیا (یتیم کے لئے الگ پکاتے اور اپنے لئے الگ تیار کرتے) ایسا کرنے سے یتیم کے کھانے میں سے کچھ حصہ بچ جاتا تھا اسے رکھ لیتے تھے پھر بعد میں وہ یتیم کھا لیتا تھا یا خراب ہو جاتا تھا۔ جب یہ صورتحال پیش آئی تو ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پوری کیفیت پیش کی اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (درمنثور) آیت کا مطلب یہ ہے کہ مقصود اصلی اصلاح ہے یتیم بچوں کا مال اس طریقہ پر ان پر خرچ کرو کہ ان کا نقصان بھی نہ ہو اور کوئی خراب نیت بھی نہ ہو کہ اس کا مال ساتھ ملا کر پکانے میں اس کے حصہ میں سے اپنے اوپر یا اپنے بچوں پر خرچ ہو جانے کی نیت ہو ان کا مال اپنے مال سے ملا کر پکانے میں چونکہ مصلحت پیش نظر ہے کہ ان کا مال زیادہ خرچ نہ ہو اور ضائع نہ ہو تو اس میں کوئی مؤاخذہ اور محاسبہ کی بات نہیں ہے وہ تمہارے بھائی ہیں۔ بھائیوں کی طرح مل جل کر اصلاح و خیر خواہی مد نظر رکھتے ہوئے کھاؤ اور پیو اللہ تعالیٰ شانہ مصلح کو بھی جانتا ہے۔ (جس کی نیت اصلاح کی ہو) اور مفسد کو بھی جانتا ہے جس کی نیت خراب ہو اور فساد اور بگاڑ کا ارادہ رکھتا ہو۔

پھر فرمایا کہ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَا غَنَئَكُمْ۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈالتا اور تم کو حکم دیتا کہ یتیموں کا ہر حال میں الگ پکاؤ اور ایسے انداز سے پکاؤ کہ ذرا بھی خراب نہ ہو اور یہ تمہارے لئے مشکل اور دشواری کا باعث ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے آسانی عطا فرمادی آسانی پر عمل کرو اور نیت اچھی رکھو آخر میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے یعنی غلبہ والا ہے) وہ مؤاخذہ فرمائے تو کوئی اس سے بچ نہیں سکتا اور وہ حکیم بھی ہے اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

وَلَا تَكُونُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ وَلَآمَهُ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ

اور نکاح نہ کرو مشرک عورتوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور البتہ ایمان والی باندی بہتر ہے مشرک عورت سے اگرچہ

أَعَجَبْتُمْ وَلَا تَنْكُحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ

وہ تمہیں اچھی لگے اور نہ نکاح کرو اپنی عورتوں کا مشرکین سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ البتہ ایمان والا غلام بہتر ہے

مُشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ

مشرک سے اگرچہ وہ تمہیں اچھا لگے یہ لوگ نکالتے ہیں دوزخ کی طرف اور اللہ بلاتا ہے جنت

وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ

اور مغفرت کی طرف اپنے حکم سے اور اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اپنی آیات تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

مشرک مردوں اور عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت

تفسیر: اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مشرک عورتوں سے نکاح کریں ہاں اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان سے نکاح کرنا جائز ہوگا مشرک عورتیں بعض مرتبہ حسن جمال یا اموال کے اعتبار سے اچھی معلوم ہوتی ہیں اور ان سے نکاح کرنے کی خواہش ہوتی ہے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ تم مشرک سے نکاح نہ کرو اگر کوئی باایمان لونڈی مل جائے تو اس سے نکاح کرلو۔ وہ تمہارے لئے مشرک عورت سے بہتر ہے۔ پھر دوسرا حکم ارشاد فرمایا کہ مشرکوں سے اپنی عورتوں کا نکاح نہ کرو مشرک کی نسبت مومن غلام بہتر ہے (تم اس سے اپنی عورتوں کا نکاح کرو) ہاں اگر کوئی مشرک مسلمان ہو جائے تو وہ تمہارا دینی بھائی ہو گیا اس سے اپنی عورتوں کا نکاح کر سکتے ہو۔

آخر میں مشرکوں سے بچنے اور ان سے ازدواجی تعلقات قائم نہ کرنے کی علت بتادی کہ مشرکین دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ مشرکین سے مردہوں یا عورت ازدواجی میل جول رکھنے میں خطرہ ہے کہ مسلمان مرد ہو یا عورت خدا نخواستہ انکے عقائد سے متاثر ہو جائے اور کسی دن ایمان کھو بیٹھے اور مستحق دوزخ ہو جائے پھر مسئلہ اولاد کا بھی پیدا ہوگا مرد مشرک ہو یا عورت وہ اولاد کو ضرور اپنے دین پر لگائیں گے۔ اگر اولاد مشرک ہوگی تو دوزخی ہوگی۔ لامحالہ مومن مرد و عورت مشرک مرد و عورت سے بہتر ہے چاہے وہ مومن غلام یا باندی ہی ہو چونکہ نہ تو وہ اپنے جوڑے کو دوزخ کی دعوت دیتا ہے اور نہ اولاد کو دوزخ کے راستہ پر ڈالتا ہے۔

فائدہ: آیت کے عموم الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مومن عورت کا کسی مشرک مرد سے اور کسی مومن مرد کا کسی مشرک عورت سے نکاح درست نہیں ہے اور اس عموم میں ہر طرح کے کافر داخل ہیں۔ ملحد زندیق دہریے بھی اس حکم میں آ جاتے ہیں۔ ایسے مردوں اور عورتوں سے کسی مرد مومن اور عورت مومنہ کا نکاح درست نہیں اگر نکاح کر لیا تو وہ نکاح شرعی نکاح نہ ہوگا اور اسکی بنیاد پر ازدواجی تعلقات حرام ہوں گے البتہ کتابی عورت (یہودیہ ہو یا نصرانیہ) سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے اور اس کا جواز سورہ مائدہ کے پہلے رکوع میں بیان فرما دیا ہے۔ اس کے بعض احکام ہم وہیں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اگرچہ یہودیہ و نصرانیہ عورت سے مسلمان کا نکاح درست ہے لیکن ان سے بچنا افضل ہے خاص کر اس زمانہ میں جبکہ یہ عورتیں مسلمانوں سے نکاح کرتی ہی اس لئے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے دین پر لے آئیں اور اولاد کو بھی اپنے

دین پر ڈالیں اور مسلمانوں کی اندرونی خبریں دشمنان اسلام کو پہنچایا کریں، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں اس نزاکت کو بھانپ لیا تھا۔ اور اپنے عہد خلافت میں صحابہؓ کو اس سے روکتے تھے۔ (کافی کتاب الاثار للامام محمد بن الحسن العسکری ص ۸۹)

بہت سے ممالک میں جہاں مسلمان مل جل کر رہتے ہیں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہر مذہب اور مسلک کے لڑکے لڑکیاں ایک جا ہو کر کلاسوں میں بیٹھتے ہیں وہاں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ مسلمان لڑکے اور لڑکیاں مقامی حکومت کے قانون کے مطابق کورٹ میں جا کر نکاح کر لیتے ہیں اگر لڑکا مسلمان ہو اور لڑکی کتانی ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ ایجاب و قبول گواہوں کے سامنے ہوا ہو اور اگر لڑکی کتانی نہیں ہے۔ ہندو، سکھ، بدھسٹ، آتش پرست ہو تو یہ نکاح ہونے ہی کا نہیں اور کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی بھی کافر سے نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ کافر یہودی و نصرانی ہو۔ بہت سے فراتے ایسے بھی ہیں جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن وہ اپنے عقائد کی وجہ سے کافر ہیں۔ مثلاً وہ لوگ جو ختم نبوت کے منکر ہیں اور وہ لوگ جو تحریف قرآن کے قائل ہیں اور وہ لوگ جو اپنے امام کے اندر خدائے پاک کا حلول مانتے ہیں یہ سب لوگ بھی کافر ہیں ان سے کسی مسلمان لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا اور نہ کسی مسلمان مرد کا اس طرح کی کسی عورت سے نکاح ہو سکتا ہے۔

سبب نزول بیان کرتے ہوئے اسباب النزول (ص ۶۶) میں لکھا ہے کہ ابو مرثد غنوی صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عناق نامی عورت سے نکاح کرنے کی اجازت چاہی یہ عورت قریشی تھی اور حسن و جمال میں بڑھ کر تھی لیکن وہ مشرکہ تھی اور ابو مرثد مسلمان تھے ابو مرثد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ میرے دل کو بھاتی ہے اس پر آیت وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰی يُؤْمِنُوْا نازل ہوئی اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی ایک سیاہ قام باندی تھی انہوں نے غصہ میں اس کو ایک طمانچہ مار دیا پھر گھبرائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ سنایا آپ نے فرمایا اے عبداللہ وہ کیسی عورت ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ روزہ رکھتی ہے نماز پڑھتی ہے۔ اور اچھی طرح وضو کرتی ہے اور اللہ کی توحید کی اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ وہ مومنہ ہے انہوں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں ضرور اس کو آزاد کر دوں گا اور اس سے نکاح کر لوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اس پر بعض مسلمانوں نے ان پر طعن کیا اور کہا کہ اس نے باندی سے نکاح کر لیا۔ جو لوگ چاہتے تھے کہ مشرکین سے مناکحت ہوتی رہے (کیونکہ ان لوگوں میں کچھ مال و جمال نظر آتا تھا) انکی تردید میں اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت وَلَا مَۡمَۡةٌ مُّؤْمِنَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ اَنَّجَبْتُمْ نَازِلَ فرمائی۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ اَذْيٌ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ

اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ گندگی ہے سو تم علیحدہ رہو عورتوں سے حیض کے زمانہ میں

وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتّٰی يَطْهَرْنَ اِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ

اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں پھر وہ جب پاک ہو جائیں تو انکے پاس آؤ جس جگہ سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے

اِنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۳۲۰﴾

بے شک اللہ پسند فرماتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو اور پسند فرماتا ہے خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو

حیض والی عورت سے متعلق احکام

تفسیر: اللہ جل شانہ نے نوع انسانی کو بڑھانے اور باقی رکھنے کے لئے مرد و عورت کے درمیان خاص تعلق رکھا ہے اور شرعی قانون کے مطابق نکاح ہو جانے سے قواعد اور اصول کے مطابق آپس میں ایک دوسرے سے میل ملاپ رکھنے اور قریب تر ہونے کی اجازت دی ہے۔ اور طبعی طور پر مرد و عورت میں شہوت رکھی ہے وہ اس شہوت کے تقاضے پر عمل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور یہی شہوت اولاد پیدا ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اولاد پیدا ہونے کے لئے شہوت رکھدی اور پھر اسکی پرورش کروانے کے لئے محبت رکھدی جسے مانتا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور تکوینی طور پر عورتوں کے لئے یہ تجویز فرمادیا کہ ان کے رحم سے خون جاری ہوا کرے یہ خون عموماً بالغ عورتوں کو ہر مہینہ جاری ہوتا ہے۔ اسے حیض اور حیض کہا جاتا ہے شریعت مطہرہ میں اس کے بھی احکام ہیں ان میں سے ایک حکم یہ ہے کہ وہ ان ایام میں نہ روزہ رکھیں نہ نماز پڑھیں (اور ایام حیض گزر جانے کے بعد نمازوں کی قضاء بھی واجب نہیں البتہ رمضان میں حیض آیا تو پاک ہونے کے بعد ان روزوں کی قضا رکھنا واجب ہے) زمانہ حیض میں مسجد میں داخل ہونا کعبہ شریف کا طواف کرنا قرآن شریف پڑھنا اور قرآن شریف چھونا بھی ممنوع ہے۔ (ہاں اگر ایسے غلاف کے ساتھ چھوئے جو قرآن شریف سے الگ ہوتا رہتا ہے تو چھو سکتی ہے)۔

جو احکام حیض سے متعلق ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ ان ایام میں عورت کا شوہر اس سے جماع نہ کرے حیض کے زمانہ میں جماع کرنا حرام ہے۔ جس کو فاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ میں بیان فرمایا ہے حیض والی عورت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا سب جائز ہے اور ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصہ کو چھو کر شوہر اس سے بوس و کنار کے ذریعہ استمتاع بھی کر سکتا ہے بہت سی قوموں میں یہ جو رواج ہے کہ حیض کے زمانہ میں عورت اچھوت بنا کر ڈال دی جاتی ہے شریعت اسلامیہ میں ایسا نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ وہ حیض کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کے مبارک سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھیں اور انہوں نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میرے حیض کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ میری گود میں تکیہ لگا کر قرآن شریف تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میرے حیض کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ حکم فرماتے تھے کہ تمہند باندھ لو پھر میرے ساتھ لیٹ جاتے تھے۔ (صحیح بخاری ص ۴۳، ۴۴ ج ۱)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ زمانہ حیض میں پانی پی کر میں نبی اکرم ﷺ کو برتن دے دیتی تھی آپ میرے منہ کی جگہ منہ لگا کر پانی پی لیتے تھے اور میں اپنے دانتوں سے ہڈی کا گوشت چھڑا کر کھا لیتی تھی پھر آپ کو دے دیتی تھی تو آپ ﷺ میرے منہ کی جگہ منہ لگا کر تناول فرما لیتے تھے۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۳ ج ۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہودیوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب عورت کو حیض آ جاتا تھا تو اس کے ساتھ نہ تو کھاتے پیتے تھے اور نہ گھروں میں ان کے ساتھ رہتے سہتے تھے حضرات صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم کیا کریں تو اس پر اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ وَاسْتَلْزِمُوا النِّسَاءَ عَنِ الْمَحِيضِ (آخر تک) نازل فرمائی آیت نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جماع کرنے کے سوا سب کچھ کرو (اس میں ساتھ کھانے پینے رہنے سہنے اٹھنے بیٹھنے لینے کی اجازت ہوگئی) یہودیوں کو جو اس بات کی اطلاع ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ شخص ہر

چیز میں ہماری مخالفت کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہیں اُن کی یہ بات سن کر (دو صحابی) اُسید بن خضیر اور عباد بن بشر حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہودی ایسا ایسا کہتے ہیں تو کیا ہم ایسا نہ کریں کہ حیض والی عورتوں کے ساتھ رہنا چھوڑ دیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور متغیر ہو گیا۔ (ص ۱۳۳ ج ۱)

ان روایات حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ میں جماع کرنے کی ممانعت ہے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی ممانعت نہیں ہے یہ جو فرمایا: فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ (پس جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ سے اللہ نے حکم دیا ہے)۔

یعنی عورتوں سے جماع کرنے کے لئے سامنے کے راستہ سے آؤ جو رحم کا راستہ ہے اس میں اس بات کی ممانعت فرمائی کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے پیچھے کے راستہ سے شہوت پوری کرنے اس بارے میں جو عیدیں وارد ہوئی ہیں ان شاء اللہ ابھی بیان ہوں گی۔ پھر فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (کہ بلاشبہ اللہ پسند فرماتا ہے خوب زیادہ توبہ کرنے والوں کو) اس میں باطنی پاکیزگی اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے یعنی گناہوں سے پاک ہونے کا طریقہ بتایا ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ اللہ پاک کے حضور میں توبہ کرنے اور گناہوں کے سوا دوسری تمام گندی چیزوں سے بچنے کی تعلیم اور ترغیب کے لئے وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (اور پسند فرماتا ہے خوب زیادہ پاکی اختیار کرنے والوں کو) فرمایا اس میں ہر قسم کی ظاہری گندیوں سے بچنے والوں کی مدح فرمائی ہے۔ جسم یا کپڑوں میں ناپاکی کا لگا رہنا حالت حیض میں جماع کرنا گندی جگہ پر شہوت پوری کرنا ان سب چیزوں کی بُرائی اور ممانعت اس میں آ گئی۔

نَسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاتُوا حَرْثَكُمْ أَلَمْ تَشْعُرُوا قَدْ مَوَّالَ أَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو تم اپنی کھیتی میں آ جاؤ جس طرف سے ہو کر چاہو اور تم اپنی جانوں کے لئے آگے بھیج دو اور

اللَّهُ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوَةٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۰﴾

اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بلاشبہ تم اُس سے ملاقات کرنے والے ہو اور مؤمنین کو خوشخبری سنا دو

وطی فی الدبر کی حرمت اور یہود کی ایک بات کی تردید

تفسیر: صحیح بخاری (ص ۶۳۹ ج ۲) میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہودی یوں کہتے تھے کہ جو کوئی مرد عورت کے سامنے کی شرم گاہ میں پیچھے کی جانب سے جماع کرے تو بچہ بھیگا پیدا ہوگا۔ ان کے اس خیال کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ لہذا تم اپنی کھیتی میں آ جاؤ جیسے چاہو۔ اس میں اول تو عورتوں کو کھیتی فرمایا اور مرد عورت کے میل ملاپ کی ضرورت اور فائدہ کو واضح طور پر بیان فرمایا کہ اسکی ضرورت اور مشروعیت اولاد طلب کرنے کے لئے ہے جیسا کہ سورہ بقرہ (کے رکوع ۲۲) میں وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ فرمایا ہے۔ نکاح کرنے میں جہاں نفس و نظر کی حفاظت ہے۔ وہاں طلب ولد بھی مطلوب ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت رکھنے والی ہو اور اس سے اولاد زیادہ پیدا ہونے والی ہو (جس کا اندازہ خاندانی عورتوں کے احوال سے ہو جاتا ہے)

کیونکہ میں (قیامت کے دن) تمہاری کثرت پر فخر کرونگا۔ (سنن ابوداؤد ص ۲۸۰ ج ۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اولاد کی پیدائش پر کوئی پابندی لگانا یا اولاد کی کثرت کے خلاف منصوبے بنانا شریعت اسلامیہ کے مقصد اور مزاج کے خلاف ہے۔

پھر یہ فرمایا کہ تم اپنی کھیتوں میں آ جاؤ جس طرف سے ہو کر چاہو آ جاؤ اس میں یہ بتا دیا کہ عورت کے پاس مرد کے آنے کا راستہ صرف ایک ہی ہے یعنی وہ راستہ جسے اختیار کرنے سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اس بات کی بھی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے پیچھے کے راستہ سے شہوت پوری کرے۔ کیونکہ وہ راستہ کھیتی کا نہیں ہے بلکہ اسکی گندگی حیض والی گندگی سے زیادہ ہے پہلے تو فرمایا فَاتُّوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ۔ پھر فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ۔ پھر فرمایا فَاتُّوْا حَرْثَكُمْ اُنّی سِتُّم اس میں ایک ہی سیاق میں تین اسلوب اختیار فرما کر عورت کے پیچھے والے راستہ سے شہوت پوری کرنے کی ممانعت فرمادی بعض اکابر نے فرمایا کہ غالباً صریح الفاظ میں اس کا ذکر نہ فرمانا اس لئے ہے کہ صراحت ایسے خبیث و بدترین فعل کا تذکرہ بصورت نفی یا بصورت نفی بھی گوارہ نہیں فرمایا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے کسی حیض والی عورت سے شہوت پوری کی یا کسی عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت والا کام کیا یا کسی ایسے شخص کے پاس آیا جو غیب کی خبریں بتاتا ہو تو وہ اس دین کا منکر ہو گیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶)

تفسیر درمنثور (ص ۲۶۴ ج ۱) میں بحوالہ ابوداؤد والنسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کسی مرد یا کسی عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کیا وہ ملعون ہے اور حضرت ابودالدرداء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کرے اسکے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا ایسا کام کافر ہی کر سکتا ہے (درمنثور) معلوم ہوا اظلام کرنا اپنی بیوی کے ساتھ بھی حرام ہے اور اہل کفر کا طریقہ ہے۔ اعاذ اللہ منہ کل مؤمن۔ یہ جو فرمایا: فَاتُّوْا حَرْثَكُمْ اُنّی سِتُّم (کہ تم اپنی کھیتی میں آؤ جیسا چاہو) اس کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے سامنے سے پیچھے سے اپنی بیویوں سے لذت حاصل کرو بشرطیکہ کھیتی کی جگہ پر آؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت جو بَسَاتْنَكُمْ حَرْثَ لَّكُمْ فَاتُّوْا حَرْثَكُمْ (آخر تک) نازل ہوئی ہے۔ اس میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ عورتوں سے جو خاص تعلق ہے اس کے لئے آگے سے آؤ یا پیچھے سے آؤ (دونوں طرح اختیار ہے) اور درمیں (یعنی پیچھے کے راستہ میں) اور حیض کے زمانہ میں جماع کرنے کی ممانعت فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسکی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا جس نے کسی مرد یا عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کیا۔ (رواہ الترمذی) پھر فرمایا: وَقَلْبُهُمُ لَآ نَفْسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (کہ اپنی جانوں کے لئے خیر آگے بھیج دو اور اللہ سے ڈرو) اس میں ہر خیر کا حکم آ گیا اور ہر شر سے بچنے کی تاکید آ گئی وَاتَّقُوا اللّٰهَ کے عموم میں تمام گناہوں کے چھوڑنے کا حکم فرمادیا۔ چھوٹے

ہوں یا بڑے پھر تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ بتادیا اور فرمایا: **وَاعْلَمُوا اَنْتُمْ مُلْقَوَةٌ** (کہ تم جان لو کہ بے شک تم اللہ سے ملاقات کرنے والے ہو) جو شخص یوم القیامہ کی حاضری اور خداوند قدوس کی بارگاہ میں پیشی کا یقین رکھے گا اور بار بار اس کا استحضار کرے گا۔ اُسے ان شاء اللہ تعالیٰ صفتِ تقویٰ حاصل ہوگی۔

آخر میں فرمایا: **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ** (کہ مؤمن بندوں کو کامیابیوں کی اور نعمتوں کی بشارت دے دیجئے)

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبْذُؤُوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ

اور اپنی قسموں کے ذریعہ نیکی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کے لئے اللہ کو

النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

آؤ نہ بناؤ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے

اپنی قسموں کو نیکی اور تقویٰ سے بچنے کا ذریعہ نہ بناؤ

تفسیر: اسباب النزول میں ہے کہ یہ آیت شریفہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، انکے بہنوئی اور بہن کے درمیان کچھ ناراضگی ہو گئی تھی انہوں نے قسم کھائی کہ اس کے پاس کبھی بھی نہیں جائیں گے اور نہ اس سے بات کریں گے اور نہ میاں بیوی کے درمیان صلح کرائیں گے وہ کہتے تھے کہ میں نے تو قسم کھا رکھی ہے۔ اب میں اسکی خلاف ورزی کیسے کروں۔ اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

تفسیر درمنثور (ص ۱۶۲۸ ج ۱) میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بعض مرتبہ کوئی شخص قسم کھا لیتا تھا کہ فلاں نیکی اور تقویٰ کا کام نہیں کروں گا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا۔

اگر کوئی شخص قسم کھائے تو خیر کی قسم کھائے یعنی نیکی کے ارادہ کو مؤکد کرنے کے لئے قسم کھائی جاسکتی ہے لیکن نیکی نہ کرنے پر قسم کھانا اور گناہ کرنے پر قسم کھانا شرعاً ممنوع ہے بعض لوگ جو قسم کھا لیتے ہیں کہ میں فلاں عزیز کے گھر نہیں جاؤں گا یا فلاں مسلمان بھائی کی دعوت قبول نہیں کروں گا یا جماعت سے نماز نہیں پڑھوں گا یا فلاں گناہ کروں گا۔ ایسے لوگوں کو آیت بالا میں ہدایت دی گئی ہے اور فرمایا کہ اللہ کے نام کو نیکیوں سے بچنے اور تقویٰ چھوڑنے کا ذریعہ مت بناؤ، قسم کھا بیٹھے اب کہتے ہیں کہ قسم کے خلاف کیسے کریں؟ حالانکہ قسم اس لئے نہیں ہے کہ اس کو خیر سے بچنے کا ذریعہ بنایا جائے اگر کوئی شخص گناہ کی قسم کھالے تو اس کا توڑنا واجب ہے۔

قطع رحمی کی یا کسی بھی قسم کے گناہ کی قسم کھالے تو اس پر لازم ہے کہ قسم توڑ دے اور اس کے خلاف کر لے اور قسم کا کفارہ دیدے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے چچا کے بیٹے کے پاس جاتا ہوں اس سے کچھ سوال کرتا ہوں سو وہ مجھے نہیں دیتا اور صلہ رحمی نہیں کرتا پھر اسے حاجت درپیش ہو جاتی ہے تو مجھ سے آ کر سوال کرنے لگتا ہے حالانکہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اسے کچھ نہ دوں گا اور صلہ رحمی نہیں کروں گا اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں وہ کام کروں جو خیر ہو اور قسم کا کفارہ دیدوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

سورہ نور میں ارشاد فرمایا: وَلَا يَأْكُلُوا الْفَصْلَ مِنْكُمْ وَالسَّعَةَ أَنْ يُوْتُوا أُولَى الْقَرْبَى وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيُغْفَرُوا وَلَا يُصَفَّحُوا إِلَّا تَحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (اور جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ اہل قربت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کر نیوالوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں اور چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کر دے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے)۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ایک بھانجہ پر خرچ کیا کرتے تھے اس سے ایک ایسی حرکت سرزد ہو گئی جس کی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بہت ناراضگی ہوئی اور انہوں نے قسم کھالی کہ میں اب اس پر خرچ نہیں کیا کروں گا اس پر سورہ نور کی مذکورہ آیت بالا نازل ہوئی۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو کوئی قسم کھالے پھر تو دیکھے کہ جس چیز پر قسم کھائی ہے دوسری چیز اس سے بہتر ہے (جو اس کے مقابل ہے) تو اس بہتر صورت کو اختیار کر لے (اور اس کے اختیار کرنے سے جو قسم ٹوٹ گئی) اس کا کفارہ دیدے۔ (رواہ البخاری و مسلم کانی مشکوٰۃ)

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ

اللہ تعالیٰ تمہارا مؤاخذہ نہیں فرمائے گا تمہاری لغو قسموں کے بارے میں لیکن مؤاخذہ اُس بات پر فرمائے گا جس کا تمہارے

قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ

دلوں نے ارادہ کیا اور اللہ غفور ہے حلیم ہے

قسموں کی قسموں کا بیان اور ان کے احکام

تفسیر: جو قسم کھائی جائے اسکی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ گزشتہ کسی فعل پر جھوٹی قسم کھائی جائے جو کام نہیں کیا تھا اس کے بارے میں قسم کھالے کہ میں نے کیا یا جو کام کیا تھا اس کے بارے میں قسم کھالی کہ یہ میں نے نہیں کیا اس کو یمین غموس کہا جاتا ہے۔ اس کا بہت بڑا گناہ ہے صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ شرک کرنا والدین کی نافرمانی کرنا کسی جان قتل کرنا اور یمین غموس (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷) یہ لفظ غموس سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو پوری طرح کسی دوسری چیز میں داخل کر دیا جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جھوٹی قسم کو یمین غموس اس لئے کہا گیا کہ یہ اولاً گناہ میں پھر دوزخ میں داخل کر دیتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آئندہ کسی کام کے بارے میں قسم کھائے مثلاً یوں کہے کہ اللہ کی قسم یہ کام ضرور کروں گا یا اللہ کی قسم فلاں کام نہیں کروں گا اسکو یمین منعقدہ کہا جاتا ہے۔ اسکی خلاف ورزی کرنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ جو سورہ مائدہ کے رکوع نمبر ۱۲ میں مذکور ہے کفارہ قسم کی تفصیلات ان شاء اللہ تعالیٰ وہیں بیان ہوگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی گزشتہ کام پر قسم کھالی اور یہ سمجھ کر قسم کھائی کہ سچ بول رہا ہوں کچی قسم کھا رہا ہوں۔ حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا جیسا اس نے سمجھا تھا اپنے خیال میں اس نے کچی قسم کھائی لیکن اصل واقعہ اس کے خلاف تھا۔ اس قسم کا نام یمین لغو ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر مؤاخذہ نہیں فرمائے گا یمین لغو کی دوسری تفسیر حضرت عائشہؓ سے یوں منقول ہے

کہ باتوں باتوں میں قسم کی نیت کے بغیر جو زبان سے لا واللہ اور ہلی واللہ نکل جاتا ہے۔ یہ یمن لغو ہے (رواہ البخاری ص ۹۸۶ ج ۲) یمن لغو میں کیونکہ ارادہ نہیں ہوتا اس لئے اس پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا واللہ غفورٌ حلیمٌ۔ کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے جو یمن لغو پر مؤاخذہ نہیں فرمائے گا۔ اور مرد بار بھی ہے مرد اپنے میں جلدی نہیں فرماتا۔

لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ

جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کے بارے میں قسم کھا لیتے ہیں ان کے لئے چار مہینہ کا انتظار ہے پھر اگر رجوع کر لیں تو اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر وہ طلاق کا پختہ ارادہ کر لیں تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے

بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کا بیان

تفسیر: جو کوئی شخص یہ قسم کھا لے کہ میں اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا۔ اس کے لئے شریعت میں کچھ احکام ہیں۔ اگر قسم کھا کر یوں کہا کہ اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا لیکن کوئی مدت مقرر نہیں کی یا یوں کہا کہ چار ماہ تک اس سے جماع نہیں کروں گا یا چار ماہ سے زیادہ کا ذکر کر دیا (جس میں ہمیشہ کے لئے قسم کھانا بھی شامل ہے) یا چار مہینے سے کم مدت مقرر کر دی۔ تو ان سب صورتوں میں پہلی تین صورتوں کو ایلاء کہا جاتا ہے۔ ان تینوں صورتوں میں اگر چار مہینے گزر گئے اور اس نے قسم نہیں توڑی یعنی اس مدت میں بیوی سے جماع نہیں کیا تو اس سے ایک بائن طلاق واقع ہو جائے گی۔ جس کا حکم یہ ہے کہ اب بلا نکاح ثانی کے رجوع نہیں ہو سکتا۔ آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ اور مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں اگر چار ماہ کے اندر اس بیوی سے جماع کر لیا جس سے ایلاء کیا تھا تو قسم ٹوٹ گئی۔ اور اس صورت میں بیوی تو نکاح سے نہیں نکلی لیکن قسم ٹوٹ جانے کی وجہ سے قسم توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا جو سورہ مائدہ میں مذکور ہے۔ اب رہ گئی چوتھی صورت جس میں چار مہینے سے کم کی مدت مقرر کر کے بیوی سے جماع نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اس میں اگر مدت مقرر کے اندر جماع کر لیا تو قسم توڑنے کا کفارہ واجب ہو گیا اور بیوی نکاح سے نہیں نکلی گی اور اگر مدت مقرر پوری کر لی تو قسم پوری ہو گئی جس کا کوئی کفارہ نہیں اور نکاح بھی اپنی حالت میں باقی رہا۔ قسم کھانے کے بعد رجوع کرنے کو فہشی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں یہ لفظ بھی رجوع کے معنی میں آتا ہے۔

فائدہ اولی: ایلاء کی صورت میں حکم ایلاء اسی وقت ختم ہوگا۔ جبکہ چار مہینے کے اندر جماع کرنے سے رجوع بالفعل ہے لیکن اگر کوئی ایسی مجبوری ہو کہ جماع نہیں کر سکتا مثلاً عورت مریض ہے جماع کے قابل نہیں یا کم عمر ہے تو اس صورت میں رجوع بالقول بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ مدت ایلاء میں زبان سے کہہ دے فُتِّ اِلَیْہَا۔ (یعنی میں نے اپنی بیوی کی طرف رجوع کر لیا) لیکن اگر مدت ایلاء کے اندر پھر جماع پر قادر ہو گیا تو یہ رجوع باللسان باطل ہو جائے گا۔ اور اب لازم ہوگا کہ رجوع بالفعل کرے، یعنی جماع کر لے اگر جماع نہ کیا اور چار مہینے گزر گئے تو حسب قانون طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

فائدہ ثانیہ: اگر یوں قسم کھائی تھی کہ کبھی بھی اس سے جماع نہیں کروں گا اور چار مہینے تک جماع نہیں کیا تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور قسم باقی رہے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر پھر اس سے نکاح کر لیا تو قسم بائن رہنے کی وجہ سے ایلاء کا

حکم نافذ ہوگا۔ اگر اس دوسرے نکاح کے بعد چار مہینے کے اندر جماع کر لیا تو قسم ٹوٹ گئی، جس کا کفارہ واجب ہوگا اور بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی، لیکن اگر نکاح ثانی کی ابتداء سے لے کر چار ماہ پورے ہو جانے تک جماع نہ کیا تو پھر طلاق بائن واقع ہو جائے گی پھر اگر تیسرے نکاح کے بعد سے لے کر چار ماہ گزر جانے تک جماع نہیں کیا تو تیسری طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر اس مدت کے اندر جماع کر لیا تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن قسم ٹوٹ جائے گی اس کا کفارہ دینا ہوگا (من المہدیہ) فائدہ ثالثہ: یہ چار ماہ جن کا بار بار ذکر ہوا چاند کے حساب سے معتبر ہونگے۔ اس میں شمس مہینوں کا اعتبار نہیں کیا گیا جائیگا۔

اسباب النزول میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل جاہلیت کا ایلاء سال دو سال اور اس سے زیادہ بھی جاری رہتا تھا۔ اللہ جل شانہ نے چار مہینہ کی معیاد مقرر فرمائی، لہذا چار مہینے سے کم پر جو قسم کھائے گا تو وہ ایلاء نہ ہوگا (اگرچہ خلاف ورزی کرنے پر قسم کا کفارہ دینا لازم ہوگا) اور چار ماہ یا اس سے زیادہ کی قسم کھانے پر چار مہینے تک فی نہ کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ (مطلق قسم چونکہ چار ماہ کو بھی شامل ہے اس لئے وہ بھی ایلاء ہوگی)۔

حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے عورتوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے ایلاء کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ جو شخص اپنی بیوی کو نہیں چاہتا تھا اور ساتھ یہ بھی پسند نہیں کرتا تھا کہ کس دوسرے شخص سے نکاح کرے تو یہ قسم کھا لیتا تھا کہ کبھی بھی اس کے پاس نہیں جائے گا پھر اسکو اسی حال پر چھوڑے رکھتا تھا اور عورت کی زندگی اس طرح گزرتی تھی اور نہ وہ شوہر والی ہے اور نہ بے شوہر والی ہے۔ اللہ جل شانہ نے ایلاء کی ایک مدت مقرر فرمادی اور آیت شریفہ لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ (آخربک) نازل فرمادی۔ (معالم القریب)

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنی جانوں کو روکے رکھیں تین حیض آنے تک اور ان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ جو کچھ

خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ

اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمایا ہے اسے چھپائیں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر اور ان کے شوہر

أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ

ان کے لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں اس مدت کے اندر اگر اصلاح کا ارادہ کریں اور عورتوں کے لئے اس جیسا حق ہے جو ان کے اوپر ہے اچھے طریقہ پر

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے

مطلقہ عورتوں کی عدت کا بیان

تفسیر: مرد عورت آپس میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں اس حاجت کے انتظام کے لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح کا قانون مشروع فرمایا ہے۔ اور نکاح اس لئے ہے کہ دونوں اطمینان اور سکون کے ساتھ اچھی زندگی گزاریں اور مل جل کر حسن سلوک کے

ساتھ ہیں اور زندگی بھر نباہنے کی کوشش کریں آپس میں کوئی ناگواری کی بات ہو جائے تو اس سے درگزر کرتے رہیں، لیکن کبھی ایسے حالات بن جاتے ہیں کہ ساتھ رہنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایک طرف سے یا دونوں طرف سے طبیعت کا جو نہیں کھانا اور باہمی میل جول کی خوبصورتی کے ساتھ کوئی صورت نہیں بنتی تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے طلاق اور خلع کا قانون مشروع فرمادیا۔ بہت سی قوموں میں نکاح تو ہے لیکن طلاق نہیں ہے۔ یہ لوگ پہلے اسلام پر اعتراض کیا کرتے تھے لیکن جب حالات نے مجبور کیا خود طلاق کا قانون بنا کر اپنے دین میں داخل کر رہے ہیں۔ چونکہ انکا دین اپنا ہی بنایا ہوا ہے اس لئے اس میں کمی بیشی بھی کرتے رہتے ہیں۔

ہر چند کہ اسلام میں یہاں بیوی کا آپس میں نباہ بہت زیادہ محبوب و مرغوب ہے لیکن اس قدر مجبور بھی نہیں کیا کہ باہمی ساتھ رہنے میں اچھے طریقہ پر زندگی نہ گزار سکیں تو خواہ مخواہ بدولی کے ساتھ نباہتے رہیں اور ایک دوسرے کیلئے سوہان روح بنے رہیں۔ اسلام میں جو طلاق کا قانون ہے اس کے کچھ احکام بھی ہیں۔ ان احکام میں ایک یہ بھی ہے کہ عورت طلاق کے بعد کچھ ایسی مدت گزارے گی۔ جس میں کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکے گی۔ اس مدت کے گزرنے کو عدت کہتے ہیں، عدت لغت میں شمار کرنے کے معنی میں آتا ہے، چونکہ عورت کو یہ مدت گزارنے کے لئے مہینے یا حیض شمار کرنے پڑتے ہیں اس لئے اسکو عدت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، عدت کے بعض احکام یہاں آیت بالا میں مذکور ہیں اور بعض احکام سورہ طلاق کے پہلے رکوع میں ذکر فرمائے ہیں۔ جس عورت کو اس کا شوہر طلاق دیدے تو دیکھا جائے گا کہ اس کو حمل ہے یا نہیں، اگر اس کو حمل ہے تو اسکی عدت وضع حمل یعنی ولادت ہو جانے پر ختم ہو جائے گی سورہ الطلاق میں فرمایا ہے: وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ (اور حمل والی عورتوں کا اجل یعنی ختم عدت یہ ہے کہ وضع حمل ہو جائے)۔

اور مطلقہ اگر حمل والی عورت نہیں ہے یا بالغ ہے یا نابالغ تو ہے لیکن اسے اب تک حیض آیا ہی نہیں یا وہ کبھی حیض والی تھی بوڑھی ہو چکی ہے اور حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہے تو ان تینوں قسم کی عورتوں کی عدت طلاق یہ ہے کہ تین ماہ گزار دیں، اسکو سورہ طلاق میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔ وَالَّذِي يَنْسَنُ مِنَ الْمَحْضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ اَرْقَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالَّذِي لَمْ يَحْضَنْ۔ (اور عورتیں حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں تمہاری عورتوں میں سے اگر تم شک میں پڑو تو انکی عدت تین ماہ ہے اور جن کو حیض نہیں آیا انکی عدت بھی یہی ہے)۔

اب ان عورتوں کا حکم جاننا چاہئے جو حمل والی نہیں ہیں اور ان کو حیض آتا ہے اور ایسی عورتوں کو طلاق ہو جائے تو انکی عدت یہ ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض گزاریں۔ جب شرعی اصول کے مطابق تین حیض گزر جائیں گے تو عدت پوری ہو جائے گی۔ خواہ کتنے ہی مہینے میں تین حیض آئیں، آیت بالا میں انہیں عورتوں کی عدت بیان فرمائی ہے جن کو حیض آتا ہے۔ زمانہ حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے جب کسی شخص نے طہر میں یعنی ایسے زمانہ میں طلاق دی جو پاک کا زمانہ ہے حیض کا زمانہ نہیں تو یہ عورت ایک حیض گزارے پھر ایک طہر گزارے پھر ایک حیض گزارے پھر ایک طہر گزارے پھر ایک حیض گزارے۔ جب تیسرا حیض ختم ہو جائے تو عدت تمام ہو جائے گی۔

ابھی بیان کیا گیا کہ جس عورت کو حمل ہوا اسکی عدت وضع حمل تک ہے۔ حمل اور حیض یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق خود عورت کی ذات سے ہے وہ جانتی ہے کہ مجھے حیض ہے یا حمل ہے۔ یا دونوں میں سے کچھ بھی نہیں، اب یہاں عورت کی دیانت پر مسئلہ موقوف ہو جاتا ہے۔ عورت سمجھتی ہے کہ وضع حمل میں تو کئی مہینے لگیں گے لہذا میں یوں بیان کر دوں

کہ مجھے حمل نہیں ہے اور حیض والی بھی نہیں ہوں۔ اس طرح عدت مہینوں پر آ جائے گی اور تین ماہ گزر جانے پر میرے بارے میں عدت گزر جانے کا فیصلہ کر دیا جائے گا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مہینوں میں طہر کا زمانہ لمبا ہو گیا کئی ماہ سے حیض نہیں آ رہا لیکن عدت کا فیصلہ جلد ہو جانے کی وجہ سے دو تین ماہ میں کہہ دیتی ہے کہ مجھے تین حیض آ چکے ہیں حالانکہ ابھی تین حیض نہیں آئے اس طرح کی غلط بیانی کرنا حرام ہے اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (اور ان کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ جو کچھ اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمایا ہے اسے چھپائیں اگر اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں)۔

جب کوئی شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن کی پیشی کا اعتقاد رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ کوئی نہیں جانتا تو اللہ تو جانتا ہے ایسا شخص امانت و دیانت کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے پھر وہ جھوٹ نہیں بول سکتا اور غلط بیانی نہیں کر سکتا۔ پھر فرمایا: وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا (اور انکے شوہرا انکے لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس مدت کے اندر اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں)

اس میں طلاق رجعی سے متعلق ایک مسئلہ بیان فرمایا ہے جب کوئی شخص اپنی بیوی کو صاف صریح لفظوں میں ایک یا دو طلاق دیدے تو یہ طلاق رجعی ہوتی ہے جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اندر نکاح ثانی کے بغیر شوہر رجوع کر سکتا ہے۔ اگر عدت گزر جائے تو یہ طلاق رجعی بائن ہو جاتی ہے جس کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا۔

یہ اس صورت میں ہے کہ جب نکاح کے بعد جماع بھی ہوا ہو اگر نکاح ہوا ہو اور اس کے بعد جماع نہ ہوا اور طلاق دیدے تو یہ طلاق رجعی نہیں بلکہ طلاق بائن ہوگی۔ طلاق رجعی جس کے بعد شوہر کو رجوع کا حق ہے اس طلاق کے بعد عدت کے اندر شوہر رجوع کرنا چاہے تو عورت کے رشتہ دار یا کوئی بھی شخص بلکہ خود عورت بھی اس کو برائے مانے اور کوئی شخص ایسی صورت حال پیدا نہ کر دے جس سے کہ وہ رجوع کے ارادے کو موقوف کر دے بلکہ جوڑ لگانے کی اور تعلق استوار ہو جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ شوہر اگر رجوع کر لے تو عورت اور عورت کے رشتہ داروں کی مرضی کے بغیر رجوع تو ہو ہی جائے گا۔ لیکن سب کی خوشی اور رضا مندی سے ہو اور آپس کے تعاون کے ساتھ ہو تو زیادہ مستحسن اور مبارک ہوگا۔

جس طرح عورت اور اس کے رشتہ داروں کو چاہئے کہ رجوع کی فضا بن جائے تو اس میں آڑے نہ آئیں اور ایسی باتیں نہ کریں جن سے شوہر کا دل کھٹا ہو جائے۔ اسی طرح سے شوہر کو بھی لازم ہے کہ اصلاح کی نیت سے رجوع کرے اس کو اِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا میں بیان فرما دیا ہے۔

شوہر اگر یہ سمجھتا ہے کہ آئندہ میں خوش اسلوبی اور حسن معاشرت اور حسن اخلاق کے ساتھ نباہ کر سکوں گا تو رجوع کر لے ضرور دینے کا ارادہ نہ کرے بہت سے لوگ جہالت کی وجہ سے اور نفس کی بھڑاس نکالنے کے لئے رجوع کر لیتے ہیں اور پھر حسن سلوک سے پیش نہیں آتے بلکہ صاف کہہ دیتے ہیں تو یوں ہی پڑی رہے گی۔ نہ تیرا حق ادا کروں گا۔ نہ نکاح سے خارج کروں گا اور بہت سے رجوع کر کے پھر طلاق دیتے ہیں جس سے عدت لمبی ہوتی جاتی ہے یہ بھی ضرور پہچانے کا ایک پہلو ہے۔ یہ سب طریقے غیر اسلامی ہیں۔ اصلاح مقصود ہو تو رجوع کرے ورنہ عدت گزرنے دے عدت گزرتے ہی رجعی طلاق بائن ہو جائے گی۔ پھر وہ جہاں چاہے اپنی مرضی سے مناسب جگہ نکاح کر لے گی جب نباہ کرنا نہیں ہے تو

رجوع کر کے تکلیف دینا سمجھداری اور دینداری کی بات نہیں ہے۔ بلکہ ظلم ہے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت:

پھر فرمایا: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (اور عورتوں کے لئے اس جیسا حق ہے جو ان کے اوپر ہے اچھے طریقہ پر) اس میں یہ بتایا ہے کہ صرف یہی بات نہیں ہے کہ مردوں ہی کے حقوق عورتوں پر ہیں بلکہ جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اسی طرح مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق ہیں۔ عورت کو خدمت گزار سمجھنا اور اس کے حقوق اور حاجات کا دھیان نہ رکھنا شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔

زمانہ اسلام سے پہلے دنیا کی اقوام میں عورت کی بہت بُری گت بنائی جاتی تھی اب باوجودیکہ زمانہ کافی آگے بڑھ چکا ہے۔ پھر بھی اسلام کے علاوہ کسی دین یا قانون میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں جو شریعت اسلامیہ نے اس کو دیا ہے۔ ہندوستان کے مشرکین میں تو یہ دستور تھا کہ مرد مر جاتا تھا تو عورت کو اس کے ساتھ زندہ جلنا پڑتا تھا اور عورتوں کا میراث میں کسی بھی مذہب اور قانون میں حصہ نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ عورت کی حیثیت ایک استعمال کی چیز سے زیادہ نہ تھی عورت مردوں کی ملکیت تصور کی جاتی تھی عورت کسی چیز کی مالک نہ تھی جب اس کا شوہر مر جاتا تھا تو شوہر کے خاندان والے ہی اس پر قابض ہو جاتے تھے اور اس کی اجازت کے بغیر جہاں چاہتے جبراً نکاح کر دیتے تھے بلکہ شوہر کی اولاد ہی اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتی تھی عرب کے جاہل لڑکیوں کو زندہ درگور بھی کر دیتے تھے اور پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتے تھے اسلام نے عورت کو صحیح مقام عطا فرمایا جو اسکی شان کے لائق ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ اس کو عورت بننے سے نکال کر مردوں کی صف میں کھڑا کر دیا ہو اور ایسا بھی نہیں کہ وہ محض ایک استعمال کی چیز بن کر رہ جائے نہ اس کا کوئی حق تسلیم کیا جائے اور نہ اس کی کوئی حیثیت مانی جائے۔

اسلام میں عورت گھر کی ملکہ ہے اپنی اولاد کی محترم اور والدہ ہے اپنے شوہر کی چیمائی بیوی ہے باپ ماں شوہر اور اولاد کے مال کی حسب قوانین وارث ہے اور اپنے مال میں تصرف کرنے کا اسے پورا اختیار ہے جس میں شوہر کو ممانعت کا کوئی حق نہیں ہے بشرطیکہ خلاف شرع کاموں میں خرچ نہ کرے۔ عورت کا ایک طرف میراث میں حصہ ہے دوسری طرف شوہروں پر مہر لازم ہوتا ہے اور یہ مہر عورتوں کی مرضی سے مقرر ہوتا ہے۔ کسی بیٹی کو کرنا انکا اپنا حق ہے وہ چاہیں اپنی مرضی سے معاف کریں اور چاہیں تو پورا وصول کریں۔ اسلام نے صلہ رحمی کی بھی تعلیم دی ہے ایک عورت کسی کی والدہ ہے کسی کی بہن ہے۔ کسی کی خالہ ہے کسی کی پھوپھی ہے۔ صلہ رحمی کے اصول پر سب کو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ شوہر بھی حسن معاشرت سے پیش آئے۔ نان نفقہ کا خیال کرے اور اسکی حاجات پوری کرے۔ اولاد بھی اکرام و احترام پیش آئے۔ اس طرح عورت کی برتری ظاہر ہوگی اور معاشرہ میں اس کا مرتبہ اونچا ہوگا۔ اور عزت و اکرام کے ساتھ اس کی زندگی گزرے گی۔

یورپین اقوام میں عورت کی بے آبروئی:

یورپین اقوام نے عورت کو بالکل ہی بے آبرو کر کے چھوڑ دیا ہے۔ ان کے یہاں عورت مرد کی نفسانی خواہش پوری کرنے کا محض ایک آلہ ہے۔ ان کے معاشرہ میں اس سے زیادہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں۔ میراث میں اُسے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ مہر کا بھی کوئی معاملہ نہیں بلکہ سرے سے نکاح ہی کو ان کے یہاں عیب سمجھا جاتا ہے۔ دوستانہ طریقہ پر برسوں

زندگی گزارتے ہیں اور نفسانی خواہشات پوری کرتے ہیں۔ بعد میں کبھی رخصتی نکاح بھی کر لیتے ہیں۔ اس لئے ان میں اولاد بھی ثابت النسب نہیں ہے۔ اولاد کی ولدیت میں ماؤں کے نام لکھے جاتے ہیں اور عورتوں کے اخراجات کی ذمہ داری عموماً چونکہ کسی پر نہیں ہے اس لئے انہیں اپنی آبرو کو کملازمتیں کرنی پڑتی ہیں راہ گیر کے جوتوں پر پالش کرتی ہیں۔ دوکانوں میں مال فروخت کرنے پر ملازمت کرتی ہیں۔ ننگا لباس پہن کر شور و موموں کے پاس کھڑی رہتی ہیں تاکہ گاہک متوجہ ہو اور آنے والوں کا نفس انکی طرف مائل ہو جس سے زیادہ خریداری ہو سکے۔

اس آزادی نسواں کو دیکھ کر بہت سے نام نہاد مسلمان بھی اپنی عورتوں کو یورپین اقوام کے عورتوں کی طرح دیکھنا چاہتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ عورتیں بازاروں میں کاروبار کریں۔ بے پردہ ہو کر رہیں۔ عورتیں ناقص العقل تو ہیں ہی وہ سمجھتی ہیں کہ ہمیں حق دلائے جا رہے ہیں اور بے پردہ گھومنے اور ننگا لباس پہننے اور دوست تلاش کرنے کی آزادی کو اپنے لئے ہنر اور فخر کی بات سمجھتی ہیں۔ افسوس کہ دورِ حاضر میں عورت کو یہ گوارا نہیں کہ گھر کی ملکہ بن کر گھر میں بیٹھے گھر کے سب لوگ اس کا احترام و اکرام کریں اسے شوہر سے بھی مال ملے۔ میراث میں بھی حصے ملیں اور نفس و نظر کا تعلق صرف شوہر سے رہے۔ اور اپنے مال میں جیسے چاہے تصرف کرے وہ شیطانوں اور ملعونوں اور طحیروں اور زندیقوں سے متاثر ہو کر گھر سے باہر نکلے اور خود کا کرپنا خرچ اٹھانے پر اپنے حقوق کی ادائیگی سمجھتی ہیں۔

یورپ کے رواجی طریقوں میں جب عورت کا کسی پر کوئی حق ہی نہیں ہے تو کوئی شخص ان کا کیا حق ادا کریگا؟ درحقیقت عورت کی یہ کوئی زندگی نہیں ہے جو مذہب اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب اور قوانین میں ہے۔ دنیا میں ایسے ممالک بھی ہیں جہاں زنا کی کثرت ہے جو بچے پیدا ہوتے ہیں حکومت ان کی پرورش کرتی ہے۔ نہ کوئی ماں ہے نہ باپ نہ چچا ہے۔ نہ ماموں خالہ نہ پھوپھی نہ صلہ رحمی ہے نہ نکاح ہے نہ مہر ہے۔ اس سے زیادہ انسانیت کی مٹی اور کیا پلید ہوگی ان لوگوں کی نہ سمجھی کی کہاں تک داد دی جائے جو انسانیت و نسوانیت کا خون کر رہے ہیں اور دعویٰ انکا یہ ہے کہ وہ حقوق انسانی کے محافظ ہیں اور عورتوں کو ان کے حقوق دلارہے ہیں۔

مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے

پھر فرمایا: وَلِلرِّجَالِ عَلَىٰ نِسَائِهِمْ دَرَجَةٌ (اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے) اس میں یہ بتایا کہ اگرچہ میاں بیوی کے آپس میں ایک دوسرے پر حق ہیں (اور ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرے) لیکن مردوں کو عورتوں پر ایک طرح کی برتری اور فضیلت حاصل ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا ہے: الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ۔ (مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ذمہ عورتوں کا خرچہ مقرر فرمایا ہے اور مردوں کو ان پر فضیلت دی ہے وہ ان پر حکمران ہیں۔ امور خانہ داری میں اور دینی پابندی کرانے میں اور عورت کو اس کے مال باپ کے یہاں آنے جانے میں اور بہت سے امور میں مرد کے حکموں کی فرمانبرداری کرنا لازم ہے اس کے بغیر گھر کا نظام ٹھیک نہیں بیٹھتا، اگر مرد کی برتری عورتوں پر

بالکل ہی نہ رہے۔ تو شریعت اسلامیہ کے مطابق زندگی کا نظام نہیں چل سکتا۔ البتہ مردوں کے لئے بھی اس کی اجازت نہیں ہے کہ سردار بن گئے تو ظلم کیا کریں۔ اور اس کے حقوق ادا نہ کریں اور اس کا مال برباد کر دیں۔ عورت یہ سمجھ کر چلے کہ یہ میرا سردار ہے اور مرد یہ سمجھ کہ اللہ تعالیٰ نے میری ضروریات پورا کرنے کے لئے یہ نعمت مجھے عطا فرمائی ہے مجھے خیر و خوبی کے ساتھ نباہنا چاہئے۔ ایسا کریں گے تو ماں باپ اور اولاد سب کی زندگی ان شاء اللہ تعالیٰ عمدہ طریقہ پر گزرے گی۔ سورہ النساء میں فرمایا: وَعَاشِرُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (کہ خوش اسلوبی کے ساتھ عورتوں کے ساتھ زندگی گزارو) اس میں ہر طرح کی خیر و خوبی ہمدردی اور حقوق کی ادائیگی اور مراعات کا حکم فرمایا۔

مردوں کو چونکہ سرداری اور بڑائی دی گئی ہے اس لئے وہ اپنے مقام اور مرتبہ کا خیال کریں اور عورتوں کی لغزشوں اور کوتاہیوں پر صبر کریں اور برداشت کریں اگر برداشت نہ کیا تو بڑائی ہی کیا رہی؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن مرد کسی مومن عورت سے (یعنی ایمان والی بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اسکی ایک بات ناپسند ہوگی تو دوسری بات پسند آ جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب میں بہتر ہوں۔ (رواہ ابن ماجہ ۱۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں سب سے زیادہ کامل ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔ اور جو اپنے گھر والوں کیلئے سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ (مشکوۃ الصالح) آخر میں فرمایا۔ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (اللہ بزدست ہے حکمت والا ہے) اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی اگر کسی نے کی تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میرا کوئی مواخذہ نہیں۔ اللہ نے احکام بھیجے ہیں اور عمل پیرا ہونے کا حکم فرمایا ہے۔ جو خلاف ورزی کرے گا اسکی گرفت ہونے لگے تو بخ نہیں سکتا۔ کیونکہ حکم دینے والا عزیز اور غالب ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس نے جو احکام دیئے ہیں وہ سب حکمتوں پر مبنی ہیں ان میں بندوں کی رعایتیں ملحوظ ہیں بندوں کے لئے اس نظام سے بہتر کوئی نظام نہیں جو انکے خالق نے انکے لئے حکمت کے مطابق تجویز فرمایا ہے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَاِمْسَاكِ مِمَّعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيْمٍ بِإِحْسَانٍ ۖ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ

طلاق دو مرتبہ ہے پھر روک لینا نہ ہے بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا ہے اچھے طریقہ پر اور تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے۔

تَاْخُذُوْا مِنْ اَتْيَمُوْهُمْ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَخَافُوْا الْاَيْقِيْمًا ۚ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ

کہ تم کچھ بھی لے لو اس مال میں سے جو تم نے انکو دیا ہے مگر اس صورت میں کہ میاں بیوی اس بات سے ڈرتے ہوں کہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکیں گے

اَلَا يَقِيْمًا ۚ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فَاِذَا فُتِدَتْ بِهٖ ۚ تِلْكَ حُدُوْدُ

تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر اس بارے میں کہ عورت اپنی جان کا بدلہ دیدے یہ اللہ کے حدود ہیں۔

اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهُمَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ

سو تم ان سے آگے مت بڑھو۔ اور جو کوئی شخص اللہ کے حدود سے آگے بڑھ جائے تو ایسے لوگ ظلم کرنے والے ہیں پھر اگر

طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا

اس کو طلاق دیدی تو اس کے لئے اس کے بعد حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ اس شوہر کے بعد کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے۔ سو اگر اس نے طلاق دیدی تو

جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا رِضًا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ

ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ پھر آپس میں رجوع ہو جائیں۔ اگر دونوں کو اس بات کا گمان ہو کہ اللہ کے حدود قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں

يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۰﴾

وہ انہیں بیان فرماتا ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں

طلاق اور خلع کے چند احکام

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں طلاق کے متعدد مسائل اور متعدد تنبیہات مذکور ہیں جو زن و شوہر سے متعلق ہیں طلاق رجعی طلاق بائن طلاق مغلظہ اور خلع کے مسائل اجمالی طور پر بیان فرمائے ہیں۔

اگر کوئی شخص طلاق دینے کی ضرورت محسوس کرے تو احسن طریقہ یہ ہے کہ کسی ایسے طہر میں (یعنی پاکی کے زمانے میں) ایک طلاق دے دے جس میں جماع نہ کیا ہو پھر عورت کو اپنی حالت پر چھوڑ دے قانون شرعی کے مطابق یہ طلاق رجعی ہو گی (بشرطیکہ عورت سے نکاح کے بعد جماع بھی کر چکا ہو اگر صرف نکاح ہوا تھا تو یہ طلاق بائن ہوگی) جب پاکی کے زمانہ میں طلاق رجعی دے دی اور عورت کو اپنے حال پر چھوڑ دیا حتیٰ کہ عدت گزر گئی (جس کی تفصیل پہلے رکوع میں گزر چکی ہے) تو یہی رجعی طلاق بائن طلاق ہو جائے گی۔ عدت سے پہلے پہلے رجوع کرنے کا حق تھا۔ جب طلاق بائن بن گئی تو اب رجوع کا حق ختم ہو گیا۔ اگر عدت کے اندر ایک طلاق اور دیدی تو یہ بھی طلاق رجعی ہوگی اور اس کے بعد بھی عدت ختم ہونے تک رجوع کا اختیار رہے گا۔ عدت ختم ہو جانے پر دونوں طلاقیں بائن ہو جائیں گی اور رجوع کا حق ختم ہو جائے گا۔

طلاق بائن کے بعد آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ شوہر نے عدت کے اندر تیسری طلاق بھی دیدی تو اب یہ طلاق مغلظہ ہوگی جس کا حکم یہ ہے کہ اب آپس کی رضامندی سے بھی دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ اب دوبارہ آپس میں نکاح ہونے کی یہی ایک صورت ہے کہ کسی دوسرے مرد سے اس عورت کا نکاح ہو پھر وہ مرد اس سے جماع کرے پھر طلاق دے یا وفات پا جائے اور پھر اسکی عدت گزر جائے اگر دوسرا شوہر جماع کئے بغیر طلاق دے دے تو پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی جس کی تصریح حدیث شریف میں موجود ہے۔ اور یہ طے کر کے کسی سے نکاح کر دینا کہ تو جماع کر کے طلاق دے دینا مکروہ تحریمی ہے اس پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے۔ عن علیؑ قال لعن رسول اللہ ﷺ

المحلل والمحلل له (رواہ ابن ماجہ و رواہ الحاکم فی المستدرک. وصححه و اقرہ الذہبی)

اللہ جل شانہ نے بندوں کی مصلحتوں کی کس قدر رعایت رکھی ہے اول تو حلال چیزوں میں طلاق کو مغبوض ترین چیز قرار دیا کما قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابغض الحلال الی اللہ عز وجل الطلاق رواہ ابو داؤد (ص ۲۹۶ ج ۲) پھر حالت حیض میں طلاق دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ بے رغبتی کا زمانہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ انکو حکم دو کہ رجوع کر لیں پھر حالت طہریہ جمل میں طلاق دیں۔ (رواہ مسلم ص ۶۷ ج ۱)

صحیح بخاری (ص ۸۰۳ ج ۲) میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکم دیا کہ زمانہ حیض میں جو طلاق دی ہے اس سے رجوع کر لیں اس کے بعد یہ حیض گزر جائے پھر ایک طہر گزر جائے پھر ایک حیض اور گزر جائے اس کے بعد جو طہر یعنی پاکی کا زمانہ آئے چاہے تو اس میں طلاق دے دے اور یہ طلاق جماع کرنے سے پہلے ہواہ اگر طلاق دے تو اچھی طرح غور کر لے اگر طلاق کی ضرورت محسوس کرے تو پاکی کے زمانہ میں طلاق دے دے اور ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔ (اگر نکاح کے بعد جماع کیا تھا تو یہ طلاق رجعی ہوگی) عدت گزر جانے سے پہلے ایک طلاق اور دیدی تو وہ بھی رجعی ہوگی۔ اگر عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو دونوں طلاقیں بائن ہو جائیں گی۔ لیکن باہمی رضا مندی سے دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔ اس تفصیل کو سامنے رکھ کر غور کر لیا جائے کہ شریعت اسلامیہ میں مرد و عورت کی مصلحتوں کی کس قدر رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اگر شوہر تین طلاقیں دیدے خواہ متفرق اوقات میں دے یا ایک وقت تینوں طلاقیں دے تو اس سے طلاق مغلطہ ہو جاتی ہے جس کا حکم اوپر بیان ہوا۔ جب شریعت کی دی ہوئی رعایتوں کی پاسداری نہ کی تو اب یہ سزا دی گئی کہ اب دوسرے شوہر سے نکاح اور جماع کئے بغیر پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے۔ لیکن عورت کو بھی مرد کے نکاح سے نکلنے کے حق سے محروم نہیں کیا گیا ہے اگر کوئی صورت نہاہ کی نہ رہے تو وہ مرد سے خلع کر سکتی ہے خلع کا معنی یہ ہے کہ وہ مرد سے یوں کہے کہ میں اپنے مہر کے عوض یا اپنے مال کے عوض آپ سے خلع کرتی ہوں مرد اسے منظور کر لے تو عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور جو مال دینا طے ہوا ہے وہ عورت پر ادا کرنا واجب ہوگا۔

خلع کا یہ مطلب نہیں کہ عورت مرد کو خود سے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائے یا حاکم کے یہاں دعویٰ کر کے بغیر کسی شرعی سبب کے جدائی کا فیصلہ کر لے حاکم سے نکاح فسخ کرانے کے کچھ اصول اور قوانین ہیں بعض صورتوں میں قاضی کو شرائط فسخ ملحوظ کرتے ہوئے نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہوتا ہے جس کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن صورتوں میں حاکم کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے ان میں یہ بھی ضروری ہے کہ حاکم مسلمان ہو غیر مسلم حاکموں کے فسخ کرنے سے مسلمان عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوگا خواہ کیسی ہی مجبوری ہو۔

میاں بیوی دونوں جہاں تک ممکن ہو آپس میں نباہ کی کوشش کریں لیکن اگر دونوں کو اس بات کا ڈر ہو کہ اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ عورت مال دے کر اپنی جان چھڑالے اگر مرد کی طرف سے زیادتی ہو تو اس سے کچھ بھی نہ لے اور بلا عوض اسکی جان چھوڑ دے اور اگر عورت کی طرف سے زیادتی اور نا فرمانی ہو تب بھی مرد اتنا ہی لے جتنا مہر اسے دے چکا ہے اس سے زیادہ نہ لے اور اگر زیادہ لے لیا تو قضاء جائز تو ہوگا۔ لیکن مکروہ ہوگا۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ثابت بن قیس کی عادت اور خصلت اور دینداری کے بارے میں کوئی ناراہنگی نہیں ہے لیکن میں مسلمان ہوتے ہوئے ناشکری کو پسند نہیں کرتی (میرا ان سے دل نہیں ملتا لہذا علیحدگی کی کوئی صورت ہو جائے) آپ نے فرمایا کہ کیا تم ان کا باغیچہ واپس کر دو گی (جو مہر میں دیا تھا) عرض کیا ہاں میں واپس کر دوں گی آپ نے حضرت ثابت بن قیس سے فرمایا کہ تم اپنا باغیچہ قبول کر لو اور اسکو ایک طلاق دیدو (رواہ البخاری ص ۹۴ ج ۲)

اس حدیث سے خلع کا جواز معلوم ہوا اور آیت شریفہ فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا يَقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ کے سیاق سے معلوم ہوا کہ نباہ کی صورت نہ رہے اور حدود اللہ قائم نہ کر سکیں تو خلع کر لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ خواہ خواہ بلا وجہ خلع کرنا اور چھوٹ چھٹاؤ کے درپے ہونا محمود نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چھوٹ چھٹاؤ کا مطالبہ کرنے والی اور خلع چاہنے والی عورتیں نفاق والی عورتیں ہیں۔

(رواہ النسائی ص ۱۰۷ ج ۲ والترمذی ص ۱۹۱ ج ۱)

مسئلہ: لفظ خلع سے طلاق ہو جاتی ہے یعنی شوہر کے قبول کرنے پر عورت پر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کے بعد وہ عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور چونکہ طلاق مغلطہ نہیں ہے اس لئے دوبارہ شوہر باطل سے بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ خلع کے علاوہ ایک ”طلاق بالمال“ بھی ہے اور وہ اس طرح سے ہے کہ مرد یوں کہے کہ میں تجھے اتنے مال کے عوض طلاق دیتا ہوں اگر عورت قبول کرے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور عورت کو مقرر مال دینا لازم ہوگا۔

فائدہ: مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں اول دور جہی طلاق کا ذکر ہے اس کے بعد خلع کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ مِثْلِهِ چوتھی طلاق مذکورہ نہیں ہے بلکہ دو طلاق کے بعد بطور جملہ معترضہ کے خلع کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد تیسری طلاق کو ذکر فرمایا ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَكُنَّ حُرٌّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرَحوهُنَّ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی عدت گزار جانے کے قریب پہنچ جائیں تو ان کو روک لو بھلائی کے ساتھ یا ان کو چھوڑ دو

بِمَعْرُوفٍ وَلَا تَمْسِكُوهُنَّ فِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ

خوبی کے ساتھ اور ضرر پہنچانے کے لئے نہیں روک کر کے نہ رکھو تا کہ تم زیادتی کرو اور جو شخص ایسا کرے گا سو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

وَلَا تَنْكِحُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُؤًا وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ

اور مت بناؤ اللہ کی آیتوں کو مذاق کی چیز اور یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو جو تم پر ہیں اور جو کچھ اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے

الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

کتاب اور حکمت اس کو بھی یاد کرو۔ اللہ اس کے ذریعہ تم کو نصیحت فرماتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بے شک ہر چیز کا جاننے والا ہے

مطلقہ عورتوں کو ضرر پہنچانے کی ممانعت

تفسیر: اس آیت میں چند باتوں پر تنبیہ فرمائی۔ اول یہ کہ جو لوگ اپنی عورتوں کو طلاق رجعی دے دیں اگر انہیں رغبت نہیں ہے اور اب بیوی بنا کر رکھنا گوارہ نہیں ہے تو خوش اسلوبی کے ساتھ اسے چھوڑیں جب عدت گزارنے کے قریب ہو جائے تو رجوع کئے بغیر عدت ختم ہونے دیں تا کہ عدت ختم ہوتے ہی طلاق بائن ہو جائے اور عورت کسی دوسری جگہ اپنا نکاح کر سکے ایسا نہ کریں کہ جب عدت گزارنے کے قریب ہو تو رجوع کر لیں اور اس کے بعد پھر طلاق دے دیں اور جب عدت گزارنے کے قریب ہو پھر لوٹائیں ایسا کرنے سے خواہ خواہ عورت کو تکلیف ہوگی اور ضرر پہنچے گا۔ تفسیر روح المعانی (ص ۱۴۲ ج ۲) میں ہے

کہ انصار میں سے ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ یہی معاملہ کیا حتیٰ کہ اسی طرح نو مہینے گزر گئے اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی اور فرمایا: **فَأَمْسِكُوهُمْ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُمْ بِمَعْرُوفٍ** کہ ان کو اگر اپنے نکاح میں رکھنا ہے تو اچھے طریقہ پر روک لو اور نکاح میں نہیں رکھنا تو خوبی کے ساتھ اسے چھوڑ دو اور صرف اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ مزید فرمایا: **وَلَا تُمْسِكُوهُمْ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا** کہ ان کو ضرر پہنچانے اور دکھ دینے کے لئے روک کر نہ رکھو تاکہ ان پر ظلم کرو۔

اور مزید فرمایا: **وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ** کہ جو شخص ایسا کرے گا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے ایک مومن عورت کو ضرر پہنچانے کی نیت کر کے اپنی جان کو آخرت کے عذاب کے لئے پیش کر دیا اور اللہ کے حکم کی فرماں برداری پر جو ثواب مل سکتا ہے اس سے محروم ہو گیا کسی بھی مومن کو ضرر پہنچانا حلال نہیں ہے حدیث شریف میں ہے۔ **مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَكْرَهٍ** (یعنی وہ شخص ملعون ہے جو کسی مومن کو نقصان پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے) (رواہ الترمذی)

اللہ کی آیات کا مذاق بنانے کی ممانعت:

دوسری تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا **وَلَا تَسْتَحْذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوا** کہ اللہ کی آیات کو اور اس کے احکام کو کھیل اور مذاق مخول ٹھٹھ نہ بناؤ۔ ایسا نہ کرو کہ جی چاہا عمل کیا چاہا نہ کیا اور احکام کی رعایت کا دھیان نہ رکھا بلکہ آیات قرآنیہ میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں۔ انکی پابندی کرو اور عزم و ہمت و ارادہ کے ساتھ عمل پیرا ہو حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص کے بارے میں خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں آنحضرت سرور عالم ﷺ غصہ میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جائے گا حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ آپ کا غصہ دیکھ کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۴ ج ۱) اکٹھی تین طلاقیں دے دینا شرعاً مذموم ہے۔ ایک سے زیادہ طلاق دے تو الگ الگ کر کے دے اور ہر طہر میں (پاک کے زمانے میں) ایک ایک طلاق دے۔ کیونکہ اس شخص نے اکٹھی تین طلاقیں دے دیں۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کو سخت ناگواری ہوئی۔ مؤطا مالک میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تیری بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور ستانوے طلاقیں کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیات کا مذاق بنایا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸)

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو: تیسری بات یہ فرمائی کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور جو کچھ اس نے تمہارے اوپر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اس کو بھی یاد کرو۔ یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا شکر ادا کرو نعمتوں کے ذریعہ گناہ نہ کرو اور آیات قرآنیہ پر عمل کرو۔ اللہ کے احکام میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔ ان میں خیر سمجھو۔

پھر فرمایا: **يَعْظُمُكُمْ بِهِ** یہ جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا وہ اس کے ذریعہ تم کو نصیحت فرماتا ہے۔ خلاف ورزی کر کے نصیحت سے منہ موڑنے والے نہ بنو۔

پھر فرمایا: **وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** (اور اللہ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے) سب کے اعمال کو وہ جانتا ہے ان کے مطابق جزا و سزا دے گا اور جن چیزوں میں تمہارے لئے مصلحت ہے ان کو

بھی جانتا ہے اس کے حکموں میں تمہاری مصلحت مضمر ہے۔ مخالفت کر کے اپنے لئے خرابی کا راستہ اختیار نہ کرو۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص مذاق میں طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ اسکی تصریح حدیث شریف میں موجود ہے۔ فقہ رومی ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ ثَلَاثُ جَلْثَ جَلْثُ جَلْثُ وَهَزْلُهُنَّ جَلْدٌ، النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ رواہ الترمذی (ص ۱۹۱ ج ۱) وحسنہ وأخرجه الحاكم ايضا في المستدرک (ص ۱۹۸ ج ۲) کو صحیحہ۔

فائدہ: ارشاد باری تعالیٰ لَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا اگرچہ مسائل طلاق کے ذیل میں وارد ہوا ہے لیکن الفاظ کا عموم اس بات کو بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور احکام کا مذاق بنانا بدترین گناہ ہے بلکہ قصۂ اوادارۃ اگر آیات و احکام کا مذاق بنایا جائے تو کفر ہے سورہ مائدہ میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنََهُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكَفٰرُ اَوْ لِيَّاءُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. وَاِذَا نَا دَيْتُمُ الْيَهُودَ اِلَى الصَّلٰوةِ اَتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُوْنَ. (اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنالیا، یعنی وہ لوگ جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان کے علاوہ دوسرے کافروں کو بھی دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو اور جب تم نماز کی طرف بلا تے ہو تو نماز کا مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں یہ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھتے نہیں)

سورۃ الجاثیہ میں اہل دوزخ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكُمْ بِاَنَّهُمْ اتَّخَذْتُمْ اٰیَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَعَرَوْتُمْ الْحٰیٰوةَ الدُّنْيَا. (یہ عذاب اس لئے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق بنالیا تھا۔ اور تم کو دنیا والی زندگی نے دھوکہ میں ڈال دیا تھا)

بہت سے لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں لیکن قرآن اور احادیث شریفہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا مذاق بناتے ہیں ایسے لوگ اگرچہ مدعی اسلام ہوں لیکن اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہت سے لوگ حج کے احکام و افعال کو فہماتے ہیں اور سینما میں لہو و لعب کے پردہ پر دکھاتے ہیں اور دیکھنے والے دیکھتے ہیں کعبۃ اللہ شریف کے چاروں طرف جو نماز ہوتی ہے اس کے فوٹو لئے جاتے ہیں۔ حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے فوٹو لئے جاتے ہیں۔ مٹی میں تصویر کشی ہے۔ عرفات میں کیمرے لئے کھڑے ہیں۔ فوٹو کھینچے جا رہے ہیں۔ نیک کام کو معصیت کے ساتھ مکہ رکھا جا رہا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ٹیلیوژن میں ڈرامے آرہے ہیں۔ ان اکابر دین کی داڑھیاں منڈی اور مونچھیں خوب زیادہ بڑھی ہوئی دکھائی جا رہی ہیں۔ ان حضرات کے علم و عمل کو لہو و لعب اور تماشا بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ سب دین اور دینیات کے ساتھ استہزاء اور تمسخر ہے جو لہو و لعب میں شامل ہے۔ عوام الناس نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ اس سے دین کی تبلیغ ہوگی۔ حالانکہ اس کی حیثیت لہو و لعب سے زیادہ نہیں ہے۔ قراءت قرآن کی مجلسیں ہیں۔ قاریوں کی تصویریں کھینچی جا رہی ہیں اور اخبارات میں چھپ رہی ہیں۔ قرآن کے نام پر اجتماعات ہیں۔ فوٹو گرافی ہو رہی ہے۔ فلمیں دکھائی جا رہی ہیں کالج یونیورسٹی میں اسلامیات کی کلاسیں ہیں۔ لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ بے پردہ بیٹھی ہوئی ہیں۔ عین اسلامی عنوان کے پیرٹڈ میں احکام قرآن کی خلاف ورزی ہو رہی ہے سودی لین دین ہے بنک کا نام اسلامی ہے۔ حرام مال سے ایصال ثواب کیا جا رہا ہے اسی سے حج و عمرہ ہو رہا ہے۔ داڑھی مونڈنے کی دکانیں ہیں۔ اسلامی صالوں یا صالون الحرمین کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہ سب اعمال و افعال ایسے ہیں جن سے احکام اسلام کی توہین اور تضحیک ہوتی ہے۔ اسلام کے نام پر مذاق ہے۔ گناہ کرنا بہت بڑی بدبختی ہے جس کا لوگوں کو بالکل احسان نہیں

داڑھیوں کا داڑھی رکھنے والوں کا تسخر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر چلنے والوں پر پھبتیاں ہیں اور یہ سب کچھ ان لوگوں سے صادر ہو رہا ہے جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ سب کو صحیح سمجھ دے۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَا تُعْضِلُوهُنَّ أَنْ يَتَّكِحَنَّ

اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پہنچ جائیں اپنی عدت کو تو ان کو اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں

أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَآضَا بِدَيْنِهِمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

جبکہ آپس میں خوبی کے ساتھ رضامند ہو جائیں۔ اس کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمُ أَزْكَى لَكُمْ وَأَظْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ

اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے۔ یہ تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم

لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۳۸﴾

نہیں جانتے

مطلقہ عورتیں سابقہ شوہروں سے نکاح کرنا چاہیں تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالیں

تفسیر: اس آیت میں عورتوں کے اولیاء اور اقرباء کو ایک خاص نصیحت کی گئی اور وہ یہ کہ جب طلاق کے بعد عورت کی عدت گزر جائے اور وہ اپنے اسی شوہر کے نکاح میں پھر جانا چاہے جس نے طلاق دی تھی تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالو طلاق رجعی کے بعد جب عدت گزر جائے تو یہ طلاق بائن ہو جاتی ہے اور طلاق بائن ہو جانے پر میاں بیوی کی رضا مندی سے آپس میں دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ جب دونوں یہ محسوس کریں کہ ہمیں پھر سے زن و شوہر کی طرح رہنا چاہئے اور پھر سے نکاح کر لینے میں مصلحت محسوس کریں تو عورت کے اولیاء و اقرباء رکاوٹ نہ ڈالیں ان کا نکاح آپس میں ہونے دیں۔ البتہ ان دونوں میں آپس میں خیر و خوبی سے اور عمدہ طریقہ پر نباہ کرنے کے جذبات ہونے چاہئیں۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وقتی جوش میں مرد طلاق دے بیٹھتا ہے اور عورت بھی کبھی غصہ میں طلاق طلب کر لیتی ہے جس سے شوہر کے منہ سے طلاق کے کلمات نکل جاتے ہیں۔ پھر آپس میں پشیمان ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھر مل بیٹھیں۔ یعنی دوبارہ نکاح کر لیں۔ جب ایسی صورت حال بن جاتی ہے تو عورت کا باپ یا بھائی یا خاندان کے دوسرے لوگ رکاوٹ ڈالتے ہیں اور اس کو اپنی ہتک عزت سمجھتے ہیں اور بعض مرتبہ رشوت لینے کے پھیر میں ہوتے ہیں اس کے شوہر کو دباتے ہیں تاکہ کچھ مال دینے پر مجبور ہو جائے ان سب باتوں سے آیت بالا میں منع فرمایا ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی۔ میں نے اپنی ایک بہن کا ایک شخص سے نکاح کر دیا تھا پھر اس نے اس کو طلاق دے دی۔ جب عدت گزر گئی تو پھر وہ اس سے نکاح کرنے کے لئے پیغام لے کر آ گیا میں نے کہا کہ میں نے تجھ سے اس کا نکاح کر دیا اور اس کو تیرے پاس بھیج دیا اور تیرا اکرام کیا پھر تو نے طلاق دے دی اب تو دوبارہ نکاح کا پیغام لے کر آیا ہے اللہ کی قسم کبھی بھی تیرے پاس نہ جائے گی۔ یہ آدمی مناسب تھا اور عورت چاہتی تھی کہ واپس چلی جائے۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی آیت منکر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ

اب تو میں ضرور وہی کروں گا جس کا حکم ہوا ہے لہذا اپنی قسم کا کفارہ دے دیا اور اسی شخص سے اس کا نکاح کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آیت سنی تو حضرت معقل بن یسارؓ نے کہا سَمْعًا لِرَبِّیْ وَطَاعَةً (میں نے اپنے رب کا فرمان سنا اور میں فرمانبرداری کے لئے حاضر ہوں) (تفسیر درمنثور ص ۶۸ ج ۲ عن البخاری والی دلائل الترمذی والحاکم وغیرہم)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اَزْوَاجُہُنَّ سے پہلے شوہروں کے علاوہ وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو پہلے شوہر نہ تھے لیکن طلاق وعدت کے بعد مطلقہ عورتیں بعض مرتبہ بعض مردوں سے رشتہ طے کر لیتی ہیں اور آپس میں دونوں شریعت کے قاعدہ کے مطابق نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو عورت کے اولیاء و اقرباء اڑے نہ آئیں اور نہ طلاق دینے والا پہلا شوہر رکاوٹ ڈالے لفظ بالمعروف میں یہ بتا دیا کہ وہ شرعی قاعدہ کے مطابق نکاح کرنا چاہیں تو ان کو نکاح کرنے دیں البتہ خلاف شرع کوئی بات ہو تو اس سے روکنا واجب ہے۔ عورت کو بھی چاہئے کہ اب برابر اور میل کے آدی سے نکاح کرے اور مہر مثل پر نکاح کرے تاکہ اولیاء کو خفت محسوس نہ ہو اور کسی طرح اعتراض کا موقع نہ ملے پھر فرمایا اس میں ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ فرمایا کہ اس حکم کے ماننے میں تمہاری بہت بڑی صفائی اور پاکیزگی ہے کیونکہ اسکی خلاف ورزی میں فتنہ فساد اور گناہوں میں مبتلا ہونے کے مواقع نکل سکتے ہیں اور مرد و عورت کی عفت بھی خطرہ میں پڑ سکتی ہے۔ آخر میں فرمایا **وَاللّٰهُ یُعْلَمُ وَانْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ** (کہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) بعض لوگ اپنے خیال سے کچھ مصلحتیں سوچتے ہیں لیکن فکر میں خطاء کرتے ہیں غلط بھی سوچتے ہیں۔ دنیا داری کے جذبات سے سوچتے ہیں مرد و عورت کی مصلحتوں پر نظر نہیں رکھتے اپنے غور و فکر کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کریں اس نے جو قانون بتایا ہے اس پر چلنے میں خیر ہے۔

وَالْوَالِدَتُ یَرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِّسَنِ اَرَادَ اَنْ یَّتِمَّ الرِّضَاعَةُ

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو سال پورے اس کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِشْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ وَّلَا وُسْعُهَا شَيْئًا

اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمہ ماڈل کا کھانا اور کپڑا ہے قاعدہ کے مطابق کسی جان کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اس کی برواشت کے مطابق نہ

تُضَارُّ وَالِدَةُ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ

تکلیف دی جائے والدہ کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اس کو تکلیف دی جائے جس کا بچہ ہے اس کے بچہ کی وجہ سے اور وارث کے ذمہ اسی طرح سے لازم ہے۔

فَإِنْ أَرَادَ اِفْصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ

سو اگر دونوں آپس کی رضا مندی اور باہم مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اور اگر تم اپنی اولاد کو

أَنْ تَسْتَزِیْعُوا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَا تَابِعْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ

دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں ہے جبکہ تم سپرد کر دو جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے قاعدہ کے موافق

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِیْرٌ

اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جنہیں تم کرتے ہو

بچوں کو دودھ پلانے کے احکام

تفسیر: اس آیت میں بچوں کو دودھ پلانے اور پلوانے کے بارے میں چند احکام مذکور ہیں۔ جب میاں بیوی خوشی کے ساتھ آپس میں مل جل کر رہ رہے ہوں اور اولاد پیدا ہو جائے تو چونکہ ماں اور باپ دونوں کو بچہ پر شفقت ہوتی ہے اور دونوں اس کی تربیت کرتے ہیں اور دکھ تکلیف سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے بچے ماں باپ کے سایہ میں خوب اچھی طرح سے پرورش پاتے ہیں اور ایسی صورت میں والدہ اس کے دودھ پلانے یا پرورش کرنے پر اس کے باپ سے کسی طرح کی اجرت بھی طلب نہیں کرتی، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بچے کی والدہ جب اپنے شوہر کے نکاح میں ہے اور بحق زوجیت کھانا کپڑا اسے مل رہا ہے تو اس کے لئے یہ درست نہیں کہ دودھ پلانے کے سلسلے میں کوئی اجرت طلب کرے۔ اور بعض مرتبہ ایسا ہو جاتا ہے کہ شوہر طلاق دے دیتا ہے۔ اس میں اول تو یہ اختلاف رونما ہوتا ہے کہ بچہ کون لے۔ اصول یہ ہے کہ لڑکا جب تک سات برس کا نہ ہو جائے اور لڑکی نو سال کی نہ ہو جائے اس وقت تک والدہ کو پرورش کا حق ہے۔ لڑکا یا لڑکی کی پرورش کا حق مطلقہ عورت کو اس وقت تک ہے جب تک کہ کسی ایسے شخص سے نکاح نہ کر لے جو بچے کا محرم نہ ہو، والدہ کی پرورش میں بچہ کے رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بچہ کے اخراجات بھی والدہ ہی کے ذمہ ہوں بلکہ اخراجات بچے کے والد پر ہی واجب ہوں گے جب کسی مرد نے کسی عورت کو طلاق دے دی اور ماں نے بچہ کو پرورش کے لئے لے لیا اور ابھی دودھ پلانے کا زمانہ باقی ہے تو جب تک عدت نہ گزر جائے اس وقت تک بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت وہ نہیں لے سکتی کیونکہ اسے طلاق دینے والے شوہر کی طرف سے زمانہ عدت کا نان و نفقہ مل رہا ہے۔ دوبرا خرچ نہیں دیا جائے گا اور جب عدت گزر جائے اور ابھی دودھ پلانے کا زمانہ باقی ہے تو اب بچہ کی ماں بچہ کے باپ سے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔ بچہ کے دوسرے اخراجات اس کے سوا ہوں گے اور دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ بچہ کی عمر دو سال (قمری مہینوں کے اعتبار سے) ہو جانے تک طلب کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد بچہ کا باپ دودھ پلانے کی اجرت نہ دے تو دودھ پلانے والی والدہ دودھ پلانے کی اجرت طلب نہیں کر سکتی (حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ ڈھائی سال ہے اور دوسرے اماموں کے نزدیک دو سال ہے۔ اور احتیاط اسی میں ہے کہ دو سال سے زیادہ دودھ نہ پلایا جائے البتہ اگر کسی نے دو سال کے بعد بھی ڈھائی سال ہونے تک کی مدت میں پلادیا تو اس سے حرمت رضاعت کا فتویٰ دیا جائے گا کیونکہ تحریم نکاح کے سلسلہ میں اسی میں احتیاط ہے سوا اگر کوئی عورت دو سال کے بعد بھی دودھ پلائے تو شوہر کے ذمہ دودھ پلانی کا خرچہ نہیں ہے۔)

ماں کو یا باپ کو اولاد کی وجہ سے ضرر نہ دیا جائے:

اجرت رضاعت اور مدت رضاعت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا جس میں یہ بتایا کہ بچہ کا باپ جو دودھ پلانے والی کو اجرت دے گا اس میں اسکی حیثیت سے زیادہ مطالبہ نہ کیا جائے گا وہ اپنی مالی حیثیت کے مطابق خرچہ دے گا جو خرچہ اس کی استطاعت سے باہر ہو اس کا مطالبہ اس سے نہ کیا جائے پھر ارشاد فرمایا: لَا تُضَارُّ وَالِدَةُ بَوْلِدِهَا وَلَا مَوْلُو ذَلَّةٍ بَوْلِدِهِ۔ یعنی کسی ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور کسی باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر نہ پہنچایا جائے۔ مثلاً طلاق ہوگئی تو بچہ کے ماں باپ ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے سے باز رہیں اگر بچہ کی والدہ دودھ پلانے سے معذور ہو یا حق پرورش سے دستبردار ہو جائے اور یوں کہے کہ کسی اور سے دودھ پلوا تو اس کا باپ زبردستی

نہ کرے کہ تجھے ہی پلانا ہوگا اور مفت پلانا ہوگا ماں کی مامتا سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ یہ نہ سوچے کہ جب بچہ کو ترپتا دیکھے گی خود ہی پلائے گی۔ یا ماں اجرت پر پلانے کو راضی ہو تو باپ یوں نہ کہے کہ میں تجھ سے نہیں پلاتا میں دوسری عورت کو زیادہ اجرت دے دوں گا لیکن تجھے ایک کوڑی بھی نہ دوں گا۔

باپ نہ ہو تو وارث ذمہ دار ہے

پھر فرمایا: عَلٰی الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بچہ کا باپ وفات پا جائے تو اس کے دودھ پلانے کی ذمہ داری وارث پر ہے اگر بچہ کا اپنا مال ہو مثلاً اس کے باپ کی میراث سے اسے ملا ہے اور بچہ کے دودھ پینے کی مدت ابھی باقی ہے تو بچہ کے مال میں سے بچہ پر خرچ کرے اور دودھ پلوانے کی اجرت اس مال سے دے اور اگر بچہ کا اپنا مال نہیں ہے تو یہ وارث اپنے مال سے بچہ پر خرچ کرے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وارث سے بچہ کا وارث مراد ہے مثلاً اگر یہ فرض کیا جائے کہ بچہ کی موت ہو گئی تو اس وقت جو لوگ اس کے وارث ہو سکتے ہیں ان پر اس کا خرچ واجب ہے۔ حضرت امام صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے وہ وارث مراد ہے جو محرم ہو اگر اس طرح کا وارث ایک ہی ہو تو پورا خرچ اس ایک ہی پر واجب ہوگا، اور اگر چند افراد ایسے ہوں تو ان سب پر بقدر حصہ میراث بچہ کے اخراجات لازم ہوں گے محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی نکاح جائز نہ ہو اگر بچہ اور اس کے رشتہ دار ایک ہی جنس کے ہوں یعنی سب مرد ہوں تو محرم کے پتہ چلانے کا طریقہ یہ ہے کہ بچہ اور اس کے رشتہ داروں میں سے اگر کسی کو عورت فرض کر لیا جائے تو آپس میں نکاح درست نہ ہو ایسے رشتہ کو رشتہ محرمیت کہتے ہیں۔ چچا بھتیجی کا نکاح تو آپس میں درست نہیں ہے لہذا چچا اپنی بھتیجی کا محرم ہے اور چچا اپنے بھتیجہ کا بھی محرم ہے اس لئے کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک کو عورت فرض کر لیا جائے تو آپس میں نکاح درست نہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی بچہ کا والد وفات پا گیا اور بچہ کا مال بھی نہیں ہے اور اسکی والدہ ہے اور دادا ہے تو دونوں پر بقدر اپنے حصہ میراث کے بچہ کا خرچہ واجب ہوگا، لہذا ۱/۳ ماں کے ذمہ ہوگا اور ۲/۳ دادا کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ دونوں محرم بھی ہیں اور بچے کی میراث ان دونوں کو اسی نسبت سے پہنچتی ہے۔

دو سال سے پہلے بھی باہمی مشورہ سے دودھ چھڑا سکتے ہیں

پھر فرمایا: فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا۔ یعنی اگر دو سال سے پہلے ہی والدین بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں اور آپس میں رضامندی اور مشورے سے اس کا فیصلہ کر لیں تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ مشورے میں بچے کی مصلحت پیش نظر رکھی جائے کبھی ایسا ہوتا ہے بچہ کی والدہ کا دودھ خراب ہو جاتا ہے۔ وہ بچہ کے لئے مضر ہوتا ہے۔ کبھی بچہ دودھ پینا خود سے چھوڑ دیتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بچہ ماں کے علاوہ نہ کسی اور عورت کا دودھ پینے کو تیار ہے نہ اوپر کا دودھ پینا گوارا کرتا ہے ایسی صورت میں ماں کا دودھ چھڑائیں گے تو وہ بھوکا رہے گا دودھ چھڑاتے وقت بچہ کی ہمدردی اور مریبانہ شفقت پیش نظر رکھی جائے۔

اجرت پر دودھ پلوانے کے مسائل

پھر فرمایا: وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اتَّيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم بچوں کو ماؤں کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔ ماں زندہ ہے لیکن مناسب یہ سمجھتے ہیں کہ دودھ کسی اور سے پلوائیں۔ تو یہ بھی درست ہے۔ بچہ کی مصلحت پیش نظر

ہوتے ہوئے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس میں ایک یہ صورت پیش آ سکتی ہے کہ بچہ کی ماں کو اس کے باپ نے طلاق دے دی ہے اور عدت بھی گزر گئی ہے اور دودھ پلانے کا زمانہ ابھی ختم نہیں ہوا تو بچہ کی ماں اگر اجرت پر پلانا گوارا کرے تو باپ اس سے بچہ کو جدا نہ کرے اس کی والدہ ہی سے پلوائے ہاں اگر وہ دوسری دودھ پلانے والیوں کے بہ نسبت زیادہ اجرت مانگتی ہو یا ماں کے دودھ میں کچھ خرابی ہو تو اس کا باپ دوسری عورت سے دودھ پلوادے تو یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ: جب بچہ کو ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت سے دودھ پلوائے اور ماں یوں کہے کہ دودھ خواہ وہ پلوائے لیکن رہے میرے ہی پاس تو اس کا یہ مطالبہ صحیح ہے۔ بچہ کے باپ کو یہ مطالبہ پورا کرنا لازم ہے۔

مسئلہ: جب کسی عورت کو دودھ پلانے پر مقرر کریں تو اسکی اجرت اچھی طرح سے طے کر لیں۔ ایسا نہ کریں کہ اجرت طے کر کے اسے بالکل ہی نہ دیں یا جو اجرت طے ہوئی تھی اس سے تھوڑی دیں یا ٹال مٹول کریں۔ جو کچھ طے ہوا تھا ہے قاعدہ کے موافق خوش اسلوبی سے دے دیں اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّا اَتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

مسئلہ: دودھ پلانے کے علاوہ اگر اس سے اور کوئی خدمت لینا چاہیں تو اسے بھی معاملہ میں طے کر لیں۔

مسئلہ: دودھ پلانے والی کی روٹی کپڑے پر ملازم رکھنا درست ہے۔ البتہ کھانا کپڑا کیسا ہوگا اس کی صاف صاف تصریح کر دے۔ دودھ پلانے والی کے علاوہ اور کسی ملازم کو روٹی کپڑے پر رکھنا جائز نہیں ہے۔ مذکورہ بالا احکام بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو پوری طرح دیکھنے والا ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ احکام شرعیہ کی پابندی کرو اور اللہ سے ڈرو۔ خلاف ورزی کر کے مؤاخذہ اور عذاب کے مستحق نہ بنو۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہارا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ اَرْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو یہ بیویاں اپنی جانوں کو روکے رکھیں چار مہینے

وَعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْ اَنْفُسِهِنَّ

دس دن پھر جب وہ پہنچ جائیں اپنی میعاد کو سو تم پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں کہ وہ عورتیں اپنی جانوں کے بارے میں

بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

خوبی کے ساتھ کوئی فیصلہ کر لیں اور جو تم کرتے ہو اللہ اسکی خبر رکھنے والا ہے

شوہر کی موت پر عدت گزارنے کے احکام

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اُن عورتوں کی عدت بیان فرمائی ہے جن کے شوہر وفات پا جائیں اور یہ عدت چار مہینے دس دن ہے۔ چار ماہ دس دن تک وہ عورت کسی دوسری جگہ نکاح نہ کرے جس کا شوہر وفات پا گیا ہو اور اس زمانہ میں سوگ بھی کرے یعنی خوشبو بھندی نہ لگائے اور بن ٹھن نہ رہے۔ یہ حکم حدیث شریف میں وارد ہوا ہے واضح رہے کہ چار ماہ دس دن اس عورت کی عدت ہے جس کو حمل نہ ہو اور اس کا شوہر وفات پا جائے اگر کسی ایسی عورت کا شوہر وفات پا جائے جو حمل

سے ہو تو پھر اسکی عدت وضع حمل ہے یعنی شوہر کی موت کے بعد جتنی مدت میں بھی بچہ پیدا ہو۔ اس وقت تک وہ عورت عدت میں رہے گی۔ خواہ شوہر کی مدت کے ایک گھنٹہ بعد ہی ولادت ہو جائے۔ خواہ مہینوں لگ جائیں۔ یہ مضمون سورہ طلاق کی آیت **وَأُولَٰئِكَ الْأَحْمَالُ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** میں بیان فرمایا ہے۔ اور سوگ کرنا بھی اس کے لئے واجب ہے۔ مسئلہ: جو عورت عدت وفات گزار رہی ہو وہ عدت ختم ہونے تک اس گھر میں رہے جس میں رہتے ہوئے شوہر کی موت ہوئی ہے۔ اگر خرچہ نہ ہو تو بقدر ضرورت روزی حاصل کرنے کے لئے دن کے اوقات میں نکل سکتی ہے۔ ضرورت پوری کر کے پھر اسی گھر آجائے۔ مسئلہ: اگر چاند رات کو شوہر کی وفات ہوئی ہو تو مہینوں کے اعتبار سے چار ماہ دس دن پورے کرے اور اگر چاند رات گزر جانے کے بعد وفات ہوئی ہے تو ایک سو تیس دن شمار کر کے عدت پوری کرے۔

جب عدت گزر جائے تو عورتیں اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کی خود مختار ہیں کہ خوبی کے ساتھ شرعی قواعد کے موافق جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔ اولیاء اس میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔ ہاں اگر کوئی خلاف شرع کام کرنے لگیں تو اولیاء کے ذمہ ہوگا کہ اس سے روکیں اور نجی عن المنکر کریں۔ **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْتُمْ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ** میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔ اور عورتوں کو اور انکے اولیاء کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی پوری طرح خبر ہے اگر کسی عورت نے خلاف شرع کوئی اقدام کیا یا مردوں نے اس طرح کا اقدام کرنے دیا تو گناہ گار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس سے کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكُنْتُمْ فِي

اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو کنایہ نکاح کا پیغام دیدو یا اپنے دلوں میں

أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تَأْوَعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا

پوشیدہ رکھو اللہ کو معلوم ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے اور لیکن ان سے نکاح کا خفیہ طور پر وعدہ نہ کر لینا مگر یہ کہ ان سے ایسی بات کہو

قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا

جو وعدہ کے موافق ہو اور تم نکاح کرنے کا ارادہ مت کرو یہاں تک کہ عدت قانون کے مطابق ختم ہو جائے اور تم جان لو

أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

کہ بے شک اللہ جانتا ہے۔ جو تمہارے دلوں میں ہے اور سو تم اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بیوہ عورتوں کو صریح پیغام نکاح دینے کی ممانعت

تفسیر: اس آیت شریفہ میں عدت وفات گزارنے والی عورتوں کے بارے میں ایک تنبیہ فرمائی اور وہ یہ کہ ایسی عورتوں کو صاف صریح الفاظ میں نکاح کا پیغام نہ دیا جائے ہاں اگر اشارۃً و کنایۃً ذکر کر دیا جائے مثلاً یوں کہہ دیا جائے کہ فکر نہ کرنا اللہ مالک ہے۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ صرف دل میں یہ خیال کر لیا جائے کہ اسکی عدت گزر جائے گی تو اس سے نکاح کر لوں گا۔ اللہ تعالیٰ کو

سب کے دلوں کا حال معلوم ہے۔ اس نے اتنی گنجائش دے دی کہ اشارۃً و کنایۃً عورت کے کان میں بات ڈال دی جائے۔ البتہ اسکی اجازت نہیں دی کہ عدت والی عورت کو پیغام دینے والا مرد آپس میں خفیہ طریقہ پر عقد نکاح کا آپس میں وعدہ کر لے اور اسکی بھی اجازت نہیں دی کہ عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح کریں۔

آیت کے ختم پر پھر وہی بات دُھرائی کہ اللہ تعالیٰ کو دلوں کا سب حال معلوم ہے اس سے ڈرو احکام کی خلاف ورزی نہ کرو اگر کبھی کوئی خطا ہو جائے تو توبہ کرو اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے حلیم بھی ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ

کوئی گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دے دو عورتوں کو جبکہ تم نے ان کو چھوا نہ ہو اور مہر مقرر نہ کیا ہو اور ان کو

فَرِيضَةً ۖ وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمَقْتَرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا

متعہ دے دو گنجائش رکھنے والے پر گنجائش کے بقدر ہے اور تنگ دست پر اسکی حیثیت کے موافق ہے یہ فائدہ پہنچانا عمدہ طریقہ پر ہو

بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۚ وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ

واجب ہے اچھا سلوک کرنے والوں پر۔ اور اگر تم انکو اس سے پہلے طلاق دو کہ ان کو چھوا ہو

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يُعْفُونَ أَوْ يُعْفُوا

حالانکہ ان کے لئے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس صورت میں اس کا آدھا ہے جتنا تم نے مقرر کیا ہے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے

الَّذِي بِيَدِهِ عَقْدَةُ الزَّكَاءِ ۖ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ

جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور یہ بات کہ تم معاف کر دو زیادہ قریب ہے تقویٰ سے۔ اور نہ بھولو آپس میں احسان کرنے کو

بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

بے شک اللہ اس کو دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

مہر اور متعہ کے احکام

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں چند مسائل بیان فرمائے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو صرف نکاح کر کے طلاق دیدے نہ اسے ہاتھ لگایا ہو نہ اسکے لئے مہر مقرر کیا ہو تو اس صورت میں مہر واجب نہیں ہے۔

البتہ بطور سلوک و احسان اور دلداری کے متعہ دینا واجب ہے یہ متعہ ایک جوڑا کپڑوں کی صورت میں ہوگا یعنی طلاق دینے والا مرد مطلقہ عورت کو تین کپڑے دے دے ایک کرتہ ایک دوپٹہ اور ایک خوب چوڑی چنگلی چادر جو سر سے پاؤں تک ڈھا تک سکے۔ اور اس میں مرد کی حالت کا اعتبار ہوگا۔ مرد پیسہ والا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگ دست ہے تو اپنے حالات کے مطابق دے دے اس وجہ کو موقوفہ فرمانے کے لئے ارشاد فرمایا: مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ

کہ یہ نفع پہنچانا شرعی قاعدہ کے مطابق ہو جو محسنین پر واجب ہے ہر مسلمان اپنے ایمان کی وجہ سے صفت احسان اختیار کرنے پر مامور ہے اور ہر مؤمن محسن ہے لہذا اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ جو لوگ فاسق اور گناہ گار ہیں۔ ان پر واجب نہیں آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر مہر مقرر کے بغیر نکاح کر لیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر مذکورہ بالا صورت پیش آ جائے (کہ مرد نے عورت کو ہاتھ بھی نہ لگایا اور طلاق دے دی) تو اس صورت میں متحد دینا ہوگا جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور اگر مہر مقرر کے بغیر نکاح کر لیا اور پھر میاں بیوی والی بھی ہوگئی یا خلوت سے پہلے شوہر کی وفات ہوگئی تو مہر مثل دینا ہوگا۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔ اور اگر مہر مقرر کیا تھا لیکن طلاق خلوت سے پہلے دیدی تو اس صورت میں مقرر کردہ مہر کا آدھا دینا لازم ہوگا۔ ہاں اگر عورت بالکل ہی چھوڑ دے کچھ بھی نہ لے تو معاف ہو جائے گا اور اگر شوہر اسے پورا ہی مہر دیدے یا جو دیکھ آدھا ہی واجب تھا یا جو پورا مہر دے چکا تھا اس میں سے آدھا واپس نہ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں 'أَوْ يَغْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عَقْدَةُ النِّكَاحِ' میں یہی آخری بات بیان فرمائی ہے۔ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ وہ شوہر ہے اور اگر مہر مقرر کیا گیا تھا اور خلوت بھی ہوگئی تھی تو پورا مہر دینا فرض ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا: وَأَنْ تَغْفُوا أَقْرَبَ لِلتَّقْوَىٰ (کہ تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے) کیونکہ معاف کرنا موجب اجر و ثواب ہے۔

پھر فرمایا: وَلَا تَنسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ یعنی ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرنے کو نہ بھولو آپس میں حسن سلوک سے پیش آتے رہو قال صاحب الروح (ص ۱۵۵ ج ۲) ای لا تتركوا أن يتفضل بعضكم على بعض كالشيء المنسي آخر میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ اس میں وہی تذکرہ و تنبیہ ہے جو بار بار گزر چکی ہے اور مضامین کے ختم میں بار بار دہرائی جاتی ہے۔ درحقیقت اس بات کا مراقبہ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال سے باخبر ہے۔ اور ہمارے کردار کو وہ دیکھ رہا ہے۔ سارے اعمال کو درست بنادینے کا ذریعہ ہے۔ دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں آخرت کی مسئولیت سے ذرا غفلت ہوتی ہے وہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ضائع ہونے کے مواقع پیش آ جاتے ہیں اس لئے قرآن مجید میں بار بار اس بات کو دہرایا ہے کہ آخرت کی پیشی اور محاسبہ کو سامنے رکھیں۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ

پابندی کرو نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی اور کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لئے اس حال میں کہ عاجزی اختیار کئے ہوئے ہو

تمام نمازوں اور خاص کر صلوٰۃ وسطیٰ کی محافظت کا حکم

تفسیر: طلاق اور شوہر کی وفات سے متعلق بعض مسائل باقی ہیں درمیان میں نمازوں کی پابندی کا حکم فرمادیا بندے جس حال میں بھی ہوں۔ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوں اور خاص کر نمازوں کا خوب زیادہ اہتمام کریں۔ نماز سر پا ذکر ہے بار بار خالق کائنات جل مجدہ کی یاد کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور اللہ کی یاد ہی اس پورے عالم کی جان ہے۔ آدمی کیسی ہی مشغولیت میں ہو نماز سے غافل نہ ہو اور ان نمازوں میں بھی صلوٰۃ وسطیٰ یعنی درمیان والی نماز کا اور زیادہ دھیان رکھے۔ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ (درمیان والی نماز) سے عصر کی نماز مراد ہے۔ اس نماز کا خصوصی دھیان رکھنے کے لئے اس لئے ارشاد فرمایا کہ عموماً تجارتی امور اور کاروبار اور بہت سے کام ایسے وقت میں سامنے آ جاتے ہیں جبکہ

نماز عصر کا وقت ہوتا ہے۔ مالوں کی خرید و فروخت کی گرم بازاری عصر ہی کے وقت ہوتی ہے، اس وقت میں نمازوں کی پابندی کرینوالے بھی نماز عصر سے غافل ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا ہے۔ جس نے اچھی طرح ان کا وضو کیا اور ان کو بروقت پڑھا اور ان کا رکوع و خشوع پورا کیا تو اللہ کے ذمہ یہ عہد ہے کہ وہ اسکی مغفرت فرمادے گا اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اس کے لئے اللہ کا کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے اسے عذاب دے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۶۱ ج ۱) آخر میں فرمایا: وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ لفظ قانتین قنوت سے لیا گیا ہے۔ جو اسم فاعل کا صیغہ ہے اسکی تفسیر کئی طرح سے کی گئی ہے۔ مطیعین، خاشعین، ساکتین، یہ سب اسکی تفسیریں ہیں۔ جو سب حضرات سلف سے مشہور ہیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نماز کے اندر باتیں کر لیا کرتے تھے یہاں تک کہ آیت کریمہ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ نازل ہو گئی تو ہمیں خاموشی کا حکم ہوا اور آپس میں بات کرنے سے روک دیئے گئے۔ (رواہ البخاری ص ۶۵ ج ۲)

نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہی پڑھا جائے اور آپس میں باتیں نہ کی جائیں۔ حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا کہ قنوت یہ ہے کہ رکوع لمبا ہو نظر پست ہو اور خشوع حاصل ہو اور یہ کہ کسی طرف التفات نہ کیا جائے اور کنکریوں کو الٹ پلٹ نہ کیا جائے (جو بعض مسجدوں میں فرش پر پڑی رہتی تھیں) اور دنیاوی امور کے دوسے اپنے دل میں نہ لائے، بعض حضرات نے قانتین کی تفسیر کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے۔ مکملین الطاعة و مُتَمِمِّیہا علی أحسن وجه من غیر اخلال بشئ مما ینبغی فیہا۔ کہ نہایت اچھے طریقہ پر طاعت کو درجہ کمال تک پہنچایا جائے اور جو چیزیں طاعت کے لئے چاہئیں ان میں سے کسی بھی چیز میں خلل نہ آنے دیا جائے۔ (روح المعانی ص ۱۰۷ ج ۲)

فَإِنْ خِفْتُمْ فِرْجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ

پھر اگر تم کو خوف ہو تو کھڑے ہوئے یا سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لیا کرو پھر جب تم کو امن حاصل ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے

تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾

تمہیں سکھایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے

دشمنوں کا ہجوم ہو تو نماز کیسے پڑھی جائے؟

تفسیر: گزشتہ آیت میں تمام نمازوں کی پابندی اور خاص کر صلاۃ وسطیٰ کی پابندی کا حکم فرمایا۔ اس آیت میں خوف اور امن کے حالات میں نماز پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جہاں تک بھی ممکن ہو پانچوں نمازوں کو ہر حال میں اور ہر مقام میں ضرور پڑھیں۔ بعض مرتبہ دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس موقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ باقاعدہ رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنا ممکن نہیں ہوتا ایسی صورت میں کھڑے کھڑے اشارہ ہی سے نماز پڑھ لیا کریں۔ زمین پر اترنے کا موقع نہ ہو تو سواری ہی پر پڑھ لیں۔ پھر جب امن ہو جائے اور اطمینان نصیب ہو جائے تو اسی طرح نماز پڑھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے امن و اطمینان کے حالات میں نماز پڑھنے کی تعلیم دی ہے اگر دشمنوں کا ہجوم ہو اور کوئی صورت کسی طرح نماز

پڑھنے کو بن نہ پڑے تو مجبوراً نماز مؤخر کر دے اور بعد میں قضا پڑھ لے۔ صحیح بخاری (ص ۸۳ ج ۱) میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور کفار قریش کو برا کہنے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نماز نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کی قسم میں نے بھی عصر نہیں پڑھی پھر وادی بطنان کی طرف توجہ فرمائی اور آپ نے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا۔ اس کے بعد آپ نے عصر کی نماز پڑھی جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مشرکین کو بدو عادیہ ہوئے) فرمایا اللہ انکی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں صلوٰۃ و سوطی سے روک دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ (صحیح مسلم ص ۲۲۶ ج ۱)

وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مِمَّا عَالِيَ الْحَوْلِ

اور جو لوگ وفات پا جائیں اور چھوڑ جائیں بیویوں کو وصیت کر دیں اپنی بیویوں کے لئے متفق ہونے کی ایک سال تک اس طور پر کہ وہ گھر

غیر اخراج فان خرجن فلا جناح عليكن في ما فعلن في أنفسهن من معروف

سے نہ نکالی جائیں پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس بات میں جو وہ اپنی جانوں کے لئے قاعدہ کے مطابق اختیار کر لیں

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

اور اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے

بیویوں کے لئے وصیت کرنا

تفسیر: زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تھا تو اسکی عدت ایک سال تھی وہ ایک سال تک کسی کوٹھڑی میں پڑی رہتی تھی اور ایک سال کے بعد اس کوٹھڑی سے نکالتے تھے اور اسکی گود میں اونٹ کی بیٹگیاں بھر دیتے تھے پھر اسے باہر گلی کو چے میں نکالتے تھے۔ وہ لوگوں پر بیٹگیاں پھینکتی جاتی تھی اس سے لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اسکی عدت ختم ہو گئی جیسا کہ صحیح بخاری (ص ۸۰۳ ج ۲) اور صحیح مسلم (ص ۲۸۷ ج ۱) اور سنن ابوداؤد (ص ۳۱۲ ج ۱) میں مذکور ہے اسلام میں ایسی عورت کی عدت چار ماہ دس دن مضر فرمادی جس کا شوہر وفات پا جائے اور وہ حمل سے نہ ہو اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اس آیت میں حکم فرمایا کہ مرنے والا اپنی بیویوں کا خیال رکھے موت سے پہلے اس بات کی وصیت کر دے کہ شوہر کے ترکہ سے ایک سال تک اس کو نان و نفقہ دیا جائے لفظ مَتَّاعًا إِلَى الْحَوْلِ میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور اس کے ساتھ یہ حکم تھا کہ وصیت میں یہ بھی شامل کر دیں کہ ایک سال تک اسے شوہر کے گھر سے نہ نکالا جائے غَيْرِ اخْرَاجٍ میں اس حکم کو بیان فرمایا ہے۔ لیکن عورت کو اختیار تھا کہ اگر وہ چاہے تو مرنے والے شوہر کے گھر میں رہے اور چاہے تو اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جائے فَإِنْ خَرَجْنَ اِنْخِ میں اس مضمون کا بیان فرمایا ہے۔ یہ حکم آیت میراث نازل ہونے سے پہلے تھا۔ جب میراث کا حکم نازل ہو گیا اور شوہر کے مال میں بیوی کا حصہ بطور میراث مقرر کر دیا گیا تو یہ حکم کہ ایک سال تک اسے نان و نفقہ دیا جائے منسوخ ہو گیا اور اس کے بعد یہ حکم ہو گیا کہ میراث لے لے اور خرچہ

اسی میں سے کرے۔ البتہ عدت پوری ہونے تک شوہر ہی کے گھر میں رہے۔ نہ اس میں سے نکلے نہ نکالی جائے۔

وَالْمُطَلَّاتُ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۳۳۸﴾ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے فائدہ پہنچاتا ہے اچھے طریقہ پر یہ ضروری قرار دیا گیا ہے متقیوں پر اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے اپنی آیات

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۳۳۹﴾

تاکہ تم سمجھو

مطلقہ عورتوں کو متعہ دینے کی تاکید

تفسیر: جن عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی جائے اور مقرر نہ کیا گیا ہو ان کے لئے متعہ دینے کا حکم عنقریب گذر چکا ہے۔ اس آیت میں پھر فرمایا کہ طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے نفع پہنچانا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس سے پہلے جن عورتوں کو متعہ یعنی تین کپڑے دینے کا حکم ہوا تھا اس کو یہاں بطور تاکید دوبارہ بیان فرمایا ہے۔ صاحب روح المعانی (ص ۱۶۰ ج ۲) لکھتے ہیں کہ اسکی تیسین اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن جریر نے ابن زید سے روایت کی ہے اور وہ جو کہ جب لفظ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ نازل ہوا تو ایک شخص نے کہا کہ یہ تو احسان اور سلوک کی بات ہوئی۔ (یعنی تبرع والا معاملہ ہوا) چاہے عمل کروں چاہے نہ کروں۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ فرمادیا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ جو شخص اس پر عمل نہیں کرے گا وہ گناہ گار ہوگا۔ بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے عدت کے زمانہ کا نان و نفقہ مراد ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بھی نفع پہنچانے میں شامل ہے۔ اور لفظ مَتَاعٌ کو اور زیادہ عام لیا جائے تو اس میں وہ سب احکام داخل ہو جاتے ہیں جو مطلقہ عورتوں سے متعلق ہیں جس میں بعض صورتوں میں پورے مہر کی ادائیگی اور بعض صورتوں میں نصف مہر کی ادائیگی واجب ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اگر بیوی کا مہر ادا نہیں کیا ہے تو یہ نہ سمجھے کہ اب تو میری بیوی ہی نہیں اب کیا لینا دینا ہے بلکہ اب تو مہر کی ادائیگی کی فرضیت اور زیادہ مؤکد ہو گئی کیونکہ جب تک نکاح میں تھی تو معاف کر دینے کا بھی احتمال تھا اب کیوں معاف کرنے لگی۔ لہذا اب جلدی ادائیگی کر کے سبکدوش ہو جائے۔

الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا

تو نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ تعداد میں ہزاروں تھے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ مر جاؤ

ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۴۰﴾

پھر ان کو زندہ فرما دیا بے شک اللہ ضرور فضل والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعِلْمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴۱﴾

اور قتال کرو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے

بنی اسرائیل کا ایک واقعہ

تفسیر: علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ معالم التریل (ص ۲۲۳ ج ۱) میں لکھتے ہیں کہ اکثر اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک بستی جس کا نام داوردان تھا اس میں طاعون واقع ہو گیا اس موقع پر ایک جماعت وہاں سے نکل گئی اور ایک جماعت بستی ہی میں رہ گئی۔ جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے ان میں سے اکثر ہلاک ہو گئے۔ اور جو لوگ بستی چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ صحیح سلامت رہے اور پھر بستی میں آ گئے جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے انہوں نے کہا کہ ہمارے یہ ساتھی ہم سے زیادہ ہوشیار رہے۔ آئندہ ہم ایسی زمین کی طرف نکل جائیں گے جہاں وباء نہ ہو چنانچہ آئندہ سال طاعون واقع ہوا تو بستی کے تقریباً سب ہی لوگ چلے گئے اور ایک وسیع میدان میں قیام کر لیا اس میدان میں نجات پانے کی نیت سے قیام کیا تھا لیکن ہوا یہ ایک فرشتہ نے اوپر کے حصہ سے اور ایک فرشتہ نے میدان کے نچلے والے حصہ سے پکارا اور کہا کہ مُوتُوا کہ تم سب مر جاؤ چنانچہ وہ سب مر گئے۔

دوسرا قول علامہ بغوی نے یہ نقل کیا ہے کہ جو لوگ گھروں سے نکلے تھے یہ لوگ جہاد سے فرار ہوئے تھے جس کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ دشمن سے جنگ کرنے کے لئے نکلیں ان لوگوں نے اول تو لشکر تیار کر لیا لیکن پھر اُن پر یزدی سوار ہو گئی اور موت سے جان چھڑانے لگے لہذا انہوں نے ایک حیلہ بنایا اور اپنے بادشاہ سے کہا کہ جس سرزمین میں جہاد کرنے کے لئے ہم کو جانے کا حکم ہوا ہے اس میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ جب وبا ختم ہو جائے گی تو ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان پر موت بھیج دی جب وہیں ان کی بستی میں موتیں ہونی شروع ہوئیں تو وہ موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ جب بادشاہ نے یہ منظر دیکھا تو بارگاہ خداوندی میں اُس نے دعا کی کہ اے اللہ! آپ ان کو کوئی ایسی نشانی دکھا دیئے جس سے یہ سمجھ لیں کہ موت سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں اور فرار موت سے نہیں بچا جاسکتا۔ چنانچہ جب وہ بستیوں سے نکلے تو اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا مُوتُوا (مر جاؤ) اور یہ بطور عقوبت و سزا کے فرمایا چنانچہ وہ لوگ مر گئے اُنکے جانور بھی مر گئے اور آں واحد میں سب کو موت آ گئی۔ جیسے شخص واحد کی موت ہو وہ آٹھ دن تک اسی طرح پڑے رہے یہاں تک کہ نعشیں ان کی پھول گئیں۔ ان کی طرف لوگ نکلے تو اتنی کثیر تعداد کو دفن کرنے سے عاجز آ گئے۔ لہذا انہوں نے ان کے چاروں طرف احاطہ بنا دیا تا کہ درندے نہ پھاڑ ڈالیں اور ان کو اسی حالت میں چھوڑ دیا حضرت حزقیل علیہ السلام جو اس زمانہ کے نبی تھے وہ ان لوگوں پر گزرے تو کھڑے ہو گئے اور تعجب سے غور فرمانے لگے اللہ جل شانہ نے ان کی طرف وحی بھیجی کیا میں تمہیں کوئی نشانی دکھاؤں عرض کیا ہاں دکھائیے اس پر اللہ نے ان کو زندہ فرمادیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام نے ان کے زندہ کرنے کے لئے دعا کی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمادیا جب وہ لوگ زندہ ہو گئے تو ان کی زبان سے یہ کلمات نکلے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ (اے اللہ اے ہمارے رب ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں) زندہ ہو کر یہ لوگ اپنی قوم میں چلے گئے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بطور سزا کے موت دیدی تھی۔ کیونکہ موت سے بھاگے تھے پھر باقی عمریں پوری کرنے کے لئے زندہ کر دیئے گئے اگر ان کی عمریں ختم ہو چکی ہوتیں تو دوبارہ زندہ نہ کئے جاتے۔

یہ لوگ مقدار میں کتنے تھے جو موت کے بعد زندہ ہوئے اس کے بارے میں علامہ بغوی نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں ۳ ہزار ۴ ہزار ۸ ہزار دس ہزار تیس ہزار سے کچھ اوپر چالیس ہزار ستر ہزار علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ جس نے دس ہزار

سے زیادہ کہا وہ قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ لفظ ألوف جمع کثرت ہے جس کا دس ہزار سے کم پر اطلاق نہیں ہوتا۔

یہ جو کچھ معالم التزیل سے نقل کیا گیا ہے اس کے علاوہ بھی کتب تفسیر میں واقعات کچھ نقل کئے گئے ہیں۔ بظاہر یہ سب واقعات اسرانیات ہیں اور ان شخصوں کے جاننے پر قرآن کا مفہوم سمجھنا موقوف بھی نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے ایک واقعہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں انسانوں کو موت دیدی پھر ان سب کو زندہ فرما دیا اللہ تعالیٰ کی قوت کاملہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسے موت دینے اور پھر زندہ کرنے پر قدرت ہے۔ ایک جان کی موت و حیات اور ہزاروں جانوں کی موت و حیات اس کے لئے سب برابر ہیں۔ آن واحد میں وہ ہزاروں افراد کو موت دے سکتا ہے اور زندہ بھی کر سکتا ہے۔ اس واقعہ میں خاص کر بنی اسرائیل کے لئے تذکیر ہے۔ کیونکہ انہیں اپنے خاندانوں کے واقعات یاد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آئی تھے۔ آپ کو ان باتوں کا پتہ نہ تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ باتیں بتائی ہیں۔ اور یہ آپ کی نبوت کے دلائل میں سے روشن دلیل ہے۔ دوسری آیت میں یہ جو فرمایا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو اس کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کو خطاب ہے جو موت کے بعد زندہ کئے گئے تھے۔ اور یہ بات ان مفسرین کے بیان سے جوڑ بھی کھائی ہے جنہوں نے فرمایا کہ ان لوگوں نے جہاد سے بچنے کے لئے راہ فرار اختیار کی تھی اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس میں امت محمدیہ کو خطاب فرمایا ہے اور ان کو جہاد کا حکم دیا ہے اس قول کے مطابق بنی اسرائیل کے واقعہ کو حکم جہاد کی تمہید کہا جاسکتا ہے کہ جہاد میں شریک ہونے سے موت کا خوف مانع نہ ہونا چاہئے موت کے ڈر سے بھاگنا موت سے بچا نہیں سکتا۔ بنی اسرائیل کے ہزاروں آدمی بھاگ کھڑے ہوئے تھے لیکن موت نے ان کو نہ چھوڑا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا آخرت کے بہت بڑے اجر و ثواب اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ذریعہ ہے جو جہاد نہ کریگا موت اسکو بھی آئے گی پھر کیوں اجر و ثواب کو کھوئے بعض اہل تفسیر کے قول کے مطابق وہ لوگ طاعون سے بھاگے تھے جو بنی اسرائیل کے لئے عذاب تھا اور اس امت کے لئے رحمت ہے ہمارے نبی فخر الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

طاعون ایک عذاب ہے اللہ جس پر چاہتا ہے اُسے بھیج دیتا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اُسے مومنین کے لئے رحمت بنایا ہے جو بھی کوئی شخص کسی ایسی جگہ موجود ہو جہاں طاعون واقع ہو گیا ہو اور صبر کرتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے وہیں ٹھہرا ہے کہ مجھے اس کے سوا کچھ (ضرر) نہیں پہنچ سکتا۔ جو اللہ نے میرے لئے لکھ دیا ہے تو ایسے شخص کے لئے ایک شہید کا ثواب ہے۔ (رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)

یہ تو اس شخص کے لئے ہے جو طاعون کی جگہ ثابت قدم رہا۔ وہاں سے گیا نہیں اور طاعون میں مبتلا نہ ہوا۔ صبر و استقامت کی وجہ سے اسے شہید کا ثواب ملے گا اور جو شخص طاعون میں مر گیا تو وہ بھی شہیدوں میں شمار ہے۔ (کما رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عوف اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سنو کہ کسی سرزمین میں طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی ایسی سرزمین میں طاعون آجائے جہاں تم موجود ہو تو اس سے بھاگنے کے لئے مت نکلتا (رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص طاعون سے بھاگے تو وہ ایسا ہے جیسے میدان جہاد سے بھاگا اور جو صبر کرتے ہوئے وہیں رہے اس کیلئے ایک شہید کا ثواب ہے۔ (رواہ احمد کانی المحکمہ ص ۱۳۹ ج ۱)

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ

کون ہے جو قرض دے اللہ کو قرض حسن پھر اللہ اس کے لئے اضافہ فرما دے چند در چند بہت سے اضافے فرما کر اور اللہ چاہے

وَيَبْضُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۵۰﴾

اور کشادہ فرماتا ہے اور اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے

اللہ کی رضا کیلئے صدقہ خیرات کرنیکی فضیلت

تفسیر: لباب الحقول میں اس آیت کریمہ کا سبب نزول بتاتے ہوئے بحوالہ ابن حبان وغیرہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب آیت شریفہ مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ (۲ خُرْتُک) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا رَبِّ زِدْ أَمَّتِي (یعنی اے میرے رب میری اُمت کو اور زیادہ عطا فرما) اس پر آیت مَن ذَٰلِذِي يَقْرِضُ اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا نَّازِل ہوئی۔ اس آیت میں اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے استفہام کا طریقہ اختیار فرمایا ہے (جو ترغیب کا بہت عمدہ طریقہ ہے) کہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دیتا ہے۔ قرض کا معنی تو سب ہی جانتے ہیں اور حسن اچھے کے معنی میں آتا ہے۔ صاحب روح المعانی (ص ۱۶۲ ج ۲) لکھتے ہیں کہ اخلاص کے ساتھ خرچ کرنا اور حلال اور طیب مال خرچ کرنا یہ سب قرض حسن کے عموم میں داخل ہے اھ اللہ تعالیٰ شانہ محتاج نہیں ہے سب کچھ اسی نے پیدا فرمایا اور سب اسی کی ملکیت ہے۔ جو لوگ مجازی مالک ہیں وہ اور اُن کے اموال سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ شانہ کا کتنا بڑا فضل ہے اور شان کریمانہ ہے کہ اس کو دیئے ہوئے میں سے جو شخص اس کی مخلوق پر خرچ کرے جو خرچ کرنے والے کی اپنی جنس ہے حتیٰ کہ اپنے اُوپر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے اور اس میں ثواب سمجھے تو اس کا نام قرض رکھ دیا۔ اور پھر جتنا دیا ہے اس سے بہت زیادہ عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا جس کو اپنی آیت میں اَضْعَافًا كَثِيرَةً فرمایا ہے کسی نے کیا خوب کہا۔

مال عالم ملک تست و مالکاں مملوک تو باوجود این بے نیازی اقرضوا اللہ کفۃ

صحیح بخاری (ص ۱۸۹ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب کوئی شخص ایک کھجور کے برابر حلال مال سے صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ صرف حلال ہی کو قبول فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیتا ہے پھر اسکی تربیت فرماتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچہ کی تربیت کرتا ہے اور وہ ذرا سا صدقہ بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ صحیح مسلم (ص ۲۵۸ ج ۲) میں ہے کہ روزانہ رات کو جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں کون ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اسکی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اسکو دے دوں کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے میں اسکی مغفرت کر دوں کون ہے جو ایسے کو قرض دے جس کے پاس سب کچھ ہے اور جو ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ صبح تک یوں ہی فرماتے رہتے ہیں۔ یہ جو فرمایا کہ کون ہے جو ایسے کو دے جس کے پاس سب کچھ ہے اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے مال کی حاجت نہیں ہے اسکی ملکیت میں سب کچھ ہے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ضرورت مند کو دے رہا ہوں بلکہ اپنا فائدہ سمجھ کر اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ اور یہ جو فرمایا کہ وہ ظلم کرنے والا نہیں ہے اس میں یہ بتایا کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے ضائع نہ جائے گا اس کے مارے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

پھر فرمایا: وَاللَّهُ يَفْقَهُ وَيَكْثُرُ كَوَالِيَهُ تَرْجَعُونَ اللہ تعالیٰ تنگی کرتا ہے اور کشادہ فرماتا ہے۔ اور اسکی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ جس کو جتنا چاہے دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسکی روزی تنگ کر دے اس کا بھی اسے اختیار ہے اس پر کوئی پابندی لگانے والا نہیں۔ کسی کو زیادہ دینا اور دے کر کم کر دینا سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: إِنَّ رَبَّكَ يَسْطُرُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا (بلاشبہ تیرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق عطا فرماتا ہے اور تنگی فرما دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے دیکھنے والا ہے) یہ مضمون سورہ التکوین رکوع نمبر ۶ اور سورہ سباء رکوع نمبر ۴ اور رکوع نمبر ۵ میں بھی مذکور ہے۔ آخر میں یہ جو فرمایا وَاللَّهُ تَرْجَعُونَ اس میں یہ بتایا کہ اللہ کے لئے خرچ کیا ضائع نہیں ہے۔ جب اللہ کے یہاں پہنچو گے سب کا ثواب پالو گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى اِذْ قَالَ الْوَلِيُّ لِهَيْمُ ابْعَثْ لَنَا

کیا آپ کو بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا قصہ معلوم ہے جو موسیٰ کے بعد پیش آیا جب انہوں نے اپنے نبی سے عرض کیا کہ مقرر کر دیجئے ہمارے لئے

مَلِكًا نُّقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَا

ایک بادشاہ تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں انہوں نے فرمایا کیا ایسا ہو گا کہ اگر تم پر قتال فرض کیا گیا تو

نُقَاتِلُوْا قَالُوْا وَمَا لَنَا اَلَا نُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ

تم قتال نہ کرو؟ وہ کہنے لگے اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں حالانکہ ہم نکال دیئے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور

اَبْنَانَا قُلْنَا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ

اپنے بیٹوں کے پاس سے پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو پھر گئے سوائے ان میں سے تھوڑے لوگوں کے اور اللہ طالبوں کو خوب جاننے والا ہے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوْا اِنَّا يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ

اور کہا ان سے ان کے نبی نے بیشک اللہ نے مقرر فرمادیا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ وہ کہنے لگے کہ ان کو ہم پر حکمران ہونے کا حق کیسے پہنچتا ہے

عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَصْطَفٰهُ

حالانکہ ہم ان سے زیادہ حکمرانی کے مستحق ہیں اور انکو مالی گنجائش نہیں دی گئی ان کے نبی نے کہا کہ بے شک اللہ نے ان کو تم پر حکمرانی

عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مَلِكًا مِّنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ

کے لئے منتخب فرمایا ہے اور ان کو علم میں اور جسم میں فراخی عطا فرمائی ہے۔ اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهِ اَنْ يَّاْتِيَكُمْ التَّابُوتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ

وسعت والا ہے علم والا ہے۔ اور کہا ان سے ان کے نبی نے کہ بلاشبہ ان کے حکمران ہونے کی نشانی ہے کہ آجائے گا تمہارے پاس تابوت جس میں تسکین ہے

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ الْـمُوسٰى وَالْـهٰرُوْنَ تَحْمِلُهَا الْمَلَائِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

تمہارا رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جنہیں چھوڑا تھا آل موسیٰ اور آل ہارون نے جس کو فرشتے اٹھا کر لے آئیں گے بے شک اس میں

لَاٰيَةٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵۲﴾

ضرور نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان والے ہو۔

بنی اسرائیل کا ایک واقعہ اور طالوت کی بادشاہت کا ذکر

تفسیر: ان آیات کریمہ میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔ پورا واقعہ پارہ کے ختم کے قریب تک بیان ہوا ہے۔ اس واقعہ میں بنی اسرائیل کے لئے جہاں تذکیر کی نعمت ہے وہاں اُمت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لئے بھی بہت سی

عبرتمیں ہیں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد انہی کی قوم میں سے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے جو یکے بعد دیگرے آتے رہے حضرت یوشع حضرت شمعون حضرت شموئل اور حضرت کالب بن یوقنا اور حضرت حزقیل علیہم السلام کے اسماء گرامی لکھے ہیں۔ یہ حضرات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تبلیغ اور تورات شریف کے مضامین بیان فرماتے تھے۔ بنی اسرائیل میں شدہ شدہ بے دینی بلکہ بددینی تک آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط فرمادیا۔ جو جاوالت کی قوم میں سے اور علاقہ میں سے تھے اور بحر روم کے ساحل پر مصر و فلسطین کے درمیان رہتے تھے۔ یہ لوگ بنی اسرائیل پر غالب ہو گئے۔ انکی زمین چھین لی اور ان کو اور ان کی اولاد کو جن میں ان کے بادشاہوں کی نسل کے لوگ بھی تھے قید کر لیا اور ان پر جزیہ لگا دیا۔ بنی اسرائیل اس موقع پر بہت ہی زیادہ مصیبت اور سختی میں مبتلا رہے کوئی ایسا نہ رہا جو ان کا قائد اور مدبر ہوتا۔ جب بہت زیادہ دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہوئے تو اس زمانہ میں جو ان کے نبی تھے۔ (اور اسی مصیبت کے زمانہ میں وہ پیدا ہوئے اور بڑے ہو کر نبوت سے سرفراز ہوئے) انکی خدمت میں بنی اسرائیل نے عرض کیا کہ اللہ پاک کی طرف سے آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کرادیں تاکہ ہم ان کے ساتھ ملکر دشمنوں سے جہاد کریں اور ان کو اپنے علاقوں سے نکال دیں (چونکہ بنی اسرائیل کو سیاسی حالات میں بادشاہوں کے ساتھ ملکر کام کرنے کی عادت تھی اس لئے انہوں نے ایسا سوال کیا) جب ان لوگوں نے کسی کو بادشاہ بنانے کا سوال کیا اور دشمنوں سے جہاد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ان کے نبی نے جو ان کے حال اور قال کو جانتے تھے۔ خطرہ ظاہر کیا اور فرمایا کہ تم سے تو یہ امید ہے کہ قتال فرض ہو گیا تو جنگ سے دور بھاگو گے اور لڑائی سے جان چھڑاؤ گے اس پر وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں۔ جنگ نہ لڑنے کا کوئی سبب نہیں بلکہ لڑنے کا سبب موجود ہے اور وہ یہ کہ دشمن نے ہم پر جو تسلط کر رکھا ہے اسکی وجہ سے ہم اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے ہیں اور اپنی اولادوں سے دور کر دیئے گئے ہیں۔ باتیں تو بڑھ چڑھ کر رہے تھے لیکن جب قتال فرض ہو گیا تو وہ خطرہ سامنے آ گیا جو ان کے نبی کو تھا اور تھوڑے لوگوں کے علاوہ باقی سب ارادوں اور وعدوں سے پھر گئے اور جنگ کرنے سے منہ موڑ لیا۔ اللہ جل شانہ نے انکی درخواست پر حضرت طالوت کو بادشاہ بنادیا اور ان کے نبی نے اس کا اعلان کر دیا۔ عمل اور کارگزاری حضرت طالوت کی تھی اور مشورہ اور رہبری ان کے نبی کی تھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ نبی جس سے مذکور بالا درخواست کی تھی۔ حضرت شمعون علیہ السلام تھے۔

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکی درخواست پر حضرت طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا گیا تو اپنی روایتی کجروی کے باعث اسی طرح کی اٹلی باتیں کیں جیسا کہ ان کا مزاج تھا اور بے اناطہ طریقہ کار تھا۔ ان کی اس طرح کی باتیں ذبح بقرہ کے واقعہ کے سلسلہ میں گزر چکی ہیں۔ حضرت طالوت کی بادشاہت کا اعلان سننے کے بعد کہنے لگے کہ یہ شخص ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے اس کے پاس پیسہ ہے نہ کوڑی اس سے زیادہ تو ہم بادشاہ بننے کے مستحق ہیں اپنی جہالت سے وہ اللہ تعالیٰ شانہ کو بھی رائے دینے لگے کہ اس کے بجائے ہم میں سے کوئی پیسہ والا بادشاہ ہونا چاہئے۔ اور یہ انسان کا عجیب مزاج ہے کہ وہ پیسہ والا کو بڑا آدمی سمجھتا ہے خواہ کیسا سنی بے علم اور ناسمجھ اور بخیل ہو۔

ان کے نبی نے ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو منتخب فرمایا ہے تم پر ان کو ترجیح دے دی اور حکومت کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ اس میں پوری طرح موجود ہے حکومت کے لئے علم ہونا چاہئے جس کے ذریعہ وہ تدبیر امور کر سکے اور دشمنوں سے نمٹ سکے اور ساتھ ہی جسمانی قوت بھی ہونی چاہئے علم کی تدبیر اور جسم کی قوت سے ہمت ہوتی ہے اور حوصلہ بلند ہوتا ہے اور دشمنوں پر غلبہ پانے کے لئے انہی چیزوں کی ضرورت ہے۔ اور یوں بھی اللہ کو اختیار ہے وہ جس کو چاہے حکومت اور مملکت عطا فرمائے تمہیں اعتراض کا کیا حق ہے اور اللہ کے فیصلہ کے خلاف تم رائے دینے والے کون ہو اسے معلوم ہے کہ حکومت ملنے پر کوئی کیا کرے گا اور کیسا ثابت ہوگا۔ واللہ واسبغ علیہم ایک نبی کا فرمانا بات ماننے کے لئے اور حضرت

طاہوت کو بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن ان کے نبی نے حضرت طاہوت کی بادشاہت کا ثبوت دینے کے لئے ایک نشانی بھی بیان فرمائی اور وہ یہ کہ تمہارے پاس وہ تابوت آئے گا جو تمہارے لئے باعث اطمینان و سکون ہوگا۔ اس تابوت میں ان چیزوں کا بقیہ ہوگا جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے چھوڑی تھیں چنانچہ وہ تابوت ان لوگوں کے پاس آ گیا جسے فرشتے اُٹھائے ہوئے تھے دشمنوں نے ان سے چھین لیا تھا جب یہ تابوت ان کے پاس تھا تو دشمنوں سے جنگ کرتے وقت اُن کو سامنے رکھا کرتے تھے اور اس کے ذریعہ دشمن پر فتح پائی حاصل کر لیتے تھے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے جو چیزیں چھوڑی تھیں ان کا بقیہ کیا تھا جو اس تابوت میں تھا۔ اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ توراۃ شریف کی دو تختیاں تھیں اور اُن تختیوں کا کچھ چورا تھا جو ٹوٹ گئی تھیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی گڑی تھی اور کچھ من بھی تھا جو سلویٰ کے ساتھ بنی اسرائیل پر نازل ہوا کرتا تھا۔ اس تابوت کا ان کے پاس فرشتوں کا لیکر آنا اور دوبارہ واپس مل جانا اس بات کی صریح دلیل تھی کہ حضرت طاہوت کو واقعی اللہ تعالیٰ نے بادشاہ بنایا ہے۔ فرشتے یہ تابوت لائے اور حضرت طاہوت کے سامنے رکھ دیا لیکن بنی اسرائیل سے پھر بھی یہ بعید نہ تھا کہ انکار کر بیٹھیں اس لئے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (تمہارے لئے اس میں نشانی ہے اگر تم مومن ہو)۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ

طاہوت لشکروں کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ذریعہ آزمائے والا ہے سو جس نے اس میں سے پی لیا

فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهُ مِنِّيْ اِلَّا مَنْ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوْا

وہ مجھ سے نہیں ہے اور جس نے اس میں سے نہ پیا تو مجھ سے ہے سوائے اس شخص کے جس نے اپنے ہاتھ سے ایک چلو پی لیا پھر تھوڑے سے افراد کے علاوہ

مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمُّهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا

سب نے اس میں سے پی لیا پھر جب آگے بڑھے طاہوت اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے تو کہنے لگے کہ

اَلْيَوْمَ مَجَالُوْتٌ وَجُنُودُهُ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلَقُوْا اللّٰهَ لَا كَمُ مِّنْ فِتْنَةٍ

آج ہمیں جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے جو لوگ اللہ کی ملاقات کا یقین رکھتے تھے وہ کہنے لگے کتنی ہی

قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِتْنَةٌ كَثِيْرَةٌ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۰ وَلَمَّا بَرَرْنَا وَارْجَاوُتْ

کم تعداد جماعتیں اللہ کے حکم سے بھاری تعداد والی جماعتوں پر غالب ہو چکی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب یہ لوگ جالوت

وَجُنُودُهُ قَالُوْا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰی الْقَوْمِ

اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کے لئے نکلے تو عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور

الْكَافِرِيْنَ ۝۱۱ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوْتَ وَاتَّهٰ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ

کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ سو ان کو شکست دے دی اللہ کے حکم سے اور قتل کر دیا تو دے جالوت کو اور اللہ نے ان کو ملک و دیا حکمت

وَعَلَيْكُمْ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ

عطا فرما دی اور ان کو جو کچھ چاہا علم دے دیا اور اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع فرمانا لوگوں کو بعض کو بعض کے ذریعہ تو

الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۰﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا

زمین میں فساد ہو جاتا اور لیکن اللہ جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۱﴾

اور بلا شبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں

طالوت کے لشکر کا عمالقہ پر غالب ہونا اور جالوت کا مقتول ہونا

تفسیر: جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت طالوت کو بنی اسرائیل کا حکمران مقرر کر دیا گیا اور انکے نبی کی خبر کے مطابق مذکورہ تابوت فرشتے لے کر آگئے تو اب بنی اسرائیل کے لئے کوئی حجت باقی نہیں رہی اور جہاد کرنے کے لئے نکلنا پڑا۔ جب دشمن سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت طالوت نے اپنے لشکروں سے فرمایا کہ تم لوگوں کا امتحان ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو مبتلا فرمائے گا اور یہ ابتلاء اور امتحان ایک پانی کی نہر کے ذریعہ ہوگا، چونکہ گرمی سخت تھی اور پیاس سے بے تاب ہو رہے تھے اس لئے اکثر افراد امتحان میں ناکام ہو گئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ نہر فلسطین تھی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اردن اور فلسطین کے درمیان کوئی نہر تھی جس کا پانی میٹھا تھا، حضرت طالوت نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ دیکھو اس میں سے چلو بھر پانی پینے تک تو بات ٹھیک ہے جس نے چلو بھر پانی پی لیا وہ تو میرا ساتھی ہے میرے آدمیوں میں ہے اور جس نے زیادہ پانی پی لیا وہ مجھ سے نہیں ہے میری جماعت میں اس کا شمار نہیں، چونکہ اکثر افراد نے خوب پانی پی لیا تھا اس لئے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور جی چھوڑ بیٹھے اور ہمت ہار گئے اور کہنے لگے ہم تو آج اپنے دشمن جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔ ہماری بساط نہیں کہ ہم ان سے لڑ سکیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جو لوگ حضرت طالوت کے ساتھ روانہ ہوئے تھے وہ ستر یا اسی ہزار تھے ان میں سے تھوڑے ہی سے رہ گئے جنہوں نے پانی نہیں پیا، جن لوگوں نے پانی نہیں پیا تھا انکی تعداد تین سو تیرہ لکھی ہے۔ یہ تھوڑا سا ایک چلو پانی جن لوگوں نے پیا اللہ تعالیٰ نے اتنے ہی پانی کو ان کے لئے کافی فرمادیا ان کی پیاسیں اس سے بجھ گئیں اور جن لوگوں نے ڈٹ کر پانی پی لیا تھا وہ ہیں نہر کے کنارے پھیل گئے اور بزدل ہو کر گر پڑے جو لوگ حضرت طالوت کے ساتھ آگے بڑھے اور دشمن کی طرف پیش قدمی کی وہ دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑے تھے لیکن یقین تھا کہ ہمیں اللہ کے پاس جانا ہے۔ میدان جہاد سے بھاگنا مؤمن کا شیوہ نہیں۔ ہمیں جہاد کرنا ہی کرنا ہے۔ رہا ہماری جماعت کا کم تعداد ہونا تو اللہ کی مدد کی امید رکھنے والوں کے لئے یہ بات سوچنے کی نہیں ہے بہت سی کم تعداد جماعتیں بڑی بھاری تعداد والی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب ہو چکی ہیں۔ صبر و ثبات قدمی اللہ کی مدد کو لانے والی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت طالوت کا لشکر دشمن سے جہاد کرنے کے لئے جا رہا تھا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے ایک تھیلے میں چند پتھر رکھ لئے تھے جب دونوں فریق مقابل

ہوئے تو جالوت نے کہا کہ تم لوگ اپنے میں سے ایک شخص نکالو جو مجھ سے جنگ کرے اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو میرا ملک تمہارا ہو جائے گا۔ اور میں نے قتل کر دیا تو تمہارا ملک میرے ملک میں شامل ہو جائے گا۔ حضرت طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو جالوت کے مقابلہ کے لئے روانہ کرنا چاہا اور ان کو ہتھیار پہنچا دیئے حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس سے جنگ کرنے کے لئے ہتھیار پہننا منظور نہیں ہے۔ اصل اللہ کی مدد ہے اگر اللہ نے مدد نہ فرمائی تو کوئی ہتھیار کام نہیں دے سکتا۔ یہ کہہ کر جالوت سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلے۔ جالوت نے کہا کہ تم مجھ سے مقابلہ کرو گے انہوں نے فرمایا کہ ہاں جالوت نے کہا تم تو یہ پتھر اور غلیل لے آئے جس سے کتے کو مارا جاتا ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تو اللہ کا دشمن ہے کتے سے بھی بدتر ہے یہ کہہ کر اپنی غلیل سے ایک پتھر مارا جو اسکی آنکھوں کے درمیان لگا اور داغ میں گھس گیا۔ اس سے جالوت کا کام تمام ہوا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی۔ جالوت جو ان کا دشمن تھا اور قوم عمالقہ کا بادشاہ تھا اس سے اور اس کے لشکروں سے آمناسا منا ہوا دونوں فریق صف آرا ہوئے تو حضرت طالوت کے ساتھیوں نے اللہ تعالیٰ سے صبر کی اور ثابت قدمی کی اور کافروں کے مقابلہ میں فتح یاب ہونے کی دعا کی۔ جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں جالوت اور اس کے لشکروں کو شکست ہوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت طالوت کے لشکر کو فتح یابی ہوئی اور دشمن نے باوجود کثیر تعداد ہونے کے شکست کھائی اس جہاد میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی شریک تھے۔ ان کے ہاتھ سے جالوت قتل ہوا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکومت عطا فرمادی جس کا ذکر سورہ ص کے پہلے رکوع میں فرمایا ہے۔ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ ملک سے حکومت اور حکمت سے نبوت مراد ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دونوں سے سرفراز فرمایا صاحب روح المعانی (ص ۷۳ ج ۲) لکھتے ہیں کہ انکے زمانہ کے جو نبی تھے انکی وفات کے بعد اور طالوت کی وفات کے بعد ان کو نبوت اور بادشاہت دی۔ جس کا اجمالی طور پر وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ میں تذکرہ فرمایا ہے مذکورہ قصہ جہاد بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ (کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ فرماتا تو زمین فساد والی ہو جاتی اور لیکن اللہ تعالیٰ جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے) وہ قوت اور شوکت والوں کی طاقت کو دوسرے لوگوں کے ذریعہ دفع فرماتا رہتا ہے اور ظالمین تباہ ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کسی ایک ہی علاقہ یا ایک ہی قوم کی قوت و شوکت ہمیشہ رہتی تو وہ ساری دنیا کو مصیبت میں ڈال دیتے اور سب کو مقہور و مجبور بنا لیتے اور ہمیشہ طغیانی سرکشی کرتے رہتے۔

آخر میں فرمایا ”کہ یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں اور بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں“۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کتابیں پڑھی تھیں نہ پرانی تاریخیں سنی تھیں۔ اس لئے ان واقعات کا علم ہو جانا اور لوگوں کو بتانا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بتایا گیا ہے۔ قال صاحب الروح قوله تعالى (وانك لمن المرسلين) حيث تخبر بتلك الآيات والقرون الماضية على ما هي عليه من غير مطالعة كتاب ولا اجتماع بأحد يخبر بذلك (ص ۷۵ ج ۲)۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ

یہ رسول ہیں ہم نے فضیلت دی ان میں بعض کو بعض پر ان میں بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور

بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ

بعض کو درجات کے اعتبار سے بلند فرمایا اور ہم نے دیئے عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے معجزات اور ہم نے انکی تائید کی روح القدس کے ذریعہ

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدَ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے جو ان کے بعد تھے اس کے بعد کہ آئے ان کے پاس کھلے ہوئے معجزات لیکن

اخْتَلَفُوا فِيهِمْ مَنْ أَمَنَ وَهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَكِنْ

انہوں نے آپس میں اختلاف کیا سو ان میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جنہوں نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے لیکن

اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ

اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے

حضرات انبیاء علیہم السلام کے درمیان فرقی مراتب

تفسیر: لفظ تملک اسم اشارہ ہے اس کا مشار الیہ المرسلین ہے یعنی پیغمبر جن کا ذکر ابھی ابھی ہوا ان کو ہم نے آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت دی کہ بعض کو ایک منقبت سے متصف فرمادیا جو بعض دوسروں میں نہیں تھی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے تفصیل بالشرائع مراد ہے۔ ان میں سے بعض کو مستقل شریعت دی اور بعض کو سابق نبی ہی کی شریعت کا مؤید و مبلغ بنایا صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (ص ۲ ج ۳) پہلے قول کی تائید مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ سے ہوتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بعض ایسے حضرات تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو سب ہی کلیم اللہ کے نام سے جانتے ہیں۔ سورۃ النساء میں فرمایا: كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا اور اس کلام سے

روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ان حضرات میں شامل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت بیان کرتے ہوئے وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ بھی فرمایا یعنی بعض انبیاء کے درجات دوسرے بعض انبیاء کے مقابلہ میں زیادہ بلند فرمائے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں بِنَفْسِهِ سے سرورِ عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو وہ خواص علمیہ و عملیہ عطا فرمائے کہ زبانیں ان کو پوری طرح ذکر کرنے سے عاجز ہیں آپ رحمۃ للعالمین ہیں صاحب الخلق العظیم آپ کی صفت خاص ہے۔ آپ پر قرآن کریم نازل ہوا جو پوری طرح محفوظ ہے۔ آپ کا دین ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جو معجزات کے ذریعے مؤید ہے۔ مقام محمود اور شفاعت عظمیٰ کے ذریعہ آپ کو رفعت دی گئی ہے اور آپ کے فضائل اور مناقب اتنے زیادہ ہیں جن کا شمار کرنا بندوں کے بس سے باہر ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی کی کتاب انصاف الکبریٰ اور امام بیہقی کی کتاب دلائل النبوة کا مطالعہ کیا جائے آخر الذکر کتاب سات جلدوں میں ہے جو کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

پھر ارشاد فرمایا: **وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ** کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح معجزات عطا کئے اور روح القدس (یعنی جبریل علیہ السلام) کے ذریعہ انکی تائید کی، اسکی تفسیر و تشریح سورۃ البقرہ کے رکوع نمبر ۱۲ میں گزر چکی ہے پھر ارشاد فرمایا: **وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَلْنَا الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتِ (الآیۃ)** اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ اور قتل و قاتل نہ کرتے۔ جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے تشریف لیجانے کے بعد آپس میں مختلف ہو گئے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی امتیں آپس میں اختلاف کرتی رہیں اور ان میں لڑائیاں ہوتی رہیں حالانکہ ان کے پاس کھلے ہوئے دلائل موجود تھے۔ اگر ان کو سامنے رکھتے تو نہ مختلف ہوتے نہ جنگ کرتے ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے جنہوں نے ایمان قبول کیا اور انبیاء علیہم السلام کے متبع بنے اور بہت سے لوگوں نے کفر اختیار کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو ان کا آپس میں قتل و قاتل نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور فاعل مختار ہے وہ جو چاہے کرے اس پر کسی کا اعتراض ہو نہیں سکتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ يَوْمٌ لَا بَيْعَ

اے ایمان والو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے کہ وہ دن آئے کہ جس میں نہ بیع

فِيهِ وَلَا خِلَافٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۚ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۵۱﴾

ہو گی نہ دوستی اور نہ سفارش اور جو کافر ہیں وہ ظلم کرنے والے ہیں

روز قیامت آنے سے پہلے پہلے اللہ کیلئے خرچ کر لو

تفسیر: اس آیت شریفہ میں مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے اور لفظ **رَزَقْنَاكُمْ** میں یہ بتادیا کہ یہ مال ہمارا دیا ہوا ہے جس نے مال دیا اس کو پورا پورا حق ہے کہ مال خرچ کرنے کا حکم فرمائے نیک کاموں میں فرائض و اجبات کے مصارف بھی ہیں اور مستحب و نفلی صدقات بھی اور جس طرح بدنی عبادات (نماز روزہ) آخرت کے عذاب سے بچانے کا ذریعہ ہیں۔ اسی طرح مالی عبادات اس کا سبب ہیں۔ صحیح بخاری (ص ۱۹۱ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ (دوزخ سے بچو اگرچہ آدھی ہی کھجور کا صدقہ کر دو)** قیامت کا دن بہت سخت ہوگا نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ ایمان اور اعمال صالحہ ہی کام دیں گے۔ اس دن نہ بیع ہوگی نہ دوستی نہ سفارش لہذا اس دن نجات پانے اور عذاب سے بچنے کے لئے اعمال صالحہ کرتے رہنا چاہئے۔ اعمال صالحہ میں اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

یہ جو فرمایا کہ ”اس دن بیع نہیں ہوگی“ اس کے بارے میں حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے فدیہ یعنی جان کا بدلہ مراد ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی جان کسی جان کے بدلہ عذاب بھگتنے کے لئے تیار نہیں ہوگی جیسا کہ سورۃ البقرہ کے چھٹے رکوع میں فرمایا **لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا** اور فدیہ کی صورت میں کیونکہ مبادلہ ہوتا ہے اس لئے اسے بیع سے تعبیر فرمایا۔ اور جو فرمایا **لَا خِلَافَ يَوْمَئِذٍ لِبَعْضِهِمْ بِبَعْضِهِمْ** (اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ سوائے ان لوگوں کے جو صفت تقویٰ سے متصف تھے) **وَلَا شَفَاعَةٌ** فرما کر شفاعت یعنی سفارش کی نفی فرمادی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے لئے اُس دن کوئی شفاعت نہ ہوگی۔ جیسا کہ سورۃ المؤمن میں فرمایا: **مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ** (کہ ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا نہ سفارش کرنے والا ہوگا جس کی

بات مانی جائے) اہل ایمان کے لئے جو شفاعت ہوگی اس میں اسکی نفی نہیں ہے جس کو سفارش کرنے کی اجازت ہوگی وہی سفارش کر سکے گا اور جس کے لئے سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اس کے لئے سفارش ہو سکے گی۔

آیت کے ختم پر فرمایا **وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ** (کفر کرنے والے ظالم ہی ہیں) انہوں نے معبود حق سے منہ موڑا اور خالق و مالک سے منحرف ہو گئے۔ ایسے لوگوں کی نجات کا کوئی راستہ نہیں۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ

اللہ ایسا ہے کہ کوئی معبود نہیں مگر وہی وہ زندہ ہے قائم ہے قائم رکھنے والا ہے اس کو نہیں پکڑتی اونگھ اور نہ نیند اُسی کے لئے ہے جو آسمانوں

وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ

میں ہے اور جو زمین میں ہے کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت کے ساتھ وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے

وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ

اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ احاطہ نہیں کرتے اسکی معلومات میں سے کسی چیز کا مگر جو وہ چاہے۔ گنجائش ہے اسکی کرسی میں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ٥٠

آسمانوں کی اور زمین کی اور اسے بھاری نہیں ہے ان دونوں کی حفاظت اور وہ برتر ہے عظمت والا ہے

اللہ جل شانہ کی صفات جلیلہ کا بیان

تفسیر: یہ آیت کریمہ آیۃ الکرسی ہے احادیث شریفہ میں اسکی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے بیان فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوالمہمذ (یہ انکی کنیت ہے) کیا تم جانتے ہو اللہ کی کتاب میں وہ کون سی آیت تمہارے پاس ہے جو اعظم ہے (سب سے بڑی عظمت والی ہے) میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے پھر وہی سوال فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ وہ آیت **اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ** ہے آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے ابوالمہمذ تمہیں علم مبارک ہو۔ (رواہ مسلم ص ۱۷۲ ج ۱)

چونکہ اس آیت شریفہ میں کرسی کا ذکر ہے اس لئے عوام و خواص سب ہی اسے آیۃ الکرسی کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ خود روایات حدیث میں اسے آیۃ الکرسی کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔ آیۃ الکرسی میں اللہ جل شانہ نے اپنی صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ معبود برحق ہے وہی معبود حقیقی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ وحدہ لا شریک ہے۔ **صفت الوہیت میں منفرد ہے۔**

پھر ارشاد فرمایا **الْحَيُّ الْقَيُّومُ** لفظ حی عربی زبان میں زندہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ اللہ جل شانہ زندہ ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ اسکی ذات و صفات ازلی وابدی ہیں جن کو کبھی بھی زوال نہیں اور قیوم مبالغہ کا صیغہ ہے۔ قائم خود قائم رہنے والا اور قیوم قائم رکھنے والا ساری کائنات اللہ تعالیٰ شانہ کی مخلوق ہے اور اس نے ان سب کو وجود دیا ہے اور اسی کے راڈن و مشیت سے سب کا وجود قائم ہے کائنات کے سب احوال اسی کی مشیت اور قدرت سے متغیر و متبدل ہوتے ہیں اور وہ جس کو جس حال میں

چاہے رکھتا ہے۔ صحیح بخاری (ص ۱۵۱ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو جب نماز تہجد کے لئے بیدار ہوتے تھے تو بارگاہِ خداوندی میں جو معرض پیش کرتے تھے اس میں یہ بھی تھا: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قِيَمُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ (اے اللہ آپ ہی کیلئے سب حمد ہے آپ تمام آسمانوں کے اور زمینوں کے اور جو کچھ ان میں ہے ان سب کے قائم رکھنے والے ہیں)۔ پھر فرمایا: لَا تَأْخُذْهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ (اس کو نہیں پکڑتی ہے اونگھ اور نہ نیند) سِنَةٌ ہلکی نیند کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ اونگھ سے کیا گیا ہے۔ اور نَوْمٌ سو جانا کو کہا جاتا ہے جس میں ہوش و حواس بالکل ہی قائم نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ شانہ اونگھ اور نیند دونوں سے برتر اور بالا ہے مخلوق کو تھکن دور کرنے اور آرام پانے کیلئے نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ جل شانہ کو کسی طرح کی کوئی بھی تھکن نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔ نیز نیند اور اونگھ میں انفعال ہوتا ہے اور تقیر حال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ انفعال اور تقیر حال سے پاک ہے۔ لہذا اسے نہ نیند آ سکتی ہے نہ آتی ہے مخلوق کا یہ حال ہے کہ کام کرتے کرتے تھک جائیں تو نیند غالب ہو جاتی ہے سونا نہ چاہیں تب بھی نیند بالیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اپنے اختیار سے سوتا ہے اور نہ اسے نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔ لفظ لَا تَأْخُذْهُ میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ پر نیند غلبہ نہیں پاسکتی۔ جب ہلکی نیند یعنی اونگھ بھی اسے نہیں پکڑ سکتی تو بڑی نیند کیسے غلبہ پائے گی۔ نیند مخلوق کی صفت ہے جو خالق کائنات کے حق میں عیب و نقص ہے اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنَامُ وَلَا يَنبُغِيْ لَهُ اَنْ يَنَامَ (رواہ مسلم ص ۹۹ ج ۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نہیں سوتا اور نہ یہ اسکی ذات کے شایان شان ہے کہ وہ سوئے۔ پھر فرمایا: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے) سب اسی کے بندے ہیں اور ہر چیز اسکی ملکیت ہے سب کو اسی نے پیدا فرمایا ہے وہ فاعل مختار ہے جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں تصرف فرمائے پھر فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ (کون ہے جو اسکی بارگاہ میں سفارش کرے مگر اسکی اجازت سے) اس میں یہ بتایا کہ کسی کی ایسی حیثیت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کر سکے ہاں اس کا یہ کرم اور فضل ہے کہ جس کو چاہے سفارش کرنے کی اجازت دیدے اور جس کے لئے اجازت دے اسی کی سفارش ہو سکتی ہے۔ قیامت کا دن جو مخلوق کے لئے بہت ہی کٹھن ہوگا اس وقت لوگ متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے جب سب عاجزی ظاہر کر دیں گے تو فخر لاؤ لیں ولا خیرین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ہماری سفارش فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں روانہ ہو جاؤں گا۔ اور عرش کے نیچے آ کر اپنے رب کیلئے سجدہ میں پڑ جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی وہ تعریفیں اور وہ بہترین ثناء منکشف فرمائیں گے۔ جو مجھ سے پہلے کسی پر منکشف نہ فرمائی تھیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے محمد سر اٹھاؤ اور مانگو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا۔ سفارش کرو تمہاری سفارش پوری کی جائے گی (اس کے بعد آپ سفارش فرمائیں گے۔ جس کا مفصل واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے)۔

سورۃ طہ میں ارشاد فرمایا: يَوْمَئِذٍ لَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اِذْنٌ لّٰهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا۔ (اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے رحمن نے اجازت دی ہو اور جس کے لئے بات کرنا پسند فرمایا ہو) سورۃ الانبیاء میں فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنْ اَرٰضٰی وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (اللہ جانتا ہے انکے اگلے پچھلے احوال کو اور وہ سفارش نہیں کر سکتے مگر اس کے لئے جس کے لئے خدا تعالیٰ راضی ہو اور وہ سب اللہ کی ہیبت سے ڈرتے ہیں) سورۃ نجم میں فرمایا: وَاَنْتُمْ مِنْ مُّلْكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تَغْنٰی شَفَاعَتُهُمْ

شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لَمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى (اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں جنکی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں اجازت دیدیں۔ اور راضی ہو جائیں)۔

پھر فرمایا یَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔ (اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے آگے اور پیچھے ہے) یعنی ان کے امور دنیویہ و اخرویہ کا اس کو پوری طرح علم ہے۔ بعض مفسرین نے اسکی تفسیر میں لکھا ہے کہ عمل کرنیوالوں کے جو اعمال اچھے برے سامنے ہیں وہ ان کو بھی جانتا ہے اور جو پہلے کر چکے ہیں انکو بھی جانتا ہے، غرض کہ اس کا علم پوری مخلوق کو اور مخلوق کے احوال و اعمال و افعال سب کو پوری طرح محیط ہے۔

پھر فرمایا: وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (اور بندوں کو اللہ کی معلومات میں سے بس اسی قدر علم ہے جتنا اُس نے چاہا) جس کسی مخلوق کو جتنا بھی علم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ملا ہے۔ ان میں سے کسی کا کوئی علم ذاتی نہیں ہے اور نہ کسی کا علم ساری معلومات الہیہ تک محیط ہے۔

پھر فرمایا: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (کہ گنجائش ہے اسکی کرسی میں آسمانوں کی اور زمینوں کی) اس میں کرسی کی وسعت بتائی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اسکی کرسی میں آسمان اور زمین سب سما سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نشست و برخاست سے اور جگہ و مکان سے بالاتر ہے۔ اور منزہ ہے۔ اس طرح کی آیات کو علماء کرام تشابہات میں شمار فرماتے ہیں جن کا حکم یہ ہے کہ انکے اس معنی و مفہوم پر ایمان لائیں کہ اُن کا جو مطلب اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے میں اُس پر ایمان لاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر قیاس بھی نہ کریں، عرش اور کرسی دونوں کا ذکر قرآن مجید میں وارد ہوا ہے صاحب روح المعانی (ص ۹ ج ۳) نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کو الگ الگ پھیلا دیا جائے تو کرسی کے مقابلہ میں سب مل کر ایسی ہوں گی جیسے جنگل میں کوئی چھوٹی سی گول چیز پڑی ہو، پھر صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ کرسی عرش کے علاوہ ہے اور کرسی عرش کے سامنے اتنی چھوٹی ہے جیسے چھوٹی سی گول چیز میدان میں پڑی ہو۔ یہ روایت انہوں نے بحوالہ ابن جریر حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بتایا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عرش اور کرسی ایک ہی چیز ہے۔ کرسی کے بارے میں اور بھی چند اقوال مفسرین نے نقل فرمائے ہیں۔ پھر فرمایا: وَلَا يَتَوَدُّهُ حِفْظُهُمَا (کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان و زمین کی حفاظت بھاری نہیں ہے) چونکہ وہ خالق ہے اور مالک ہے اس لئے اسکی کوئی بھی مخلوق خواہ آسمان ہو خواہ زمین اس کے علم سے اور اس کی حفاظت سے باہر نہیں۔ مخلوق عاجز ہے وہ اپنی جیسی مخلوق کی حفاظت سے بھی عاجز ہے اللہ تعالیٰ خالق و مالک ہے وہ اپنی ساری مخلوق کا نگران و نگہبان ہے۔

آخر میں فرمایا: وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (کہ اللہ تعالیٰ برتر ہے اور عظمت والا ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ شانہ کی صفات عالیہ الوہیت و وحدانیت حیات علم ملک قدرت ارادہ جمع فرمادی ہیں: و نطق بانه سبحانه موجود، منزہ عن التحيز والحلول، مبرا عن الصغير والفقور، لا مناسبة بينه وبين الاشياء لا يحل بساحة جلاله ما يعرض النفوس والارواح، مالک الملوك والملکوت، و مبدع الاصول والافروع، ذوالبطش الشديد، العالم وحده بجلي الاشياء وخفيها، و کلیها و جزئها، واسع الملك والقدرة لكل ما من شأنه أن يملك و يقدر عليه، لا يشق عليه شاق ولا يثقل شئ لديه، متعال عن كل ما لا يليق بجناحه عظیم لا يستطيع طيرا لفكر أن يحوم فی بیداء صفات قامت به۔ (روح المعانی ص ۱۱ ج ۳)

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرے تو جنت کے داخل ہونے میں اس کے لئے صرف موت ہی آڑنی ہوئی ہے۔ اور جس نے آیۃ الکرسی لیٹتے وقت پڑھ لی اللہ تعالیٰ اس کے گھر کو اور اس کے پڑوسی کے گھر کو اور اس پاس کے چند گھروں کو امن سے رکھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۹)

اور ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے رات کو اپنے بستر پر پہنچ کر آیۃ الکرسی پڑھ لی۔ صبح ہونے تک اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نگر ان مقرر رہے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۵) عن البخاری فی قصۃ اسیرابی ہریرۃ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے صبح کو سورہ حتم (یعنی سورہ مومن جسے سورہ خافر بھی کہتے ہیں) اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ تک پڑھی اور اس کے ساتھ آیۃ الکرسی بھی پڑھ لی تو شام ہونے تک ان دونوں کی وجہ سے محفوظ رہے گا اور جس نے ان دونوں کو شام کو پڑھ لیا تو صبح ہونے تک محفوظ رہے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷) عن الترمذی

لَا كِرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ

نہیں ہے زبردستی دین میں ظاہر ہو چکی ہے ہدایت گراہی سے ممتاز ہو کر سو جو شخص منکر ہو طاغوت کا

وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۱﴾

اور ایمان لائے اللہ پر تو بے شک اُس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا۔ جو ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

دین میں زبردستی نہیں ہے

تفسیر: لباب العقول میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے بحوالہ ابوداؤد و نسائی وابن حبان حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے پہلے جس عورت کا بچہ مر جاتا تھا وہ یہ نذر مان لیتی تھی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو اسے یہودی بنادوں گی (العیاذ باللہ) جب یہود کا قبیلہ بنو نضیر مدینہ منورہ سے جلا وطن کیا گیا تو ان میں انصار کے قبیلوں کے وہ لڑکے بھی تھے جو دین یہودیت پر تھے۔ یہودی مدینہ منورہ سے جانے لگے تو ان لڑکوں کے خاندان والوں نے کہا کہ ہم ان کو نہیں جانے دیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ نازل فرمائی۔

نیز لباب العقول میں بحوالہ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آیت کریمہ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جو قبیلہ بنی سالم میں سے تھے اور جن کا نام حصین تھا ان کے دو بیٹے نصرانی تھے اور وہ خود اسلام قبول کر چکے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ دونوں نصرانیت چھوڑنے کو تیار نہیں ہیں کیا میں ان پر زبردستی نہ کروں (تا کہ وہ دونوں مسلمان ہو جائیں) اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

آیت شریفہ میں واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ دین میں زبردستی نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص دین اسلام قبول نہیں کرتا تو اس پر زبردستی نہیں کی جائے گی کہ تو اسلام قبول کر لے ورنہ تجھے قتل کر دیں گے شاید حکم جہاد کی وجہ سے کسی کو اس کا وہم اور وسوسہ ہو کہ زبردستی نہیں ہے تو جہاد کیوں شروع کیا گیا جن لوگوں کو جہاد کی حقیقت معلوم ہے وہ جانتے ہیں کہ جہاد کا قانون یہ ہے کہ جب کافروں کی کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو اول ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور یہ دعوت ان کو آخرت کے عذاب سے بچانے کے لئے ہے اگر وہ اسلام قبول کرنے پر راضی نہ ہوں تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جزیہ دو جب وہ جزیہ دیے لگیں گے تو ان کا اور اسلام اور اہل اسلام سے

اللہ تعالیٰ نے ہر دعا کے جواب میں قَدْ فَعَلْتُ فرمایا یعنی میں نے تمہارے سوال کے مطابق کر دیا یعنی تمہاری دعائیں قبول ہو گئیں۔
 صحیح مسلم (ص ۹۷ ج ۱) میں یہ بھی ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ (۱) پانچ نمازیں (۲) سورہ البقرہ کا آخری حصہ (آمن الرسول سے سورہ کے ختم تک) (۳) آپ کی امت میں جو لوگ مشرک نہ ہوں۔ انکے بڑے بڑے گناہوں کی بخشش کر دی گئی (گناہ کبیرہ محض اللہ کی رحمت سے یا توبہ سے یا بطور تطہیر و تنجیس عذاب بھگت کر معاف ہو جائیں گے اور اہل ایمان ایمان کی وجہ سے جنت میں چلے جائیں گے۔ فاسق کو دائمی عذاب نہیں ہے۔ کافر و مشرک کو دائمی عذاب ہوگا)۔ قال النووی فی شرح صحیح مسلم والمراد واللہ اعلم بغفرانہا انہ لا یخلد فی النار بخلاف المشرکین ولیس المراد انہ لا یعذب اصلاً الخ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف رکھتے تھے اسی اثناء میں اوپر سے ایک آواز سنی، انہوں نے اوپر کو سر اٹھایا اور بتایا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ آج کھولا گیا ہے۔ جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ فرشتہ آج زمین پر نازل ہوا ہے آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا تھا۔ اس فرشتے نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ دو نوروں کی خوشخبری سن لیں جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ اول فاتحہ الکتاب یعنی سورہ فاتحہ دوم سورہ البقرہ کی آخری آیتیں (سورہ فاتحہ اور یہ آیات دعاؤں پر مشتمل ہیں) ان میں سے جو بھی کوئی حصہ آپ تلاوت کریں گے (جو سوال پر مشتمل ہوگا) تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو سوال کے مطابق عطا فرمائیں گے۔ (صحیح مسلم ص ۲۷۱ ج ۱)

مذکورہ بالا روایات سے سورہ البقرہ کی آخری دونوں آیات کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی کہ یہ آیات شب معراج میں عطا ہوئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبول فرمایا۔ صحیح بخاری (ص ۵۵ ج ۲) اور صحیح مسلم (ص ۲۷۱ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الایتان فی اخر سورة البقرة من قرء بهما فی ليلة کفتاه (یعنی جس نے کسی رات میں سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لیں تو اس کے لئے کافی ہوں گی)

حضرات شراح حدیث نے کافی ہونے کے کئی مطلب لکھے ہیں اول یہ کہ پڑھنے والے کو تمام انسان اور جنات کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے کافی ہوں گی دوسرے یہ کہ ہر قسم کی آفات و کمروہات سے حفاظت رہے گی تیسرے یہ کہ رات کو جو پڑھنے کی چیزیں ہیں وہ رہ گئیں تو انکی کفایت کریں گی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قیام اللیل یعنی رات کو نفل نمازوں میں قیام کرنے کے قائم مقام ہو جائیں گی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

ولقد من اللہ تعالیٰ با کمال تفسیر سورة البقرة علی ید هذا القید
 الضعیف بالمدينة المنورة فی اواخر شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بحسن
 توفیقه و تیسیره وأرجوان یوفقنی اللہ تعالیٰ لإتمام تفسیر کتابہ کلہ
 والحمد للہ اولاً و آخراً، والصلوة والسلام علی من جاءنا بکتاب اللہ
 تعالیٰ وأرسل طیباً و طاهراً

و كانت مدة تالیفه من بدء سورة الفاتحة إلى آخر سورة البقرة سنة
 فصاعداً واللہ ولی التوفیق و بیدہ أزمة التحقیق.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کے دوسے آنے پر پڑھنے کے لئے یہ بتایا اللہ اَحَدُ اللہ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَهُ کُفُوًا اَحَدٌ۔ اور فرمایا اس کے بعد بائیں طرف کو تین بار تھوک دے اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھ لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹)

پھر اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں کو دعا تلقین فرمائی کہ اس طرح دعا مانگا کریں جو متعدد جملوں پر مشتمل ہے اور ان میں متعدد دعائیں ہیں پہلے یہ دعائیں: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (اے ہمارے رب ہماری گرفت نہ فرما۔ اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے چوک ہو جائے) صاحب جلالین فرماتے ہیں کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ خطا اور نسیان پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ لہذا یہ سوال کرنا اللہ تعالیٰ شانہ کی اس نعمت کا اقرار کرنا ہے کہ اُس نے بھول اور خطا پر مواخذہ نہیں رکھا خطا اُردو کے محاورہ میں گناہ کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں وہ معنی مراد نہیں ہیں بلکہ خطا سے وہ عمل مراد ہے جو بلا ارادہ صادر ہو جائے۔ یاد رہے کہ مؤاخذہ ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور خطا و نسیان سے بعض احکام کا متعلق ہونا دوسری بات ہے۔ خطا اور نسیان کے بارے میں جو بعض احکام ہیں عدم مؤاخذہ فی الآخرة سے اُن احکام کی نفی نہیں ہوتی مثلاً نماز میں بھول کر کوئی شخص بول پڑا تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر خطا کسی مؤمن کو قتل کر دیا تو دیت اور کفارہ واجب ہوگا۔

پھر ایک اور دعا تلقین فرمائی اور وہ یہ ہے: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهُ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلُنَا اس میں ارشاد فرمایا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کرو کہ اے ہمارے رب ہم پر بھاری احکام کا بوجھ نہ رکھ جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں یعنی بنی اسرائیل پر رکھا تھا مثلاً توبہ قبول ہونے کے لئے اپنی جان کو قتل کرنا مشروط تھا اور زکوٰۃ میں چوتھائی مال نکالنا فرض تھا اور کپڑا دھو کر پاک نہیں ہو سکتا تھا اس کے لئے نجاست کی جگہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا اور جب کوئی شخص چھپ کر رات کو گناہ کرتا تھا تو صبح کو اُس کے دروازے پر لکھا ہوا ہوتا تھا کہ اس نے فلاں گناہ کیا ہے اور نبض طبیات اُن پر حرام کر دی گئی تھیں۔

کَمَا قَالَ تَعَالٰی حَرَمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبَاتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَقَالَ تَعَالٰی وَعَلٰی الَّذِیْنَ هَادَوْا حَرَمْنَا کُلَّ ذٰی ظُفْرِ (الآیہ) اور نماز پڑھنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ مسجد ہی میں نماز پڑھے اور مال غنیمت اُن لوگوں کے لئے حلال نہیں تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے امت محمدیہ کیلئے آسانی فرمائی اور مشکل احکام مشروع نہیں فرمائے جو بنی اسرائیل پر فرض تھے۔ سورہ اعراف میں رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبَاتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَائِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَاَلَا غُلَالٌ الْبَیِّنٰی کَانَ عَلَیْهِمْ (وہ پاکیزہ چیزوں کو ان کیلئے حلال فرماتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور اُن پر جو بوجھ اور طوق تھے اُن کو دور کرتے ہیں)۔

مزید دعا تلقین فرماتے ہوئے ارشاد ہے: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِہِ۔ (اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالے جس کی ہم کو طاقت نہ ہو) اس سے تکالیف شرعیہ بھی مراد ہو سکتی ہیں اور مصائب تکوینیہ بھی اور دونوں بھی مزادلے سکتے ہیں۔ صاحب جلالین لکھتے ہیں: من التکالیف والبلايا اس سے دونوں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

آخر میں مختصر الفاظ میں چار دعائیں اکٹھی تلقین فرمائیں۔ وَاعْفُ عَنَّا (اور ہمیں معاف فرما) وَاعْفُو لَنَا (اور ہماری مغفرت فرما) وَارْحَمْنَا (اور ہم پر رحم فرما) اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلٰی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ (تو ہمارا مولیٰ یعنی ولی اور مددگار ہے۔ سو ہماری مدد فرما کافروں کے مقابلہ میں)۔

صحیح مسلم (ص ۸۷ ج ۱) میں ہے ہر دعا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب میں نَعَمْ کا جواب ملا دوسری روایت میں ہے کہ

ایک خاص تعلق پیدا ہو جائے گا جس سے آپس میں ملنا جلنا ہوگا۔ اہل کفر اسلام سے قریب ہوں گے اس کے سمجھنے کے مواقع فراہم ہوں گے۔ اللہ کی کتاب ان کے کانوں میں پڑے گی۔ اسلام کی سچائی کے دلائل واضح ان کے سامنے آئیں گے۔ اور اہل ایمان کے اخلاق حسنة اور اعمال صالحہ دیکھیں گے تو اقرب ہے کہ کفر سے باز آجائیں اور اسلام قبول کر لیں اگر اسلام کے دلائل واضح سامنے آنے کے بعد بھی کوئی شخص اسلام کو قبول نہیں کرتا تو اس کی حماقت ہے کہ کفر پر جسے ہی کو اختیار کئے ہوئے ہے۔

اسلام کے عہد اول سے لے کر آج تک مسلمان ممالک میں کروڑوں کافروں نے زندگی گزاری ہے۔ کسی امیر یا خلیفہ یا بادشاہ نے انہیں اسلام پر مجبور نہیں کیا۔ اور جن قوموں نے اسلام قبول کیا وہ اہل اللہ کی محنتوں و کوششوں سے اسلام کی آغوش میں آئی ہیں کسی نے سر پر تلوار رکھ کر یا سینہ پر بندوق رکھ کر کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا فقہاء نے واضح طور پر لکھا ہے کہ میدان جہاد میں عورتوں، بوڑھوں، ابا بچوں اور گرجوں میں رہنے والوں کو قتل نہ کیا جائے حالانکہ ان لوگوں کو تلوار کے ذریعہ بآسانی اسلام میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ تفسیر درمنثور (ص ۳۳۰ ج ۱) میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی بڑھیا کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا اَسْلِمْنِیْ تَسْلِمْنِیْ (یعنی تو اسلام قبول کر لے۔ عذاب سے بچ جائے گی) اس نے انکار کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ پاک کے حضور میں عرض کیا اللّٰهُمَّ اَشْهَدْ (کہ اے اللہ آپ گواہ رہیں میں نے دعوت دے دی ہے) اس کے بعد انہوں نے یہی آیت لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ حَلَاوَتِیْ البتہ اتنی بات ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ کفر خالق و مالک کی سب سے بڑی بغاوت ہے۔ باغی کی سزا تو سب کو معلوم ہی ہے۔ ان باغیوں کی بہت بڑی اور سب سے بڑی دائمی سزا تو ان کو آخرت میں ہوگی لیکن دنیا میں بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ انکی سرکوبی ہوتی رہے۔ اور کفر کا اثر جس قدر بھی کم ہوا چھا ہے اگر جہاد و قتال نہ ہو تو کافر اہل ایمان پر چڑھ جائیں گے اور اہل ایمان تھوڑے رہ جائیں گے اور انکا جینا دو بھر ہو جائے گا۔ لہذا ضروری ہوا کہ اگر جزیہ بھی دینا منظور نہیں کرتے تو ان سے قتال کیا جائے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ کفر جو خداوند تعالیٰ کی بغاوت ہے اسکی سزا میں قتل کر دینا اور بات ہے (اور جو لوگ باغیوں کا قانون جانتے ہیں وہ اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کر سکتے) اور سر پر تلوار رکھ کر یہ کہنا کہ اسلام قبول کرو ورنہ قتل کر دیں گے یہ دوسری بات ہے اس دوسری بات کو اکراہ کہا جاتا ہے اور جہاد کے موقع پر اکراہ نہیں کیا جاتا اور یہ بات بھی ہے کہ ایمان قبول کرنے پر زبردستی کا کوئی فائدہ ہے بھی نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص جبر و اکراہ کی وجہ سے ظاہری طور پر اسلام قبول کر بھی لے اور دل سے مسلمان نہ ہو تو نہ تو اس کے حق میں مفیدی الآخرة ہوگا اور نہ جھوٹی زبان سے اسلام قبول کرنے والے سے مسلمانوں کو کوئی نفع پہنچے گا۔ جیسا کہ منافقین ظاہر میں مسلمان تھے اور اندر سے کافر تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہتے تھے۔ اسلام کی حقانیت اور اسکی سچائی کے دلائل روز روشن کی طرح واضح ہیں دنیا بھر کی زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ چھپ چکا ہے گھر گھر اسلام کا کلمہ پہنچ چکا ہے۔ آلات جدیدہ نے دنیا کے ہر گوشہ میں اسلام کی دعوت پہنچادی ہے اس کو حق جانتے ہوئے بھی جو لوگ اس کو قبول نہیں کرتے وہ اپنے کو عذاب میں دھکیلنے کے خود مددگار ہیں۔ ہدایت ظاہر ہو چکی ہے مگر ابھی کو لوگ سمجھ چکے ہیں دونوں میں کوئی التباس و اشتباہ نہیں ہے اب اگر کوئی شخص ہدایت قبول نہیں کرتا اور جانتا ہے کہ یہ ہدایت ہے دنیاوی مصلحتوں نے جائیدادوں کے خیال نے رشتہ داریوں کی فکر نے عہدوں کے چھن جانے کے خوف نے ہدایت قبول کرنے سے روک رکھا ہے اور چند روزہ دنیاوی زندگی کے منافع و مصالح کی وجہ سے آخرت کے دائمی عذاب کے لئے تیار

ہے اور اس طرح اپنی جان کا دشمن بنا ہوا ہے تو اس کا علاج ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہدایم اللہ تعالیٰ۔

لفظ طاغوت مثل لام واوی ہے جس کا ماضی مضارع طغی یطغی ہے یہ لفظ سرکشی کے معنی پر دلالت کرتا ہے اہل لغت کا فرمانا ہے کہ اس میں قلب مکانی ہوا ہے اصل کلمہ طغوت ہے۔ لام کلمہ کو مقدم کر دیا گیا اور عین کلمہ کو مؤخر کر دیا گیا پھر حرف علت کو الف سے بدل دیا گیا یہ تلفظ تحقیق ہوئی معنوی اعتبار سے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت عمر اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اس سے شیطان مراد ہے مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کل ما عبد من دون اللہ فهو طاغوت (یعنی اللہ کے سوا جس کسی کی بھی عبادت کی گئی۔ وہ طاغوت ہے) اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے اصنام یعنی بت مراد ہیں یہ سب اقوال لکھنے کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (ص ۱۳ ج ۳) والاولیٰ ان یقال بعمومہ (یعنی اس کا عمومی معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے) اور اس کے مفہوم میں وہ سب معانی داخل ہیں جو اوپر بیان ہوئے درحقیقت شیطان اور اسکی مددگار تمام طاغوتی طاقتیں انسان کو اسلام سے روکتی ہیں۔ جس کسی نے بھی ان طاقتوں کو نہ گردانا اور ان سے رشتہ توڑا اور ان سب سے منہ موڑا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے بہت مضبوط حلقہ اور بڑی قوت والا کڑا پکڑ لیا یہ کڑا ایسا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں جس نے اللہ تعالیٰ کو مان لیا اور اس کے دین کو تسلیم کر لیا اور اس کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان لے آیا اس نے سب سے بڑی طاقت کا سہارا لے لیا اور یقین کی دولت سے مالا مال ہو گیا نہ اس قوت کو شکستگی ہے نہ زوال ہے آخر میں فرمایا کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ وہ سب کے اقوال کو سنتا ہے۔ سب کے اعمال کو جانتا ہے جو صرف زبان سے مسلمان ہوا اس کا بھی علم ہے اور جس نے جھوٹی زبان سے کلمہ پڑھا وہ اس سے بھی باخبر ہے۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں اسلام کو مضبوط پکڑنے والا چونکہ ہلاک اور خسران سے محفوظ رہتا ہے اس لئے اس کو ایسے شخص سے تشبیہ دی جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں مضبوط تھام کر گرنے سے مامون ہو جائے اور جس طرح ایسی رسی کے ٹوٹ کر گرنے کا خطرہ نہیں (اور یوں کوئی رسی ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے) اسی طرح اسلام میں بطلان کا احتمال نہیں جو مفصلی رلی اھلاک ہو اور خود کوئی اسلام ہی کو چھوڑ دے وہ اور بات ہے اور مقصود آیت کا اسلام کی خوبی کا واضح وثابت بالدلیل ہونا ہے جس کو اس عنوان خاص سے بیان فرمایا گیا۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
اللہ ولی ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لائے وہ ان کو نکالتے ہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا
أُولَئِهِمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ
ان کے اولیاء شیاطین ہیں وہ اُن کو نکالتے ہیں نور سے اندھیروں کی طرف یہ لوگ دوزخ والے ہیں
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ولی ہیں اور کافروں کے اولیاء شیطان ہیں

تفسیر: ولی مددگار کارساز اور دوست کو کہتے ہیں اس آیت شریفہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی ہے وہ ایمان والوں کو

کفر و شرک کی اندھیروں سے نکالتا ہے ان کو اسلام کی روشنی میں لاتا ہے ان کو نور پر ثابت قدم رکھتا ہے اور اندھیروں سے بچاتا ہے۔ اور جن کے لئے ایمان مقدر ہے ان کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر نور ایمان عطا فرماتا ہے برخلاف کافروں کے کہ ان کے اولیاء یعنی دوست شیاطین ہیں۔ شیاطین ان کو ایمان قبول کرنے نہیں دیتے اور ان کو کفر کی تاریکیوں ہی میں رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ کفر پر مریں۔ شیاطین خود دوزخ والے ہیں وہ اپنے ماننے والوں کو بھی دوزخ میں لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں سب دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اہل ایمان کے بارے میں جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے اس کے عام معنی مراد لے جائیں تو زیادہ بہتر ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو کفر کی تاریکیوں سے اور گناہوں کی تاریکیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور نور کو عام لیا جائے تو تمام اعمال صالحہ کے نور کو بھی اس کا شمول ہوگا والوہی ان یحمل الظلمات علی المعنی الذی یعم سائر انواعہا ویحمل النور ایضاً علی مایعم سائر انواعہ ویجعل فی مقابله کل ظلمة من نور منها نور منہا نور مخرج الیہ۔ (ص ۱۴۳ ج ۳) صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ نور کو مفرد اور ظلمات کو جمع لایا گیا ہے۔ کیونکہ حق ایک ہی ہے جسے نور سے تعبیر فرمایا ہے اور تاریکیاں چونکہ بہت ساری ہیں اور طرح طرح کی ہیں (کیونکہ گمراہی کے راستے بہت سے ہیں) اس لئے اس کے لئے لفظ جمع یعنی ظلمات لایا گیا ہے۔ اہل کفر کا ذکر فرماتے ہوئے جو یُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ فرمایا اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے یا تو وہ نور فطری مراد ہے جس پر تمام انسان پیدا کئے گئے (وہو المراد بقولہ ﷺ کل مولود یولد علی الفطرة الحدیث) اور نور پیمائت بھی مراد ہو سکتا ہے کھلے دلائل کے ذریعہ جو حق واضح ہو چکا ہے وہ سراپا نور ہے شیاطین اپنے ماننے والوں کو اس سے بچاتے ہیں اور کفر و شرک کے فائدے ان کو سمجھاتے ہیں اور حق قبول کرنے نہیں دیتے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَبَ اِبْرٰہِیْمَ فِیْ رَبِّہٖ اَنْ اَنۡتَہُ اللّٰهُ الْمَلِکُ اِذۡ قَالَ اِبْرٰہِیْمُ

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے حجت بازی کی ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو حکومت بخشی جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا

رَبِّی الَّذِیْ یُحٰی وَیُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحٰی وَ اُمِیْتُ قَالَ اِبْرٰہِیْمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِی

میرا رب وہ ہے جو زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا سو بلاشبہ اللہ لاتا ہے

بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَآتٰ بِہَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُہِتَ الَّذِیْ کَفَرَ وَاللّٰہُ

سورج کو پورب سے تو اس کو لے آچشمے پس حیرانی میں پڑ گیا وہ شخص جو کفر اختیار کئے ہوئے تھا اور اللہ

لَا یُہْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ ﴿۶۰﴾

قوم ظالمین کو ہدایت نہیں دیتا

ایک کافر بادشاہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مباحثہ

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیدائشی وطن شہر بابل کے آس پاس تھا ان کے زمانہ کا بادشاہ نمرود تھا جو اس علاقہ پر حکمران تھا۔ دنیا میں کفر و شرک پھیلا ہوا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ بھی بت پرست تھا جس کا تذکرہ سورۃ

الانعام (۸ع) اور سورہ مریم (۳ع) میں فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب توحید کی دعوت دی اور پوری قوم کو بتایا کہ تم گمراہی پر ہو تو سب کو برا لگا، نمرود بھی کافر تھا نہ صرف کافر تھا بلکہ داعی کفر تھا اور اپنے آپ کو معبود بتاتا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی تو وہ کٹ جتنی کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میرے خیال میں تو میرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ملک اور مال دیا تھا اسی لئے اس کے گھمنڈ میں اس نے ایسی بات کہی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دلیل مانگی کہ آپ جس رب کی توحید کی دعوت دیتے ہیں اس کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: رَبِّی الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ فرماتا ہے۔ اور موت دیتا ہے۔ درحقیقت یہ بہت بڑی دلیل تھی جتنے بھی خدائی کے دعوے دار ہوتے ہیں اور جتنے انکے ماننے والے ہیں سب کو معلوم ہے کہ زندہ کرنے اور موت دینے کا کام ان میں سے کسی کے بس کا بھی نہیں ہے لامحالہ کوئی ذات ہے جس کے تصرف میں ساری مخلوق ہے اور جلانا اور موت دینا اسی کا کام ہے۔ جو خدائی کے دعوے دار ہوئے وہ اپنی جان کو تو بچا ہی نہیں سکے وہ کسی دوسرے کو کیا زندہ کرتے ایسی واضح موٹی بات نمرود نے یا تو بے عقل ہونے کی وجہ سے نہ سمجھی یا بطور کٹ جتنی کے یوں ہی بحث جاری رکھنے کے لئے اس نے جواب میں یوں کہہ دیا کہ اَنَا اُحْیِیْ وَ اُمِیْتُ کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ اپنی بات کی دلیل کے لئے اس نے یہ کیا کہ دو آدمیوں کو بلایا جن کے قتل کا حکم ہو چکا تھا ان میں سے ایک کو قتل کروادیا اور ایک کو چھوڑ دیا، اُسکی جہالت کا جواب تو یہ تھا کہ تو یہ بتا کہ جسے تو نے قتل کیا ہے اس میں جان کس نے ڈالی تھی اور جسے تو نے چھوڑ دیا یہ موت کے بعد زندہ کرنا ہو یا زندہ کو زندہ چھوڑ دینا ہو لیکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس کے عناد اور سفاہت و جہالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالق کائنات جل مجدہ کے وجود پر اور کائنات میں اس کے تصرفات پر دوسری دلیل دیدی اور فرمایا: فَانِّ اللّٰهَ یَبِیُّ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاتِّ بَهَا مِنَ الْمَغْرِبِ کہ اللہ تعالیٰ روزانہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اگر معبود ہونے کا مدعی ہے تو سورج کو پچھم سے لا کر دکھا دے، میرے رب کے حکم سے روزانہ سورج پچھم کی جانب غروب ہو جاتا ہے تو اسی جانب سے اسے واپس کر دے۔ یہ سنتے ہی خدائی کا دعویٰ دار نمرود مبہوت اور حیران رہ گیا اور بالکل ہی گونگا بن گیا آگے ایک کلمہ بھی نہ بول سکا۔

پھر فرمایا: وَاللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کی رہبری نہیں فرماتا وہ کسی نبی یا نبی کے نائبین کے سامنے حجت اور دلیل سے نہیں جیت سکتے۔ سورہ شوریٰ میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ یُحَاجُّوْنَ فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتَحْجَبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةً عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ۔ (اور جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں اس کے بعد کہ اس کا معبود ہونا تسلیم کر لیا گیا ہے) یعنی اصحاب علم و فہم اس پر ایمان لا چکے ہیں) اُن لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے، اور اُن پر غضب ہے اور اُن کے لئے سخت عذاب ہے۔

بعض علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب سورج مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے لا کر دکھا دے تو وہ کہہ سکتا تھا کہ میں مشرق سے لاتا ہوں تو اپنے رب سے کہہ کہ وہ مغرب سے لائے لیکن وہ ابراہیم علیہ السلام کے جواب سے ایسا مبہوت و تحیر ہو چکا تھا کہ اس کی سمجھ میں اور کچھ نہ آیا۔ اہل حق کے مقابلہ میں اہل باطل دلیل کے ساتھ چل ہی نہیں سکتے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے یہ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر لے آئے اسکی وجہ سے اسکو یہ یقین ہو گیا کہ واقعی اس پوری دنیا کا کوئی خالق و مالک متصرف ضرور ہے اور یہ شخص جو برملا مجھ سے سوال و جواب کر رہا ہے ضرور اسی ذات پاک کا پیغمبر ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے اور جس کے تصرف میں ساری

مخلوق ہے اور اسکی یہ دلیل بہت زیادہ وزن دار ہے اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں مشرق سے سورج کو لاتا ہوں تو اپنے رب سے کہہ کر مغرب سے لے آؤ تو حاضرین میں سے کوئی اس کو نہیں مانے گا اور جو میرے ماننے والے ہیں وہ اسی کی طرف ہو جائیں گے۔ تھوڑی سی جوجھوٹی سلطنت ہے وہ بھی جاتی رہے گی اس لئے اس نے دم بخود ہو جانا ہی مناسب جانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ اَنِّي يُحْيِي هَذِهِ

یا اس شخص کی طرح سے جو گزرا ایک بستی پر اور وہ اس حال میں تھی کہ چھتوں پر اسکی دیواریں گری پڑی تھیں یہ شخص کہنے لگا کہ

اَللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ

اللہ یکسر زندہ فرمائے گا اس بستی کو اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک مردہ رکھا پھر اسے اٹھادیا اس سے سوال فرمایا کہ تو کتنے عرصہ تک ٹھہرا رہا ہے اس نے کہا

لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلَى طَعَامِكَ

کہ میں ایک دن یا ایک دن سے کم ٹھہرا ہوں فرمایا بلکہ تو سو سال تک ٹھہرا رہا ہے سو تو دیکھ لے اپنے کھانے کو

وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَاَنْظُرْ اِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى

اور پینے کی چیز کو وہ سڑی گئی نہیں ہے اور دیکھ لے اپنے گدھے کو اور تاکہ ہم تجھے نشانی بنا دیں لوگوں کے لئے اور دیکھ

الْعُظَامَ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوها الْحَمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ اَعْلَمْتُ اَنَّ اللّٰهَ

ہڈیوں کی طرف ہم ان کو کیسے جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر گوشت پہنچا دیتے ہیں سو جب اس پر یہ سب کچھ ظاہر ہو گیا تو کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

ہر چیز پر قادر ہے

مردہ کو زندہ فرمانے کا ایک واقعہ

تفسیر: یہ آیت پہلی آیت پر معطوف ہے اور تقریری عبارت اس طرح سے ہے۔ الم تر الی الذی حاج ابراهیم فی ربه او هل رایت کالذی مر علی قریۃ۔ حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن سلامؓ، حضرت قتادہؓ اور حضرت عکرمہؓ وغیرہم بہت سے حضرات نے فرمایا ہے کہ جس شخصیت کا اس آیت میں ذکر ہے وہ حضرت عزیر بن شریحہ تھے اور بعض حضرات نے آرمیا بن خلقیا بھی بتایا ہے اور اس بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے بہر صورت قرآن کریم نے موت کے بعد زندہ ہونے کا مشاہدہ کرنے والے شخص کا واقعہ ذکر فرمایا ہے یہ حضرت عزیر علیہ السلام ہوں یا کوئی بھی شخصیت ہو ایک بستی پر ان کا گزر ہوا جس کی سب آبادی ختم ہو چکی تھی۔ اور بستی کے در و دیوار بھی منہدم تھے چھتیں گر گئی تھیں پھر چھتوں پر دیواریں گر گئی تھیں اس بستی کا یہ حال دیکھ کر ان کے منہ سے بطور تعجب یہ نکلا کہ اللہ اس بستی کو اسکی موت کے بعد کیسے زندہ فرمائے گا؟ خدا تعالیٰ شانہ کی قدرت کا انکار کرنا مقصود نہ تھا بلکہ انسان کے مزاج میں جو ایسی چیزوں میں ایک استبعاد کی شان ہے اس کے اظہار کے طور پر منہ سے ایسے الفاظ بے ساختہ نکل گئے جیسے حضرت

زکریا علیہ السلام نے یہ یقین کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے کو بھی اولاد دے سکتا ہے خدا تعالیٰ سے اپنے لئے بیٹے کی دعا کی
 پھر جب فرشتے بیٹے کی خوشخبری لے کر آئے تو بطور تعجب یوں کہنے لگے رَبِّ اُنِّیْ یُکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِی الْکِبَرُ
 وَامْرَاَتِیْ عَاقِبٌ (کہ اے میرے رب کیسے ہوگا میرے لڑکا حالانکہ میں بوڑھا ہے کو بیٹے چکا اور میری بیوی بانجھ ہے) جس نے
 سوال کیا ہو وہ کیسے قدرت الہیہ کا منکر ہو سکتا ہے لیکن بطور تعجب سوال کر بیٹھے جس واقعہ کا یہاں ذکر ہے اس میں بھی اس طرح
 کی بات ہے جب انہوں نے یہ کہا کہ اللہ کیسے زندہ فرمائے گا اس بستی کو (جس میں تعجب بھی تھا اور کیفیت کا سوال بھی) تو اللہ
 تعالیٰ نے اس بات کے کہنے والے ہی کو موت دے دی اور سو سال تک اسی حال میں رکھا پھر سو سال کے بعد زندہ فرما کر اٹھادیا
 اور سوال فرمایا کہ تم کتنے وقت اسی حالت میں ٹھہرے رہے (جو زندگی کی حالت نہ تھی) تو انہوں نے جواب میں عرض کر دیا کہ
 میں اس حالت میں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصر رہا ہوں، مفسرین نے بیان کیا ہے کہ چاشت کے وقت ان کو موت آئی تھی اور
 سو سال گزرنے کے بعد جب ان کو اللہ تعالیٰ نے اٹھایا تو غروب سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ سورج پر نظر ڈالی تو نظر آیا کہ وہ غروب
 ہونے والا ہے لہذا انہوں نے جواب میں کہا کہ ایک دن ایسی حالت میں رہا ہوں اور جب یوں غور کیا کہ ابھی تو سورج چھا بھی
 نہیں تو کہنے لگے کہ ایک دن بھی نہیں بلکہ دن کا کچھ حصر رہا ہوں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ تمہارا یہ بیان کرنا صحیح نہیں بلکہ صحیح
 بات یہ ہے کہ تم سو سال تک اسی حالت میں رہے ہو سو سال تک وہ مردہ رہے لیکن چونکہ جسم اسی طرح صحیح سالم تر و تازہ باقی رہا۔
 جیسا کہ زندگی میں تھا تو ان کو اس سے مزید تعجب ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا ایک اور نمونہ ان کو دکھایا اور فرمایا کہ تو اپنے
 کھانے پینے کی چیز کو دیکھ لے وہ ذرا بھی گلی سڑی نہیں ہے۔ جس طرح یہ کھانا اپنی حالت پر سو سال باقی رہ گیا اس طرح بغیر روح
 کے تیرا جسم بھی صحیح سالم تر و تازہ رہا قال فی الروح (ص ۲۲ ج ۳) واستشکل تفرع فانظر علی لبث المائۃ بالفاء
 وهو یقتضی التخییر، واجب بان المفزع علیہ لیس لبث المائۃ بل لبث المائۃ من تغیر فی جسمہ حتی ظنہ
 زمانا قلیلا ففرع علیہ ما هو اظهر منه وهو علم تغیر الطعام والشراب وبقاء الحیوان حیا من غیر غداء۔ پھر اللہ
 جل شانہ نے ان کے سامنے ان کے مردہ گدھے کو زندہ کر کے دکھایا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تم اپنے گدھے کو دیکھو اور ہڈیوں پر نظر
 ڈالو۔ گدھے کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو ہم ان کو کس طرح ترکیب دیتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے
 ہیں ان کے سامنے وہ ہڈیاں ترتیب کے ساتھ جمع ہوئی پھر ان پر گوشت چڑھا اور گدھا زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ جب یہ سب کچھ اپنی
 آنکھوں سے دیکھ لیا تو بے اختیار بول اٹھے کہ میں جانتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے یقین تو پہلے ہی سے تھا کیونکہ مؤمن
 آدمی تھے لیکن عینی مشاہدہ بھی کر لیا درمیان میں یہ جو فرمایا کہ وَلَنَجْعَلَکَ اٰیۃً لِلنَّاسِ اس کے بارے میں مفسرین فرماتے
 ہیں کہ یہ محذوف پر معطوف ہے صاحب روح المعانی (ص ۳۳ ج ۳) لکھتے ہیں کہ یہاں عبارت مقدر ہے۔ ای و فعلنا ذلک
 لنجعلک یعنی ہم نے تمہیں مردہ کر کے زندہ کر دیا تاکہ ہم تمہاری ذات کو لوگوں کے لئے نشانی بنادیں تمہیں دیکھ کر اور تمہارا
 واقعہ معلوم کر کے لوگوں کو ہدایت ہوگی اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر یقین کرنے میں ہچکچاہٹ کرنے کا موقع نہ رہے گا۔
 صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اَنْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ جو حکم تھا وہ مدت دراز تک موت کی حالت میں رہنے کو ظاہر کرنے
 کے لئے تھا اور اَنْظُرْ اِلٰی الْعِظَامِ میں جو حکم ہوا وہ مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کے لئے تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اَرْنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوْ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ

اور جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے رب آپ مجھے دکھا دیجئے مردوں کو کس طرح زندہ فرماتے ہیں فرمایا

بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبُكَ قَالَ فُخْذًا رُبْعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ

کیا تم کو یقین نہیں ہے؟ عرض کیا یقین ہے لیکن اس غرض سے سوال کرتا ہوں کہ میرا قلب مطمئن ہو جائے فرمایا سو تم لے لو چار پرندے پھر انکو اپنے سے ہلاؤ

ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا مِّنْ يَّاتِيَنَّكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ

پھر ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک حصہ رکھ دو پھر ان کو ہلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور جان لو کہ

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

بلاشبہ اللہ عزیز ہے حکیم ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال پر پرندوں کا زندہ ہونا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا ایک سوال اور پھر خداوند قدس کی طرف سے عینی مشاہدہ کرا کر ان کے سوال کا جواب ذکر فرمایا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے موحد تھے حشر و نشر بعثت بعد الموت کے قائل تھے پھر بھی انہوں نے نظروں سے دیکھنے کیلئے اللہ جل شانہ سے سوال کیا کہ آپ مجھے دکھا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے اللہ جل شانہ نے فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں ہے کہ میں مردوں کو زندہ کر دوں گا انہوں نے عرض کیا کہ یقین ضرور ہے پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ علم الیقین سے آگے مجھے عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے اور اپنی آنکھوں سے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھ لوں تاکہ طبعی طور پر انسان کو جو طمینان دیکھنے سے حاصل ہو جاتا ہے وہ بھی مجھے حاصل ہو جائے۔ حضرت ابن عباسؓ اور بعض دیگر حضرات سے منقول ہے کہ جب فرشتہ نے ان کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنالیا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو قبول فرمائے گا اور آپ کی دعا سے مردوں کو زندہ فرمائے گا تو اس پر انہوں نے یہ سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم چار پرندے لے لو اور پہلے ان کو اپنے پاس رکھو اور مانوس کر لو اور ہلاؤ جب وہ تم سے مانوس ہو جائیں اور ابل جائیں تو ان چاروں کو زنج کرنا اور انکے گوشت کو اور پروں کو ایک ساتھ ملا دینا اور ان کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ دینا پھر انکو پکارنا وہ پرندے تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے چنانچہ حسب الحکم انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ پرندے زندہ ہو کر اکی آواز پر دوڑتے ہوئے چلے آئے پرندے ہونے کے باوجود اڑ کر نہ آئے بلکہ پیروں سے چل کر آئے کیونکہ نظروں کے سامنے اس کا ظہور بدرجہ اتم ہے۔

آخر میں فرمایا: وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (کہ اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے) اسباب عادیہ وغیر عادیہ

سب اس کے قبضہ میں ہیں۔ اس کے سب کاموں میں حکمت ہے۔ (من روح المعانی ص ۲۶ تا ۳۱ ج ۳)

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ

مثال ان لوگوں کی جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہو اس نے اگائیں سات

سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضَعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ

بالیں ہر بال میں ہیں سو دانے اور اللہ چند در چند کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے۔ اور اللہ

واسع علیہ

وسعت والا ہے علم والا ہے

فی سبیل اللہ خرچ کر نیوالوں کا اجر و ثواب

تفسیر: اس آیت شریفہ میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی۔ اللہ کی رضا کے لئے جو بھی مال خرچ کیا جائے وہ سب فی سبیل اللہ ہے۔ اور عام طور سے یہ لفظ جہاد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بہر صورت جہاد میں خرچ کرے یا غیر جہاد میں خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکی فضیلت بہت ہے اور یہ تو عام قانون ہے کہ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَلٍ هَا (جو کوئی شخص ایک نیکی کرے اس کے لئے اس کا دس گنا ہے) ایک نیکی کی دس نیکی یہ تو کم سے کم ہے اور اس کے علاوہ اللہ جل شانہ اس سے زیادہ جتنا جس کو بڑھا چڑھا کر عنایت فرمائے وہ مزید انعام و اکرام ہے۔ اس آیت شریفہ میں اللہ کی راہ میں خرچ کر نیوالوں کے بارے میں ایک مثال بیان فرمائی ہے اور وہ یہ کہ جیسے کوئی دانہ زمین میں گر جائے پھر اس سے ایک درخت نکل آئے اس درخت میں سات بالیس ہوں اور ہر بالی میں سو سودانے ہیں اس طرح سے ایک دانہ کے سات سودانے بن گئے اللہ تعالیٰ شانہ ایک درہم یا ایک دینار یا ایک روپیہ یا ایک پیسہ خرچ کرنے پر اس کے عوض ثواب میں سات سو گنا عطا فرماتے ہیں اور سات سو پر بھی کوئی منحصر نہیں ہے اس سے زیادہ بھی عطا فرمادیتے ہیں جس کو واللہ یضاعف لمن یشاء میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑی وسعت والا ہے وہ جس کو جتنا چاہے دے سکتا ہے اور وہ علم والا بھی ہے کسی کی کوئی نیکی اس کے علم سے باہر نہیں اس کی رضا کے لئے جو بھی کوئی بدنی یا مالی عبادت انجام دے گا اس کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ نہیں آخرت میں اس کا ثواب چند در چند پالے گا۔

سنن ابن ماجہ میں (۱۹۸) متعدد صحابہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد میں) خرچ کرنے کیلئے مال بھیج دیا اور خود گھر ہی میں رہا تو اسے ہر درہم کے عوض سات سو درہم (کا ثواب) ملے گا اور جس شخص نے اپنی جان سے شریک ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اللہ کی خوشنودی کیلئے مال خرچ کیا تو اس کیلئے ہر درہم کے عوض سات لاکھ درہم ہونگے یہ فرما کر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے واللہ یضاعف لمن یشاء کی تلاوت فرمائی تفسیر درمنثور (۱۳۳۶ ج ۱) میں بحوالہ طبرانی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ اس کیلئے بہت بڑی خوبی ہے جو فی سبیل اللہ جہاد میں مشغول ہوتے ہوئے اللہ کے ذکر کی کثرت کرے کیونکہ اُسے ہر کلمہ کے عوض ستر ہزار نیکیاں ملیں گی جن میں سے ہر نیکی دس گنی کر کے ملے گی اسکے علاوہ جو اس کیلئے اللہ کے نزدیک ہے وہ مزید ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا کیا ثواب ہے آپ نے فرمایا وہ بھی اس قدر ہے۔ حضرت معاذ بن جبل کے شاگرد نے عرض کیا کہ میں نے تو یہ سنا ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا ہے انہوں نے فرمایا کہ تو کم سمجھ آدمی ہے۔ یہ سات سو گنا اس وقت ہے جب اپنے گھروں میں رہتے ہوئے جہاد میں خرچ کرنے کیلئے بھیج دیں اور خود جہاد میں شریک نہ ہوں اور جب خود جہاد میں شریک ہوں اور اس وقت خرچ کریں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں میں ان کیلئے جو کچھ پوشیدہ رکھا ہے وہاں بندوں کے علم کی رسائی نہیں ہے اور بندے اسکی کیفیت کے جاننے سے عاجز ہیں۔ یہ لوگ حزب اللہ (اللہ کی جماعت ہیں) اور اللہ کی جماعت غالب ہونے والی ہے۔

حضرت بریدہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حج و جہاد کا خرچہ یکساں ہے ایک درہم خرچ کرنا سات سو درہم خرچ کرنے کے برابر ہے (درمنثور ص ۳۳۷ ج ۱) اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں فضل ہی فضل ہے عطا ہی عطا ہے۔ تھوڑے پر بہت ملتا ہے۔ نیت اللہ کی رضا کی کرنی لازم ہے آیت بالا میں بھی لفظ فی سبیل اللہ فرما کر اخلاص کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور آئندہ آنے والی آیات میں خرچ کرنے کے آداب بتاتے ہوئے ریاکاری کے طور پر خرچ کرنے کی مذمت فرمائی ہے۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں دھرتے اور

أَذَى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۹۰﴾ قَوْلُ

ایذا نہیں پہنچاتے ان کے لئے ثواب ہے ان کے رب کے پاس اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے بھلی بات کہہ دینا

مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ تَتَّبِعُهَا أَذَىٰ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۹۱﴾

اور درگزر کر دینا ایسے صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے اور اللہ غنی ہے حلیم ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ

اے ایمان والو! مت بطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر اس شخص کی طرح سے جو اپنا مال خرچ کرتا ہے

رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ

لوگوں کو دکھانے کے لئے اور ایمان نہیں لاتا اللہ پر اور یوم آخرت پر سو اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنا پتھر ہو جس پر

تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَ صُدًّا لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ

ذرا سی مٹی ہو پھر بھیج گئی اس کو زوردار بارش سو کر چھوڑا اس کو بالکل ہی صاف یہ لوگ اپنی کمائی میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۹۲﴾

اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا

فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے آداب اور ریاکاروں کے صدقات کی مثال

تفسیر: ان آیات میں اول تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت بتائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے لئے اجر و ثواب ہے نہ ان پر کوئی خوف ہے نہ وہ رنجیدہ ہوں گے اور ساتھ ہی دو باتوں پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اول یہ کہ جس کسی کو مال دیں اس پر احسان نہ دھریں اور اسے تکلیف نہ پہنچائیں ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ صدقہ دینے کے بعد احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے بہت سے لوگوں کی جو یہ عادت ہوتی ہے کہ تھوڑا بہت صدقہ دے کر ان لوگوں پر احسان دھرتے ہیں جن لوگوں کو کچھ دیا اور خاص کر ان لوگوں پر جو رشتہ دار ہیں یا اپنے شہر کے رہنے

والے ہیں ایسے لوگ احسان دھرنے سے اپنا ثواب باطل کر دیتے ہیں جس پر احسان دھرا جائے اسے احسان کے الفاظ سننے سے یا احسان دھرنے کی طرح برتاؤ کرنے سے تکلیف ہوتی ہی ہے اور بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اُن پر خرچ کرنے کی وجہ سے بگاڑیں لیتے ہیں اس لئے لفظ مَن (احسان جتانے) کے ساتھ لفظ اَذی بھی ذکر فرمایا کہ اللہ کے لئے خرچ کریں اور احسان بھی نہ دھریں اور کسی قسم کی کوئی تکلیف بھی نہ پہنچائیں تب ثواب کے مستحق ہوں گے اگر کسی نے سوال کیا اور اسے نہ دیا اور خوبصورتی کے ساتھ اچھے الفاظ میں جواب دے دیا اور مسائل کی بدتمیزی پر اور تنگ کرنے پر جو غصہ آیا اس سے درگزر کر دیا تو یہ اس سے بہتر ہے کہ کچھ دیدے پھر احسان دھرے یا کسی طرح سے تکلیف پہنچائے۔ اس کو فرمایا: قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا اَذًى۔ جو لوگ صدقہ کر کے احسان جتاتے ہیں یا ایذا پہنچاتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ ان لوگوں کا ایسا حال ہے جیسے کوئی شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے مال خرچ کرے اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہ رکھتا ہو ایسے شخص کے خرچ کرنے کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جیسے کوئی چکن پتھر ہو اس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اوپر سے زوردار بارش پڑ جائے جو اس ذرا سی مٹی کو بہا کر لے جائے اور پتھر کو بالکل چکنا سپاٹ چھوڑ دے، اول تو پتھر چکنا پھر اس پر مٹی بھی ذرا سی اور جو بارش برسی تو وہ بھی زوردار ظاہر ہے کہ اس حالت میں پتھر صاف ہو کر چکنا نہ رہ جائے گا تو اور کیا ہوگا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ منافق کے خرچ کرنے کی مثال ہے کیونکہ وہ اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ مسلمانوں میں شریک ہو کر جو کسی نیک کام میں تھوڑا بہت خرچ کیا تو ایسا ہوا جیسے چکنے پتھر پر ذرا سی مٹی آ جائے اور چونکہ اس خرچ کا اسے کوئی ثواب نہ ملے گا اس لئے یہ خرچ کرنا اس کے حق میں بالکل ہی بے فائدہ ہے جیسا کہ اس ذرا سی مٹی پر خوب تیز بارش برس جائے اور اسے دھو ڈالے۔ یہ لوگ اپنی کمائی پر ذرا بھی قادر نہ ہوں گے کیونکہ انہوں نے جو کچھ کمایا اور خرچ کیا حالت کفر میں تھا اور دکھاوے کے لئے تھا اس کا ثواب انہیں ذرا نہ ملے گا۔ آخرت میں ان کا کمنا بھی ضائع ہے اور خرچ کرنا بھی اور جب ایمان نہیں اور اخلاص نہیں تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں جنت کا راستہ بھی نہ دکھائے گا۔ اوپر منافق ریاکار کا ذکر ہے جو مومن مخلص کے مقابلہ میں آیا ہے۔

اگر کوئی شخص مسلمان ہو اور ریاکاری سے کوئی ایسا کام کرے جو فی نفسہ نیک ہو خواہ مالی عبادت ہو یا جانی عبادت ریاکاری کی وجہ سے وہ بھی ثواب سے محروم رہے گا بلکہ ریاکاری اس کے لئے وبال ہوگی اور آخرت میں مستحق عذاب ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے جن لوگوں کے بارے میں سزا کا فیصلہ ہوگا۔ ان میں ایک شخص وہ ہو گا جو بظاہر شہید ہو گیا تھا لیکن اس کی نیت یہ تھی کہ بہادری میں اس کا نام ہو اور ایک وہ شخص ہوگا جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن شریف پڑھا۔ علم حاصل کرنے سے اس کی نیت یہ تھی کہ اس کو عالم کہا جائے اور قرآن پڑھنے سے اس کی نیت یہ تھی کہ اس کو قاری کہا جائے۔ اور ایک وہ شخص ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا مال دیا تھا وہ اللہ پاک کے حضور میں کہے گا کہ جو بھی کوئی خرچ کرنے کی سبیل مجھے ملی جس میں خرچ کرنا آپ کے نزدیک محبوب تھا اس میں میں نے آپ کے لئے خرچ کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تو جھوٹ کہتا ہے تو نے یہ اس لئے کیا کہ تجھے سخی کہا جائے۔ تینوں آدمیوں سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تمہاری جو خواہش تھی وہ پوری ہو چکی اور جو تم چاہتے تھے وہ کہا جا چکا اللہ ان تینوں کو منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جن کے ذریعہ سب سے پہلے دوزخ کو دکھایا جائے گا یہ تین آدمی ہوں گے۔ (الترغیب والترہیب ص ۶۱۲)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے ریاکاری کرتے ہوئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے روزہ رکھ کر ریاکاری کی اس نے شرک کیا اور جس نے صدقہ دے کر ریاکاری کی اس نے شرک کیا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۵۵ ج ۳)

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشْبِيتًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ

اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور نفسوں کو پختہ کرنے کے لئے

كَمَثَلِ جَذَةٍ بَرْبُوقٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أَكْطَاهَا ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يُصِيبْهَا

ایسی مثال ہے جیسے ایک باغ ہو کسی ٹیلہ پر جس کو پہنچ جائے زوردار بارش پھر وہ دو گنا پھل لایا ہو پس اگر زوردار بارش نہ پہنچی

وَإِلَّا فَطُلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

تو ہلکی بوند باندی بھی اسے کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔

اللہ کی رضا کیلئے خرچ کر نیوالوں کی مثال

تفسیر: اس آیت شریفہ میں مؤمنین صالحین مخلصین کے مال خرچ کرنے کی ایک مثال بتائی ہے اور اس مثال میں ان کے ثواب کی کثرت اور عند اللہ مقبولیت ظاہر فرمائی ہے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اور اس خرچ کرنے میں انکی یہ بھی نیت ہے کہ ان کے نفس اس نیکی کرنے پر پختہ ہو جائیں تاکہ نفس خرچ کرنے کے خوگر رہیں اور کجی کو پاس نہ آنے دیں تو ایسے لوگوں کے خرچ کرنے کی ثواب کے اعتبار سے ایسی مثال ہے جیسے کسی ٹیلہ پر ایک باغچی ہو (ٹیلوں کی آب و ہوا باغوں کے لئے نہایت مناسب ہوتی ہے) پھر اوپر سے زوردار بارش بھی ہو جائے تو زمین کو اور زیادہ قوت و طاقت پہنچ جائے جس کی وجہ سے دو گنے پھل آجائیں چونکہ یہ باغچی اوٹنے ٹیلہ پر ہے اس لئے زوردار بارش نہ ہو تو تھوڑا بہت چھینٹا بھی اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے جس طرح اس باغچی میں پھل خوب زیادہ کثیر مقدار میں آئیں گے اہل ایمان اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے جو مال خرچ کریں گے اسی طرح انکے خرچ کرنے کا ثواب بھی بہت زیادہ ملے گا۔

آخر میں فرمایا: وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔ یعنی جو بھی کوئی کسی طرح کا عمل کرتا ہے اچھا ہو یا برا اللہ تعالیٰ سب کو دیکھتا ہے ہر عمل کا بدلہ اللہ کے یہاں سے ملے گا۔ ریاکار کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور مخلصین کو بھی اپنے عمل کی ہر ایک کو نگرانی کرنا لازم ہے کہ اخلاص ہے یا نہیں صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ اس تشبیہ میں جو دو طرح کی بارش فرض کی گئی ہے اس سے مقصود تفاوت مراتب اخلاص کا بیان کرنا ہے کہ چونکہ یہ انفاق ایمان کے ساتھ مقرران ہے مَنْ وَادَى وَرِیَا اس میں مفقود ہے اخلاص اس میں موجود ہے تو ضرور ہی مقبول ہو کر موجب تضاعف اجر و ثواب ہو جاتا ہے۔ خواہ اخلاص اعلیٰ درجہ کا ہو یا اوسط یا ادنیٰ درجہ کا ہو نفس قبول و تضاعف کے لئے ہر حال میں کافی ہے گو تفاوت مراتب اخلاص سے مراتب قبول و تضاعف میں بھی تفاوت ہو جائے گا۔

أَيُّوْدُ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ تَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ

کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اس کے نیچے جاری ہوں

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ

نہیں اس میں اس کے لئے ہر طرح کے پھل ہوں اور اس کو بڑھاپا آ جائے اور اسکی

صُعَفَاءً فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ

ضعیف آل واولاد وہ پھر پہنچ گئی اس کو سخت تیز آندھی جس میں آگ ہو سو وہ باغ جل جائے ایسے ہی اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے تمہارے لئے

الآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝

آیات تاکہ تم فکر کرو

عبادت اور طاعات کو باطل کر دینے والوں کی مثال

تفسیر: اس آیت شریفہ میں ان لوگوں کے بارے میں ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ جو اعمال صالحہ انجام دیتے ہیں لیکن انکو ریا کاری یا مَن واذی کی وجہ سے یا کسی ایسے عمل کے کرنے سے جو ضبط اعمال کا سبب ہو بر باد کر دیتے ہیں ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کا باغ ہو جس میں کھجوروں اور انگوروں کے درخت ہوں اور انکے علاوہ بھی ہر قسم کے پھل ہوں اس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں وہ خود بوڑھا ہو گیا اور اس کے اہل واولاد ضعیف ہوں۔ خود بھی کچھ نہیں کر سکتا اور اولاد بھی کسی قابل نہیں، گزارہ کا راستہ صرف یہی باغ ہے اپنا خرچہ بھی اس سے ہے اور بال بچوں کا سہارا بھی یہی باغ ہے۔ ایسی حالت میں ایک تیز آندھی آئی اس آندھی میں آگ تھی اُس آگ نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا عین حاجت کے وقت جبکہ اس باغ کی بہت زیادہ ضرورت تھی کچھ بھی نہ بچا سارا ہی جل کر راکھ ہو گیا اس مثال کو سامنے رکھ کر سمجھ لیں کہ جو اعمال صالحہ انجام دیئے جاتے ہیں اُن کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آخرت میں ان کا ثواب ملے۔ وہاں حاجتیں پوری ہوں اور عذاب سے حفاظت ہو لیکن اخلاص نہ ہونے کے باعث جب بہت بڑی اور سب سے بڑی حاجت کا وقت آیا تو جو اعمال کئے تھے انہوں نے کچھ بھی کام نہ دیا کیونکہ اللہ کی رضا کے لئے نہیں بلکہ بندوں کو دکھانے کے لئے اعمال کئے تھے جو بظاہر نیک تھے لیکن ریا کاری نے ان کی نیکی ختم کر دی تھی نماز پڑھی دکھاوے کے لئے حج کیا نام و نمود کے لئے صدقہ دیا شہرت کے لئے جہاد کیا بھادری ظاہر کرنے کے لئے صدقہ دیا شہرت کے لئے اور شہرت کے خیال سے نہ تھا تو جن کو دیا تھا اُن پر احسان دھر کر اور تکلیف پہنچا کر اکارت کر دیا آخرت میں پیشی ہے اعمال صالحہ کی ضرورت ہے اور اعمال کا ثواب مل نہیں رہا ایسے وقت میں جو بد حالی ہوگی اس کا کچھ اندازہ مذکورہ بالا باغ والے آدمی کی حیرت اور پریشانی سے کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فکر مند بنانے کیلئے طرح طرح کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ

اے ایمان والو! خرچ کرو اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزوں کو اور اس میں سے جو ہم نے نکالا تمہارے لئے

مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ

زمین میں سے اور مت ارادہ کرو رُوئی چیزوں کا کہ اس میں سے خرچ کرو اور تم خود اس کے لینے والے نہیں ہو مگر اس صورت میں کہ

تُعْبِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

چشم پوشی کر جاؤ اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ غنی ہے اور حمید ہے

اللہ کی رضا کیلئے عمدہ مال خرچ کرنے کا حکم

تفسیر: گزشتہ آیات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا ثواب ذکر فرمایا ہے اور خرچ کرنے کے آداب بتائے ہیں اس آیت میں اپنے کمائے ہوئے مالوں میں سے طیب عمدہ حلال اور اچھی چیزیں خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ حرام کمانا تو حرام ہے جو حلال مال ہے اس میں سے بھی عمدہ چیز کو اللہ کی راہ میں دینا چاہئے۔ اسباب النزول صفحہ ۸۲ میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جب فصل پر کھجوروں کے پھل کاٹتے تھے تو کھجوروں کے خوشے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ستونوں کے درمیان بندھی ہوئی رسی پر لا کر ٹانگ دیتے تھے جس میں سے فقراء مہاجرین کھا لیتے تھے ان میں سوکھے ہوئے خوشے بھی ہوتے تھے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَلَا تَمِمُّوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تَنْفَقُوا (کہ تم روٹی چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو) باب النقول میں بحوالہ حاکم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صدقۃ الفطر ادا فرمانے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ کھجور کا ایک صاع صدقہ میں دیا جائے اُس پر ایک شخص روٹی کھجوریں لے آیا لہذا آیت کریمہ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفَقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ نازل ہوئی یہ جو فرمایا وَلَسْتُمْ بِأَخِلَّيْنِهِ إِلَّا أَنْ تَعْمَضُوا فِيهِ۔ اس میں تنبیہ فرمائی کہ تم اللہ کی راہ میں گھٹیا مال خرچ کرنے کو تیار ہو لیکن ویسا ہی گھٹیا مال تمہیں کوئی دے تو تم خود اسے لینے کو تیار نہ ہو گے۔ تمہارا کسی پر قرضہ ہے قرضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں تمہیں کوئی خراب کھجوریں یا دوسرا کوئی گھٹیا مال دینے لگے تو تم اُسے قبول نہ کرو گے ہاں یہ اور بات ہے کہ موقع دیکھ کر آنکھیں میچ لو اور یہ سمجھ کر رکھ لو کہ اس آدمی سے عمدہ مال کبھی بھی نہیں ملے گا چلو جو ہاتھ آتا ہے یہ ہی سہی یہ مساحت والی بات دوسری ہے رضا اور رغبت اور دل کی خوشی کے ساتھ تم روٹی چیز قبول نہیں کر سکتے۔

عمومی طور پر مال طیب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ: وَمِمَّا آخَرُ خَجًا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (کہ ہم نے زمین سے جو کچھ تمہارے لئے نکالا ہے اس میں سے بھی خرچ کرو) حضرات فقہاء کرام نے اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ ہے اور احادیث شریفہ سے بھی پیداوار کی زکوٰۃ ثابت ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو عشر کہا جاتا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ زمین سے جو بھی کچھ پیدا ہو (غلہ ہو یا سبزیاں) ترکاریاں ہوں یا پھل) سب کی زکوٰۃ نکالنا فرض ہے۔ البتہ گھاس اور لکڑی ان کے نزدیک اس سے مستثنیٰ ہے۔ پیداوار کی زکوٰۃ کا اصول یہ ہے کہ جو زمین ایسے پانی سے سیراب کی جائے جس کی قیمت ادا کرنی نہ پڑے مثلاً بارش کے پانی سے سیراب کی جائے یا ندی یا دریا کے کنارے پر ترائی میں کوئی چیز پانی دیئے بغیر ہونے سے پیدا ہو جائے تو اس کی کل پیداوار سے دسواں حصہ مستحقین زکوٰۃ کو دینا فرض ہے اور یہ بھی زکوٰۃ ہی ہے مثلاً دس کلو پیداوار میں سے ایک کلو دیدے اور اسی طرح باغ میں جو پھل پیدا ہوں ان کا بھی دسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کرے۔ اور اگر پانی کی قیمت دے کر زمین کو سیراب کیا گیا ہے تو ایسی زمین کی پیداوار کا نصف العشر یعنی دسویں کا آدھا زکوٰۃ میں دینا فرض ہوتا ہے جس کو بیسواں حصہ کہا جاتا ہے یعنی دس کلو پیداوار سے آدھا کلو زکوٰۃ دیدے۔

مسئلہ: یہ دسواں یا بیسواں حصہ جو زکوٰۃ میں ادا کرنا فرض ہے۔ اس میں کوئی نصاب نہیں ہے یعنی جس قدر بھی پیداوار ہو اُس کا دسواں یا بیسواں حسب تفصیل بالا ادا کرے۔

مسئلہ: کھیتی پر جو مال خرچ ہوا مثلاً بیج ڈالا مزدوروں سے زمین کھودوائی، بیل خریدے، ٹریکٹر چلایا، کام کرنے

والوں کو مزدوری دی یہ سب اخراجات منہا نہیں ہوں گے جو کچھ بھی پیداوار ہو اسکی زکوٰۃ کا دسواں یا بیسواں حصہ (حسب تفصیل بالا) زکوٰۃ میں ادا کرنا لازم ہے۔

فائدہ: زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے میں کچھ تفصیل ہے۔ مختصراً سمجھ لیا جائے کہ جو کوئی علاقہ کافروں کے قبضہ میں تھا پھر مسلمانوں نے حملہ کر کے وہ علاقہ اُن سے چھین لیا اور امیر المؤمنین نے اس علاقہ کی زمین مسلمانوں میں تقسیم کر دی تو یہ زمین عشری ہے اسی طرح سے اگر کسی شہر کے رہنے والے مسلمان ہو جائیں تو انکی زمین بھی عشری ہو جائے گی۔ آیت کے ختم پر فرمایا: **وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ** کہ (اللہ تعالیٰ غنی ہے مستحق حمد ہے) اُسے تمہارے صدقات کی حاجت نہیں جو کچھ خرچ کرتے ہو آپس میں خود ہی منتفع ہوتے ہو اُس نے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کے عطا فرمانے پر وہ مستحق حمد ہے۔ مستحق شکر ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حمید بمعنی حامد بھی ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ عمدہ چیز قبول فرماتا ہے یعنی خرچ کرنے والے کو ثواب دیتا ہے اور یہ قبول کرنا اور ثواب دینا انکی طرف سے بندوں کی تعریف ہے۔

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً

شیطان تم کو ڈراتا ہے تنگدستی سے اور حکم دیتا ہے تمہیں فحش کاموں کا اور اللہ وعدہ فرماتا ہے تم سے اپنی طرف سے مغفرت کا

مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝۱۵ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَّشَاءُ وَمَن يُؤْتَ

اور فضل کا اور اللہ وسعت والا ہے۔ خوب جاننے والا ہے وہ حکمت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کو

الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝۱۶

حکمت دی گئی اُسے خوب زیادہ خیر عطاء کی گئی اور وہ ہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں

شیطان تنگدستی سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے

تفسیر: اس آیت شریفہ میں ہدایت فرمائی ہے کہ شیطان کے بہکانے اور ڈرانے میں نہ آؤ جب تم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ کرو گے تو شیطان تمہارے دل میں دوسے ڈالے گا۔ اور یوں کہے گا کہ صدقہ دو گے تو مال کم ہو جائے گا۔ تنگدستی آجائے گی اپنی کل کی ضرورت کے لئے مال بچا کر رکھو بچوں کے کام آئے گا اگر خرچ کرنے ہی لگو گے تو پھر وہ گھٹیا مال خرچ کرنے کی ترغیب دے گا وہ تنگدستی سے ڈراتا ہے۔ کل پر اُبھارتا ہے اور اس کے علاوہ بے حیائی کے کاموں کا بھی حکم کرتا ہے وہ گناہوں کی ترغیب دیتا ہے تم اس کے کہنے میں نہ آؤ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھو اس نے تم سے جو مغفرت اور فضل کا وعدہ فرمایا ہے اس کے امیدوار رہو اور یقین جانو کہ وہ اپنے سب وعدے پورے فرمائے گا اپنے خالق و مالک کے وعدوں کو بھول جانا اور دشمن شیطان کی باتوں میں آ جانا سمجھ داری کی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تھوڑا سا دوسرے کو تہمت ملے گا آخرت میں تو اجر و ثواب ہے ہی دنیا میں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بڑے بڑے منافع ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں ایک تو یہ ہے کہ صدقہ کرنے سے کسی بندہ کا مال کم نہ ہوگا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جس کسی بندہ پر بھی ظلم کیا جائے وہ اس پر صبر کر لے گا تو اللہ اسکی وجہ سے اس کو ضرور عزت عطا فرمائے گا اور تیسری بات یہ ہے کہ جو بھی کوئی شخص بندوں سے

مانگنے کا دروازہ کھولے گا تو اس کے لئے ضرور تنگدستی کا دروازہ کھل جائے گا۔ (رواہ الترمذی کما فی المسکواۃ ص ۱۲۵ ج ۱)

زکوٰۃ اور صدقات سے مال گھٹتا نہیں ہے بڑھتا ہی ہے اور اس سے مال کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ ادا کر کے ضائع ہونے سے محفوظ کرو اور اپنے مریضوں کے علاج کے لئے صدقہ دیا کرو (کیونکہ یہ بہت بڑا علاج ہے) اور مصیبت کی موجوں کا مقابلہ دُعاء سے اور تضرع و زاری سے کرو۔ (رواہ ابوداؤد فی المراسیل)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ روزانہ جب صبح ہوتی ہے تو دفرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو اُس کے عوض اور دے اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! روکنے والے کا مال تلف کر دے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۴ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم تو (مخلوق پر) خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (صحیح بخاری)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم خرچ کرتی رہو اور گن کر مت رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گن کر دے گا اور بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی داد و بخش بند فرما دیگا جو بھی تھوڑا بہت ہو خرچ کرتی رہو۔ (صحیح بخاری ص ۱۹۳ ج ۱)

شیطان چاہتا ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کریں نفس بھی ہچکچاتا ہے کہ خرچ ہو جائے گا تو آگے کیا ہوگا کہاں سے آئے گا اور ایسے ہی وقت میں صدقہ کرنے کی زیادہ فضیلت ہے جبکہ نفس کجوسی کی طرف جاتا ہو۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کونسا صدقہ ثواب کے اعتبار سے زیادہ بڑا ہے آپ نے فرمایا ایسا صدقہ کہ صدقہ کرتے وقت تندرست ہو۔ (مرض الموت میں نہ ہو) خرچ کرنے کو دل نہ چاہتا ہو۔ تنگدستی سے ڈرتا ہو اور پیسہ پاس رکھنے کی آرزو رکھتا ہو یہ صدقہ ثواب کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے اور خرچ کرنے میں تو دیر نہ لگا یہاں تک کہ جب موت آجائے اور جان حلق کو پہنچ جائے تو کہنے لگے فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا (اب فلاں کو کیا دلوار ہے) اب تو دوسروں کا ہونی چکا۔ (صحیح بخاری ص ۱۹۱ ج ۱)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو اس کی وجہ سے مال کا شر چلا گیا یعنی مال کی وجہ سے جس کسی شہر کا اندیشہ تھا اس سے حفاظت ہو گئی۔ (الترغیب والترہیب ص ۵۱۹ ج ۱)

شیطان انسان کا بہت بڑا دشمن ہے یہی نہیں کہ صرف اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے بلکہ طرح طرح کی مشکلات سامنے لا کر پریشان کرتا ہے اور ڈراتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور بندوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی آدم کے دل پر شیطان کی پہنچ بھی ہوتی ہے اور فرشتے کا نزول بھی ہوتا ہے۔ شیطان (تنگدستی وغیرہ سامنے لا کر) ڈراتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے۔ اور فرشتہ خیر کے واقع ہونے کی اُمیدیں دلاتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے۔ سو تم میں سے جو شخص بھی اسے محسوس کرے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے لہذا اللہ کی حمد کرے اور جو شخص دوسری بات (یعنی شیطان کی سمجھائی ہوئی چیز) محسوس کرے وہ شیطان سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگے۔ یہ بات بیان فرما کر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے یہ

ہی آیت اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ طَلَاوت فرمائی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸ ج ۱)

آیت کے ختم پر فرمایا: وَاللّٰهُ وَاَسْبَغَ عَلَيْهِمُ کہ اللہ تعالیٰ وسیع رحمت وسیع فضل وسیع علم والا ہے۔ سب کے صدقات کو اور نیتوں کو جانتا ہے۔ وہ خوب زیادہ دے گا پھر فرمایا یُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ کہ اللہ تعالیٰ حکمت عطا فرماتا ہے جس کو چاہے لفظ

حکمت مضبوط چیز کے معنی میں آتا ہے، علم عمل قول جس میں بھی اتقان ہو وہ سب حکمت ہے یہ لفظ قرآن مجید میں بہت سی جگہ وارد ہوا ہے۔ روح المعانی (ص ۳۴۱ ج ۳) میں تفسیر البحر المحیط سے نقل کیا ہے کہ اس میں حضرات علماء کرام کے انتیس اقوال ہیں اور تقریباً سب کا مرجع ایک ہی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے فقہ فی القرآن مراد ہے، حضرت قتادہ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کو پڑھنا اور اس میں فکر کرنا یہ حکمت عملی ہے، حضرت مجاہد نے فرمایا کہ قول و عمل کی درستگی حکمت ہے۔ اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ قرآن و علم و فقہ یہ سب حکمت ہے، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ حکمت سے وہ علم مراد ہے جس کا نفع بہت بڑا ہو اور فائدہ خوب زیادہ ہو، حضرت عطاء نے فرمایا کہ اللہ کی معرفت کا نام حکمت ہے۔ حضرت ابو عثمان نے فرمایا کہ حکمت ایک نور ہے جس کے ذریعہ وسوس اور الہام صحیح میں فرق ہوتا ہو جو بھی معنی لیا جائے ہر ایک مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ سب کا مرجع تقریباً ایک ہی ہے، علم محکم اور علم نافع اور عمل صحیح اور قول صحیح اجمالی طور پر یہ معنی مراد لے لئے جائیں تو آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمت عطا فرمائے، پھر فرمایا کہ جسے حکمت عطا کی گئی اُسے بہت زیادہ خیر عطا کر دی گئی، کیونکہ حکمت اس کے لئے دنیا و آخرت کی خیر حاصل ہونے کا ذریعہ بنے گی جس کے اقوال و اعمال ٹھیک ہوں علم محکم کے مطابق ہوں۔ صحیح بخاری (ص ۷۱ ج ۱) میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رشک کے قابل صرف دو ہی آدمی ہیں ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا پھر اسے خیر کے کاموں میں خوب زیادہ خرچ کرنے پر مسلط فرما دیا، اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی اور وہ اس کے ذریعے فیصلے کرتا ہے اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا: وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أُولَئِ الْأَلْبَابُ کہ عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اوہام سے اور اتباعِ طہوی کی تاریکیوں سے دور ہیں۔ اللہ کی آیات میں غور و فکر ان کے لئے ذریعہ موعظت و نصیحت بنتا ہے۔ کما قال تعالیٰ وَيَفْكَرُونَ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ (الآیۃ)

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهَا وَمَا

جو کچھ کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو بلاشبہ اللہ اسکو جانتا ہے اور

لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۳۷﴾

ظلم کرنے والوں کیلئے کوئی مددگار نہیں

جو کچھ خرچ کرو گے یا نذر مانو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے

تفسیر: اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت اور ریا اور من و اذی سے بچنے کی تاکید اور مالی طیب خرچ کرنے کا حکم فرمانے اور شیطان کے وسوسوں پر عمل نہ کرنے اور خدائی وعدوں کے مطابق اعمال کے ثواب کی امید رکھنے کا حکم دینے کے بعد اب اجمالی طور پر یہ فرمایا ہے کہ تم جو بھی کوئی خرچہ کم یا زیادہ دکھا کر یا پوشیدہ طور پر خرچ کرو گے یا کوئی نذر مانو گے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے وہ نیت اور عمل سب کو جانتا ہے اسی کے مطابق وہ جزا دے گا۔ یہ ایک اعتبار سے گزشتہ مضامین کی تاکید ہے نفقہ کے ساتھ نذر کا ذکر بھی فرمایا ہے کوئی شخص اگر نذر مان لے بشرطیکہ گناہ کی نذر نہ ہو تو وہ لازم ہو جاتی ہے نذر مطلق بھی ہوتی ہے اور معلق بھی، مطلق یہ کہ یوں زبان سے کہے کہ اللہ کے لئے ایک روزہ رکھوں گا یا دو رکعت نماز پڑھوں گا

یا نقلی صدقہ کروں گا اور نذر معلق یہ ہے کہ یوں کہے کہ میرا بیٹا اچھا ہو جائے تو اتنے نفل پڑھوں گا یا اتنے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا یا سو روپے صدقہ کروں گا دونوں طرح کی نذر کرنے سے نذر کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

سورہ حج میں ارشاد ہے: وَلْيُؤْفُوا نَذْرَهُمْ (کہ اپنی نذروں کو پورا کریں) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام طور سے لوگ چونکہ کسی مرض یا خوف یا کسی مصیبت کے دور کرنے کے لئے نذر مانتے ہیں اور عموماً مال خرچ کرنے کی نذر ہوتی ہے اس لئے یہاں نفقہ کے ساتھ اس کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ نذر کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نذر ماننے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ وہ کسی چیز کو دفع نہیں کر سکتی اور ہوتا یہ ہے کہ اس کے ذریعہ بخیل سے کوئی چیز نکال لی جاتی ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹۹۰ ج ۲)

نذر ماننا مناسب تو نہیں جیسا کہ حدیث میں معلوم ہوا لیکن اگر کوئی شخص نذر مان لے تو اسے پورا کرے۔ البتہ اگر گناہ کی نذر مانی ہے تو اس کو پورا نہ کرے لیکن اس کا کفارہ ادا کرے جو قسم کا کفارہ ہے وہ ہی نذر کی خلاف ورزی کا بھی کفارہ ہے قسم کا کفارہ سورہ مائدہ میں ساتویں پارہ کے شروع میں مذکور ہے وہاں اسکی تفصیل دیکھی جائے۔

مسئلہ: کسی بھی گناہ کی نذر ماننا حرام ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کی نذر مانے وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جو شخص مصیبت کی نذر مان لے وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔

(رواہ البخاری ص ۹۹۱ ج ۲) یعنی گناہ کی نذر ماننے کی وجہ سے یہ نہ سمجھے کہ مجھے گناہ کرنا ہی ہے بلکہ اپنی نذر کی خلاف ورزی کرے اور کفارہ دیدے۔ (کما فی روایۃ ابی داؤد و الترمذی و النسائی مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۸)

وجوب نذر سے متعلق فقہاء نے چند مسائل لکھے ہیں ان کے لئے کتب فقہ کی مراجعت کی جائے پھر فرمایا: وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَابٍ (کہ ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں) ہر مصیبت ظلم ہے۔ چھوٹے بڑے جتنے بھی گناہ ہیں اپنے اپنے درجہ کے اعتبار سے ظلم ہیں بہت سے گناہ ایسے ہیں جو دوسروں پر ظلم کرنے کا سبب بنتے ہیں لیکن ہر گناہ گناہ کرنے والے کی جان پر تو بہر حال ظلم ہے ہی اور سب سے بڑا ظلم کفر و شرک ہے۔

إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ

اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ اچھی بات ہے اور اگر تم ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دو تو وہ زیادہ بہتر ہے

لَكُمْ وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

تمہارے لئے اور اللہ تمہارے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا۔ اور اللہ تمہارے سب کاموں کی خبر ہے

صدقات کو ظاہر کر کے یا پوشیدہ طریقہ پر دینا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں صدقات دینے کے بارے میں ایک بہت اہم بات ذکر فرمائی ہے اور وہ صدقات ظاہر کر کے دینے اور چھپا کر دینے کے متعلق ہے اول تو یہ سمجھنا چاہئے کہ ریا کاری جس کا نام ہے وہ خواہ مخواہ چھپتی نہیں پھرتی وہ تو نیت و ارادہ کا نام ہے جو کوئی شخص نماز پڑھے یا ذکر کرے یا زکوٰۃ دے یا صدقہ نافلہ دے اور اسکی نیت یہ ہو کہ لوگ مجھے نیک سمجھیں، میرا نام ہو میری شہرت ہو تو یہ ریا کاری ہوگی اور گناہ ہوگا جس سے اعمال ضائع ہو جائیں گے، لیکن

اگر کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جانی و مالی عبادت کرے چاہے لوگوں کے سامنے ہی ہو اور اس سے نام و نمود و شہرت مقصود نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اگر یہ نیت ہو کہ لوگوں کے سامنے عمل کرنے سے دوسروں کو بھی ترغیب ہوگی تو اس نیت کا مستقل ثواب ملے گا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ میں اپنے گھر کے اندر اپنی نماز کی جگہ نماز پڑھ رہا تھا ایک آدمی داخل ہوا اس نے مجھے دیکھ لیا اس کے آنے سے مجھے یہ بھلا معلوم ہوا کہ اس نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے واقعہ عرض کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو اس میں تیرے لئے دو اجر ہیں پوشیدہ عمل کرنے کا اجر بھی اور ظاہر عمل کرنے کا اجر بھی۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو یہ بیان کیا کہ ”مجھے یہ بھلا معلوم ہوا کہ اس نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس کے بیان کرنے میں یا تو ان کا یہ مطلب تھا کہ میرے نفس میں ریاکاری کا دوسوا آ گیا کہ مجھے ایک آدمی نے تنہائی میں نماز پڑھتے دیکھ لیا یا یہ مطلب تھا کہ نفس کو اس بات کی خوشی ہوئی کہ یہ جو آدمی آیا ہے یہ میرا عمل دیکھ کر خود بھی عمل کر لے گا۔ بہر حال جو بھی صورت ہو آنحضرت ﷺ نے ان کو دو ہرے اجر کی خوشخبری دی۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ ریا لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ تو اندر کے اس جذبہ کا نام ہے کہ لوگ میرے معتقد ہوں اور مجھے اچھا کہیں اور عبادت کی وجہ سے میری تعریف ہو اس تمہید کے بعد آیت بالا کی تفسیر ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اگر تم صدقات ظاہر کر کے دے دو تو یہ بھی اچھی بات ہے جب نیت خالص ہے اور اللہ کی رضا مقصود ہے تو یہ ادائیگی ریاکاری نہ رہی اور اس میں اس فائدہ کی امید ہے کہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب ہوگی پھر فرمایا اور اگر تم صدقات کو چھپا کر دو تو یہ تمہارے لئے ظاہر کر کے دینے سے زیادہ بہتر ہے ظاہر کر کے دینے کو اچھی بات بتایا اور چھپا کر دینے کو زیادہ بہتر بتایا۔ کیونکہ چھپا کر دینے میں احتمال ریا کا ختم ہو جاتا ہے اور نفس کے پھولنے کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ اور اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جس کو صدقہ دیا جائے وہ تنہائی میں لینے سے شرماتا نہیں اور اپنی خفت بھی محسوس نہیں کرتا۔ الفاظ آیت کے عموم میں معلوم ہو رہا ہے کہ چھپا کر دینا ہی زیادہ بہتر ہے۔ بعض حالات کے اعتبار سے لوگوں کے سامنے خرچ کرنا زیادہ باعث فضیلت ہو جائے وہ دوسری بات ہے۔ مثلاً کسی جگہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا رواج نہیں ہے لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں فریضہ زکوٰۃ زندہ کرنے اور اس کا رواج ڈالنے کیلئے لوگوں کے سامنے دے یا کوئی ایسا شخص ہو جس کی اقتداء میں لوگوں کو خرچ کرنے کی طرف توجہ ہوگی تو ایسی صورت میں لوگوں کے سامنے دینے اور خرچ کرنے میں چھپا کر دینے سے زیادہ ثواب ہو سکتا ہے اصل چیز اخلاص نیت ہے اور نفس پر قابو پانا چونکہ ہر شخص کے بس کا نہیں ہے اس لئے چھپا کر خرچ کرنے کو زیادہ بہتر اور افضل بتایا ہے۔ بہت سے لوگ دیتے تو تنہائی میں ہیں لیکن اخبارات کے ذریعہ شہرت کرتے ہیں اور مساجد و مدارس کی روئیدادوں میں اپنا نام لانے کی کوشش کرتے ہیں اور بڑے بڑے القاب و آداب کے ساتھ اپنا نام چھپنے کے انتظار میں رہتے ہیں۔ تنہائی میں دینے کا کیا فائدہ ہوا جبکہ دل میں ریاکاری کی موجیں اٹھ رہی ہیں۔ عمل ظاہر میں کرے یا پوشیدہ کرے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو اور عمل کی جو خوبی ظاہر میں ہو وہی پوشیدہ حالت میں ہو تو یہ دلیل اخلاص ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ جب لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے اور اچھی طرح نماز پڑھتا ہے۔ اور پوشیدہ طور پر نماز پڑھتا ہے تب اچھی نماز پڑھتا ہے تو اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ واقعی یہ میرا بندہ ہے۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۳۵۵)

صاحب روح المعانی (ص ۴۴ ج ۳) لکھتے ہیں کہ چھپا کر صدقہ کرنے کے بارے میں کثیر تعداد میں احادیث و آثار وارد ہوئے ہیں پھر مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو صدقہ کسی فقیر کو چپکے سے دے دیا جائے یا ایسا شخص صدقہ کر دے جو تنگ دست ہوتے ہوئے ہو۔ محنت اور کوشش کر کے مال حاصل کرے اور صدقہ دے دے اس کے بعد آپ نے آیت بالا تلاوت فرمائی صحیح بخاری (ص ۹۱ ج ۱) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات افراد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا ان سات آدمیوں میں ایک وہ شخص ہے جس نے دائیں ہاتھ سے اس طرح چھپا کر صدقہ دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ

آپ کے ذمہ نہیں ہے انکی ہدایت، لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو بھی کچھ اچھا مال تم خرچ کرتے ہو تو وہ

فَلَا تَنْفُسُكُمْ وَمَا تَنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْتِ إِلَيْكُمْ

تمہاری جانوں کے لئے ہے اور تم نہیں خرچ کرتے ہو مگر اللہ کی رضا کے لئے اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اچھا مال وہ پورا پورا تمہیں دے دیا جائے گا

وَأَنْتُمْ لَا تَظْلِمُونَ ﴿٢٧﴾

اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا

جو کچھ بھی اچھا مال خرچ کرو گے اس کا بدلہ تمہیں مل جائے گا

تفسیر: رسول اللہ ﷺ بہت محنت و کوشش فرماتے تھے اور اہل کفر کو حق کی دعوت دیتے تھے۔ وہ لوگ جب قبول نہیں کرتے تھے تو آپ کو طبعی طور پر رنج ہوتا تھا، آپ ﷺ کی تسلی کے لئے آیات نازل ہوتی تھیں، ایسی آیات قرآن کریم میں کئی جگہ موجود ہیں انہی میں سے ایک یہ آیت بھی ہے کہ آپ کا کام راہ دکھانا ہے۔ صحیح بات بتانا ہے، حق کا قبول کرنا آپ کے ذمہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہادی ہے۔ وہ جس کو چاہے ہدایت دے آپ کو ٹمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ صاحب روح المعانی (ص ۳۵ ج ۳) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ہم صرف اہل اسلام پر خرچ کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نیز حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ انصار کی رشتہ داریاں تھیں جن میں بعض لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ حضرات الہ کو صدقہ دینے سے بچتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ اسلام قبول کر لیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی سبب نزول کو سامنے رکھنے کے اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہدایت پر لانا آپ کا کام نہیں ہے۔ تاکہ صدقہ روک کر لوگوں کو اسلام پر لانے کی صورت پیدا کی جائے صدقات نافلہ غیر مسلم ضرورت مندوں کو دینے میں بھی ثواب ہے اسلام قبول کرنا نہ کرنا ان کا کام ہے۔

پھر فرمایا: وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُفْسِدُكُمْ صَاحِبُ رُوحِ الْمَعَانِي اسکی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو مال بھی نیک کاموں میں خرچ کرو گے اس کا نفع تم ہی کو ہوگا۔ لہذا مَنْ اور اُذی اور ریا کاری سے اُسے ضائع نہ کرو یا یہ مطلب ہے

کہ فقراء کو دے دیا کرو خواہ وہ کافر ہی ہوں تمہیں ثواب ملنے سے مطلب ہے۔

پھر فرمایا: وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ کہ تم تو صرف اللہ کی رضا ہی کے لئے خرچ کرتے ہو لہذا ان آداب کی رعایت کرو جن سے اللہ کی رضا حاصل ہو اور ان اعمال سے بچو جن سے اللہ کی ناراضگی ہوتی ہو اور جن سے صدقات باطل ہو جاتے ہوں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ لینی نہیں کے معنی میں ہے یعنی تم نہ خرچ کرو مگر اللہ کی رضا کے لئے پھر فرمایا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُّوفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ یعنی جو مال بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور ذرا سی بھی کمی نہ ہوگی اس میں پچھلے جملہ کی تاکید ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے خرچ کرنے کے بعد مزید مال عطا فرمائے گا۔ بحکم حدیث اللہم اعط منفقاً خلفاً یہ معنی لینا بھی بعید نہیں ہے (من روح المعانی ج ۳ ص ۴۶)

مسئلہ: کافر کو فلی صدقات دینا جائز ہے اس میں بھی ثواب ہے۔ البتہ یہ کافر کو کواۃ اور صدقات واجبہ دینا جائز نہیں۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ

صدقات فقراء کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں روکے ہوئے ہیں وہ زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ

سوال سے بچنے کے سبب انجان آدمی انہیں مالدار سمجھتا ہے تو انہیں پہچان لے گا۔ انکی نشانی سے وہ لگ لپٹ کر لوگوں سے سوال نہیں

الْحَافَاوَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

کرتے اور جو بھی کچھ تم خرچ کرو گے اچھا مال سو اللہ اس کا جاننے والا ہے

فی سبیل اللہ کام کرنے والوں پر خرچ کرنے کا حکم

تفسیر: اس آیت شریفہ میں ان فقراء پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی جو دینی کاموں میں مشغول ہوں ان کی دینی مشغولیت انہیں کہیں آنے جانے نہیں دیتی کسب مال کے مواقع انکی مشغولیت کی وجہ سے میسر نہیں ہیں۔

صاحب روح المعانی (ص ۴۶ ج ۳) میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ان سے حضرات اصحاب صفہ مراد ہیں پھر لکھا ہے کہ یہ حضرات تین سو کے لگ بھگ تھے ان کی تعداد میں کی بیشی بھی ہوتی رہتی تھی یہ فقراء مہاجرین تھے جو مسجد نبوی کے چبوترے پر رہتے تھے جس پر چھپر پڑا ہوا تھا۔ یہ حضرات اپنے اوقات علم دین حاصل کرنے میں اور جہاد میں خرچ کرتے تھے اور جو کوئی جماعت جہاد کے لئے رسول اللہ ﷺ بھیجتے تھے۔ اس میں چلے جاتے تھے۔

حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ ان سے وہ حضرات مراد ہیں۔ جن کو جہاد میں زخم آ گئے تھے اور وہ معذور ہو گئے تھے لہذا مسلمانوں کے اموال میں ان کا حق مقرر فرمایا۔

صاحب روح المعانی اس کے بعد لکھتے ہیں کہ دونوں روایتوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آیت کا مفہوم ان حضرات کو اولیت کے اعتبار سے شامل ہے حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ ایسے لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم قیامت کے دن تک

باقی ہے جو لوگ اللہ کی راہ میں روکے گئے ہیں ان کی ایک صفت تو یہ بیان فرمائی کہ دینی مشغولیت کی وجہ سے چل پھر کر کسب معاش نہیں کر سکتے اور ان پر خرچ کرنے کا یہ بہت بڑا سبب ہے۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ کہ یہ لوگ مخلوق کے سامنے سوال کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اس وجہ سے انجان آدمی جسے ان کا اندرونی حال معلوم نہیں ہے انہیں مالدار سمجھتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں جنہیں مکانے کی فرصت نہیں وہ مخلوق سے بالکل بے نیاز ہو کر کام کریں کسی کے سامنے کوئی حاجت نہ رکھیں ایسے بے نیاز ہو کر رہیں کہ جنہیں ان کا حال معلوم نہ ہو وہ انکی بے نیازی کو دیکھ کر انہیں مالدار سمجھیں ہاں دوسرے مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ خرچ کرنے کی صحیح جگہ پہنچیں اور ایسے حاجت مندوں کا پتہ چلائیں اور درحقیقت اصل مسکین وہی ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ وہ مسکین نہیں ہے جو لوگوں کے پاس گھومتا پھرتا ہے۔ اُسے ایک لقمہ اور دو لقمے اور ایک کھجور اور دو کھجوریں در بدر پھرتی ہیں لیکن واقعی مسکین وہ ہے جسے اتنا مقدور نہیں جو اُسے بے نیاز کر دے اور اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تا کہ اُس پر خرچ کر دیا جائے او وہ لوگوں سے سوال کرنے کے لئے بھی کھڑا نہیں ہوتا۔ (رواہ البخاری ج ۱)

ان حضرات کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ کہ اے مخاطب ایسے لوگوں کو تو انکی نشانی سے پہچان لے گا۔ نشانی سے حالت ظاہرہ مراد ہے جسے دیکھ کر انکی حاجت مندی اور بے چارگی معلوم ہو جائے۔ اس نشانی کے بارے میں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مشقت کے ظاہری آثار جو چہرے سے عیاں ہوں وہ مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بھوک کی وجہ سے جو رنگ زرد ہو گئے ہوں وہ مراد ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کپڑوں کا پھٹا پڑا ہونا مراد ہے۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۲۵۹ ج ۱) نے یہ اقوال نقل کئے ہیں لیکن درحقیقت ان پر کوئی انحصار نہیں بھانپنے والے طرح طرح سے بھانپ لیتے ہیں جو فکر مند ہو گا وہ ان کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اور انکے پاس اٹھ بیٹھ کر انکی حاجت مندی کو پہچان ہی لے گا۔

پھر فرمایا کہ لَا يَسْتَلُونُ النَّاسَ الْخَافَةَ یعنی یہ حضرات لوگوں سے لگ لپٹ کر ذمہ ہو کر ضد کر کے سوال نہیں کرتے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ الْخَافَةُ قید احترازی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل ہی سوال نہیں کرتے اگر سوال کرتے تو دیکھنے والا انہیں مالدار کیوں سمجھتا اور ان کے بارے میں يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ کیوں ارشاد ہوتا۔ آخر میں فرمایا: وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔ اور جو بھی کچھ تم خیر میں سے خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اُس کا جاننے والا ہے اسکی قدر فرمائے گا اور اسکی جزا دے گا تمہارا خرچ کیا ہوا ضائع نہ ہوگا۔

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں پس اس بنا پر سب سے اچھا مصرف طالب علم ٹھہرے اور ان پر بعض نا تجربہ کاروں کا جو یہ طعن ہے کہ ان سے کمایا نہیں جاتا اس کا جواب قرآن میں دے دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص ایسے دو کام نہیں کر سکتا جن میں سے ایک میں یادوں میں پوری مشغولی کی ضرورت ہو اور جس کو علم دین کی خدمت کا کچھ مذاق ہو گا وہ مشاہدہ سے سمجھ سکتا ہے کہ اس میں غایت مشغولی اور انہماک کی حاجت ہے اس کے لئے اس کے ساتھ اکتساب مال کا شغل جمع نہیں ہو سکتا اور اس کے کرنے سے علم دین کی خدمت ناتمام رہ جاتی ہے چنانچہ ہزاروں نظائر پیش نظر ہیں۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِالْإِثْمِ وَالْهَرَسِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں پوشیدہ طور پر اور علانیہ طور پر سوان کے لئے ان کا اجر ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَالْخَوْفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۷۰﴾

ان کے رب کے پاس اور ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

رات دن مال خرچ کرنے والوں کی فضیلت اور منقبت

تفسیر: اس آیت میں رات دن اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنے کا تذکرہ ہے۔ جو لوگ پوشیدہ طور پر اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں گے یا علانیہ طور پر قیامت کے دن ان کا خرچ کیا ہوا مال اجر و ثواب کی صورت میں انہیں مل جائے گا۔ وہ وہاں غمگین نہ ہوں گے جبکہ بہت سے لوگ بد عملی کی وجہ سے یا اپنے مالوں کو گناہوں میں خرچ کرنے کی وجہ سے غمگین ہوں گے اس آیت میں مال خرچ کرنے کے بیان میں سِرًّا وَعَلَانِيَةً فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے سامنے مال خرچ کرنا ریا کاری میں شامل نہیں جس سے گناہ ہو اور خرچ کرنا اکارت ہو جاتا ہو گو خفیہ طریقہ پر خرچ کرنے کی فضیلت زیادہ ہے لیکن اگر دکھاؤ مقصود نہ ہوتا مود پیش نظر نہ ہو اور مقصود اللہ تعالیٰ کی رضائی ہو تو لوگوں کے سامنے خرچ کرنے سے ریا کاری میں شمار نہ ہوگا ریا کاری اپنے دل کے جذبہ اور ارادہ کا نام ہے۔ اگر کوئی شخص تنہائی میں نیک عمل کرے اور مال خرچ کرے اور پھر لوگوں کو معتقد بنانے کے لئے اپنے عمل کو ظاہر کرے یا دل میں یہ تڑپ ہو کہ میرے اعمال لوگوں پر ظاہر ہوں تاکہ میری تعریف ہو تو یہ بھی ریا میں شامل ہو جائے گا بلکہ اس میں دُہرا ریا ہے کہ لوگ یوں کہیں گے کہ دیکھو کیسے مخلص ہیں تنہائیوں میں عمل کرتے ہیں۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ

جو لوگ کھاتے ہیں سود وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جیسے کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان لپیٹ

مِنَ الْمَسِّ ذَلِكُمُ الْقَوْلُ إِنَّهُ الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَمَا حَلَ اللَّهُ الْبَيْعَ

کر مجبوظ بنا دئے یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ بیع تو سود ہی کی طرح سے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا

وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَكَ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ

اور سود کو حرام قرار دیا سو جس کے پاس آگئی نصیحت اس کے رب کی طرف سے پھر وہ باز آ گیا تو اس کے لئے وہ ہے جو گزر چکا

وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۷۱﴾

اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے اور جو شخص پھر عود کرے سو یہ لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

سود خوروں کی مذمت

تفسیر: ان آیات میں سود خوروں کی مذمت بیان فرمائی ہے اور ان کا حال بیان فرمایا ہے جو قیامت کے دن ان کو پیش آئے گا

یعنی وہ قیامت کے دن قبروں سے اس طرح حیران اور مدہوش کھڑے ہوں گے جیسے کسی کو شیطان لپیٹ چپٹ جائے اور وہ اس کی وجہ سے مجنوں ہو جائے یعنی اس کے ہوش خطا ہو جائیں، مبہوت ہو جائے۔ بہکی بہکی باتیں کرے اس کا دل اور دماغ کام نہ کر سکے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے پیٹ بیوت یعنی گھروں کی طرح سے تھے اُن میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو اُن کے پیٹوں کے باہر سے نظر آ رہے تھے۔ میں نے کہا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۶ بحوالہ احمد وابن ماجہ)

جس کے سامنے ایک سانپ ہوا کسی حیرانی اور پریشانی کا تصور کرو پھر یہ سوچو کہ اگر کسی کے پیٹ میں ایک سانپ ہو تو اُس کا کیا حال ہوگا اور اس کے بعد یہ غور کرو کہ جس کا پیٹ گھر کے برابر ہوا اور اس میں سانپ ہی سانپ بھرے ہوئے ہوں اس کا کیا حال ہوگا اور کیا ہوش برقرار رہے گا۔ سود خوروں کی قیامت کے دن کی حالت بتا کر یہ بتایا کہ یہ لوگ سود کو حلال قرار دینے کیلئے یوں کہتے ہیں کہ سود میں اور بیع میں فرق کیا ہے کاروبار کرنے میں بھی زیادہ مال ملتا ہے۔ اور سود کے لین دین میں بھی زیادہ مال ملتا ہے۔ لہذا بیع کی طرح سود لینا بھی صحیح ہوا۔ اس بات کو سود لینے والے مختلف الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو نفع کے نام سے کھا جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پیسے کا نفع ہے حالانکہ کسی چیز کا نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی اور حرام حلال نہیں ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے وہ ہمیشہ حرام ہی رہے گا جب سے بنکوں کا نظام جاری ہوا ہے۔ لوگوں کو سود لینے کی عادت ہو گئی ہے اور جب تک سود نہ کھائیں ان کے نفس کو تسلی ہی نہیں ہوتی اور علماء کو خصوصیت کے ساتھ ہدف ملامت بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولویوں نے قوم کو سود لینے سے اور سودی کاروبار سے روک دیا جس کی وجہ سے قوم بہت نیچے چلی گئی اور دوسری قومیں سودی کاروبار کر کے بام عروج پر پہنچ گئیں۔ بھلا مولوی کی کیا مجال ہے کہ وہ اپنے پاس سے خود کچھ کہے۔ وہ تو حکم سنانے والا ہے۔ حلال چیز کو حرام قرار دینا اس کے عہدہ میں کب ہے؟ اس کا تو صرف اتنا قصور ہے کہ حق سُناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ جن لوگوں کو حرام کا ذوق ہے وہ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اعتراض کرتے ہیں کہ بیع اور سود میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَاحْلُلْ اِلٰھُ النَّبِیْعِ وَحَرِّمَ الرَّبٰہِوَا** کہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا پھر کیسے فرق نہیں ہے؟ ایک چیز حلال ہے دوسری چیز حرام ہے یہ بہت بڑا فرق ہے اور بیع اور سود کی حقیقت میں بھی فرق ہے۔ بیع تو مال سے مال کے مبادلہ کو کہا جاتا ہے پوری قیمت کے بدلہ مال آ جاتا ہے اور سود میں یہ ہوتا ہے کہ جتنا قرض دیا وہ تو پورا وصول کر لیا جاتا ہے اور اس کے سوا الگ سے بھی زائد رقم لی جاتی ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر وہ قرض جو زرا سا بھی زائد کچھ لے کر آئے تو وہ سود ہے۔ (کل قرض جر نفعافھو ربوا)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو کچھ قرض دے پھر قرض لینے والا کچھ ہدیہ دے یا اپنے جانور پر سوار کرے تو نہ سوار ہونہ ہدیہ قبول کرے۔ ہاں اگر ان کے درمیان اس سے پہلے ہدیہ لینے دینے کا تعلق تھا تو وہ اور بات ہے۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان کما فی مشکوٰۃ ص ۲۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی انہوں نے فرمایا کہ تم ایسی سرزمین میں رہتے ہو جہاں سود کا لین دین رواں چائے ہوئے ہے جب کسی پر کچھ قرض ہو پھر وہ تمہیں

بھوسہ کا ایک گٹھڑی یا گٹھڑی یاری میں بندھی ہوئی سبزی بھی دینا چاہیے تو اس کو مت لینا کیونکہ وہ سود ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط کا تو یہ عالم تھا کہ جب کسی قرضدار سے تقاضا کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو اسکی دیوار کے سایہ میں بھی کھڑے نہ ہوتے تھے تا کہ قرضدار کی کسی چیز سے انتفاع نہ ہو جس کو قرض دیا ہو اس سے ہدیہ لینے کی ممانعت سے اس بات کا جواب بھی نکل آیا کہ جو شخص سود دیتا ہے وہ اپنی خوشی سے دیتا ہے۔ پھر اس کے لینے پر کیوں پابندی ہے؟ ہدیہ لینے کی ممانعت سے معلوم ہوا کہ خوشی سے دینے پر بھی سود لینا حلال نہیں ہے۔ جبکہ قرضدار سے ہدیہ لینا بھی حلال نہیں ہے تو سود کے نام سے اور سود کے عنوان سے جو کچھ طے کر کے لیا جائے۔ اُس کے حلال ہونے کا ذکر ہی کیا ہے؟

بابی رضا مندی سے نہ سود حلال ہے نہ رشوت حلال ہے نہ زنا حلال ہے۔ سود کا لین دین پرانی امتوں میں بھی حرام تھا۔ سورۃ نساء میں فرمایا: فَبِظْلَمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا۔ (سویہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو اُنکے لئے حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ کثرت سے اللہ کے راستہ سے روکنے کا کام کرتے تھے اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو اس سے روکا گیا تھا اور باطل طریقوں سے لوگوں کے مال کھانے کی وجہ سے اور ہم نے اُن کے لئے جو اُن میں سے کفر پر ثابت رہے دردناک عذاب تیار کیا ہے)۔

چونکہ سودی لین دین میں غریبوں پر ظلم ہوتا ہے۔ اور مہاجن لوگ گھر بیٹھے ہوئے عوام کا خون چوستے ہیں اس لئے سود کھانے کی وہ سزا جو عالم برزخ میں ہے رسول اللہ ﷺ کو ایک خواب میں یوں دکھائی گئی کہ ایک شخص خون کی نہر میں کھڑا ہے اور نہر کے کنارے ایک آدمی ہے جس کے سامنے پتھر ہیں جو شخص نہر میں ہے وہ نکلنا چاہتا ہے تو یہ دوسرا شخص اس کے منہ پر پتھر مار دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اسی جگہ چلا جاتا ہے جہاں پہلے تھا جب بھی وہ شخص نکلنا چاہتا ہے تو یہ شخص اس کے منہ پر پتھر مار دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی جگہ چلا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پوچھا جن میں ایک جبریل اور دوسرے میکائیل تھے (علیہما السلام) کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ان دونوں نے بتایا کہ یہ شخص جو نہر کے اندر ہے سود کھانے والا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۵ ج ۱)

کیونکہ سود کا لین دین بہت ہی بڑا گناہ ہے اس لئے سود سے متعلق ہر شخص پر لعنت کی گئی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور اسکی لکھا پڑھی کرنے والے پر اور اُس کے گواہوں پر اور فرمایا کہ یہ لوگ گناہ میں سب برابر ہیں۔ (رواہ مسلم ص ۲۰۷ ج ۲)

جو لوگ سودی کاغذات لکھتے ہیں اسکی فائلیں بنا کر رکھتے ہیں سودی لین دین کی فرموں اور کمپنیوں اور بینکوں میں کام کرتے ہیں اور جو سود لیتے ہیں اور سود دیتے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کر لیں کہ لعنت کے کام میں مشغول ہیں۔ گناہ کی مدد بھی حرام ہے اور جس نوکری میں گناہ کرنا پڑے وہ بھی حرام ہے اور اسکی تنخواہ بھی حرام ہے۔ سود کا لین دین کرنے والوں اور زیادہ آمدنی کی خواہش رکھنے والوں کو مفتیوں کی بات ناگوار تو لگتی ہے مگر حق تو کہنا ہی پڑتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود کا ایک درہم جو انسان کھا لے اور وہ جانتا ہو کہ یہ سود کا ہے تو یہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (رواہ احمد والدارقطنی مشکوٰۃ ص ۲۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سود کے ستر حصے ہیں اُن میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ برا کام کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۶)

بیع کی حلت اور سود کی حرمت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: فَمَنْ جَاءَهُ مَوْ عِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ کہ جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی سو جو کچھ گزر چکا وہ اسی کے لئے ہے یعنی اب تک جو سود لیا اس پر مؤاخذہ نہ ہوگا قال النبی فی مدارک التنزیل (ص ۱۳۸ ج ۱) فلا یؤاخذ بما مضی منه لانه اخذ قبل نزول التحريم۔ یعنی گزشتہ عمل پر اس کا مؤاخذہ نہ ہوگا کیونکہ اس نے حرمت نازل ہونے سے پہلے لیا ہے صاحب روح المعانی (ص ۵۱ ج ۳) لکھتے ہیں کہ یہ سود واپس نہ کروایا جائے گا کیونکہ حرمت نازل ہونے سے پہلے حرمت کا قانون نافذ نہیں تھا۔ لہذا معاف کر دیا گیا۔ پھر فرمایا: وَ اَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ۔ کی نصیحت اور موعظت کے بعد جس نے توبہ کر لی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اگر سچے دل سے توبہ کی ہے تو اللہ کے یہاں قبول ہوگی۔ اور جھوٹی توبہ کی ہے تو نفع نہیں دے گی ظاہری توبہ کے بعد بندوں کو بدگمانی کا کوئی موقع نہیں۔ اور جس نے پہلی بات کی طرف عود کیا یعنی سود کو حلال بنایا اور یوں کہا کہ وہ تو بیع کی طرح سے ہے تو ایسا کہنے والے دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ تفسیر مدارک و روح المعانی کی تصریح سے معلوم ہوا کہ فَلَهُ مَا سَلَفَ نزول تحریم سے پہلے جو سود لیا تھا اس سے متعلق ہے۔ بعد تحریم کے جو شخص سود لے گا وہ واپس ہوگا۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُزِيهِ الصَّدَقَاتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۳۸﴾

اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو اور اللہ دوست نہیں رکھتا کسی کفر کرنے والے گناہ کرنے والے کو

صدقات کی برکات اور سود کی بربادی

تفسیر: سود خوروں کی مذمت بیان فرمانے کے بعد اس آیت شریفہ میں سود اور صدقات کے درمیان ایک فرق عظیم بتایا ہے اور وہ یہ کہ صدقات کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے اور سود کے مال کو بے برکت کر دیتا ہے اور اس کو برباد اور تلف فرما دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سود اگرچہ بہت ہو جائے اس کا انجام کمی کی طرف ہو جائے گا۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان واحکم المانی مشکوٰۃ ص ۲۳۶)

دنیا میں سودی مالوں کی بے برکتی تو سب کی نظروں کے سامنے ہے سود خور ہمیشہ ایک کے دس کرنے ہی کے فکر میں رہتا ہے۔ اور پیسہ ہی اسکی زندگی بن جاتا ہے۔ خدائے پاک کی رضا کے لئے کوئی کام کرے اس سے تو اس کا ذہن فارغ ہی رہتا ہے اس میں بے رحمی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ حاجت مند کی حاجت دیکھتا ہے اور اسکی مجبوری سے مال حاصل کرنے کا راستہ نکالتا ہے اور مجبور اور بے کس کو سود پر قرض دے دیتا ہے اور خیر کے کاموں میں اس کا مال خرچ ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ پھر سود سے جو مال جمع ہوتا ہے اس سے اسباب معیشت تو جمع ہو جاتے ہیں لیکن سکون و اطمینان سلب ہو جاتا ہے۔ اسباب راحت ہیں۔ راحت نہیں پھر یہ سودی اموال ہلاک ہو جاتے ہیں مالوں سے بھرے ہوئے جہاز ڈوب جاتے ہیں اور بنک دیوالیے ہوتے رہتے ہیں یہ سب باتیں نظروں کے سامنے ہیں اگر کسی سود خور کا مال دنیا میں ہلاک اور برباد نہ ہوا تو آخرت میں تو یہ مال بالکل ہی کام نہ دیگا۔ بربادی ہوگی۔ وہاں نہ مال ہوگا نہ مال سے فائدہ۔ اور حرام مال دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ بنے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص حرام

مال کا کر صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور جو کچھ اس میں سے خرچ کرے گا تو اس میں برکت نہ ہوگی۔ اور اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کے لئے دوزخ کی آگ میں لیجانے والا توشہ بنے گا۔ (رواہ احمد کما فی مشکوٰۃ ص ۲۳۲)

پھر جو حرام مال آل و اولاد پر زندگی میں خرچ ہوتا ہے اور جو موت کے بعد ان کو پہنچے گا اور ان پر خرچ ہوگا وہ ان کے لئے بھی وبال ہوگا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو گوشت حرام سے بڑھا ہو جنت میں داخل نہ ہوگا اور جو گوشت حرام سے بڑھا دوزخ کی آگ اس کی زیادہ مستحق ہوگی (احمد و دارمی مشکوٰۃ ص ۲۳۲) اس مال کی کثرت کس کام کی جو صاحب مال کے لئے اور اسکی آل و اولاد کے لئے دوزخ میں جانے کا ذریعہ بنے اور دنیا میں بے برکت ہو اور اسکی وجہ سے آرام اور چین مفقود ہو بخلاف حلال مال کے وہ خواہ تھوڑا ہی ہو اس میں برکت ہوتی ہے۔ اس میں سے جو صدقہ کر دیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوتا ہے اور تھوڑا مال بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے تو بہت زیادہ چندر چند مضاعف کر دیا جاتا ہے جس کا بے انتہا ثواب آخرت میں ملے گا۔

پھر فرمایا واللہ لا یحب کل کفار ائیم یعنی جو شخص سود کی حرمت کا قائل نہ ہو اس کو حلال سمجھے اور کفر اختیار کرے اور سود کھا کھا کر خدائے پاک کی نافرمانی کرے اللہ تعالیٰ کو ایسا شخص پسند نہیں ہے وہ شخص اللہ کا مبغوض ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی سو ان کیلئے

أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸۸﴾

ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس نہ وہ خوفزدہ ہوں گے اور نہ غمگین ہوں گے

مومنوں نمازیوں اور زکوٰۃ دینے والوں کا اجر و ثواب

تفسیر: ابھی سود کے بارے میں بعض احکام کا بیان باقی ہے۔ درمیان میں اہل ایمان کی فضیلت اور ان کا اجر و ثواب بیان فرمادیا اور ان کے بعض اعمال خاصہ کا تذکرہ فرمایا یعنی نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور فرمایا کہ یہ روز قیامت ان لوگوں پر کوئی خوف نہ ہو گا اور رنجیدہ نہ ہوں گے برخلاف سود لینے والوں کے کہ وہ وہاں دیوانوں کی طرح کھڑے ہوں گے غیور الحواس ہوں گے۔ اموال دنیا میں چھوڑ چکے ہوں گے اور وہاں ان اموال کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے کی وجہ سے عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ اول تو مال حرام والے نیک کاموں میں پیسے خرچ کرتے ہی نہیں اور اگر خرچ کر بھی دیں تو آخرت میں ان کا کچھ اجر نہیں نمازیوں اور زکوٰۃ اور صدقات والے وہاں آرام اور چین سے ہوں گے کوئی خوف ان کو لاحق نہ ہوگا اور سود خواروں کا برا حال ہوگا جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۳۸۹﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ

اپس اگر تم نہ کرو تو جنگ کا اعلان سن لو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے اصل

أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۳۸﴾

مال ہیں نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا

سودخوروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ

تفسیر: اس آیت کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے علماء تفسیر نے نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف کے چار آدمی جو آپس میں بھائی بھائی تھے بنی مغیرہ سے سود کا معاملہ کرتے تھے یعنی بنی مغیرہ کو سود پر قرض دیتے تھے۔ جب طائف پر رسول اللہ ﷺ کا غلبہ ہو گیا (اور طائف اسلامی علاقہ میں داخل ہو گیا) تو یہ چاروں بھائی بھی مسلمان ہو گئے انہوں نے بنی مغیرہ سے اپنا سود طلب کیا تو بنی مغیرہ نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم اسلام قبول کرنے کے بعد سود نہیں دیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ختم فرمادیا ہے۔ یہ قضیہ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا جو مکہ معظمہ پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عامل یعنی حاکم تھے۔ انہوں نے پورا واقعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی، سودی مال بہت زیادہ تھا۔ آیت شریفہ سن کر ان لوگوں نے اپنا سود چھوڑ دیا۔ آیت شریفہ میں باقی سود چھوڑنے کا حکم فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ تم اصلی مال لے سکتے ہو نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر تم سود چھوڑنے کو تیار نہیں ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو یہ بات سکران لوگوں نے کہا کہ ہمیں اللہ کے مقابلہ کی کہاں طاقت ہے؟ کس کے بس کی بات ہے جو اللہ سے جنگ کرے؟ ہم اپنا سود چھوڑتے ہیں۔

آیت کا سبب نزول ہم نے اس لئے ذکر کیا کہ کوئی ایسا شخص جو مسلمان ہے اور اس نے سود پر قرضے دے رکھے ہیں اور بہت سے سود وصول بھی کر رکھے ہیں وہ یہ آیت کا مطلب یہ نہ نکال لے کہ جو سود میں نے اب تک لیا ہے وہ میرے لئے حلال ہے باقی سود چھوڑ دیتا ہوں اور اصل مال لے لیتا ہوں، آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن لوگوں نے زمانہ کفر میں سود پر قرضے دیئے تھے اور بہت سا سود قرضداروں سے وصول کر چکے تھے وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی باقی سود وصول کرنا چاہتے تھے ان کو حکم فرمایا کہ جو سود باقی ہے اس کو چھوڑ دو۔ جو کوئی مسلمان سود پر قرضے دے کر سود وصول کر چکا ہو اس کا حکم اس میں مذکور نہیں ہے۔ اگر کسی مسلمان نے سود لیا ہے اگرچہ سود دینے والے نے خوشی سے دیا ہے تو اس کا واپس دینا واجب ہے اگر یاد نہ رہا ہو کہ کس کس سے لیا ہے تو جتنا مال سود کا وصول کیا تھا اس کا صدقہ کر دینا واجب ہے جن لوگوں نے سود پر قرضے دے رکھے ہیں وہ توبہ کریں کہ سود وصول نہ کریں گے اگر توبہ نہیں کرتے تو اپنا انجام سوچ لیں کیونکہ سود لینا اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنا ہے اور اسکی گرفت و عذاب سے نڈر ہو جانا ہے جو اموال سود کے طور پر لے چکے ہیں ان کو واپس کریں جن سے سود لیا ہے البتہ اپنا اصل مال وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ سود لے کر ظلم نہ کریں اور جن لوگوں پر قرضے ہیں وہ اصل مال روک کر قرض دینے والوں پر ظلم نہ کریں۔

بنکوں میں جو رقمیں رکھتے ہیں اور ان پر سود لیتے ہیں یہ سخت حرام ہے اگرچہ اس کا نام نفع رکھ لیں۔ توبہ کریں اور وہاں سے اپنا اصلی مال لے لیں نام رکھنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی اور سود کا نام نفع رکھنے سے نفع نہیں ہو جاتا جو لوگ سود کا نام نفع رکھ لیتے ہیں اور پھر سود لیتے رہتے ہیں۔ ان کا قول انہی لوگوں کے قول کے مطابق ہو جاتا ہے اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبُو کہا تھا۔ اللہ پاک نے اُنکی تردید فرمائی اور اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبُو فرمایا جب کسی چیز کا رواج ہو جاتا ہے وہ خواہ کیسی ہی بری چیز ہو اسکی قباحت اور شناعیت دلوں سے اٹھ جاتی ہے۔ جب سے بنکوں کا سلسلہ چلا ہے لوگ بنکوں سے سود لینے کے

خوگر ہو گئے ہیں اور اسکی قباحت دلوں سے جاتی رہی ہے اور سود کو حلال کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ صاحب بنک والے ہمارے پیسوں سے تجارت کرتے ہیں نفع کماتے ہیں ہمیں بھی انہوں نے اگر نفع میں شریک کر لیا تو کیا ہوا؟ یہ انکی جہالت و گمراہی کی بات ہے۔ وہ بنک تجارت تو کرتا ہے اور تمہارے پیسوں سے کرتا ہے لیکن تم نے بنک کو مال مضاربہ کے اصول پر نہیں دیا، تمہیں فی صد ایک متعین رقم مل جاتی ہے۔ شرعی اصول سے یہ سود ہے باتوں کی ہیرا پھیری سے سود حلال نہ ہوگا۔

فائدہ: جو شخص سود نہ چھوڑے اس کے لئے اللہ پاک نے اپنی طرف سے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ فرمایا اس طرح کا مضمون ان لوگوں کے بارے میں بھی آیا ہے جو اللہ کے دوستوں سے دشمنی کریں صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ (کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی کرے تو اسے میں جنگ کا اعلان کرتا ہوں) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ مَنْ عَادَى اللَّهَ وَلِيًّا فَقَدْ آذَى اللَّهَ بِالْمَحَارَبَةِ (مٹھکوة المصابیح ص ۳۵۵ از ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان) یعنی جس نے اللہ کے کسی ولی سے دشمنی کی وہ اللہ سے جنگ کرنے کے لئے میدان میں آ گیا۔ شرح حدیث نے لکھا ہے کہ یہی دو گناہ ایسے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان کا ارتکاب کرنے والوں کو اعلان جنگ کرتا ہوں اور یہ دونوں گناہ ایسے ہیں جو آجکل بہت زیادہ رواج پا گئے ہیں۔ سود کا لین دین بھی بہت ہو رہا ہے۔ اور جو اولیاء اللہ ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ عبادت و تلاوت میں لگے رہتے ہیں قرآن و حدیث کے علوم پڑھتے ہیں۔ دینی علوم و اعمال کی طرف نکالتے ہیں دین کے لئے محنتیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے دشمنی کی جاتی ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے امیدوار بھی ہیں جس سے لڑائی ہے اس سے امید رحمت کیسی نا سچی کی بات ہے۔

وَلَاِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مٰیسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینا ہے آسودہ ہو جانے تک اور یہ بات کہ تم صدقہ کر دو تمہارے لئے بہتر ہے اگر

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاَتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ

تم جانتے ہو اور ڈرو تم اس دن سے جس میں لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر ہر جان کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ

مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

اس نے کسب کیا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا

تنگ دست قرضدار کو مہلت دینا

تفسیر: اس آیت میں تنگ دست قرضدار کو مہلت دینے کی ترغیب دی ہے کہ جب تک مال میسر نہ ہوا سو کو مہلت دیدو اور یہ بھی فرمایا اگر اس پر صدقہ کر دو یعنی اپنا قرض بالکل ہی معاف کر دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ سود خوروں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ ادھار کی وجہ سے اصل مال پر زائد رقم لیتے ہیں اور جب قرضدار وقت پر ادانہ کر سکے تو دل سے خوش ہوتے ہیں اور سود کی رقم کو اصل کے ساتھ ملا کر مزید سود لگا دیتے ہیں اللہ جل شانہ نے اس کے برخلاف حکم دیا کہ اول تو اصل رقم سے زائد نہ ٹھہراؤ (غریب کی حاجت پوری کرنے کے لئے قرض دے دو) پھر جب دیکھو کہ باوجود مقررہ اجل پورا ہونے کے وہ ادائیگی پر قاصر نہیں تو اس کو

مہلت دیدو اور اگر بالکل معاف ہی کر دو تو یہ اور زیادہ بہتر ہے۔ معاف کرنے کو صدقہ سے تعبیر فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح صدقہ دینے سے مال بڑھتا ہے اور مال میں برکت ہے اسی طرح قرضدار کو قرضہ معاف کر دینے میں بھی وہی برکات حاصل ہوں گی جو صدقہ دینے کی برکات ہیں۔ تنگ دست قرضدار کو مہلت دے دینے اور قرضہ معاف کر دینے کی احادیث شریفہ میں بڑی فضیلت آئی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک تاجر لوگوں سے قرضوں کا لین دین کیا کرتا تھا قرضے وصول کرنے پر جو غلام اس نے مقرر کر رکھے تھے ان سے کہتا تھا کہ جب کسی تنگ دست کے پاس پہنچو تو اس سے درگزر کر دینا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بھی درگزر فرمائے گا۔ چنانچہ موت کے بعد جب وہ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوا تو خداوند تعالیٰ شلنہ نے اس سے درگزر فرما دیا۔ (رواہ البخاری ص ۲۷۹ ج ۲ و مسلم ص ۱۸ ج ۲)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کو اس بات کی خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی بے چینیوں سے نجات دے تو تنگ دست (قرضدار) کو مہلت دیدے یا معاف کر دے۔ (رواہ مسلم ص ۱۸ ج ۲)

حضرت ابوالسیر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دے دی یا قرضہ معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اُسے (قیامت کے دن) اپنے سایہ میں رکھے گا۔ (رواہ مسلم ص ۲۶۶ ج ۲)

قرض دینا بھی ایک طرح کا صدقہ ہے اگرچہ بعد میں وصول ہو جائے اور مہلت دینا بھی صدقہ کرنے میں شامل ہے تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ مسند احمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دیدی تو اس کو روزانہ اسی قدر صدقہ دینے کا ثواب ہوگا۔ جتنا قرض اُس نے کسی کو دیا ہے یہ ثواب ادائیگی کا مقررہ وقت آنے سے پہلے ملتا ہے پھر مقررہ وقت آنے کے بعد مہلت دے تو روزانہ اتنے مال کا دو گنا صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے جتنا اس نے قرض دیا ہے۔ (ص ۱۳۱ ج ۱)

آخر میں ارشاد فرمایا ہے: **وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ** الآیۃ سود اور قرض سے متعلق احکام بیان فرمانے کے بعد قیامت کے دن کی حاضری کی طرف متوجہ فرمایا اور یوم الحساب کی حاضری کا مراقبہ کرنے کا حکم دیا جس دن ہر شخص اپنے پورے پورے اعمال کی فہرست پر مطلع ہوگا اور اپنے کئے ہوئے کا بدلہ ملے گا جسے فکر آخرت ہو موت کے بعد کے حالات کا یقین ہو اور بارگاہِ خداوندی میں اعمال کا حساب دینے کا استحضار ہو وہاں کی نجات اور اجر و ثواب کے لئے ہر طرح کے حرام مال کو بے سانی چھوڑ سکتا ہے اور اس کے لئے نفس کو راضی کر سکتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوا وَلْيَكْتُبَ

اے ایمان والو! جب تم مقررہ مدت تک اُدھا ریلینے دینے کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہئے کہ جو شخص تمہارے

بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ

درمیان لکھنے والا ہو وہ انصاف کے ساتھ لکھے اور کوئی لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے۔ سو چاہئے کہ لکھ دیا

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسَ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ

کرنے اور جس کے اُدھر حق ہے اسے چاہئے کہ لکھوادے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے سوا اگر

الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمِلْ

وہ شخص کم سمجھ ہو جس پر حق ہے یا ضعیف ہو یا املا کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی

وَلِيَّهُ بِالْعَدْلِ ۖ وَأَسْتَشْهِدُ وَاشْهَيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا

انصاف کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنا لیا کرو پس اگر

رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَيْنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا

دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو تاکہ ان دو عورتوں میں سے اگر ایک بھٹک جائے

فَتَذْكُرَ إِحْدَاهُمَا الْآخَرَى ۖ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْمَعُوا أَنْ

تو ایک دوسری کو یاد دلا دے اور نہ انکار کریں گواہ جب ان کو بلایا جائے اور قرض کے معاملہ میں لکھنے سے مت استکبار

تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ

چھوٹا ہو یا بڑا ہو اسکی مدت مقررہ تک یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والی ہے

لِلشَّهَادَةِ وَأَذْنَىٰ الْآلِ تَرْتَابًا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا

اور اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی تجارت ہو جس میں لینا دینا دست بدست ہو جس کا تم آپس میں معاملہ کر

بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۚ وَأَشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَ

رہے ہو سو تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ لکھا پڑھی نہ کرو اور گواہ بنالیا کرو جب کہ تم آپس میں خرید و فروخت کا معاملہ کرو اور نہ ضرر دیا جائے

كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ

کاتب کو اور نہ گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو تو بلا شبہ اس میں گناہ گاری ہے تمہارے لئے اور اللہ سے ڈرو اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔

اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے

مدائنت اور کتابت اور شہادت کے ضروری مسائل

تفسیر: یہ کلمات اور حروف کے اعتبار سے قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت ہے جو متعدد احکام پر مشتمل ہے۔

شروع آیت میں فرمایا کہ جب تم آپس میں قرض کا لین دین کرو جس کی میعاد مقرر ہو تو اسے لکھ لیا کرو۔ اس سے ایک تو قرض کے لین دین کا جواز معلوم ہوا۔ دوسرے اس بات کا تاکید حکم معلوم ہوا کہ قرض کے لین دین کو لکھ لیا کرو۔ اس لکھنے میں قرض کی مقدار بھی آجائے اور جس وقت اداء کرنا طے کیا ہو وہ وقت تحریری طور پر متعین ہو جائے گا۔ دونوں باتیں مفید ہوں گی۔ کیونکہ خدا نخواستہ آپس میں کوئی

اختلاف ہو گیا تو تحریر سامنے ہوگی جس سے اختلاف رفع ہو جائے گا۔ لفظ اَجَلَ کے ساتھ جو مستثنیٰ بڑھایا ہے اس میں یہ بتایا کہ ادائیگی کا وقت اس طرح مقرر کریں جسے واقعی مقررہ وقت کہا جاسکے۔ مثلاً کسی مہینہ کی تاریخ مقرر کر دیں اگر یوں کہا کہ جب میرا باغ کپے گا تو دس دنوں کا یا کھیت کئے گا تو دس دنوں کا یا میرا بیابا پ سفر سے آئے گا تو ادا کر دوں گا تو یہ اجل مستثنیٰ نہیں ہے۔

قرض کے لین دین کے لکھنے کا تاکید حکم فرمایا ہے علماء کرام نے اس کو فرض یا واجب پر محمول نہیں کیا بلکہ یہ ایک مستحب عمل ہے اور استحباب مؤکد ہے تاکہ کوئی اختلاف واقع ہو جائے یا بھول چوک ہو جائے تو تحریر کے ذریعہ رفع ہو سکے۔ جہاں دین (قرض) کی لکھا پڑھی کا حکم ہوا اسی کے ساتھ ان لوگوں کو بھی پابند کیا جو لکھنا جانتے ہیں کہ انصاف کے ساتھ لکھیں کچھ رد و بدل نہ کر دیں اور یہ بھی فرمایا کہ جو لکھنا جانتا ہو وہ اللہ کی نعمت کی قدر دانی کرے اللہ نے اسے کتابت کی نعمت دی ہے اور لکھنے کے لائق بنایا ہے تو اللہ کی مخلوق کے کام آئے اور جب اس سے لکھنے کے لئے کہا جائے تو لکھ دیا کرے۔

پھر فرمایا: وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ یعنی جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ ادا کرے اور کاتب کو بتائے کہ یہ لکھو اور عبارت لکھوانے میں اللہ سے ڈرے صحیح بات لکھوائے پورا حق لکھوائے حق واجب میں سے ذرا سی کمی بھی نہ کرے۔ تحریر کرانے میں اس کو خطاب فرمایا جس پر حق ہے کیونکہ جس پر حق ہے اس کا لکھوانا ایک قسم کا اقرار بھی ہے اور چونکہ اسی کو ادا کرنا ہے اس لئے حق واجب سے زیادہ تو لکھوانی نہیں سکتا۔ البتہ صاحب حق کی غفلت یا کم سمجھی یا محاورات نہ جاننے یا کاتبوں کی اصطلاحات نہ سمجھنے کے باعث اصل حق سے کم نہ لکھوادے۔

اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ وہ کم سمجھ اور خفیف العقل ہے یا کسی بھی اعتبار سے ضعیف ہے (جس میں کم سن نابالغ بچہ ہوتا اور بہت زیادہ بوڑھا ہونا بھی شامل ہے جو کاتب تک نہیں پہنچ سکتا یا اس پر خطا و نسیان غالب ہے) یا اطاء کرانے اور لکھوانے پر قدرت نہیں رکھتا (مثلاً غیر ملکی ہے یا گونگا ہے یا بے پڑھا ہے۔ عبارت بنانے اور بولنے پر قدرت نہیں رکھتا یا جو عبارت دستاویز میں لکھی جاتی ہے وہ نہیں جانتا بات کے الٹ پلٹ ہونے کا اندیشہ ہے) تو اس کا ولی (جس کے ذمہ اس کے اعمال و اموال کی دیکھ بھال ہے) انصاف کے ساتھ ادا کر دے کتابت کرانے کے حکم کے ساتھ گواہ بنالینے کا بھی حکم فرمایا اور فرمایا کہ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ جس کا مطلب ہے کہ کتابت کے ساتھ دو گواہ بھی بنالودونوں گواہ مردوں اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے کہ دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالیں عورتیں چونکہ حافظہ کے اعتبار سے اور ادائیگی مفہوم کے اعتبار سے عموماً کمزور ہوتی ہیں اس لئے ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی ہے۔ اس بات کو اَنْ تَقْضِلَ اِحْدَاهُمَا فَتُكْرِ اِحْدَاهُمَا الْاُخْرٰی میں بیان فرمایا کہ ایک عورت بھٹک جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے گی قانون چونکہ عمومی احوال کے اعتبار سے وضع کیا جاتا ہے۔ اس لئے شاذ و نادر احوال اور افراد کو سامنے نہیں رکھا جاتا اس سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ بعض عورتیں بعض مردوں سے زیادہ فہیم ہوتی ہیں اور حافظہ میں بڑھی ہوئی ہوتی ہیں اور بات پیش کرنے کا سلیقہ زیادہ رکھتی ہیں گواہ عاقل بالغ ہوں مسلم ہوں یہ مِنْ رَجَالِكُمْ سے مفہوم ہو رہا ہے اور مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّهَدَاءِ جو فرمایا اس سے واضح ہو رہا ہے کہ گواہ صالح عادل ہونے چاہئیں جن پر بھروسہ ہو اور جن پر دونوں فریق کا اعتماد ہو اور ان میں سے کسی کے بارے میں جانب داری اور غلط بیانی کا احتمال نہ ہو۔

پھر فرمایا: وَلَا يَأْبَ الشَّهَدَاءُ اِذَا مَا دُعُوا کہ جن لوگوں کے سامنے معاملہ ہوا ہے ان کو معاملہ کی صحیح خبر ہے اب جب ضرورت کے وقت ان کو بلایا جائے کہ گواہی دے دو تو ان کو انکار کرنا ناجائز نہیں ہے وہ جا کر حاکم کے یہاں یا جہاں بلائے جائیں جا کر گواہی دیدیں اگر کسی کا حق مارا جاتا ہو اور گواہ کی گواہی سے اس کا حق زندہ ہو سکتا ہو تو گواہوں پر واجب ہے کہ گواہی دیں حق جانتے ہوئے گواہی کو چھپائیں گے تو گناہ گار ہونگے جس کا ذکر آئندہ آیت میں آ رہا ہے بعض مرتبہ

آپس کے اعتماد یا جہم اشغال کی وجہ سے کتابت کرانے میں تنگی محسوس کرتے ہیں اس کے بارے میں تنبیہ فرمائی کہ وَلَا تَسْتَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ کہ چھوٹا قرضہ ہو یا بڑا اس کے لکھنے میں بددلی اختیار نہ کرو یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی چیز ہے اور ٹھیک طرح گواہی کی ادائیگی کے لئے بھی بہت زیادہ قائم رکھنے والی ہے اور اس میں ہر قسم کے شک و شبہ سے بچنے اور دور رہنے کا بھی فائدہ ہے البتہ ایک صورت میں کتابت کرنے کی تاکید نہیں ہے جسے یوں بیان فرمایا: إِلَّا أَنْ تَكُونُ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ لَا تَكْتُبُوَهَا کہ اگر ایسی تجارت ہو جس کا لین دین نقد اسی وقت ہو رہا ہو اسکی اگر لکھا پڑھی نہ کی تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ لفظ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں نہ لکھنے کی اجازت تو ہے لیکن اگر لکھ لیا تو وہ بھی کوئی ممنوع چیز نہیں ہے جیسا کہ دور حاضر میں مال خریدتے وقت کیش میونفد کاٹ کر دے دیتے ہیں اور اس میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جس کا نام کیش میو میں لکھ دیا گیا ہو اس پر خوردگان دار جس سے خریدے یا دوسرا شخص غصب کرنے یا چرانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا: وَإِذَا تَبَايَعْتُمْ (اور جب تم خرید و فروخت کا معاملہ کرو تو گواہ بنالیا کرو) گواہ بنانے میں بہت سے فائدے ہیں آپس میں کوئی اختلاف ہو جائے گا تو گواہوں کے ذریعہ رفع ہوگا۔ مثلاً فریقین کے دل میں کوئی خیانت کا جذبہ پیدا ہو جائے یا بھول کر کسی بات کا انکار کر دیں مثلاً بیچنے والا کہنے لگے کہ مجھے قیمت وصول نہیں ہوئی (حالانکہ خریدار کا دعویٰ ہے کہ میں قیمت ادا کر چکا ہوں) یا بیچنے والا سرے سے بیع ہی کا انکار کر دے یا یوں کہہ دے کہ میں نے ہر عیب سے برأت کر لی تھی یا خریدار کہنے لگے کہ میں نے خریدائی نہیں یا یوں کہہ دے کہ قیمت تو میں نے دیدی ہے لیکن سامان مجھے نہیں ملا یا یوں کہنے لگے کہ میں نے اپنے لئے واپسی کا اختیار بھی رکھا تھا جسے بائع نے مان لیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ بیع کا معاملہ کرتے وقت اور قیمت لیتے وقت اور مال دیتے وقت گواہ بنانے کی صورت میں اس طرح کے انکار اور نزاع کا دفعیہ ہو سکے گا گواہ ہوں گے تو صحیح بات کی گواہی دے دیں گے بھول اور خیانت سے سب کا دفاع ہو جائے گا۔

پھر فرمایا: وَلَا يُضَارُّ كِتَابَتُ وَلَا شَهِيدٌ۔ (کہ کسی کا تب کو اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے) پہلے کا تب کو حکم دیا کہ انصاف کے ساتھ کتابت کر دے اور لکھنے سے انکار نہ کرے اور اللہ کی اس نعمت کی قدر کرے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا ہے اور گواہوں کو حکم دیا کہ گواہی کو نہ چھپائیں (جیسا کہ آئندہ آیت میں مذکور ہے) کا تب اور گواہ دونوں کو ان سے متعلقہ کام کی تاکید کے ساتھ ان لوگوں کو ہدایت فرمائی جو کتابت سے کتابت کرائیں اور جو گواہوں کو گواہی دینے کے لئے بلائیں کتابت کرانے والے ایسا نہ کریں کہ کتاب کو کسی طرح کوئی تکلیف یا نقصان پہنچائیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کا تب کتابت کرنے پر اجرت مانگے تو اس کو اجرت دے دی جائے اور مفت لکھنے پر مجبور نہ کیا جائے اسی طرح جب گواہ کو بلائیں اور اس کو آنے جانے میں زحمت ہو یا جگہ دور ہو سواری طلب کرنا ہو تو اس کے لئے سواری کا انتظام کر دینا واجب ہے اور جب وہ گواہی دے چکے تو اسے واپس گھر پہنچانے کا بھی انتظام کر دیں ایسا نہ کریں کہ اب تو ہمارا کام نکل ہی گیا ہے اب خیر و خبر کا خیال نہ کیا تو کیا حرج ہے۔ البتہ گواہی دینا چونکہ فرض ہے اس لئے اسکی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ جب سچی گواہی کی اجرت لینا جائز نہیں تو جھوٹی گواہی کی اجرت لینا جس کا عام رواج ہو گیا ہے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

یوں تو ہر مسلمان کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مَوْمِنًا أَوْ مَكْرِبًا (رواہ الترمذی) وہ شخص ملعون ہے جو کسی مومن کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے۔ کا تب اور شہید کو ضرر نہ پہنچانے کی تاکید فرمائی اور مزید تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ کہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے گناہ گار ہونے کی بات ہے۔ آخر میں فرمایا: وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (کہ اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ کا احسان مانو وہ تمہیں احکام کی تعلیم دیتا ہے)

اور وہ چیز جو جانتا ہے) کوئی گناہ صغیر یا کبیرہ کرو گے تو اسے اس کا علم ہوگا دنیا میں کسی کا حق مار لیا کسی کو ضرر پہنچایا یا تکلیف دیدی تو یہ نہ سمجھنا کہ یہ نہیں ختم ہو گیا بلکہ وہ سب محفوظ ہے۔ اللہ کے علم میں ہے۔ یوم آخرت میں پیش ہونے کا یقین رکھو اور وہاں کے مؤاخذہ اور محاسبہ سے ڈرو۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَةً ۚ فَإِنْ أَصْنَعْتُمْ

اور اگر تم سفر میں ہو اور حال یہ ہو کہ نہ پاؤ کسی کاتب کو تو رہن کی چیزیں قبضہ میں دے دی جائیں۔ سو اگر تم میں سے ایک دوسرے پر

بَعْضًا فَلَیْؤَدِّ الَّذِیْ اَوْثَمِنَ اَمَانَتَهُ وَلَیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ ۚ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ

اطمینان کرے تو جس کو امانت دار سمجھا گیا ہے صاحب امانت کو امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو مت چھپاؤ

وَمَنْ یَّکْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اِثْمٌ قَلْبُهُ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِیْمٌ ۝

اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو اُس کا دل گنہگار ہے اور اللہ ان کاموں کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو

رہن کا حکم اور گواہی چھپانے کی مذمت

تفسیر: اس آیت کریمہ میں اول تو رہن کا قانون مشروع فرمایا اور فرمایا کہ تم اگر کہیں سفر میں ہو اور کوئی کاتب معاملہ لکھنے والا نہ ملے تو جس کے ذمہ قرض ہو وہ دوسرے فریق کو اطمینان دلانے کے لئے بطور رہن کے کوئی چیز دیدے جس پر وہ قبضہ کر لے اور اسے اطمینان ہو جائے کہ میرا حق واجب مارا نہیں جائے گا۔

سفر کی قید احترازی نہیں ہے جو لوگ حضر میں یعنی وطن میں ہوتے ہوئے بھی اطمینان کے لئے رہن رکھنے کا معاملہ کر لیں تو یہ بھی صحیح ہے لفظ مقبوضۃ سے معلوم ہوا کہ جب راہن (رہن رکھنے والا) تمہیں (جس کے پاس رہن رکھا جائے) کے قبضہ میں رہن کی چیز دیدے تب اُس پر رہن کے احکام جاری ہوں گے محض زبانی بات چیت کر لینے سے رہن نہیں ہوگا۔

کوئی کاتب بھی نہیں اور گواہ بھی نہیں اور رہن رکھنے کو بھی کوئی چیز نہیں اور اس سب کے باوجود جس کا حق ہے وہ اس شخص پر بھروسہ کرتا ہے جس کے ذمہ قرض ہے اور اُدھار دے دیتا ہے تو جس پر بھروسہ کیا اُس پر لازم ہے کہ امانت کو پوری طرح صحیح طریقہ پر منڈت مقررہ کے مطابق ادا کر دے نفس یا شیطان کے بھانے سے حق مارنے کا ارادہ نہ کرے اور یہ نہ سوچے کہ نہ خیر ہے نہ گواہ ہیں نہ میں نے کوئی چیز رہن رکھی ہے اگر میں مکر ہی جاؤں تو یہ کیا کرے گا؟ یوں تو سب کے حقوق مالیہ ادا کرنا فرض ہے لیکن جس نے اطمینان کیا اور بھروسہ کیا اُس کے حق کی ادائیگی کا فکر کرنا تو اور زیادہ لازم ہے اور شرافت کا یہ ہی تقاضا ہے۔ اگر گواہ یا تحریری سند نہ ہونے کی وجہ سے دنیا

والے صاحب حق کا حق نہ دلا سکیں تو اس سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا۔ سامنے آخرت ہے یوم الحساب ہے اُس دن سب کے حقوق ادا کرنے ہوں گے۔ قاضی روز جزا مل مجہد حساب لے گا اور ذرہ ذرہ کا محاسبہ ہوگا اور اموال کی جگہ اعمال صالحہ دینے ہوں گے اعمال صالحہ نہ ہونے تو حقوق والوں کے گناہ سرڈال دیئے جائیں گے۔ دنیاوی حکام کچھ نہیں کر سکتے تو حکم الحاکمین کو تو سب کچھ معلوم ہے جب وہاں پیشی ہوگی تو چھٹکارے کا کوئی راستہ نہ ہوگا اسی کو ارشاد فرمایا وَلَیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ ۚ کہ اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ پھر فرمایا وَلَا

تَکْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ یَّکْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اِثْمٌ قَلْبُهُ ۚ۔ (یعنی گواہی کو مت چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو اُس کا دل گنہگار ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ گواہی کا چھپانا حرام ہے جب کسی کا کوئی حق مارا جا رہا ہو اور ایک شخص کو معلوم ہے کہ واقعی اس کا حق فلاں شخص پر ہے تو اُس کے لئے یہ حرام ہے کہ گواہی کو چھپائے۔ بشرطیکہ صاحب حق اُس سے درخواست کرے کہ تم چل کر گواہی دیدو اگر وہ درخواست نہ کرے تو گواہی کے لئے جانا واجب نہیں۔ گواہی چھپانے والے کے بارے میں فرمایا

کہ اُس کا دل گنہگار ہے اس میں یہ بتایا کہ گواہی کے لئے نہ جانا صرف اعضا ظاہرہ ہی کا گناہ نہیں دل کا گناہ بھی ہے۔ مسئلہ: شہادت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ البتہ گواہ آمدورفت کا کرایہ لے سکتا ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے حق نہ دینے والا اور گواہی کو چھپانے والا اور ہر شخص اس بات کا یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اور اسکی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ

اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے یا اسکو پوشیدہ رکھو

يُحٰسِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُ مُغِيْغٌ فِرْلَمَنْ يَّشَآءُ وَيُعْذِبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

اللہ اس کا محاسبہ فرمائے گا۔ پھر جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ ہر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَمَنْ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهٖ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ اَمَنْ

چیز پر قادر ہے ایمان لایا رسول اس پر جو اسکی طرف نازل کیا گیا اس کے رب کی طرف سے اور مؤمنین بھی ایمان لائے سب ایمان لائے

بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا تَفْرِقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا

اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اسکی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرٰنَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا يَكْلِفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا

کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا ہم آپ کی بخشش کا سوال کرتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے اللہ نہیں مکلف بناتا کسی جان کو

وَسَعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا

جس کی اے طاعت نہ ہو نہ جان کے لئے وہی ہے جو اس نے کسب کیا اور اس کے اوپر وبال ہے اس کا جو وہ گناہ کرے ہمارے سب ہمارا اغفر نہ فرما اگر ہم بھول جائیں

اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلٰى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا

یا ہم سے چوک ہو جائے۔ اے ہمارے رب اور نہ رکھ ہم پر بھاری بوجھ جیسا کہ آپ نے ان لوگوں پر بھاری بوجھ رکھا جو ہم سے پہلے تھے

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاَعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا

اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا بار نہ ڈالے جس کی ہم کو طاقت نہ ہو اور ہمیں معاف فرما تجھے اور ہماری مغفرت فرما تجھے اور ہم پر رحم فرمائے آپ ہمارے مولیٰ ہیں۔

فَاَنْصُرْنَا عَلٰى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝

سو ہماری مدد فرمائے کافر قوم کے مقابلہ میں

خطا اور نسیان کی معافی اور چند دعاؤں کی تلقین

تفسیر: اعضاء و جوارح کے افعال دو قسم کے ہیں ایک اختیاری اور دوسرے وہ جو بلا اختیار صادر ہوں بلا اختیاری صورت ایسی ہی ہے جیسے رعشہ کی وجہ سے ہاتھ ہر وقت حرکت کرتا ہو جس کو یہ مرض ہو وہ ہاتھ کی حرکت کو روکنے پر قادر نہیں ہوتا۔ یا جیسے سوتے میں

زبان سے کچھ اٹٹی سیدھی بات نکل جائے۔ یہ بھی اختیاری نہیں ہے۔ امور غیر اختیاری پر گرفت نہیں ہے۔ جزاء سزا امور اختیاریہ سے متعلق ہے۔ کسی کا بچہ فوت ہو گیا اس کو بے اختیار رونا آ گیا تو اس پر کوئی گرفت نہیں لیکن اگر زبان سے ایسے کلمات نکال دیئے جن سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوتا ہو تو ایسے کلمات کفریہ کلمات کے دائرہ میں آ جاتے ہیں اور ان پر عذاب اور عتاب ہے۔

اسی طرح قلب کے اعمال بھی دو طرح کے ہوتے ہیں جو خیالات اور وسوسے غیر اختیاری طور پر آ جائیں ان پر گرفت نہیں اور اپنے اختیار سے جو بات دل میں جمائے کفر کی بات ہو یا فسق کی تو اس پر گرفت ہے۔ کینہ، حسد، کسی گناہ کے کرنے کا پختہ عزم، کسی کو نقصان پہنچانے کا مضبوط ارادہ یہ سب گرفت کی چیزیں ہیں اور محض دوسرے اور خیال پر کوئی مؤاخذہ نہیں آیت بالا میں اول تو یہ فرمایا کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے سب کچھ اسکی مخلوق بھی ہے اور ملکوک بھی ہے اُسے اپنی مخلوق کے بارے میں پورا پورا اختیار ہے ان کے اعمال و افعال کے بارے میں تکوینی یا تشریحی طور پر جو بھی حکم فرما دے اُسے کوئی روکنے والا نہیں اُس کے بعد افعال قلبیہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے اُسے ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ اُس کا محاسبہ فرمائے گا۔ ان افعال قلبیہ میں جو لائق مواخذہ ہوں گے جس کے لئے چاہے معاف فرما دے گا اور جس کو چاہے گاعذاب دے گا البتہ کفر و شرک کی کبھی بخشش نہ ہوگی جیسا کہ دوسری آیت میں اسکی تصریح ہے اخیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ سب کا حساب لے سکتا ہے بخش بھی سکتا ہے۔ اور عذاب بھی دے سکتا ہے۔

آیت میں بظاہر اختیاری اور غیر اختیاری کی تفصیل نہیں ہے۔ اس لئے مضمون آیت پر مطلع ہو کر حضرات صحابہ کرامؓ بہت پریشان ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اب تک تو ہمیں ان اعمال کا حکم تھا جنہیں ہم کر سکتے ہیں یعنی نماز اور روزہ، جہاد اور صدقہ اور اب یہ آیت نازل ہوئی ہے اس پر عمل کرنے کی تو ہمیں طاقت نہیں (کیونکہ بلا اختیار وسوسے آ جاتے ہیں اگر ان پر بھی پکڑ ہوئی تو ہمارا کیا بنے گا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم بھی وہ ہی کہنا چاہتے ہو جو اہل کتاب یعنی توریت و انجیل والوں نے کہا ان کے پاس احکام آئے تو کہنے لگے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (کہ ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں) تم یوں کہو سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ (ہم نے سنا اور مان لیا، اے ہمارے رب ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف جانا ہے) حضرات صحابہ دل اور زبان سے مان گئے اور بار بار ان کلمات کو دہرایا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے بعد والی آیتیں آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ آخر سورت تک نازل فرمائیں۔ جن میں اپنے رسول ﷺ کی اور مؤمن بندوں کی تعریف فرمائی اور انہوں نے بخوشی جو سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ کہا تھا قبولیت کے انداز میں نقل فرمایا اور حکم سابق کو جس میں بظاہر عموم تھا منسوخ فرمادیا اور بالتصریح فرمادیا کہ لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (کہ اللہ تعالیٰ کسی جان کو ایسے کام کا مکلف نہیں بناتا جو اُس کے بس میں نہ ہو) (صحیح مسلم ص ۷۷ ج ۱)

بعض حضرات نے اس پر اشکال کیا ہے کہ اخبار میں نسخ نہیں ہوتا اس کو نسخ سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟ درحقیقت یہ نسخ بالمعنی اُلْحَقَ نہیں ہے۔ بلکہ ایضاح مجمل کو نسخ سے تعبیر فرمادیا ہے نسخ کے قول سے احتراز کرنے کے لئے بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کا تعلق سابق آیت سے ہے جس میں کتمان شہادت کا ذکر ہے مطلب یہ ہے کہ عمل ظاہری طور پر کرو گے یا پوشیدہ طور پر اللہ تعالیٰ اس کا حساب فرمائے گا۔ یعنی مؤاخذہ فرمائے گا۔ صاحب معالم التذلل لکھتے ہیں کہ حضرت قحطی اور حضرت عکرمہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اس قول کو لیا جائے تو نسخ لازم نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے ساتھ ہی لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اکْتَسَبَتْ بھی فرمایا ہے پہلے جملہ میں یہ بتایا ہے افعال غیر اختیاریہ پر مؤاخذہ نہیں ہے اور دوسرے دونوں جملوں میں یہ بتایا کہ جو اچھا عمل اپنے اختیار سے کرو گے اُس پر اجر ملے گا۔ اور جو کوئی کام ایسا کرو گے جس کی ممانعت ہے تو وہ وبال جان ہوگا اور اُس پر مؤاخذہ اور محاسبہ کا قانون جاری ہوگا۔

یہ عموم افعال قلبیہ کو بھی شامل ہو گیا جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا کہ: وَلَیْکُنْ یُؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبْتُمْ قُلُوبُکُمْ (لیکن اللہ تمہارا مؤاخذہ فرمائے گا اُن چیزوں پر جنہیں تمہارے قلب نے کسب کیا) اور سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: اِنَّ

السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا) آیت کی تفسیر میں جو اعمال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کی تفصیل لکھی ہے اور جو صحابہ کے فکر مند ہونے پر لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے ذریعہ عموم الفاظ سے مفہوم ہونے والے مضمون کا منسوخ ہونا مذکور ہوا اس سے واضح

طور پر معلوم ہو گیا کہ بلا اختیار جو سو سے آجاتے ہیں اُن پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے اُن چیزوں کے بارے میں درگزر فرمادیا ہے جو اُن کے نفوس میں آجائیں جب تک کہ اُن پر عمل نہ کریں یا زبان سے نہ کہیں۔ (صحیح مسلم ص ۵۷ ج ۱)

انسان کے دل میں بہت سے خطرات گزرتے ہیں اور سو سے آتے ہیں۔ بُرے بُرے خیالات کا ہجوم ہوتا ہے شیطان وسوسے ڈالتا رہتا ہے چونکہ یہ چیزیں اختیاری نہیں ہیں اس لئے ان پر گرفت نہیں ہے۔ لہذا ان سے پریشان بھی نہ ہوں اور فکر میں بھی نہ پڑیں۔ ہاں اگر برائی کا کوئی وسوسہ آیا پھر اس پر عمل کر لیا یا اپنے اختیار سے زبان سے کوئی برا کلمہ نکال دیا تو اس پر مؤاخذہ ہوگا کیونکہ یہ چیزیں دائرہ اختیار میں آگئیں۔ جو لوگ بکے مومن ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں ایسے وسوسوں کا آنا ہی خالص مومن ہونے کی دلیل ہے۔ صحیح مسلم (ص ۹۷ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم اپنے نفوس میں ایسی بات محسوس کرتے ہیں کہ جس کو زبان پر لانا بھاری معلوم ہوتا ہے آپ نے یہ سن کر سوال فرمایا کیا واقعی

تم نے ایسا محسوس کیا ہے؟ عرض کیا ہاں محسوس کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خالص ایمان ہے۔ سنن ابوداؤد (ص ۳۳۱ ج ۲)

میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس نے عرض کیا میں اپنے نفس میں ایک چیز محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اُسے زبان سے نکالنے کی بہ نسبت کوئلہ ہو جانا زیادہ محبوب ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا اللہ اکبر! اللہ اکبر! پھر فرمایا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے شیطان کی شرارت کو وسوسہ تک ہی رہنے دیا (اگر دل سے مومن نہ ہوتے تو اس بات کو برا کیوں جانتے اور زبان پر لانے کو کیوں بھاری چیز سمجھتے یہ بھاری سمجھنا اور کوئلہ ہو جانے کو محبوب جاننا سراسر ایمان ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان تمہارے پاس آئے گا پھر کہے گا کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی فلاں چیز کس نے پیدا کی اس طرح کے کئی سوال کرتے ہوئے یوں کہے گا کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا سو جب تم میں سے کسی شخص کے ساتھ اس طرح کی صورت حال پیش آجائے تو اللہ کی پناہ مانگے اور وہیں رک جائے (وسوسہ کو اور سوال و جواب کو آگے نہ بڑھائے) دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ برابر آپس میں طرح طرح کے سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یہ بھی سوال کریں گے یہ (جو کچھ موجود ہے)

اللہ کی مخلوق ہے اسے اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جو کوئی شخص ایسے سوالات میں سے کوئی چیز (اپنے اندر) محسوس کرے تو اَمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُلِهِ (میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا) کہہ دے (ایضاً)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کے سو سے آنے پر پڑھنے کے لئے یہ بتایا اللہ اَحَدُ اللہ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَہُ کُفُوًا اَحَدٌ۔ اور فرمایا اس کے بعد بائیں طرف کو تین بار تھوک دے اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھ لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹)

پھر اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں کو دعا تلقین فرمائی کہ اس طرح دعا مانگا کریں جو متعدد جملوں پر مشتمل ہے اور ان میں متعدد دعائیں ہیں پہلے یہ دعا بتائی: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا (اے ہمارے رب ہماری گرفت نہ فرما۔ اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے چوک ہو جائے) صاحب جلالین فرماتے ہیں کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ خطا اور نسیان پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ لہذا یہ سوال کرنا اللہ تعالیٰ شانہ کی اس نعمت کا اقرار کرنا ہے کہ اُس نے بھول اور خطا پر مواخذہ نہیں رکھا، خطا اُردو کے محاورہ میں گناہ کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں وہ معنی مراد نہیں ہیں بلکہ خطا سے وہ عمل مراد ہے جو بلا ارادہ

صادر ہو جائے۔ یاد رہے کہ مؤاخذہ ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور خطا و نسیان سے بعض احکام کا متعلق ہونا دوسری بات ہے۔ خطا اور نسیان کے بارے میں جو بعض احکام ہیں عدم مؤاخذہ فی الآخرة سے اُن احکام کی نفی نہیں ہوتی مثلاً نماز میں بھول کر کوئی شخص بول پڑا تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر خطا کسی مؤمن کو قتل کر دیا تو دیت اور کفارہ واجب ہوگا۔

پھر ایک اور دعاء تلقین فرمائی اور وہ یہ ہے: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهُ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا اس میں ارشاد فرمایا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کرو کہ اے ہمارے رب ہم پر بھاری احکام کا بوجھ نہ رکھ جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں یعنی بنی اسرائیل پر رکھا تھا مثلاً توبہ قبول ہونے کے لئے اپنی جان کو قتل کرنا مشروط تھا اور زکوٰۃ میں چوتھائی مال نکالنا فرض تھا اور کپڑا دھو کر پاک نہیں ہو سکتا تھا اس کے لئے نجاست کی جگہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا اور جب کوئی شخص چھپ کر رات کو گناہ کرتا تھا تو صبح کو اُس کے دروازے پر لکھا ہوا ہوتا تھا کہ اس نے فلاں گناہ کیا ہے اور بعض طیبات اُن پر حرام کر دی گئی تھیں۔

کَمَا قَالَ تَعَالٰی حَرَمْنَا عَلَیْہِمُ طَیِّبَاتٍ اٰحَلَّتْ لَہُمْ وَقَالَ تَعَالٰی وَعَلٰی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَمْنَا کُلَّ ذِیْ ظُلْمٍ (الآیہ) اور نماز پڑھنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ مسجد ہی میں نماز پڑھے اور مال غنیمت اُن لوگوں کے لئے حلال نہیں تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے اُمت محمدیہ کیلئے آسانی فرمائی اور مشکل احکام مشروع نہیں فرمائے جو بنی اسرائیل پر فرض تھے۔ سورہ اعراف میں رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: يُحِلُّ لَہُمْ الطَّیِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَیْہِمُ النَّجَاسَاتِ وَيَضَعُ عَنْہُمْ اِصْرَہُمْ وَاَلَا غُلَالًا اَلْبَیْ اَتَیْنَاکُمْ عَلَیْہِمُ (وہ پاکیزہ چیزوں کو ان کیلئے حلال فرماتے ہیں اور گندی چیزوں کو اُن پر حرام فرماتے ہیں اور اُن پر جو بوجھ اور طوق تھے اُن کو دور کرتے ہیں)۔

مزید دعا تلقین فرماتے ہوئے ارشاد ہے: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہ۔ (اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالے جس کی ہم کو طاقت نہ ہو) اس سے تکالیف شرعیہ بھی مراد ہو سکتی ہیں اور مصائب تکوینیہ بھی اور دونوں بھی مزاد لے سکتے ہیں۔ صاحب جلالین لکھتے ہیں: من التکالیف والہلایا اِس سے دونوں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

آخر میں مختصر الفاظ میں چار دعائیں اکٹھی تلقین فرمائیں۔ وَاَعْفُ عَنَّا (اور ہمیں معاف فرما) وَاَغْفِرْ لَنَا (اور ہماری مغفرت فرما) وَاَرْحَمْنَا (اور ہم پر رحم فرما) اَنْتَ مُؤَلَانَا فَاَنْصُرْنَا عَلٰی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ (تو ہمارا مولیٰ یعنی ولی اور مددگار ہے۔ سو ہماری مدد فرما) کافر قوم کے مقابلہ میں)۔

صحیح مسلم (ص ۸ ج ۱) میں ہے ہر ہر دعا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب میں نعم کا جواب ملا دوسری روایت میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ہر دعا کے جواب میں **قَدْ فَعَلْتُ** فرمایا یعنی میں نے تمہارے سوال کے مطابق کر دیا یعنی تہلیدی دعائیں قبول ہو گئیں۔
 صحیح مسلم (ص ۱۷۹ ج ۱) میں یہ بھی ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ (۱) پانچ نمازیں (۲) سورہ البقرہ کا آخری حصہ (آمن الرسول سے سورہ کے ختم تک) (۳) آپ کی اُمت میں جو لوگ مشرک نہ ہوں۔ انکے بڑے بڑے گناہوں کی بخشش کر دی گئی (گناہ کبیرہ محض اللہ کی رحمت سے یا توبہ سے یا بطور تطہیر و تحیص عذاب بھگت کر معاف ہو جائیں گے اور اہل ایمان ایمان کی وجہ سے جنت میں چلے جائیں گے۔ فاسق کو دائمی عذاب نہیں ہے۔ کافر و مشرک کو دائمی عذاب ہوگا)۔ قال النووی فی شرح صحیح مسلم والمراد واللہ اعلم بغفرانہا انہ لا یخلد فی النار بخلاف المشرکین ولیس المراد انہ لا یعذب اصلا الخ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف رکھتے تھے اسی اثناء میں اوپر سے ایک آواز سنی، انہوں نے اوپر کو سر اٹھایا اور بتایا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ آج کھولا گیا ہے۔ جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ فرشتہ آج زمین پر نازل ہوا ہے آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا تھا۔ اس فرشتے نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ دو نوروں کی خوشخبری سن لیں جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ اول فاتحہ الکتاب یعنی سورہ فاتحہ دوم سورہ البقرہ کی آخری آیتیں (سورہ فاتحہ اور یہ آیات دعاؤں پر مشتمل ہیں) ان میں سے جو بھی کوئی حصہ آپ تلاوت کریں گے (جو سوال پر مشتمل ہوگا) تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو سوال کے مطابق عطا فرمائیں گے۔ (صحیح مسلم ص ۱۷۹ ج ۱)

مذکورہ بالا روایات سے سورہ البقرہ کی آخری دونوں آیات کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی کہ یہ آیات شب معراج میں عطا ہوئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبول فرمایا۔ صحیح بخاری (ص ۵۵۷ ج ۲) اور صحیح مسلم (ص ۱۷۹ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الایمان فی آخر سورة البقرة من قرء بهما فی ليلة کفتاه (یعنی جس نے کسی رات میں سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لیں تو اس کے لئے کافی ہوں گی)

حضرات شراح حدیث نے کافی ہونے کے کئی مطلب لکھے ہیں اول یہ کہ پڑھنے والے کو تمام انسان اور جنات کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے کافی ہوں گی دوسرے یہ کہ ہر قسم کی آفات و کمروہات سے حفاظت رہے گی تیسرے یہ کہ رات کو جو پڑھنے کی چیزیں ہیں وہ رہ گئیں تو انکی کفایت کریں گی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قیام اللیل یعنی رات کو نفل نمازوں میں قیام کرنے کے قائم مقام ہو جائیں گی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

ولقد من الله تعالى باكمال تفسیر سورة البقرة على يد هذا القبد الضعيف بالمدينة المنورة في اواخر شعبان المعظم ۱۴۰۹هـ بحسن توفيقه وتيسيره وأرجو أن يوفقني الله تعالى لإتمام تفسیر كتابه كله والحمد لله أولا و آخراً والصلوة والسلام علي من جاءنا بكتاب الله تعالى وأرسل طيباً وطاهراً

و كانت مدة تالیفه من بدء سورة الفاتحة إلى آخر سورة البقرة سنة فصاعداً والله ولي التوفيق وبیده أزمة التحقيق.